

جہان سے سب سے



آلما س ایم لے



عرضِ ناشر

الماس ایمرے کا قلم تاریخی کہانی اور تاریخی ناول دونوں پر یکساں طور پر رواں ہے۔ ان کی تاریخی کہانیوں کی تعداد سینکڑوں سے اوپر ہے اور ناول درجنوں پر مشتمل ہیں۔

یہ ناول طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نسیمر کے ان کارناموں کا عکسِ جمیل ہے جو انھوں نے سپانیہ (اندلس) کی سرزمین پر انجام دیے۔

الماس ایمرے کو زبان پر عبور اور بیان پر قدرت حاصل ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں اور تشبیہ و استعاروں سے عبارت کو اس طرح مزین کرتے ہیں کہ وہ موتیوں کی لڑی محسوس ہوتی ہے وہ نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ بلکہ وسیع مطالعہ کے بھی حامل ہیں۔

”جگتے سیفینے“ — یقیناً ان کے بہترین ناولوں میں شمار ہوگا۔

محمد علی قریشی

①

جلتے سفینے

○

فلورا قصر شاہی کی طرف جارہی تھی۔

اس وقت اُس کے معصوم چہرے پر جیال کی سرخی اور مسرت جھلک رہی تھی جب وہ چھوٹے چھوٹے سبک قدم
خانی گلاب کی رونٹوں کے قریب سے گزری تو اس کے فرائد کا دامن گلاب کی شاخ سے الجھ گیا۔ اس نے جھک کر
من چھڑانا چاہا تو رونٹوں کے دونوں طرف پیٹھے ہوئے شاہی مہمانوں نے ایک ہلکا سا تعغہ لگایا۔
فلورائے ناؤ نوش میں مشغول ان مہمانوں کو گھور کر دیکھا نصفہ تو بہت یا نگہ صبر کر گئی۔ اگر قصر میں جلنے کی جلدی
ہوتی تو وہ مہمانوں سے اس گستاخ قہقہے کا سبب ضرور دریافت کرتی۔

فلورائے جلدی سے دامن چھڑایا اور شاہی قاصد کے پیچھے چل پڑی۔ اس کی رفتار پیسے سے تیز ہوئی۔ اسے
رہکار کہیں شمشاد ماراض نہ ہو جائے۔

دراصل جب شاہی قاصد نے اس کے کمرے پر دستک دی تو وہ سو رہی تھی۔ شمشادہ کی اس بے وقت طلبی پر
پیسے تو بہت پریشان ہوئی لیکن پھر اس کا دل ایک خوش آئند مسرت سے بھر گیا۔ اسے یاد آیا کہ پچھلے سال بھی شمشادہ
نے اسے سوتے سے جگو کر اس کے سفید باپ کی عظیم الشان فتح کی خبر سنائی تھی۔ اسے آج بھی کسی ایسی ہی نوید جانفزا
کے سننے کی امید تھی۔

اس کی رفتار اور تیز ہو گئی اور وہ قاصد کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

فلورا کا پورا نام فلورا فلورینڈ تھا مگر پیار میں وہ فلورا کہی جاتی تھی۔ اس کا باپ کاؤنٹ جولین ایک دلاور
در شجاع سردار تھا۔ شمشادہ سپین (ہسپانیہ، انڈس) کے دربار میں جولین کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ کاؤنٹ جولین

شمالی افریقہ کے علاقہ بستریا قیوط کا حاکم تھادیہ علاقہ پہلے قسطنطنیہ کے شہنشاہ بازنطین کے ماتحت تھا مگر بعد میں مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے عروج کے باعث بازنطینی حکومت پر زوال آیا تو حاکم بستریہ نے اپنا شہر اندلس، جڑیا۔

اندلس کا شہنشاہ ازریق (راڈرک) جولین کی اس وجہ سے اور زیادہ قدر کرتا تھا کہ جولین، قلعہ بستریہ کا حاکم اور اس قلعہ کو یورپ کی کبھی کہا جاتا تھا۔ اس قلعہ کو فتح کیے بغیر کوئی افریقی طاقت یورپ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ قلعہ کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ جب خلافت بنی امیہ کا شہر فوج موسیٰ بن نصیر افریقہ کو روانہ ہوا آگے بڑھا تو قلعہ ایک کوہ گراں کی مانند اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے اس قلعہ کو فتح کرنے کی سر توڑ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ قلعہ کی دیواروں اور کھنڈروں کو توڑنے کی تمام تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں۔ نہ تو آگ کے گولے کام آئے اور نہ جینیفوں کے پتھر۔ شکستہ کر سکے۔ یہ قلعہ آہنی دیوار یا سدِ مکنذری تھا اور ناقابلِ تیغ تصور کیا جاتا تھا۔ اسی لیے شہنشاہ اندلس اپنے بیرونی حلوں سے محفوظ سمجھتا تھا۔

فلور نے شاہی باغ میں مہمانوں کے اس جم غفیر سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ شہنشاہ اندلس نے آج کسی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ یوں تو شاہی میں روزانہ ہی دعوتیں ہوا کرتیں۔ نقش و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں۔ رات چلتا اور خرامیں ڈوبے ہوئے تھمتے فضا میں ارتعاش پیدا کرتے لیکن آج کچھ زیادہ ہی مجمع تھا۔ شوخ و شنگ کیزبیں مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف تھیں۔ وہ جہرے گزرتیں، لہو اوس نظروں کا چرچا کرتیں۔ بعض شراب ہاتھان کے نیم بہہ نہ جھموں سے ٹکراتے اور ان کا برائے نام لباس اور زیادہ منتشر ہو جاتا۔ پھر دونوں طرف سے مسکراہٹیں اور تھمتے ابل پڑتے اور کیزبیں اپنے اپنے مہمانوں کو نشہ چھڑک کر آگے بڑھ جاتیں۔

فلور اپنے چلتے چلتے ایک نظر ان بدست مہمانوں پر بھی ڈال لیتی لیکن اس وقت وہ بھرا گئی جب وہ رئیس جہرہ کے قریب سے گزری۔

رئیس جہرہ، شہنشاہ راڈرک کا صاحبِ خاص تھا اور غلظ و جلوت میں شہنشاہ کے بہت قریب دیکھا جاتا تھا۔ جب وہ جہرہ کے قریب سے گزری تو اس نے ہاتھ میں لیے ہوئے جام کو ذرا بلند کیا اور قریب بیٹھے ہوئے دوسرے رئیس سے کہا:

”یہ جام فلور کے ہاں ہے۔ آج فلور کی رات ہے۔“

یہ کہہ کر جہرہ نے جام جو نٹوں سے لگایا اور اس کا ماضی فلور کو بڑی پراسرار نظروں سے گھورتے لگا۔

فلور کے قدم اور تیر ہو گئے۔

اب وہ روشوں کو بار کر کے راہداری میں پہنچ چکی تھی۔ راہداری میں پہنچ کر محافظ و قاصد تبدیل ہو گیا۔ یہاں دوسرا محافظ رہنمہ تلوایہ کھڑا تھا۔ پہلے محافظ وہیں ٹھہر گیا اور دوسرا محافظ فلور کو اپنی حفاظت میں لے کر آگے آگے چلنے لگا۔

فلور مختلف راہداریوں سے گزرتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی محافظ تبدیل ہوتے رہے۔ ہر راہداری کا ہی محافظ ایک تھا۔ وہ ایک راہداری کے اختتام پر فلور کو دوسرے محافظ کے سپرد کر دیتا۔

فلور اعلیٰ شاہی کے بہت سے راستوں سے واقف تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی ایک بار شہنشاہ سے مل چکی تھی۔ شہنشاہ کے خوبصورت آرائش و بہار سے کمرے میں جانے کو گزشتہ ملاقات کے وقت وہ جس راستے سے گزری تھی وہ بہت مختصر تھا اور وہ صرف دو تین راہداریاں طے کر کے وہاں تک پہنچ گئی تھی مگر آج تو راہداریاں ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔

عمل کے پڑیچ اور طویل راستوں پر چلتے چلتے وہ تھک سی گئی۔ محافظ اس سے دو قدم آگے تھا۔ فلور اپنے قدم تیز کر کے محافظ کے قریب پہنچ گئی اور نرمی سے پوچھا:

”شاہی محافظ شہنشاہ کہاں تشریف فرما ہیں۔ میں تو پھلتے چلتے تھک گئی ہوں؟“

محافظ نے بغیر اس کی طرف دیکھے، اسی طرح چلتے ہوئے کہا:

”خوبصورت فلور۔ جس پری جانوں کو شہنشاہ اپنے عشرت کدے میں طلب کرتے ہیں۔ وہ تو ان راستوں پر جاگتی ہوئی چلتی ہیں۔ قحبہ کے کرتہ ٹھنک کاش کوہ رہی ہو کیا تمہیں اس بات سے خوشی نہیں ہو رہی ہے کہ شہنشاہ نے آج کی رات تمہیں اپنے عشرت کدے میں یاد کیا ہے؟“

”خوشی کیوں نہیں ہو رہی ہے؟“ فلور بے خیالی میں بولی:

”ایک سال پہلے بھی شہنشاہ نے مجھے رات کے وقت طلب کیا تھا۔“

محافظ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے فلور کو حیرت سے گھورتے ہوئے پوچھا:

”فلور! کیا تم شہنشاہ کے عشرت کدے میں پہلے جا چکی ہو؟“

”ہاں..... ہاں..... میں شہنشاہ سے ایک بار پہلے بھی مل چکی ہوں۔“ فلور کو محافظ کی حیرت پر خود حیرت ہوئی:

”لیکن تم اسی قد حیران کیوں ہو۔ کیا شہنشاہ کسی لڑکی سے صرف ایک بار ملاقات کرتا ہے؟“

”ہاں..... شہنشاہ کا یہی دستور ہے۔“ محافظ نے مختصر جواب دیا۔

فلورائے مسکرا کر کہا:

”محافظ میرا پاپ کاؤنٹ جولین ہے۔ وہ شمشاہ کے خاص وفاداروں میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شمشاہ نے مجھے اسی وجہ سے دوبارہ طلب کیا ہو۔“

محافظ کو جیسے تسلی نہ ہوئی اس نے پوچھا:

”تم شمشاہ سے پہلے کب ملی تھیں؟“

”میں نے تمہیں بتایا تو ہے۔“ فلورائے الجھتے ہوئے کہا:

”پچھلے سال جب میرے باپ نے افریقہ میں مسلمانوں کا زبردست حملہ پسپا کر دیا تھا تو شمشاہ نے مجھے یہ خوش خبری سننے کے لیے طلب کیا تھا۔ اس وقت بھی میں سو رہی تھی۔ شمشاہ نے مجھے جگا کر بلوایا۔۔۔۔۔ خوش خبری سنانی اور انعام سے بھی نوازا تھا۔“

محافظ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

فلورائے دل میں ایک غمش ہی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے محافظ سے پوچھنا چاہا لیکن اس محافظ کی حد ختم ہو چکی تھی اور دوسرا محافظ اسے اپنی حفاظت میں لینے کے لیے سامنے نظر آ رہا تھا۔

محافظ بدل گیا۔۔۔۔۔

فلورا دوسرے محافظ کے ساتھ چلنے لگی۔ اس کے دماغ اور ذہن پر ایک بوجھ سا تھا اس نے چلتے چلتے اپنے نئے محافظ سے دریافت کیا:

”شاہی محافظ۔ آج شاہی باغ ہماؤن سے کچھ کچھ بھرا ہوا ہے۔ کیا آج کوئی بڑی ضیافت ہے؟“

محافظ نے بغیر قدم روکے اسے بتایا:

”خاتون! آپ کا خیال درست ہے۔ آج شمشاہ بہت خوش ہیں۔ افریقہ میں ہمارا ایک قلعہ ہے۔ اس قلعہ پر مسلمانوں نے دوسری بار حملہ کیا لیکن ناکام ہو کر انھیں واپس جانا پڑا۔ یہ شاہی تقریب اسی خوشی کے سلسلے میں منعقد کی گئی ہے۔“

فلورا کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

اسے یقین ہو گیا کہ شمشاہ راڈرک نے اسے یہی خبر سنانے کے لیے بلایا ہے۔ افریقہ میں ہمسایہ کا صرف ایک قلعہ بستہ ہی ہے جس کا حاکم اس کا باپ کاؤنٹ جولین ہے۔ فلورائے دماغ کی تمام آجھنیں دل کا بوجھ اور دوسرے ختم ہو گئیں۔

فلورائے پھر بھی اپنے دل کو پوری طرح مطمئن کرنے کے لیے پوچھا: ”میرا خیال ہے کہ افریقہ کے

جس مضبوط قلعے کا تم نے ذکر کیا ہے اس کا نام قلعہ بستہ ہے؟“

”جی ہاں خاتون! وہ قلعہ بستہ ہی ہے۔“ محافظ نے کہا۔

”اور اس قلعے کا حاکم کاؤنٹ جولین ہے۔“ فلورائے مزید اطمینان کے لیے دریافت کیا۔

فلورائے کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ محافظ اسے نہیں پہچانتا جبکہ پہلا محافظ اس کے نام سے ہی پوری طرح واقف تھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ اعلیٰ حضرت کاؤنٹ جولین رئیس و امیر بستہ۔ خاتون! کیا آپ عالی مقام کاؤنٹ جولین کو جانتی ہیں؟“ محافظ نے پوچھا۔

فلورائے کو اس بھولے بھلے محافظ پر ہنسی آنے لگی۔۔۔۔۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ وہ محافظ کو بتائے کہ جس جولین کا وہ اس عزت و احترام سے نام لے رہی ہے، میں اس کی بیٹی ہوں اور شمشاہ نے یہ خوش خبری سننے کے لیے اسے ایک بہرات گزرنے کے باوجود طلب کیا ہے لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ واپسی پر اس محافظ سے تفصیلی گفتگو کرے گی تاکہ اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس نے کاؤنٹ جولین کا نام اتنے احترام سے کیوں لیا؟

اس محافظ کی سرحد ختم ہو گئی۔

نئے محافظ سامنے تھے۔

اس دفعہ ایک کے بجائے چار محافظ نظر آئے۔ جہاں وہ کھڑے تھے اسی جگہ سینکڑوں شعبیں روشن تھیں اور دن کا گمان نہ ہوتا تھا۔

فلورائے پوچھا:

”میرا خیال ہے کہ میں اپنی منزل پر آ گئی۔“

محافظ نے جواب دینے کے بجائے فلورائے کو مسکرا کر دیکھا۔ اس مسکراہٹ نے فلورائے کے خیال کی تصدیق کر دی۔ حالانکہ محافظ اسے جواب اس وجہ سے نہ دے سکا کہ چاروں محافظ قریب آچکے تھے۔ محافظوں کا لباس جنگ لگاتا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں جو تلواریں تھیں۔ اس کے دستوں پر چڑے ہوئے ہیرے چمک رہے تھے۔ تلوار کے دسٹے بھی سونے کے بنے ہوئے تھے۔

محافظوں نے فلورائے کے سامنے پیچ کر اسے ادب سے سلام کیا۔

فلورائے نے نئے محافظوں کے ساتھ روانہ ہونے سے پہلے اس محافظ سے جس کے ساتھ وہ یہاں تک آئی تھی کہا: ”محافظ! میری واپسی کا انتظار کرنا۔ تم نے کاؤنٹ جولین کا نام بڑی عزت سے لیا ہے۔ کاؤنٹ جولین

میرے باپ ہیں اور میں ان کی بیٹی فلورا فلورینڈا ہوں۔
یہ کہہ کر فلورا مسکراتی ہوئی چاروں محافظین کی طرف بڑھ گئی
پہلے محافظ کھنڈ کھلا کھلا رہ گیا۔۔۔۔۔
اس نے بڑی حسرت سے فلورا کو دیکھا۔

فلورا اس وقت محافظوں کے آگے آگے تھی کیونکہ حفاظت کا طریقہ اس مقام پر کم کر دیا گیا تھا۔ یہاں
پہنچ کر وہاں آگے ہو جانا اور محافظ اس کے عقب میں چلتے۔
پہلا محافظ اب تک اپنی جگہ کھڑا بیٹھی نظر سے فلورا کو روشنیوں کے سمندر میں ڈوبتا دیکھ رہا
تھا۔

جب فلورا شاہی عسکریت کے بڑے دروازے میں داخل ہو گئی تو اس محافظ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو
پھینکنے لگے۔ اس نے ایک مردمانس لی اور جیسے اپنے آپ سے کہا،
”میں کتنا مجبور ہوں۔ اپنے ملک کی بیٹی کی ناموس بھی نہیں بچا سکتا۔“
پھر وہ ایک ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گیا اور فلورا کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔



شہنشاہ راڈرک کا یہ عمل اوار الخاندہ طلیطلہ میں ایک خوبصورت اور بلند پہاڑی پر واقع تھا۔ اس پہاڑی کے
چاروں طرف بڑے بڑے سبزہ زار تھے یہاں کے مرغزار صد بار پھولوں سے ہمیشہ ڈھکے رہتے پہاڑی پہ
تیز رفتار آئینہ بڑی دل کشی دکھاتے۔ سپانیہ یوں بھی اپنے قدرتی مناظر اور حسن کی وجہ سے دنیا کے خوبصورت
ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس محل کے وہ باغات جہاں آج شاہی مہمان شہر کے قدح کے قدح لہڑ
رہے ہیں شہنشاہ راڈرک سے پہلے یہاں فریادیوں کا دن رات سہلہ سا لگا رہتا اور پرانا شہنشاہ ہمیشہ اون پر
اور آدھی رات تک ان کی فریادیں سنتا اور احکامات جاری کرتا تھا۔

ہمیشہ ایک نیک دل شہنشاہ تھا اور رعیت کو اپنی اولاد سمجھتا تھا۔ شہنشاہ ہمیشہ کی رحمتی اس کے امیر اور
ادریزوں کو ایک آنکھ نہ بھتی۔ اس زمانے میں ظلم و استبداد کے زور پر حکومت کی جاتی تھی عوام بھوکے
رہتے اور امراء کا طبقہ پیش کرتا۔ شاہی کارندوں کے علاوہ عوام پر کیسا کی طرف سے بھی ظلم ہوتا۔ عیسائی کیسا
پرہیز اور پادری بجاتے ظلم و تم کو روکنے کے امراء اور شہنشاہ کا ساتھ دیتے اور ہر قسم کے ظلم کو مذہبی فتوے

کے ذریعے جائز قرار دیتے۔ اس طرح رعایا شاہی کارندوں اور پادریوں کے دو پاٹوں کے درمیان پستی رہتی تھی۔
شہنشاہ ہمیشہ نے بے شکوت کی ہانگ ڈور بھائی تو اس نے غم و غم کی ایک دکان دی کر دی۔ وہ سب
کے ساتھ کیسا سلوک کرتا اور ظالم خواہ کتنا ہی با اثر کیوں نہ ہو، اس کی سزا سے نہ بچ پاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی
کارندوں نے پادریوں سے ساز باز کر کے اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔

راڈرک اس وقت ہمیشہ کی محافظ فروج کامر دھاتا تھا۔ اس نے غزاری کی اور دشمنوں سے مل گیا۔ شہنشاہ اپنے
بیٹے اخیلہ کے حتی میں تخت، سپاہیہ سے دستبردار ہو گیا کیونکہ چالاک اور مکار راڈرک خود شہنشاہ بن بیٹھا اور
ہمیشہ کی اولاد و مرد ہو گئی۔

راڈرک تخت پر بیٹھتے ہی ظلم و تعدی کا بچھا دور واپس لے آیا۔ پادری اور ارکان دولت بھی چلے گئے۔
ان کی بنائی اور راڈرک نے انھیں واپس دے کر حکومت پر اپنی گرفت اتنی مضبوط کر لی کہ کسی میں چون کرنے کی
بھی طاقت نہ رہی۔

اس عہد کے رواج کے مطابق حکومت کے نواب، امراء اور حکام اپنی میٹروں کو اور جن کے بیٹیاں
نہ ہوں وہ اپنی بہنوں کو حرم شاہی میں آداب شاہی اور اصول تہذیب سکھانے کی غرض سے بھیجتے تھے۔ جن کی
عزت کی حفاظت شہنشاہ وقت پر ایسی قدر واجب سمجھتی جاتی تھی، جتنی کہ شاہزادیوں کی لیکن حقیقت اس کے
بالکل برعکس تھی۔

دراصل سپانیہ کے کسی عیاشی بادشاہ نے کیسا کی منظوری حاصل کر کے یہ حکم جاری کیا تھا۔ اس سے اس کا
ایک مقصد تو یہ تھا کہ حرم امراء میں ہر وقت حسین و شیرازوں کا جھلکا لگا رہے اور بادشاہ اپنی حسب مرضی ہوس پوری
کرتا رہے۔

اس میں دوسری سیاسی چال یہ تھی کہ جب تک کسی امیر، نواب یا رئیس کی بیٹی یا بہن محل سے مل رہی تھی
اس وقت تک وہ کسی بھی حالت میں بادشاہ سے بغاوت کی جرأت نہ کرتا۔

کاؤنٹ جولین نے بھی دستور کے مطابق اپنی چھوٹی بیٹی فلورا کو شاہی محل میں چھوڑ رکھا تھا وہ خود اپنے
افریق علاقے اور قلعے سبتہ میں اپنی بیوی اور بڑی لڑکی میری کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ پچھلے سال مسلمانوں نے قلعے پر
ایک زبردست حملہ کیا تھا لیکن جولین نے اسے بڑی ہادری سے پسپا کر دیا تھا۔ اب پھر مولیٰ بن نصیر اس قلعے
پر حملہ آور ہوا لیکن قلعے کا قدرتی قلعہ و قعر بذات خود ایک زبردست طاقت ثابت ہوا اور مسلم سردار طویل حاصر سے
سے تنگ آ کر اپنے مستقر قیرواں واپس چلا گیا۔ جولین اس کو بھی اپنی فتح پر غموں کرتا تھا۔ اس نے اس کامیابی کی
خبر فوراً شہنشاہ راڈرک کو بھجوائی۔ اس کامیابی کی خوشی میں امراء اور نوابین کی آج کی دعوت کا اہتمام ہوا تھا اور شاید

شاید یہ شمشاد کی خواب گاہ ہے۔ کانسی اور پتھر کے خاتون میں دنیا جہان کی نادر و نایاب چیزیں تھیں۔ سبھی تھیں۔ مسہری کے قریب ایک طلائی میز پر، مرتع جا ڈھرائی رکھی تھی اور مسہر تو سب رکھی تھیں۔ فلور نے نظروں گھماتے گھماتے جب اپنی پشت کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی۔ داخلہ کے دروازے کے دونوں اطراف میں دیواروں پر قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فلور کی نظر پہلی ہی تصویر پر جم کر رہ گئی اور وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ دوسری تصویر اس سے زیادہ ہی شرمناک تھی۔

پھر تیسری اور چوتھی تصویر..... ہر تصویر کا منظر نرم و جلیاں اڑاتا معلوم ہوتا تھا۔ شاہی محل میں ایسی بے ہودہ تصویریں۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی معاً اسے خیال آیا کہ وہ کسی غلط کرے میں تو نہیں لگتی۔

فلور نے پلٹ کر آستان کی طرف دیکھا۔ شمشاد راڈرک کا مندرجہ کی طرف تھا اور وہ بڑی دلچسپی سے فلورا کو دیکھ رہا تھا۔

فلور فوراً سجدے کی حد تک جھک کر تعظیم بجالائی اور مترنم آواز میں بولی:

”کینیز، ہسپانہ کے شمشاد کے حضور تسلیم و ادب پیش کرتی ہے۔“

”تم فلور ہی ہونا؟“ راڈرک نے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں شمشاد معظم۔ کینیز کا نام فلورینڈا ہے مگر لوگ ہمارے فلور کہتے ہیں۔“ اس نے انہماکی سے جواب دیا۔

”ہم نے تمہیں پہلے بھی دیکھا تھا؟“ راڈرک کا یہ دوسرا بے تکا سوال تھا۔

”جی ہاں شمشاد معظم..... ایک سال پہلے بھی آپ نے اس کینیز کو طلب کیا تھا؟“ فلور ابے حد ادب سے بولی۔

”نہیں فلور۔ ہم نے تمہیں کچھ دن پہلے دیکھا ہے۔ جبریل نے تمہاری بڑی تعریف کی تھی.....“

یہ کہتے ہوئے شمشاد نے اپنی کرسی کو حرکت دی۔ کرسی میں پیسے لگے تھے۔ پیسے گھومے..... اور شمشاد کرسی پر بیٹھے بیٹھے بستر کے پاس پیسچ گیا۔ اس نے خود ہی صراحی اٹھائی اور طلائی ساغر میں شراب انڈیل کر ایک ہی گھونٹ میں ساغر خالی کر دیا۔

فلور کی نظر میں شمشاد پر جمی ہوئی تھیں اور ایک نامعلوم خوف کا احساس اس کے گرد حلقہ بناتا چلا جا رہا تھا۔

”سافر خالی کر کے شمشاد نے فلور کو دیکھا۔“

اسی سلسلے میں راڈرک نے فلور کو اپنے محل خاص میں جسے تمام قلعے والے مشرت کہہ سکتے تھے، طلب کیا۔ فلور شاہی مشرت کہے کے بڑے چٹانک سے جب اندر داخل ہوئی تو وہاں کی روشنیوں سے اس کی آنکھیں خیر ہو گئیں۔ یہ چٹانک دراصل ایک بہت بڑے مال کا چھری دروازہ تھا۔ یہ مال اتنا بڑا تھا کہ ایک وقت کئی ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ بڑے بڑے بھلا خانوں بھت سے آدیں تھے جن میں بزرگ شمعیں روشن تھیں۔ سفید مرمر کے شان فرشتے پر جب یہ روشنیوں پر تھیں، یوں معلوم ہوتا جیسے بے شمار تزیین زمین پر بکھر گئی ہیں۔

اس مال میں اس کی بیٹھائی ایک زریں تباہ کرنے کی۔ وہ فلور کو اس مال سے گزار کر تھی دروازے دوسری طرف لے گئی۔ اب وہ ایک سردی میں تھی جس کے سامنے ایک قلعہ باغ تھا جس میں فوارے لگے تھے۔ یہاں بھی روشنی کا وہی سیلاب تھا۔

کینیز کی رہنمائی میں فلور کو کئی کمرے اور بادریاں ملے کر بنا پڑیں۔

مجیب بات یہ تھی کہ یہ تمام مقامات روز روشن کی طرح روشن تھے اور قطعی گمان نہ ہوتا تھا کہ رات ہے۔ ان راستوں میں فلور کو کوئی مرد محافظ نظر نہ آیا۔ جگہ جگہ شمشاد مرد محافظوں میں ضرور دکھائی دیں۔ کینیز کو دیکھ کر تعظیم اپنی گوار اور سر جھکا لیتیں۔

بالآخر فلور اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی جس میں شمشاد ہسپانہ فرشتے تھا۔ کمرے کا کھانا اور جریری پردہ لہرا رہا تھا۔

کینیز فلور کو باہر چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ واپس آئی اور فلور کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ فلور نے قدم اگے بڑھایا۔ رعب شاہی سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور پیرد میں لرزہ پیدا ہوا۔ جب جریری پردہ اٹھانے کے لیے ہاتھ اگے بڑھایا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ فلور اٹھ گئی اور دروازے کے لیے کھڑے کھڑے خود کو قابو پانے کی کوشش کی۔ جب اس کا دل دھڑکیا تو اس نے صحت کے جریری پردہ ایک طرف کیا اور اندر چلی گئی۔

فلور نے دیکھا کہ شمشاد راڈرک آتش دان کے قریب ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا ہے۔ راڈرک بیٹھ فلور کی طرف تھی۔

فلور نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نظریں گھا کر جلدی جلدی کمرے کا بازو لینا شروع کیا۔

کمرے کا تا آفرینچر آغوشی تھا۔ کرسیوں، چوکیوں اور میزوں کے پلے لگے جنہی تھے جن پر جگہ جگہ ہیر جگمگا رہے تھے۔ اس کمرے میں دو عالمی شان مسہریاں، پچی تھیں۔ یہ مسہریاں مرتع تھیں۔ فلور نے سوچا کہ

فلورا نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

شنشاہ راڈرک نے کہا:

”فلورا تم جواب کیوں نہیں دیتیں؟“

فلورا نے راڈرک کی آواز میں وہ بھڑبھڑاہٹ فوراً محسوس کر لی، جو شراب کا نشہ چڑھنے کے بعد آتا

میں بیدار ہوتی ہے۔

فلورا ڈرتے ڈرتے بولی:

”جی شنشاہ معظم۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے آج تمہیں کیوں طلب کیا ہے؟ راڈرک کی آواز میں لرزش دم بہ دم بڑھتی

جاری تھی۔

”جی نہیں شنشاہ معظم۔ فلورا نے مختصر جواب دیا۔

”ہم تمہیں اپنے پاس دیکھ کر بہت خوش ہیں۔ تمہیں علم ہے؟ راڈرک نے مستی میں لہرا کر کہا۔

”میں علم تو نہیں ہے لیکن کچھ اندازہ ضرور ہے شنشاہ معظم۔ فلورا اب تک خود کو قریب دینے کا

کوشش کر رہی تھی۔

”بہت خوب۔۔۔۔۔ تو تمہیں جبریل نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“ راڈرک نے ایک ایسا قہقہہ لگایا جو ایک

شنشاہ کے شایانِ شان ہرگز نہ تھا۔

فلورا کو راڈرک کا یہ قہقہہ بڑا ناگوار محسوس ہوا۔

”میں کسی جبریل کو نہیں جانتی شنشاہ معظم۔ فلورا نے جواب دیا۔

راڈرک نے ایک اور مبالغہ جڑھایا۔ پھر فلورا کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔

فلورا کو وحشت ہوئے لگی۔۔۔۔۔

اس نے ہمت کر کے کہا:

”شنشاہ معظم نے مجھے کچھ بتانے کے لیے طلب کیا تھا شاید۔“

راڈرک نے پھر اسی طرح بے تکا قہقہہ لگایا اور بولا:

”کیا تم جانتی ہو کہ ہم کیا کتنا چاہتے ہیں؟“

”میں نے عرض کیا نا کہ شنشاہ مجھے افریقہ کی کوئی خبر سنانا چاہتے ہیں۔ فلورا نے اپنے خیال میں راڈرک

کو اصل مطلب کا طعن موٹنے کی کوشش کی۔

”تمہارا مطلب ہے والی بستہ۔۔۔۔۔“ راڈرک نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”جی شنشاہ معظم۔۔۔۔۔ کیا میرے باب کا ڈنٹ جو لین کی کوئی بھڑاٹ ہے؟“ فلورا نے خوش ہوتے

ہوئے کہا۔

راڈرک ہنستے ہوئے بولا:

”تم نے خوب یاد دلایا۔ ہم تو بالکل بھول ہی گئے تھے۔ بستہ کی بھڑق ہمیں پہلے ہی سنانا چاہیے تھی۔ فلورا۔

تمہارے باب نے بڑی بھاری سے مسکائی کا دوسرا حلقہ بھی پیا کر دیا۔۔۔۔۔ ہم کا ڈنٹ جو لین سے بہت

خوش ہیں۔“

راڈرک نے بستر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس کے بستر پر پارا بھرا ہوا لگا اچھا تھا۔ اس زمانے میں فتح شاہوں کے بستر نرم رکھنے کے لیے بستر میں

پارا بھر دیا جاتا تھا۔ تکیے بھی پارا بھرے ہوتے تھے۔

راڈرک نے تکیے پر رکھا ہوا ایک طلائی ڈف اٹھایا۔ دف میں ایک زنجیر لگی تھی۔ زنجیر کے سرے میں

ایک سونے کی پستلی سی چھڑی رنگ ری تھی۔ اس چھڑی کے ایک سرے پر ایک چھوٹا سا سونے کا ٹوکھا تھا۔

راڈرک نے چھڑی سے ڈف پر چوٹ ماری۔

دف کسی مازکی طرح گونج اٹھا۔

اس آواز کے ساتھ ہی کمرے کے ایک نعلی دروازے سے وہی کینیز داخل ہوئی جو فلورا کو یہاں تک

لای تھی۔

راڈرک نے کینیز سے کہا:

”وہ مرصع ہارے آؤ جو آج کی رات کے لیے رکھا گیا ہے۔“

کینیز نے تعین حکم کے طور پر مرکوز را بھکایا اور واپس ہوئی مگر واپس ہوتے ہوئے اس نے فلورا کو اس طرح

دیکھا کہ فلورا اپنی جگہ کانپ سی گئی۔ پتہ نہیں، کینیز نے اپنی نظروں سے فلورا کو کون سا بیجا مودیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کینیز واپس آئی۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیش قیمت مرصع ہار تھا۔

کینیز نے ہار شنشاہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

راڈرک نے فلورا سے کہا:

”یہ تمہارے لیے ہے فلورا۔ جو لڑکی پہلی بار ہمارے پاس آئی ہے اسے ہم ایسا ہار ضرور بخشتے

ہیں۔۔۔۔۔“

تھوڑی دیر بعد راڈرک شاہانہ لباس زیب تن کیے، ننگی تلواروں کے سائے میں محفل میں داخل ہوا۔۔۔۔۔ تمام حاضرین اس کے استقبال کو کھڑے ہو گئے۔

شہنشاہ ہسپانیہ سکھانا اور امراء کے سلاموں کا جواب دیتا اپنی مسند خاص پر آکر بیٹھ گیا۔ راڈرک کی مسند ایک چھوٹا سا مربع تخت تھا۔ مسند کے سامنے دو رویہ امراء اور فرائین کی نشستیں تھیں۔ ہر نشست کے سامنے شراب کے ساتھ کھانے پینے کے تاکوانا رکھے تھے۔ غلام کینزوں دست بستہ تھارہ قطرہ حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ شہنشاہ کے ساتھ اس کے مشرت مکہ سے کی کینزوں کا ایک پرے کا پار آیا تھا جو شہنشاہ کے تخت پر بیٹھے ہی اس کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

یہ محفل تو شاہی جمعی ہوئی تھی لیکن رجب محفل اس وقت پیدا ہوا جب شہنشاہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی طمانی پھیر کر ہوا میں تین بار گھمایا۔

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب محفل کا آغاز کیا جاتا ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی محفل کی وہ گہری خاموشی۔۔۔۔۔ جو شہنشاہ کے آنے سے عاری ہو گئی تھی، ٹوٹ گئی اور پھر زبانی کھل گئیں۔

شراب کی بوتلیں، مراحیاں اور حاضرین کے گئے۔

کینزوں اور غلام بڑی مستعدی سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

سرگوشیاں، باتوں اور قہقہوں میں بدل گئیں۔

کینزوں کے لباس تازہ ہونے لگے۔

گوشوں میں ایسا وہ چھوڑ لاریاں تیری سے بھرنے اور خلی ہونے لگیں۔

اس بے ہنگم شور میں موسیقی کا شور بھی شامل ہو گیا اور اب یہ عالم تھا کہ کان پڑی آواز نہ سناؤں تھی۔

شہنشاہ راڈرک کا مصاحب اور صاحب خاص جریں اپنی نشست سے اٹھ کر راڈرک کے پاس پہنچا۔ اس کا نشست تخت شاہی کے بالکل قریب تھی۔

اوپر نظر کا شہنشاہ اس وقت بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ انگوروں کا ایک خوشہ تھا۔ مسند کے دونوں جانب دو دو حسین کینزوں، شہنشاہ کے شانوں پر اس طرح جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ شہنشاہ کے کان میں کچھ کہنا چاہتی ہوں یا شہنشاہ انہیں کوئی پیغام دے رہا ہو۔ حالانکہ اس طرح کی کوئی بات نہ تھی۔ یہ تو ایک شاہانہ ادائیگی اور شاہی شان و شوکت کا اظہار۔

جرین نے قریب پہنچ کر راڈرک کے کان میں سرگوشی کی:

”جی۔۔۔۔۔“ فلورا نے گھبرا کر کہا:

”شہنشاہ معظم۔ یہ آپ کیادراز ہے میں۔ میں کاؤنٹ جریں کی بیٹی ہوں۔ میری عزت اور ناموس کے آپ معاف ہیں۔“

راڈرک نے فلورا کو جواب دینے کے بجائے کینز کو حکم دیا:

”دروازہ بند کر دیا جائے اور روشنیاں گل کر دی جائیں۔“

فلورا نے ایک دلدوز پیچ مارا۔۔۔۔۔

مگر۔

اس کی چیخ کمرے ہی میں گونج کر رہ گئی کیونکہ دروازہ بند ہو چکا تھا اور روشنیاں گل کی جا چکی تھیں۔



قصر شاہی کے باغات میں نواہین اور امراء نے ہسپانیہ کی محفل اب تک جی ہوئی تھی۔

دولت کی افزائش نے رئیسان ہسپانیہ کی آنکھوں پر عیش و عشرت کی پٹیاں چڑھا رکھی تھیں۔ انھیں کوئی نواز تھی۔ وہ رات بھر داد و عیش دیتے اور دن کو دوپہر تک سوتے رہتے۔ یوں کہیے کہ ان کی راتیں جاگتے اور دن سوتے گزرتے تھے۔

رات جس قدر تیری سے گزر رہی تھی، اسی تیزی سے محفل میں گنگا گھی پیدا ہو رہی تھی۔ ان وسیع و عریض باغات کے تمام گوشوں میں چھوٹی چھوٹی پھولداریاں ایسا وہ تھیں۔ ہر پھولدار کی اندھ ایک مہری بچھی تھی اور ایک چوکی پر سائو مدینا کا انتظام تھا۔ یہ مہانوں کے لیے عاری عشرت گاہوں کا کام دیتے۔

جب کوئی نواب یا رئیس شراب کے نشے میں زیادہ چور ہو جاتا تو وہ مہان نواز کینزوں میں سے کسی کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ کینز اس مست شراب نواب کو سارا دے کر خود ہی کسی پھولدار میں غائب ہو جاتی اور شراب میں شباب کی تلخی گھولنے کے بعد واپس آ جاتی۔

یہ محفل کی مہان نوازی کا دستور تھا۔ کسی کینز کو جرأت نہ تھی کہ وہ مہان کی خواہش کے احترام سے گریز کرے۔

پھر محفل میں شہنشاہ راڈرک کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔

ہٹو۔۔۔۔۔ بچو۔۔۔۔۔ باادب الملاحظہ اور نگاہ درود جیسے روایتی نعرے بلند ہونے لگے۔

”مشنشاہ عالم سچ آفتاب، مانتاب یاستارہ۔ ان میں سے کسی نے آپ کے قدموں کو بوسہ دیا؟“
 مشنشاہ ہسپانیہ راڈرک نے حسن کی تین ڈگریاں قائم کی تھیں۔
 حسین ترین لڑکی آفتاب۔

اُس سے کمتر مانتاب۔

اور آخری درجے کو ستارہ کا ناکا دیا گیا تھا۔

ہر شب راڈرک کی ہوس پر ایک عصمت قربان کی جاتی یہ انتخاب ماکھ پر جریں کے سپرد تھا۔ وہ، مشنشاہ،
 صاحب اور صاحب خاص تھا۔ اسے اس محل میں جلنے کی بھی پوری آزادی تھی جہاں اپنے اپنے کمروں میں قوانین اور
 کی لڑکیاں اور مینس رہا کرتی تھیں۔ ان لڑکیوں کو زیورہ اخلاق و تمدن سے آراستہ کرنے کے نام پر اس محل میں
 داخل کیا جاتا مگر یہ معصوم جوانیاں راڈرک کی ہوس کا شکار ہو کر یا تو خودکشی کر لیتیں یا ہمیشہ کے لیے اس کے حرم
 میں داخل ہو کر اپنی زبان پر تالانگ لیتیں۔

راڈرک کے لیے فلورا کا انتخاب بھی جریں نے کیا تھا۔ کچھ دن پہلے محل شاہی میں ایک بیگم کی سالگرہ تھی
 اس میں تمام بیگمات اور یہ مملوک لڑکیاں شریک تھیں۔ وہیں جریں نے فلورا کو دیکھا اور پھر مشنشاہ کو دکھایا۔ راڈرک
 فلورا کو دیکھتے ہی اس کے حسن کی گل چینی پر فوراً آمادہ ہو گیا۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ فلورا کاوٹ جوسین کی
 لڑکی ہے تو اسے قدرے تامل ہوا۔ لیکن جریں نے اس کی آتش ہوس کو ہوا دی اور اس نے آج کاوٹ جوسین کو
 وفاداریوں کا جنازہ فلورا کی ناموس کے کاغذوں پر رکھ دیا۔

راڈرک، جریں کی سرگوشی پر مسکرایا اور بولا،

”خوب خوب۔ تمہاری نظر ہمیشہ آفتاب ہی پر پڑتی ہے۔ ہم تمہارے انتخاب کی داد دیتے ہیں۔“

”اس نے کوئی مزاحمت تو نہیں کی؟“ جریں نے کہتے ہوئے کسی خیال کے تحت مسکرائے گا۔

”مزاحمت اور ہمارے عشرت کدے میں؟“ راڈرک نے تہقید لگایا،

”راڈرک کے سامنے زبان کھولنے والا ابھی پیدا نہیں ہوا۔“

راڈرک نے انگور کے خوشے پر منہ مارا۔ انگور کے ٹی مانے ایک ساتھ اس کے منہ میں چلے گئے۔ اسے
 اچھو ہو گیا۔ چاروں کینڈوں نے اپنی خوبصورت ہتھیلیاں کٹورے بنا کر راڈرک کے سامنے کر دیں۔ راڈرک نے
 منہ میں بھرے دانے دل آویز کٹورہ میں اگل دیئے۔

پھر اس نے ایک جاگ پر اپنا گلا صاف کیا۔

”کاوٹ جوسین تو کوئی فتنہ پیدا کرے گا۔“ جریں نے پھر سرگوشی کی۔

”جریں۔ تم بیدل اور کیمنے ہو۔۔۔۔۔۔ راڈرک نے اسے ڈانٹ دیا،

”تم ایک حقیر کلاوٹ کا نام لے کر مشنشاہ ہسپانیہ کو خوف زدہ کرنا چاہتے ہو۔ اس کی کیا غالی ہے کہ چوں
 کر کے۔ ایک تو فلورا کو محبت نہ ہوگی کہ وہ جوسین سے کچھ نہ سکے۔ اور اگر اس نے کہہ بھی دیا تو جوسین ہمارا ایک
 بچا ہے گا۔ ہم جب چاہیں گے اسے مل کر رکھ دیں گے۔“

جریں کو ڈانٹ پڑی تو اس کی عقل ٹھکانے آگئی۔ اسے خطہ محسوس ہوا کہ مشنشاہ اس سے ناراض ہو گیا تو اس
 کی خیر نہیں۔ اس کا نام بھی ان نوابوں کی طرح معوضہ ہستی سے مٹ جائے گا جس سے راڈرک ناراض ہوا تھا۔ راڈرک
 بڑا کینہ پرور تھا۔ وہ اپنے مخالف کے معاف نہ کرتا اور اس طرح ثابت کر دیتا کہ کسی کو مل ہی نہ ہو پاتا۔

جریں نے فوراً چالوسی اور خوشامد کا حربہ استعمال کیا۔ اس نے کہا،

”مشنشاہ عالم۔ حقیر و ذلیل کاوٹ جوسین کی کیا غالی ہے کہ وہ آپ سے آنکھیں بھی ملا سکے۔ میں تو یہ کہتا ہوں
 کہ کاوٹ جوسین کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ مشنشاہ ہسپانیہ نے اس کی بیٹی کو شاہی عشرت کدے سے میں چند
 ساتیں گزارنے کا اعزاز بخشا ہے۔ کیا یہ اس کی عزت افزائی نہیں مشنشاہ عالم؟“

راڈرک خوش ہو گیا فوراً بولا،

”جریں۔ تیرے سوچنے کا یہ انداز ناگوار ہے۔ ہر بات اتنی ہی بزدلی پر پہنچ کر سوچا کر۔ کبھی کبھی تو ایسی
 راہوں پر چل پڑتا ہے۔“

”مشنشاہ عالم؟“ جریں نے سر جھکا کر کہا،

”حضور والا کا مزاج شاہی ایک ایسا گہرا سمندر ہے جس کی نہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ ہاں اگر حضور کی بجھ
 پر اس طرح نواز مٹی رہی تو مشنشاہ کی مزاج وافی کا کچھ نہ کچھ ضرور پیدا ہو جائے گا۔“

راڈرک اور خوش ہوا۔ اس نے کہا،

”جریں۔ ہم تم سے خوش ہیں۔ اسی لیے تم نے ہمارے مزاج میں قدرے دخل حاصل کر لیا ہے۔ آہستہ
 آہستہ باہر ہو جاؤ گے۔“

جریں نے دیکھا کہ راڈرک کا دل صاف ہو گیا ہے۔ اسی لیے اس نے اب اس کے پاس ٹھکانا مناسب نہ خیال کیا
 اور سلام کے فوراً اپنی جگہ واپس آ گیا۔

ادھر تو یہ ہنگامہ برپا تھا اور ادھر شاہی عشرت کدے سے فلورا ایک زندہ لاش کی مانند بڑا ہڈ ہوئی۔ اسے دو
 ذریں کرکیزیں سہارا دیے ہوئے تھیں۔

فلورا کی نظریں شرم دیا سے فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ تاکھوں کے آگے اندھیرا اور قدم لغزیدہ تھے۔

عشرت کہہ سے بہرہ کر اس نے خود کو کنیزوں کے سہارے سے آزار کر لیا۔ اس کے ڈبٹے ہوئے دل سے ایک جیسی آواز اٹھی:

”انتقام“

پھر آہستہ آہستہ اس آواز میں نئی اور ترنگی پیدا ہوئی اور جب وہ عشرت کہہ سے کی عمارت کی طرف اترتی ہوئی آخری میڑھن پر پہنچی تو اس کا سہارا گئے گئے کی طرح دھنکے گا اور روئیں روئیں سے انتقام انتقام نعرے بلند ہونے لگے۔

فلور نے ہلٹ کر عشرت کہہ سے کی عمارت کو دیکھی آنکھوں سے ایک زخمی شیرنی کے اندر دیکھا اس کے صبر تاب و توانائی نے ایک نئی کوٹ لی۔

اس نے اپنے سر کو اس طرح جھٹکا جیسے کسی بیماری بوجھ کو اتار رہی ہو اب وہ پسے جیسی معصوم اور انا کو نہ مٹتی بلکہ ایک شعلہ جواں بن چکی تھی۔ مزے وارادے کا یا خون اس کے رگ دپے میں دوڑنے لگا۔ اس کے پیروں کا مردار پین دور ہو گیا۔

فلور عشرت کہہ سے کے سامنے دالی ہادری میں پہنچی تو اس نے جیکب کو اپنا منظر پایا۔ جیکب اسے دیکھ کر ہلکا ہلکا ہوا گیا۔

جیکب کے قریب پہنچ کر فلور نے بڑے پُر وقار لہجے میں کہا:

”بابا۔ تمہارا نام....؟“

”میرا نام جیکب ہے۔“ جیکب نے پرشورہ آواز میں کہا:

”بیٹی فلور! میں کاؤنٹ کا گھر بیلازم تھا۔ میں نے تمہیں اور تمہاری بہن مریم کو گردن کھلایا ہے گا۔ جن ہاتھوں نے تمہیں لوریاں دی تھیں آج وہ ہاتھ تمہاری کوئی مدد نہ کر سکے۔ کاش! تم نے کچھ پیسے بٹے نام بتا دیا ہوتا۔“

فلور انجیک کی باتیں سن رہی تھی۔

لیکن اس کا دماغ تیزی سے کسی اور نکتے میں لگا تھا۔

جیکب اس کا گھر بیلازم تھا اس انگشتان نے اسے کسی اور انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔

کیا وہ جیکب پر اعتماد کر سکتی ہے؟

یہ خیال اور نکتہ بار بار اس کے ذہن کے درجوں سے ٹکراتا لیکن.... لیکن ایک معمولی شاہی محافظ اس

کس کام آ سکتا ہے، اس کی کچھ بھی یہ نہیں آ رہا تھا۔

جیکب نامعنی ہوا تو فلور نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ جیکب کے بوڑھے چہرے پر حزن و ملال کے سائے سے رنگ رہے تھے جیکب کو اسے مسکراتا دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ جس کے علم میں اس کا راجا جس راجا تھا وہ تو اس کے باپ کے بھائی یوں مسکرا رہی تھی جیسے اسے کوئی علم نہیں۔ کوئی نہ رہا نہیں۔ کیا ایک درویشیزہ اپنی درویشی گنہگار کے بعد خوش رہ سکتی ہے۔ اس کا رد تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

جیکب نے اپنے امدتے جذبات کو دباتے ہوئے کہا:

”بیٹی فلور! کیا تم واقعی خوش ہو۔ کیا تمہیں کوئی غم نہیں؟“

فلور نے جیکب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا:

”جیکب۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں خوش ہوں تو....“

جیکب کے جذبات کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ ٹک کر ہلکا:

”اگر تم خوش ہو تو میں اس دن کو اپنی زندگی کا سب سے بخوش دن سمجھوں گا جس دن میں نے تمہیں پہلی بار

اپنی گود میں لیا تھا اگر مجھے کسی طرح یہ معلوم ہو جانا کہ میری گود میں پلنے والی بچی جوان ہو کر اپنی عصمت کو نیلا کر کے

خوشیاں منانے لگے تو یقین کر دو کہ میں تمہارا گلا گھونٹ دیتا اور اپنے مالک کی عزت پر یہ بٹہ نہ لگنے دیتا؟“

”جیکب۔ اگر میں شہنشاہ رادرک سے تمہاری یہ باتیں بتا دوں تو جلنے ہو تمہارا کیا حشر ہوگا۔“ فلور

نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

”ذیل فلور! تو کتنی بے نیرت ہے۔ تو اپنی جوانی کے ڈاکو کو اپنا سہرا دیکھتی ہے۔“ جیکب کا جسم غصے سے کانپنے

لگا۔

فلور اسی طرح مسکراتی رہی۔

ایک لمحہ ٹھہر کر جیکب نے کہا:

”فلور! بٹل اس کے کہ یہ بخوش خبر میرے مالک کے کانوں تک پہنچے اور اس کا سر شرم سے جھک جائے میں

تیرا ناکہ کر دوں گا۔“

یہ کہتے ہوئے جیکب نے بڑی تیزی سے سر میں لگا ہوا ابرار خیر نکال لیا۔ فلور نے دیکھا کہ جیکب کے ہاتھ میں

خنجر لرز رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے نکلنے ہوئے شعلوں میں آنسو بھی لہز رہے تھے۔

فلور اذوقہ سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولی:

”بابا جیکب۔ پیسے میری بات، سنو۔ پھر بھلا اپنے آپ کو خود ہی تمہارے خنجر کے حوالے کر دوں گی۔“

جیکب کے ہاتھ میں اور زیادہ لرزش ہوئی۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹ صرف

ہل کر رہ گئے۔

فلورائے کہا:

وہ اس کے قریب پہنچی تو جیکب نے کہا:

فلورا۔ اب شاید ملاقات نہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ہم کبھی دوبارہ نہ مل سکیں۔ یہ خبر کاؤنٹ جولیون کے

میں تھا۔ شاید کسی طرح ادا کر دوں بابا۔ فلورائے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

جیکب نے آہستگی سے کہا:

فلورا خیال رہے کہ تمہارے چہرے سے کسی غم و غصے کا اظہار نہ ہو۔ اس غم کو دل ہی میں دبائے رکھنا اور

سجول کی دل چسپیوں میں شریک ہوتی رہنا۔ اسی میں تمہارا اچھا ہے اور ہماری کامیابی بھی اسی میں ہے۔

دوسری حد کے محافظ جیکب کے پاس پہنچ گئے۔ جیکب نے مسکراتے ہوئے فلورا کو ان کے حوالے کیا مگر

جب وہ واپس ہوا تو اس کی آنکھیں رو رہی تھیں اور دل بیٹھا جا رہا تھا۔

فلورا اوتارے بدلتے معافوں کے ساتھ خاموشی سے سر جھکا کر ان راستوں پر چلتی رہی جن پر چل کر وہ

اس جہنم میں آئی تھی جس نے اس کا سب کچھ جلا کر رکھ دیا تھا۔

بانٹ سے گزرتے ہوئے بھی اس نے کسی طرف نگاہ نہ ڈالی۔ وہ اب تک ویسا ہی سہکا ہوا تھا۔ جب

کسی طرف سے کوئی شراب میں ڈوبا ہوا قہقہہ بلند ہوتا تو فلورا کو یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

اس کے قدم اور تیز ہو جاتے۔ وہ جلد از جلد ان بہرہ یوں اور عورت و ناموس کے رکھوالے ٹائیٹوں کی نظروں سے

دور ہو جانا چاہتی تھی۔

فلورا اگر پیڑی اپنے کمرے میں پہنچی اور بستر پر گر کر اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی۔ اسے کوئی تسلی

دینے والا نہ تھا۔ اس کے آنسو کسی نے خشک نہ کیے۔ حالانکہ کئی لڑکیوں نے اسے لکھڑاتے قدموں سے کمرے

میں جاتے دیکھا تھا۔ انھیں فلورا کے دل میں اٹھنے والے درد کا حال معلوم تھا مگر وہ اس درد کا علاج کیا کرتی۔

کیونکہ ان کے دل میں بھی وہی درد تھا۔ وہی زخم تھا۔ سب ہی اپنے زخموں پر صبر کا مرہم رکھے اس جہنم کے رے میں

بارگاہ سے پہلے ہی خزاں رسیدہ ہو گئی تھیں۔

بابا جیکب روت بہت کہہ رہی بات غور سے سنی۔ میرے دل میں جو آگ لگی ہے اسے میں دکھانے

میں تمہاری آزمائش کر رہی تھی تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ میں تم پر کس حد تک اعتماد کر سکتی ہوں۔ مجھے خبر ہے کہ تم

میرا باپ ایک بہادر اور غیرت مند مردار ہے۔ اسی طرح وہ ہاتھ اور نشانے بھی اتنے ہی غیرت مند ہیں جن کے

میں نے اپنا بچپن گزارا ہے۔ بابا! میرے دل میں صرف ایک خیال ہے اور وہ ہے انتقام۔ بس انتقام۔

میں نے سوچا تھا کہ میں اپنے غموں پر مسکراہٹ کا قہقہہ اس وقت تک ڈالے رکھوں گی۔ جب تک مجھے اتنا

موت نہیں ملتا۔ مجھے ایک ہمدرد کی تلاش تھی۔ ایک ایسے شخص آدمی کی ضرورت تھی جس پر میں پوری طرح

سکون۔ تم مجھے مل گئے ہو بابا۔ تم بھی میرے باپ کا مانند ہو۔

جیکب نے جلدی سے بخیر کر میں لگا دیا اور "میری بیٹی کہتے ہوئے فلورا کو گلے لگایا۔ دونوں کی آنکھیں

ہو گئیں۔ جیکب ہوش مند جیکب نے اسے جلدی سے الٹ کر دیا اور بولا:

"بیٹی! فلورا۔ جلدی بناؤ میں تمہارے کس کا آسکتا ہوں۔ میں تمہارا حکم بجالانے میں اپنے خون کا

قہقہہ تک بہا دوں گا۔

فلورائے سیکھاں بھر رہے ہوئے کہا:

بابا۔ اس ظالم کے خلاف جو کچھ کرنا ہے وہ ہم اور تم اسی ماحول میں رہ کر نہ سوچ سکتے ہیں اور نہ اس پر

کر سکتے ہیں۔ یہ کام تو میرا باپ ہی کرے گا۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ آج کے واقعے کی بھرپور طرح محفوظ طریقے

سے میرے باپ کے کانوں تک پہنچ جائے۔ تمہیں اس کے لیے کوئی بندوبست کرنا ہو گا۔

"میری بیٹی۔ تو فکر نہ کر۔ یہ کام میں خود انجام دوں گا۔ اس کام کے لیے کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

جیکب نے لاپٹی آواز میں کہا اور محبت سے فلورا کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

فلورائے کہا:

"بابا۔ تمہارا کام اسی طرح مل جائے اس بات کی دلیل ہے کہ اس مافی طاقت میں اس شہنشاہ کی بدکاریوں

سے نالاں ہے اور اسے سزا دینا چاہتی ہے۔

باتیں کرتے ہوئے وقت کافی گزر گیا تھا۔ جیکب نے فلورا کو چلنے کا اشارہ کیا اور پیسے بے قدم اٹھا کر

اس کے آگے چلنے لگا۔

جب جیکب کی حفاظتی خدمت ہو گئی اور دور کھڑا دوسرا لحاظ رکھا تو فلورا نے قدم آہستہ کر لیے۔

میں خطا دار ہوں عجیب۔ تم سچ کہتے ہو۔ مگر اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرے سینے کی آگ بجھنے

’ناک! تم اپنی حفاظت کے نام سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ تمہاری حفاظت تو تمہارا یہ غلام ہے۔
 سکتا ہے۔‘

”اے مالک۔ مجھے یہ کہتے ہوئے انوس ہو رہا ہے کہ جتنا بڑا ظالم شہنشاہ راولپنڈی ہے، تم اس کی طرح کم نہیں ہو۔ جلیک نے ایسے انداز میں کہا جیسے اس نے کوئی نہایت غیر اہم بات کہی ہو۔“
نواب جولیسن نے ٹھنڈی سانس لی تے ہوئے کہا:

”میرادل بھی تمہاری ہی طرح رورہا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم پر جو گزری ہے اس کے ذمے
خود ہوا۔“

جلیب کی آنکھوں میں ایک بانیا نہ چک پیدا ہوئی اور اس نے کہا:

"ناک! کیا تمہاری یہ خطا کم ہے کہ مہمانیہ کے عوام کے مراٹے آقاؤں کے اشارے رکھتے

[Handwritten musical notation]

ہاں یہ وقت رونے اور ہوش کھونے کا نہیں۔ شہنشاہ رڈرک کے غلام و ستم گار کا لاوامیر سے سینے میں تھادہ اس وقت پھوٹ پڑا۔ مالک یقین کر دے کہ میری آنکھیں ہر شب اس وقت خون گئے آنسو بہاتی

دیوید نے تو میری بھائی اور ترقی کے لیے مجھے شہابی علی میں پہنچایا تھا مگر میری زندگی وہاں اجیرن جی

نواب جولین نے جیکب سے کہا،
”محبوبہ! تمہارا بیٹا مجھ سے یہ کہتا ہے کہ تمہارا بیٹا“

یہ بات نہیں ہے جبکہ نواب جولین نے اسے سمجھتے ہوئے کہا:

”نہیں امک۔ جبکہ نے نواب کی بات کاٹ دی:

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں واپس جاؤں گا۔ میں واپس جاؤں گا۔ ضرور جانی گا۔"
دروں طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

جیکب بھی خیال میں ڈوب گیا اور نواب جوہن ان مذاہیر پر غور کرنے لگا جس کے ذریعے اس پر حملہ وہ فلوراکو بغیر کسی فتنہ و فساد کے شاہی محل سے لکال کے لاسکے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد نواب جوہن نے کہا:
"جیکب! کس قدر احسان فراموش ہے رادڑ! اس کی دنداری میں میں نے مسلمانوں کے اطفال کتنی ہی سادروں کو کٹوا دیا۔ میں لپ کے دروازے پر بیٹھا ہوں۔ سبت کو یورپ کی کبھی کہا جاتا ہے۔ جس نے کئی بار دوستی کا پیغام دے چکے ہیں۔ ان کے یہ قلعہ فتح کر لینا کچھ مشکل نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے کے دو چلے سپار کیے لیکن ان محلوں میں ان کا سردار موٹی شریک نہ تھا۔ اس نے اب تک اپنے مقصد سے قدم نہیں نکالا ہے۔ بہتہ نہیں وہ سبت پر پوری طاقت سے یلغار کرنے سے یوں کترار رہا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی۔"

مسلمانوں کے لیے قلعہ تیروان کے لیے قلعہ سبتہ فتح کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا مگر اس وقت سخت عمارت پر اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک متکفل تھا۔ خلیفہ ولید کا گورنر جہاچ بن یوسف ثقفی تھا جسے اسلامی تاریخ میں غلام سفاک کہا جاتا ہے لیکن ان عیوب کے باوجود اس گورنر نے ہمارے سردار خلافت امیہ کو دیے جنہوں نے خلافت کی سرحدیں چمن سے افزائے تک پہنچا دیں۔ ایک سردار موٹی بن نصیر کو افریقہ کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ مشغول رہا وہ یلغار کرتا ہوا قیروان تک آیا مگر خلیفہ ولید نے اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کی جانیں کم از کم ضائع ہوں اس کی موٹی بن نصیر جا کر کہیں میں بڑی احتیاط رہا تھا۔ اس نے دوبارہ قلعہ سبتہ پر اپنے فوجی دستے بھیجے جن کا مقصد قلعہ والوں کو ڈرانا تھا کہ ان اور قلعہ کے راستوں کے نقشے تیار کرنا تھا۔

دوسرے یہ کہ موٹی بن نصیر سبتہ جیسے مضبوط قلعہ کو براہ بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے نواب جوہن کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا تھا۔

جیکب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"ہم۔ میرے جانے کے بعد تم کیا کر دو گے؟"

"تمہارے پیچھے پیچھے میں جی دارا لکھنا نہ چاہوں گا۔" نواب نے جواب دیا۔

"نہ نہ۔" ایک ایسا غضب نہ کرنا رادڑ کی تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔"

نواب جوہن بولا: "تم اس کی فکر نہ کرو جیکب۔ میں رادڑ سے لڑنے نہیں جاؤں گا۔ میرا کام تو یہ ہے۔"

جی طرح شاہی محل سے نکال دانا ہو گا۔

جیکب کی سمجھ میں بہت کچھ کچھ گئی۔ اس نے کہا:

"ہم۔ حلیطہ میں نواب جریں سے ہوشیار رہنا۔ بڑا کینہ آؤں ہے۔ آج کل شمشاد کی ناک کا بالی بن رہا ہے۔"

جبریل کو میں جانتا ہوں کہ اس کی رگ رگ سے واقف بھی ہوں تم اس کی فکر نہ کرو۔" نواب جوہن نے کہا۔

جیکب کو مطمئن کر دیا۔

جیکب نے کہا:

"تو پھر میں کل واپس چلا جاؤں۔"

"نہیں جیکب! نواب جوہن نے اسے روک دیا:

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ ایک ہفتے کے بعد جانا۔"

نواب جوہن نے جیکب کی خستہ حالت سے اندازہ لگایا تھا کہ ایک طرف کے سفری نے اسے بڑا حال کر دیا ہے۔ اگر وہ بغیر آرام کے پھر سفر پر روانہ ہو گیا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی اور ممکن ہے کہ وہ واپس حلیطہ پہنچ ہی نہ سکے۔

ایک ہفتہ بعد نواب جوہن نے جیکب کو ضروری ہدایات کے ساتھ حلیطہ واپس بھیج دیا۔ پھر اس نے شمشاد ہسپانہ راڈی کو بہت سوچ سمجھ کے ایک خط روانہ کیا۔

جوہن نے رادڑ کو لکھا:

"شمشاد ہسپانہ کے نام

و غدار تحت و تاج قلعہ دار سبتہ کی درخواست!

ناچیز نواب جوہن شمشاد ہسپانہ کی خدمت میں عرض پرورد

ہے کہ افریقہ کے ریگ زاروں میں مسلمانوں کی طاقت روز بروز

بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی جرئیں نظریں قلعہ سبتہ پر گئی ہیں۔ شمشاد

کے اس غلام نے ان کے دو حملے سپار دیے ہیں جس کی اطلاع

حضور والا کے گوش گزار کی جا چکی ہے۔ قلعہ سبتہ کی فوجی اہمیت

سے حضور والا مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ قلعہ کی حفاظت اور

اسے ناقابل تسخیر بنانے کی چند تدابیر موجود ہیں۔ ران مذاہیر کو اس

نامے میں تحریر کرنا معمولت کے خلاف سمجھتے ہوئے آپ کا خادم
درخواست کرتا ہے کہ اسے شرف باریابی عطا کیا جائے تاکہ ان
تدابیر کو حضور کے سامنے تفصیل سے پیش کر سکے۔

ہر چند کہ اس دفا دار کی پوری اس وقت صحت و بار ہے
اور میری موجودگی اس کے قریب فردی ہے لیکن چونکہ قلعہ بستہ کی
حفاظت میرے خیال میں اس سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے،
اس لیے میں حکم موصل ہوتے ہی قدم بوسی کے لیے حاضر
ہو جاؤں گا۔

امید ہے کہ حضور اس معاملے پر فوری توجہ فرمائیں گے۔ میرا
قاصد دارالخلافہ طلیطلہ میں اس وقت تک ٹھہرے گا جب تک
حضور والاکا حکم نامہ اسے نہیں مل جاتا۔ نواب جبریل کو میرا سلام
پہنچایا جائے تو ناچیز پر بہت مہربانی ہوگی۔

خداوند متعال و تاج مسلمانین
قلعہ بستہ
نواب جولین

نواب جولین کا خط اس انداز سے لکھا گیا تھا کہ اس نے راڈرک کو بہہ انہماک کیا۔ اس نے اپنے عہدہ
خاص کاؤنٹ جریں سے مشورہ کیا۔ چونکہ نواب جولین نے اپنے خط میں نواب جریں کو بھی سلام لکھا تھا اس لیے
جریں نے کوئی ممانعت نہ کی بلکہ شہنشاہ کو مشورہ دیا کہ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر نواب جولین کو فوراً طلب
جائے اور جو تدابیر وہ پیش کرے ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

شہنشاہ راڈرک یا جریں کو قطعی شبہ نہ ہوا کہ کاؤنٹ جولین کا یہاں آنے کا کوئی اور مقصد
ہو سکتا ہے۔

یہ تاکید گئی کہ شہنشاہی جواب بڑی حفاظت اور رازداری سے نواب جولین تک جس قدر جلد ہو سکے، پہنچایا جائے
میرزا نواب جولین کو زبانی پیغام دیا جائے کہ شہنشاہ سپانیہ اس کے منتظر ہیں۔ جس قدر جلد ہو سکے وہ طلیطلہ پہنچ کر
سلامی کا شرف حاصل کرے۔

نواب جولین کا قاصد شاہی فرمان اور زبانی پیغام لے کر فوراً طلیطلہ سے بستہ روانہ ہو گیا۔ اس کی
روانگی کی اطلاع شاہی محافظ جیکب کوئی اور پھر جیکب نے فلوراکو مطلع کر دیا کہ راڈرک نے نواب جولین کو فوری
طور پر طلیطلہ طلب کیا ہے اور نواب جولین بہت جلد اپنے پروگرام کے مطابق یہاں پہنچ رہے ہیں۔
جیکب نے فلوراکو تاکید کی کہ نواب جولین کے طلیطلہ پہنچنے پر فوراً کسی غیر معمولی خوشی یا دلچسپی کا اظہار
نہ کرے اور ہر وقت اپنے آپ کو شہنشاہ راڈرک کا دفا دار ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔

جیکب اپنے دل میں بہت خوش تھا۔ نواب جولین نے اسے رخصت کرتے وقت اپنے پروگرام کی موٹی
موٹی باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ شہنشاہ راڈرک کا نواب جولین کو طلیطلہ طلب کرنا، نواب جولین کی پہلی کامیابی تھی۔
جیکب کو اپنے مالک کی عقلمندی سے امید تھی کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔



اور پھر دارالخلافہ طلیطلہ میں شہنشاہ راڈرک کا ایک فرمان جاری ہوا۔

اس فرمان کے ذریعے طلیطلہ والوں کو مطلع کیا گیا کہ میں قلعہ بستہ نواب جولین ایک ہفتے بعد طلیطلہ
آ رہے ہیں۔ نواب جولین نے افریقہ میں مسلمانوں کو دوبارہ شکست فاش دی ہے اس لیے ان کی تشریف آوری
پر ایلان شہر اور تمام امرا و وزرا ان کا شاندار شان استقبال کریں۔

حکم کی دیر جی شہر میں تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سلطنت سپانیہ کے تمام گورنروں کو طلیطلہ پہنچنے
کے پرانے جاری ہوئے۔ قلعہ کو دس کی طرح آراستہ کیا گیا۔ سپانیہ کے تمام نوابین اگر نواب جولین کو پسند
نہ کرتے تھے کہوں کہ جولین کو دوسرے نوابوں کے مقابلے میں زیادہ مراعات اور آزادی حاصل تھی لیکن انھیں یہ
اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر قلعہ بستہ کا حفاظتی حصار ٹوٹ گیا تو پھر یورپ، اسیرونی حملوں کی زد میں آجائے گا اس لیے
اسپانوی نوابین، جولین کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی اس کی عزت کرتے اور قلعہ بستہ کے استحکام کے لیے ہر
طرح کا تعاون کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات نے قلعہ بستہ کی اہمیت سے
کہیں زیادہ بڑھا دی تھی۔

نواب جوہن کی آمد پر شہنشاہ راڈرک نے اپنے تمام امیروں اور وزیروں کو اس کے استقبال کے لیے قلعے پر بھیج دیا۔ اور دربار خاص میں خود نواب جوہن کا شاندار استقبال کیا۔

شہنشاہ راڈرک نے نواب جوہن کو عزت افزائی کے طور پر اپنی دائیں جانب پہلی نشست پر بٹھایا۔ اور نشست پر صرف وزیر اعلیٰ کو بیٹھنے کی اجازت تھی۔ چونکہ اس وقت تک راڈرک نے کوئی وزیر اعلیٰ منتخب نہ کیا تھا اس لیے یہ کرسی ہمیشہ خالی رہتی تھی۔ اس خالی کرسی پر قبضے کے لیے شہنشاہ راڈرک کا مصاحب خاص جریں ایک عرصے سے کوشش کر رہا تھا مگر اسے اب تک کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔

طلیطلہ کا دربار خاص بھی اتنا وسیع تھا کہ اس میں بیک وقت چار ہزار آدمی سما سکتے تھے لیکن آج یہاں شہنشاہ نے نواب جوہن کے اعزاز میں ایک خاص دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ ہر نشست کے سامنے شراب و کباب انتظام تھا اس لیے شرکاء محفل کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

جریں اس محفل کا ناظم اعلیٰ تھا۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے محفل کو آراستہ کیا تھی۔ شراب و کباب کے علاوہ رقص و موسیقی کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔

شہنشاہ راڈرک ہنسی ہنسی کر نواب جوہن سے باتیں کرتا رہا اور نواب جوہن بھی دل کی ہوک کود رہے۔ کابل خوش دلی سے گفتگو کرتا رہا۔ اس کے دماغ میں کھوں پی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کی دگوں میں خون کے بجائے شعلے دوڑ رہے تھے۔ جوہن کی روح انتہائی جذبات سے بے چین تھی۔ وہ اس وقت شہنشاہ راڈرک کے اتنے قریب تھا کہ اپنے جگر سے اس کا باسانی خانہ کر سکتا تھا لیکن اس وقت شہنشاہ کو مارنے سے تو اس کا انتقام پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی اہم قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا جس سے وہ اس کے بیوی بچے اور جوہن کی اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

نواب جوہن نے شہنشاہ راڈرک سے گفتگو کے دوران اپنے قول یا فعل سے قطعی یہ اظہار نہ ہونے دیا کہ اسے اپنی بیٹی فلوراکے سنگین حادثے کا کوئی ملہم ہے۔ اگر راڈرک کو کوئی شبہ بھی تھا تو نواب جوہن نے اپنے طریقے پر غور کیا اور گفتگو سے اس کی نفی کر دی۔

نواب جریں نے راڈرک کے پاس پہنچ کر رقص و سرود کے آواز کی اجازت چاہی مگر راڈرک نے اسے روک دیا۔ کیونکہ راڈرک اس وقت نواب جوہن سے ملاؤں کے قلعہ بستہ پر دونوں حلوں کی تفصیل بڑی تیز سے سن رہا تھا اور نواب جوہن.... شہنشاہ راڈرک کو صرف وہی باتیں سن رہا تھا جو اس کے پردگرم میں شامل تھیں۔

نواب جریں کو راڈرک نے، سختی سے جواب دیا تھا کہ وہ شرمندہ ہو گیا اور منہ اٹکا کھانے لگا۔ نواب جوہن نے فوراً اسے سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے شہنشاہ سے کہا،

”شہنشاہ معظم۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے دوست نواب جریں سے گلے مل لوں۔“

نواب جریں جوہن کی زبان سے اپنا نام سن کر رگ گیا.... اور شہنشاہ کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ شہنشاہ راڈرک نے ہنسی کر کہا،

”اتنی بھی کیا جلدی ہے جوہن۔ اپنے دوست سے گلے مل لینا“

مہربانیاں شہنشاہ معظم نے۔

جوہن نے چالاک اور مزاح شہنشاہ اس مصاحبوں کی طرح پہلے شہنشاہ کی ہل میں ہل مائی۔ پھر کہا،

”لیکن شہنشاہ معظم ممکن ہے کہ آپ مجھے گلے والپس جلنے کا حکم دیدیں۔“

راڈرک نے چونکہ سوال کیا،

”جوہن۔ کیا وہاں کے حالات اتنے مخدوش ہیں کہ تم کل ہی واپس جانا چاہتے ہو؟“

”شہنشاہ معظم۔ میں تو آپ کے حکم کا تابع ہوں۔ میری کوئی خواہش نہیں۔ جب تک آپ کا حکم ہوگا، میں طلیطلہ میں آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گا۔“

جوہن نے ایک لحظہ غور کر کے پہلے جریں کی طرف دیکھا پھر راڈرک سے مخاطب ہوا،

”لیکن جو حالات میں آج آپ کے گوش گزار کر دوں گا اسے سماعت فرما کر ممکن ہے کہ آپ مجھے رات ہی میں واپس جانے کا حکم صادر فرمادیں۔“

شہنشاہ راڈرک بڑا ذہین تھا مگر وہ جوہن کے دل کی بات نہ سمجھ سکا۔ عیاشی اور مے نوشی کی کثرت یوں ہی انسان کے ذہن کو مغلوں جکڑ دیتی ہے۔ راڈرک کی نظر جریں پر پڑ گئی جو نواب جوہن کے منہ سے اپنا نام سن کر رک گیا تھا۔

شہنشاہ راڈرک جریں کی طرف مخاطب ہو کر بولا،

”جریں۔ تم نے سنا افریقہ کے حالات بڑے سنگین معلوم ہوتے ہیں۔“

نواب جریں فوراً واپس آ گیا۔

نواب جوہن نے اپنی جگہ سے اٹھ کر فوراً نواب جریں کو گلے لگایا۔ نواب جریں جوہن کے اس حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔

نواب جوہن نے کہا، ”نواب جریں۔ آپ بہت معروف ہیں لیکن میری خواہش اور آرزو تھی کہ جانے سے

پہلے میں اپنے ایک دیرینہ دوست سے گلے مزدور ملیں۔ کیا پتہ مجھے دوبارہ یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو۔

سے تھرتی ہوئی داخل ہوئیں۔

نواب جبریل نے نوراً جواب دیا: "نواب جبریل! آپ دل کیوں چھوڑا کرتے ہیں۔ شہنشاہ ہسپانیہ آپ کی پشت پر ہیں۔ آپ کو ہرگز نہیں لگایا گیا تھا۔ وہ بڑے اہرانہ انداز سے دقت کوئی ہوتی تھانوں کے درمیان سے گزرتی تھیں۔ رقص اور ساز میں تیزی بڑھتی تھی۔ شراب کے تدھے اٹھنے لگے۔ سرور اور کیف کے بادل چھلتے گئے۔ تیریاں تک کہ شہنشاہ راڈرک اور شاہ الکین دولت اس قدر مدہوش ہوئے کہ انھیں تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا۔ حفظِ مراتب ختم ہو گیا۔ جوان اور بوڑھے نوابین، ان رقص لڑکیوں کے ہاتھ پکڑ کر خود بھی رقص کرنے لگے۔

نواب جبریل، راڈرک کے قریب بٹھایا۔ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ اس قسم کی محظوظ میں پہلے بھی شریک ہوتا رہا تھا۔ یہ مناظر اس کے لیے کوئی کشش نہ رکھتے تھے۔ اگر وہ اس سنگین عمارت سے دوچار نہ ہوتا تو وہ بھی یقیناً ان مدہوش نوابوں میں شامل ہو کر کسی جوان عورت کی کا ہاتھ پکڑے رقص کر رہا ہوتا لیکن جو دھچکا اسے لگا تھا، اس نے جبریل کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ شراب بھی بڑی احتیاط سے پیرا تھا تا کہ وہ خود پر قابو رکھ سکے اور مدہوشی کی حالت میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے اس پر اور شاہی محل میں خللائی مداخلوں میں مقید اس کی مغلوم بیٹی فوراً پرکونی موصیبت آجائے۔

شہنشاہ راڈرک مسی کے عالم میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے گرد کھڑی ہوئی لڑکیوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیے۔ راڈرک کے کھڑے ہونے ہی تمام سماں نے اس کی تقلید کی۔ نصف سے زائد نوابین پہلے ہی مسی کے عالم میں ناچار رہے تھے جو بیٹھنے پر پلما رہے تھے وہ بھی شہنشاہ کے احرام میں تقلید میں کھڑے ہو کر ناپسندے لگے۔ ایک شور مچا۔ ایک ہنگامہ مچا۔

راڈرک کی جیرہ دستیتوں پر لڑکیاں احتجاج کرنے کے بجائے قہقہے لگائیں۔ وہ شہنشاہ پر پروانہ وار اشارہ کرتی جا رہی تھیں۔

یہ ایک راڈرک نے اپنا جام نواب جبریل کی طرف بڑھا دیا۔ اس جام سے نصف شراب راڈرک نے پی لی تھی۔ راڈرک کی یہ پیش کش، ہسپانیہ کا عظیم ترین اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ شہنشاہ ہسپانیہ جس کسی کو اپنا جوتا جام دیتا وہ اس میں کا خوش قسمت ترین انسان بن جاتا۔

یہ اعزاز اس بات کا اعلان ہے کہ شہنشاہ نے اس شخص کو اپنی عشرتوں میں برابر کا شریک کر لیا ہے۔ ایسے شخص کو اجازت ہوتی کہ وہ شاہی عشرت کے لیے کسی کینز کو بھی اپنے قہف میں لاسکتا تھا۔ اس کے لیے شاہی حرم کے دروازے بھی کھل جاتے۔ یہاں تک کہ شہنشاہ ہسپانیہ کی عہدہ کی محبت میں بھی برابر کا شریک

نواب جبریل نے ٹھنڈی مائیں لیتے ہوئے کہا:

میں نواب۔ مجھے شہنشاہ ہسپانیہ سے پوری مدد اور تعاون کی امید ہے۔۔۔۔۔

شہنشاہ راڈرک دخل دیتے ہوئے بولا:

جبریل! ہمیں بڑی اہم گفت گورنا ہے۔ اس لیے قریب کو محقر کرنے کی کوشش کرنا اور ہاں۔ تقریباً اختتام پر تم ہمارے ساتھ چلنا۔ نواب جبریل سے گفت گو کے وقت تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ جبریل خوشی خوشی چلا گیا۔

راڈرک نے نواب جبریل سے پھر باتیں شروع کر دیں لیکن اس گفت گو میں راڈرک نے اپنی ہر بات سے جبریل کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ سلطنت ہسپانیہ اس کی ہر طرح کی مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔

قہر شاہی ہر تقریب اسی شان و شوکت سے منائی جاتی تھی جتنی قریب کے لیے تو بے حد جانتے تھے۔ کبھی شہنشاہ کی ساگرہ کا جشن، کبھی جشنِ تاج پوشی، شہنشاہ کو چھبیک آجائے تو اچھا ہوئے، غلِ محبت کی تقریب۔ پھر راڈرک کی بیگمات اور اولاد اور اولاد کی ساگرہ ہیں۔ غرض کہ ہر دوسرے دن تقریب کی کسی تقریب کا غلغلہ اٹھتا رہتا تھا۔

نواب جبریل کے استقبال کا اعلان شاہی فرمان کے ذریعے کیا گیا تھا۔ اس لیے اس کے اعزاز میں جو تقریب منعقد ہوئی وہ بھی تقریبوں سے کم نہیں زیادہ شاندار تھی۔ جو تقریب جس قدر شان دار ہوئی تھی اس میں اتنا ہی زیادہ کھلی اور شرمناک عیاشیوں کا مظاہرہ کیا جاتا۔

سب سے پہلے موسیقی کی محفل گرم ہوئی۔ اس محفل کے تمام موسیقار مرد تھے۔ مغربی موسیقی ہمیشہ ہی ہسپان خیز رہی ہے جس میں آواز سے زیادہ ساز کا اہمیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ ڈھول، تاشوں اور سازوں کا آواز شور بلند ہوا کہ سوائے غل غل چارے کے گانے والے کی آواز تک غائب ہو گئی۔

اس قسم کی موسیقی اہل ہسپانیہ کو بہت محبوب تھی۔ ہسپانوی نوابوں نے بڑی داد دی اور موسیقار کو انعام اکرام بخشا۔

موسیقی کے بعد رقص کا اعلان ہوا۔ سازوں کا شور بڑھ گیا اور رقص کرنے والی لڑکیاں ہال کے چاروں طرف

سمجھا جاتا۔

جریل تو پہلے ہی نواب جولین کے حسن اخلاق اور خلوص کا قائل ہو چکا تھا۔ اس نے جو راز رک کو جو بڑا بھلا شخص تھا دیکھا تو بھاگ کر اس کے پاس آیا اور بڑے ادب سے اسے مبارکباد دی۔ یہ اعزاز تو نواب شہنشاہ کی اتنی قربت کے باوجود اب تک حاصل نہ ہوا تھا لیکن نواب جولین پر اس نوازش یا اعزاز کا کوئی بظاہر ہمت خوش نظر آ رہا تھا اور سب کو دکھانے کے لیے جا کر بھاگتا تھا لیکن اس کا دل ٹوٹا ہوا تھا۔ دل میں ہوس کی آگ کبھی نہیں بجتی۔

نواب جریل نے آہستگی سے کہا:

”جولین! تم ہسپانیہ کے عظیم سردار بن گئے ہو۔ ہاتھ بڑھاؤ اور شہنشاہ کے گرد مٹلہ لانے والی ہوا کو چاہو، پکڑ کر کھینچ لو۔ اب تمہارا ہاتھ شہنشاہ بھی نہیں پکڑ سکتا۔“

”تمہارا شاہرہ جریل“ نواب جولین نے بے دلی سے جواب دیا:

”ابھی تو سسر کی تکان ہی نہیں اتری۔“

”ٹھیک ہے دو چار جاگ اور چڑھاؤ۔ طبیعت بالکل تروتازہ ہو جائے گی۔“

جریل قہقہے لگاتا واپس چلا گیا۔

نواب جولین کا دل اس ہنگامے میں نہ لگ رہا تھا۔ پورے ہال میں نور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ مغل اپنے پرانے گئی تھی۔ ناپچنے ناپچنے جسم تنگ لگے تھے اور اب انھیں سماروں کی ضرورت تھی۔ رقعاتوں کے لباس تازہ لگے تھے۔ وہ پہلے ہی نیم برہنہ تھیں۔ رقص کے دوران انھوں نے مہمانوں کی خوشنودی کی خاطر لباس کو بڑا مختصر کر دیا تھا۔ پھر نوچا کھسوٹی میں میراٹے نام لباس بھی ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ یوں پورے ہال میں برہنہ ہو رہا تھا۔

وحشت و درندگی کی یہ کردہ ناشر تھی

رقص ابلیس تھا!

شہنشاہ راز رک کا بھاری بھر کم جسم زیادہ دیر ناپچنے والوں کا ساتھ نہ دے سکا۔ حالانکہ وہ اپنی کینیزوں کے ہمراہ رقص کر رہا تھا۔ رقص کے دوران اس کا زیادہ بوجھ اس کی کینیزوں میں اٹھائے ہوئے تھیں۔ راز رک نے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے دائیں بائیں کو اس کی محبوب ترین کینیزوں سمارا دینے ہوئے تھیں۔

پھر شہنشاہ راز رک کو پتہ نہیں کیا سو بھی کہ اس نے دائیں بائیں کی کینیز کا ہاتھ پکڑا اور جولین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

”نواب جولین۔ ہم اپنا دل تمہارے حوالے کر رہے ہیں۔ تم بہت عظیم ہو۔ تم ہسپانیہ کے محافظ ہو۔“

جولین کے ہاتھ سے سمارا گرتے گرتے چلا۔

وہ نہ معلوم کس خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ جب راز رک کی آواز اس کے کانوں سے گزری۔ وہ پری جال جو جولین کو دعا کی گئی تھی، جولین کی بوکھا ہٹ پر بڑے دل فریب انداز میں مسکرائی۔

نواب جولین، شہنشاہ راز رک کے اس عطیہ پر کچھ ہنسی یا لہجہ خوبصورت کینیز نے نواب کا ہاتھ خود پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتی ہوئی ہال سے باہر لے گئی۔

ہال کی محفلوں میں ماضی عشرت کمروں کے لیے جھیلداریاں نصب کی جاتی تھیں لیکن یہ محفل محل کے اندر بھی تھے۔ اس لیے اس کا انتہا کمال کے باہر راہداریوں میں چھوٹے چھوٹے کمروں میں تھا۔ ہر راہداری میں دونوں طرف چالیس پچاس چھوٹے مگر خوبصورت اور آراستہ و پیراستہ کمرے بنے تھے۔ غالباً یہ ہال اور اس سے ملحقہ کمرے بعض داریوں پر دینے کے لیے بنائے گئے تھے۔ فلیٹلہ کا یہ علی، قسطیغینہ کے باز لطیفی عمارت کی طرز پر بنایا گیا تھا اور اس کی شان و شوکت دہانوں کے محفلوں سے کسی طرح کم نہ تھی۔

نواب جولین، کینیز کے ساتھ کسی سحرزدہ انسان کی طرح اس ماضی عشرت کمرے میں پہنچ گیا۔ اس طرح کے عشرت کمرے اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ یہ حسین مناظر وہ کبھی بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن آج جب اس نے اس کمرے میں قدم رکھا تو وہ سر سے پیر تک کانپ گیا۔

اس کے کانوں میں پہلے شائش شائش کی آوازیں آئیں۔ پھر کسی کی ہلکی جھنجھٹ اس کے کان کے پردوں سے گزری۔ ماضی آواز اور مانوس چیخوں نے اس پر لرزہ ماری کروایا اور پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کی پیاری بیٹی فلورا اس کے سامنے کھڑی ہے۔

اس کی چیخ سی لگ گئی۔ اور اس نے گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیے۔

ساتھ آنے والی کینیز جولین کی یہ حالت دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

کینیز نے جولین کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے کہا:

”نواب جولین۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔“

نواب جولین نے فوراً خود کو سنبھالا۔ اس نے کینیز کو مطمئن کرنے کے لیے کہا:

”خوبصورت لڑکی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس وقت میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔“

”آپ آرام سے لیٹ جیئیں۔ لڑکی مترنم آوازیں بولی:

”اس وقت میں آپ کی کینیز ہوں۔ میں آپ کی خدمت اسی طرح کروں گی جس طرح شہنشاہ راز رک کی

کوتی ہوں؟

نواب نے گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے کہا:

نواب جولین بغیر اسے جواب دیے سمی پر اوندھے منہ بیٹ گیا۔ مژدادر بعد اس نے عسری کر لیا۔
نیز اس کے سر میں تین ڈال کر ماش کر رہی ہے۔

نواب جولین کا جسم حل رہا تھا اور رگ رگ سے "انعام" کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ سر میں تیل پڑے فوراً بعد میں ان سے ملاقات کروں۔ میں تعیل حکم پر مجبور ہوں جولیانہ۔
سے اسے کچر سکون ہوا اور نیند آنے لگی۔

اس نے کہا کہ تھوڑی دیر آرام کئے لیکن پھر اسے راڈرک سے گفتگو کا خیال آیا۔ محل کے انزاس میں اتنی باتیں کہہ دی تھیں کہ جولیانہ کو کسی سوال کا موقع ہی نہ مل سکا۔ وہ نواب کے سامنے سے
پراسے راڈرک سے گفتگو کرنا تھی جس کا اشارہ خود شہنشاہ نے نواب جریل سے کیا تھا۔ وہ بلکہ اسے انوکھا پڑھ بیٹ گئی۔

نواب جولین مسکراتا ہوا روز سے پر پہنچا۔

کینز نہ پوچھا

نواب جولین کی طبیعت کیسی ہے؟
"تمہارا بہت بہت شکریہ میری حسین ساتھی۔ نواب جولین نے کینز کو خوش کرنے کے لیے کہا:
"کیا محض نشاط ختم ہو گئی؟"

نواب جولین نے کال داناٹ سے جولیانہ کے رضا رقبہ تھپے اور تمہا بڑھاتے ہوئے کہا:
"جولیانہ! کبھی کبھی ادھر سے سپنے بھی دیکھنے پڑتے ہیں۔ میں تمہارا قرض دار ہوں جلد ادائیگی کی
کوشش کروں گا۔"

نواب جولین جلدی سے کھڑا ہو گیا اور بولا:
"میں اپنی حسین ساتھی کے نام سے اب تک نادانف ہوں۔"

"جولیانہ" یہ کہتے ہوئے جولیانہ نے نواب جولین کی گردن میں اپنے ہاتھ جامل کر دیے۔
"تم بہت خوبصورت ہو جولیانہ۔ جولین نے خود کو موقع کے ہم رنگ ہلتے ہوئے کہا:
"اگر مجھے ضروری کام نہ ہوتا تو یہ پوری رات تمہارے صحن کی تعریف میں گزار دیتا۔"

جولیانہ اس کے اس انداز گفتگو سے بہت متاثر ہوئی۔ اس نے اٹھلا تہ ہوئے کہا:
"نواب جولین۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آپ شاعر بھی ہیں لیکن کیا آپ یہ فرما ہی گئے کہ اس دنیا میں
"شیرت" سے بھی زیادہ کوئی اور کام زیادہ ضروری اور دلچسپ ہو سکتا ہے؟"

جولیانہ کا جواب بھی طرایی شاعرانہ تھا۔
"اگر نواب جولین کا دل دوانا ٹھکانے ہوتا تو وہ اس کی بہت تعریف کرتا لیکن اسی وقت تو نواب جولین کو
شہنشاہ سے ملنے کی جلدی تھی۔ شہنشاہ سے اس ملاقات میں اس کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ کامیابی یا ناکامی دونوں
میں سے ایک کو اسے گلے لگانا تھا۔ پھر جلاہ جولیانہ کی محبت بھری گفتگو کا جواب محبت سے کیسے دیتا۔"

نواب جولین اتنا کہہ کر واپس ہوا اور لمبے لمبے ڈنگ بھرتا ہوا راہداری سے ال میں پہنچ گیا۔

شہنشاہ راڈرک محفل نشاط سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا تھا۔ نواب جریں اس کے ساتھ ہی راڈرک نے محفل میں کافی نہ رہ کر اپنی ٹیکنیک خواب گاہ میں داخل ہوئے تھے۔ پھر پہنچا شہنشاہ کی درجہ نواب جریں کے ساتھ دوسرے رہا تھا۔

جب غلام نے حاضر ہو کر نواب جریں کے پیچھے کی اطلاع دی، اس وقت تک یہ در دو گلاس نما تھے۔ شہنشاہ نے جریں کو فوراً طلب کر لیا۔

نواب جریں خود کو سنبھالتا ہوا شہنشاہ کے سامنے پہنچا اور جھک کر تعظیم بجالایا۔

راڈرک نے مختصر احوال کھوں سے نواب جریں کو دیکھا اور مسکرا کر بولا:

"کیا حال ہے تمہارا نواب جریں۔ سفر کی پوری ٹیکنیک تو دہر گئی ہوگی۔"

نواب جریں نے اپنے چہرے پر پوری طرح نشاط پیدا کرتے ہوئے کہا:

"شہنشاہ کی معافیوں کے لیے میں شکر گزار ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ جہاں نے تمہاری خوب خاطر کی ہوگی۔" پھر جریں کے جواب کا انتظار

خود ہی بولا:

"وہ کمینہ بڑی لا جواب اور مذہب ہے۔ اسی لیے ہم اسے اپنے قریب رکھتے ہیں۔"

نواب جریں نے دیکھا کہ راڈرک نے اسے تو اس نے کہا:

"شہنشاہ معظم نے نواب جریں کو کسی خاص مقصد کے لیے طلب کیا تھا۔"

راڈرک کو ایک دم خیال آ گیا۔ اس نے نواب جریں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا:

"ہاں نواب۔ اب بتاؤ کہ ہماری سلطنت تمہاری کس طرح مدد کر سکتی ہے اور قلعہ بستہ کے دنیا کو

زیادہ مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔"

نواب جریں نے بڑے ادب سے کہا:

"پچھلے تین شہنشاہ معظم اور اپنے دوست نواب جریں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہیں قلعہ بستہ کے

کا اتنا خیال ہے۔ اس کے بعد مجھے امانت دی جلتے کہ میں قلعہ بستہ کی موجودہ حالات میں فوجی اہمیت

اس پر مسلمانوں کے دوزیر دست حوں کی تفصیل بیان کروں تاکہ ہر بات کھل کر سامنے آجائے۔ پھر میں

منصوبہ پیش کروں گا جس کی خاطر میں امانت حاصل کر کے یہاں تک آیا ہوں۔"

نواب جریں کو بار بار اور خواہ مخواہ مخاطب کر کے نواب جریں نے آخراں کی ہمدردیاں حاصل کر لی:

اب نواب جریں اس انتظار میں تھا کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ وہ نواب جریں کی مدد کر کے حق دینی ادا

چنانچہ نواب جریں نے جیسے ہی بات ختم کی، نواب جریں بول پڑا:

"نواب جریں۔ شہنشاہ معظم کو آپ پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اگر آپ قلعہ کی فوجی اہمیت اور مسلمانوں کے حوں

کی تفصیل نہ بھی بتلائیں تب بھی آپ کا منصوبہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ آپ ہمدرد اور عقلمند ہیں۔ وہاں کے حالات

سے آپ پوری طرح واقف ہوں گے۔"

"نواب جریں۔" نواب جریں نے کہا:

"میں ایک بار پھر سلطنت ہسپانیہ اور آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ اعتماد کی سی بحالی کے

بعد میری ادھی مشکلات تو ختم ہو گئی ہیں۔ اب میں مختصر طور پر قلعہ بستہ کا حال بیان کروں گا؟"

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ نواب جریں جس قدر ہمدرد تھا اتنا ہی چرب زبان مقرر بھی تھا۔ شہنشاہ ہسپانیہ

راڈرک اور نواب جریں کے سامنے اس نے افریقہ میں مسلمانوں کی فوجی طاقت کا اتنا ہولناک نقشہ کھینچا کہ راڈرک

جو ٹیکنیکوں کے سہارے لیٹا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"الفاظ کی صنعت گری اور انداز کی مجرہ بیانی نے نواب جریں اور شہنشاہ راڈرک کے دل میں مسلمانوں کا ایسا

خون پیدا کر دیا کہ جیسے اب آج کل ہی میں مسلمان ہسپانیہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔"

شہنشاہ راڈرک اتنی گھبراہٹ میں آئے کہ فوراً پوچھا:

"نواب جریں۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ان بد بخت (حاکم ہدین) مسلمانوں کو ہسپانیہ سے دور کیسے رکھا جاسکتا

ہے۔۔۔۔۔"

جریں نے راڈرک کو راہ راست پر آتے دیکھا تو کہا:

"شہنشاہ معظم۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ مسلمان ہسپانیہ سے دور ہی رہیں اور یہاں کی پرسکون اور

پر ہمدرد زندگی میں کوئی رخنہ نہ پڑے۔"

"تو پھر وہ صورت بتاؤ۔" راڈرک فوراً نواب جریں کا منصوبہ سننا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے دل کو تسلی

دے سکے۔

نواب جریں نے نواب جریں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"شہنشاہ معظم۔ نواب جریں کی باتوں سے میں نے یہ اندازہ تو لگایا ہے کہ شہنشاہ مجھ پر پورا اعتماد کرتے

ہیں اور اگر میری عدم موجودگی میں کسی دشمن نے میرے خلاف کئی سازش کی تو نواب جریں خود اس کا تدارک کریں

گے۔۔۔۔۔ اب تیسری بات یہ ہے کہ ہسپانیہ کے مصلحتی عناصر مرسیہ کے گورنر کو فرمان جاری کیا جائے کہ

وقت ضرورت وہ قلعہ بستہ کی فوجی مدد کرے۔"

”کیوں نہیں رٹاؤں نے فوراً کہا۔

پھر اسی نے جریں کو حکم دیا:

”فیوضِ دیرا گورنر مسیحہ کو فوراً فرمان جاری کیا جائے۔“

”بہت بے شہنشاہ معظّم۔ فرمان تیار کروادیا جائے گا۔“ جریں نے سرگرم کرتے ہوئے کہا۔

”نواب جریں۔ جسے فرمان پک بھگتے میں چاہیے۔“ راؤٹک گرم ہو کر بولا۔

نواب جریں فوراً دروازے کی طرف بھاگ لیکن شہنشاہ نے اسے روکا۔

نواب جریں واپس آگیا تو شہنشاہ نے کہا:

”نواب جریں۔ فلان کے ساتھ قلم اور شاہی ہمر بھی ماحول کی جائے۔“

نواب جریں کے جانے کے بعد راؤٹک نے نواب جویں سے کہا:

”نواب جویں۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہہ دو۔ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کرنا چاہتے ہیں۔“

نواب جویں بڑی لجاجت سے بولا:

”شہنشاہ سپانیہ نے میری جتنی عزت، انفرادی کی ہے اس کے لیے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں۔“

کہاں ایک شہنشاہ کی خواب گاہ اور کہاں ایک ادنیٰ تقدار۔ میں نے شہنشاہ کا مقرب حاصل کر لیا۔ بوقتِ ضرورت

فوجی امداد کا پروانہ جاری کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔“

نواب جریں نے واقعی کمال کر دیا۔ اس نے ہتھیاری پر سرسوں جا کو دکھادی۔ پانچ منٹ بھی مشکل سے گزرا

تھے کہ وہ کھانا ہوا فرمان لے کر واپس آ گیا۔

شہنشاہ نے دستخط کر کے اس پر ہر لگا دی نواب جویں نے بڑے احترام سے فرمان پیچے ہر پر لگا

چوم کر جب میں رکھ لیا۔

نواب جویں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

”شہنشاہ معظّم۔ مجھے واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔“

”اس وقت۔ یعنی تم رات ہی میں واپس جانا چاہتے ہو؟“ راؤٹک نے حیرانی سے پوچھا۔

نواب جویں نے جواب دیا:

”جی ہاں شہنشاہ معظّم۔ تھکے سستہ کے حالات اس قدر مخدوش ہیں کہ میرا دل سے دور رہنا کسی طرح

مناسب نہیں۔ اگر یہ اہم کام درپیش نہ ہوتا تو میں قطعاً کوچھوڑ کر ہرگز نہ آتا۔“

”ہم تمہاری وناواری کے قائل و گئے نواب جویں۔ یہ کہتے ہوئے شہنشاہ راؤٹک نے اپنا دانا

ساتھ آگے بڑھا دیا۔

نواب جویں کا دل تو نہ چاہ رہا تھا مگر اسے رسا راؤٹک کے ساتھ کہہ دینا پڑا۔

پھر نواب جویں نواب جریں کے پاس پہنچا اور اس کے گلے گلے محبت اور بڑے جوشی کا اظہار کیا۔ نواب جویں

نے جریں سے کہا:

”نواب جریں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری عدم موجودگی میں شاہی دربار میں میرے مفادات کی حفاظت

کریں گے۔“

نواب جریں نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلایا۔

پھر نواب جویں نے شہنشاہ کو آخری سلام کیا۔ شہنشاہ نے نواب جریں کو حکم دیا:

”نواب جریں۔ ہمارے معزز مہمان کو عزت و احترام سے رخصت کیا جائے۔ خبردار انھیں شکایت کا کوئی موقع

نواب جریں بھی رخصتی سلام کر کے نواب جویں کے ساتھ ہولیا۔

خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ کر نواب جویں اک دم رک گیا جیسے اسے یکدم کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ تیزی

سے شہنشاہ کی طرف واپس ہوا اور قریب پہنچ کر ادب سے بولا:

”شہنشاہ معظّم۔ سعادت فرمائیے۔ میں ایک ضروری بات کہنا بھول گیا تھا۔ یہ ایک موت سے ہم کتا مریض کی

خواب گاہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے ضرور پرکریں گے۔“

شہنشاہ راؤٹک، نواب جویں کو واپس آتے دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا:

”ضرور کو نواب۔ ہم تو تمہاری ہر خواہش پوری کرنے پر تیار ہیں۔“

نواب جویں نے بڑی عاجزی اور انکساری سے عرض کیا:

”شہنشاہ معظّم۔ میں نے اپنی درخواست میں تحریر کیا تھا کہ میری بیوی سخت بیمار ہے۔ اس کا ذکر میں نے

یہاں بھی کیا ہے۔ اس باب بام مرخصی آخری خواہش ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنی بیٹی کا دیدار کرے۔ آپ کو

شاہی علم ہو کہ میری چھوٹی لڑکی آپ کے ساتھ عافیت میں پرورش پا رہی ہے۔ اسے چند دن کے لیے میرے ساتھ

سب سے پہلے دیا جائے۔“

”کون لڑکا؟“ شہنشاہ راؤٹک نے چونک کر کہا اور پھر کون کھیں سے نواب جریں کو دیکھا۔ نواب جویں

سرخ رخسار لکھ کر رہا تھا لیکن اس کی نظریں شہنشاہ اور نواب جریں پر لگی تھیں۔

”جی ہاں شہنشاہ معظّم۔ میری بیوی نے چلتے وقت مجھے تاکید کی تھی اسے ساتھ لینا آؤں۔ کیا پتہ اس کی

آٹھ کب بند ہو جائے۔ وہ ایک بار اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ نواب جو لیں نے بڑی معصومیت سے کہا لیکن اس نے اور بڑی تیز رفتاری سے ہسپانیہ کی حدود عبور کر رہا تھا۔
محسوس کیا کہ شہنشاہ کچھ ہچکچا رہا ہے۔

نواب جو لیں کو شبہ ہوا کہ شاید نواب جریں نے، جو اس سنگین حادثے میں برابر مجرم ہے، شہنشاہ کو بچھڑا کر اس کی کشتیاں بچھڑا کر اس کے سینے پر دریاں اور آسمانیں
اشارے سے منع کر دیا ہے۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے نواب جریں پر ملتی نہ نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر جب اس نے افریقہ کے ساحل پر قدم رکھا تو سب سے پہلے سمجھ گیا کہ خدا نے اسے کامیاب کیا تھا
مجھے امید ہے کہ میرے دوست نواب جریں بھی اس سلسلے میں میری سفارش فرمائیں گے۔
دروہ اپنی مظلوم بیٹی کو درجہ صفت شہنشاہ ہسپانیہ کے پیچھے سے چھڑا رہا تھا۔

یہ کہہ کر نواب جو لیں نے شہنشاہ راڈرک کے علاوہ نواب جریں کو بھی یہ یقین دلایا تھا کہ اسے کسی بات پر
ظہم نہیں اور فلورا کو واپس لے جانے کا جو جواز اس نے پیش کیا ہے وہ درست اور جائز ہے۔
نواب جو لیں نے فلورا کو درجہ صفت شہنشاہ ہسپانیہ کے پیچھے سے چھڑا رہا تھا۔

آخر جریں کو کہنا پڑا:
"کیوں نہیں نواب جو لیں، ہاں کو بیٹی سے محبت تو ہوتی ہی ہے۔ شہنشاہ آپ کی درخواست پر رضامند ہو جائیں گے۔"
نواب جو لیں کے ساتھ دیکھ کر فلورا کی بہن اور ماں کو بے حد خوشی ہوئی اور ان کے گھر میں جیسے عید ہو گئی۔
کریں گے۔

شہنشاہ راڈرک، نواب جو لیں کی وفاداری اور طرہ عمل سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ اسے اجازت دے
میں کوئی قیامت نہ تھی لیکن جب نواب جریں نے کھل کر سفارش کی تو اس نے فوراً کہا:
"نواب جو لیں، ہم تمہاری بیمار بیوی کی خواہش کا احترام کرتے ہیں۔"

پھر شہنشاہ، نواب جریں سے مخاطب ہوا:
"نواب جریں، نواب جو لیں کے ساتھ ان کی لڑکی کو بھیجنے کے ذریعہ انتظامات کیے جائیں۔"
"آپ کتنے عظیم ہیں شہنشاہ ہسپانیہ! نواب جو لیں نے کہا اور نواب جریں کو لے کر خواب گاہ سے۔"

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے غلام کینزیس اور محل کے دوسرے لوگ سوئے پڑے تھے۔
شہنشاہ کا حکم تھا جریں نے فوراً نواب جو لیں اور فلورا کے جانے کا بندوبست کرایا اور یہ دونوں باپ بیٹی کے ساتھ
کے وقت طلبہ کی سرحد عبور کر گئے۔

شہنشاہ، سب سے قریب رٹھنا جا رہا تھا اور ان کی طرف سے کسی وقت بھی کوئی زبردست حملہ سب سے پہلے
کراڈیلک زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے تو نواب جو لیں نے فوراً کہا:
"میرا سہارا کراڈیلک! میں تمہیں بدل نہیں دے سکتا۔ اس لیے تم نے جن خدشات کا اظہار کیا ہے مجھے ان سے
بہوری طرح اتفاق ہے۔ کراڈیلک! کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم مسلمانوں کے تیسرے حملے کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

کراڈیلک کچھ سوچتے ہوئے بولا:
"نواب جو لیں، میری جان آپ پر قربان۔ فوج کا کام محکم کی تعمیل میں اپنی ہائیں قربان کر دینا ہوتا ہے نتیجہ
خواہ کچھ بھی نکلے۔"

نواب جو لیں نے راستے میں فلورا سے کوئی گفتگو نہ کی۔
فلورا ایک گھوڑا گاڑی میں سوار تھی اور شاہی سوار دستہ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ نواب جو لیں بھی گھوڑے

نواب جولین پہلو بہ ملتے ہوئے بولا:

”کراڈیل کیا تمہیں اندازہ ہے کہ پچھلے دو حلوں میں ہمارے مکتے نہان نثار قلعے کی حفاظت میں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔“

کراڈیل نے بتایا:

”میں نے صحیح تعداد معلوم کی ہے۔ دونوں معرکوں میں ہمارے ساڑھے تین ورجان ضائع ہوئے اور مسلمانوں کا کتنا نقصان ہوا؟“ نواب جولین نے سوال کیا۔

”میرا خیال ہی نہیں بلکہ تجھے یقین ہے کہ دشمن کا ایک سپاہی بھی نہیں مارا گیا؟“ کراڈیل نے ڈوق سے کہا۔

نواب بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور ٹپکتے ہوئے بولا:

”کراڈیل۔ یہی تو ایک نکتہ ہے جس پر میں نور کرتا ہوں۔ آخر ہم اپنے جوان اس طرح کس کے ہاتھ کرتے رہیں گے۔ ہم نے شہنشاہ قسطنطنیہ کی غلامی اس لیے قبول کی تھی کہ وہ وقت پڑنے پر ہماری مدد تھا۔ اس کے بعد ہم نے شہنشاہ ہسپانیہ سے تعلق پیدا کیا مرنے والے اس لیے کہ مصیبت کے وقت وہ ہر مدد کرے لیکن۔۔۔“

”لیکن کیا۔۔۔“ نواب جولین آپ صاف صاف بتائیے۔ ہم آپ کے وفادار ہیں۔ ہم پر اعتماد کراڈیل نے التباکی۔

نواب جولین ٹپکتے ٹپکتے لگا اور کراڈیل کو گھورتے ہوئے بولا:

”لیکن یہ کہ ہسپانیہ کے شہنشاہ رڈرک کو اپنے عشرت کدے کی رنگینوں سے اتنی فرصت نہیں ملے اور طرف دیکھے۔ خوشامدی خواہوں اور رئیسوں نے اسے گھیر رکھا ہے۔ دن رات شراب و شباب کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عوام پس رہے ہیں۔ حکومت پر کلیسا کے پادریوں کا قبضہ ہے۔ انھوں نے شہنشاہ کو عیاشی کرنے پر دے دیا ہے اور شہنشاہ کو اپنی عشرت کدے میں اپنی اور پرانے کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔۔۔ اس سلطنت کی تمام دوشیزاؤں کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے۔ کسی کی عزت و ناموس محفوظ نہیں۔ ان حالات میں اس انتظام کی طرف کون متوجہ کر سکتا ہے۔ کراڈیل! یقین کر دو کہ ہمارے مردانے شہنشاہ ہسپانیہ سے کراڈیل فوجی مدد کی درخواست کی۔ شہنشاہ کو بتایا کہ قلعہ بہت یورپ کی کھتی ہے۔ اگر یہ قلعہ ہاتھ سے نکل گیا تو یورپ محفوظ نہ رہ سکے گا۔ یہ محفلیں درہم برہم ہو جائیں گی۔ عشرت کدے سے تباہ ہو جائیں گے مگر کون شائبہ۔۔۔ باتوں کو سانپوں میں ڈبو دیا گیا۔۔۔ میرا نسخہ اڑا دیا گیا۔۔۔ میں ہسپانیہ سے ملک حاصل کرنے میں ناکام ہوں گے۔“

نواب جولین نے کراڈیل کی بیٹھکتہ چٹائی اور کہا:

”میرے وفادار دوست۔ مجھے تمہارے جذبات پر غور ہے۔ مجھے اس بات پر اور غور ہے کہ میرا نائب بھی اپنی خطی طور پر سوچتا ہے جن پر میں چلنا چاہتا ہوں۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی بیفاداری دیکھنے کے لیے کس سے رشتہ جوڑیں، کہاں سے مدد حاصل کریں؟“

کراڈیل تو بس ایک کھرا سپاہی تھا۔ اس کا دماغ ان باتوں پر غور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے کہا:

”نواب جولین۔ یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ ہم تو آپ کے حکم کے بندے ہیں۔“

نواب جولین نے دیکھا کہ لوہا گرم ہے۔ اس کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس پر چوٹ لگنا چاہیے

اس نے فوراً کہا:

”میرے دوست کراڈیل۔ سب سے کم امن، سکون اور آزادی چاہیے۔ ہمارا کسی سے جھگڑنا نہیں ہوا۔ طاقت بھی ہمیں ان باتوں کی ضمانت دے ہم اس کے دوست اور حلیف ہو جائیں گے۔“

کراڈیل خوش ہو کر بولا:

”نواب جولین۔ آپ کتنے عقلمند ہیں۔ میں جانتا تھا کہ آپ نے ضرور کوئی تدبیر سوچی ہوگی۔“

”ہاں کراڈیل۔ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے بشرطیکہ تم مجھ پر اعتماد کرو اور میرا ساتھ دو۔“ نواب جولین نے اپنے منصوبے کی طرف ایک قدم بڑھایا۔

”نواب جولین۔ کراڈیل نے رندھی ہوئی آواز میں کہا:

”آپ نے اپنے وفادار کو اب تک نہیں سمجھا۔ آپ حکم دیں تو میں پانچ سو گڑھ کراپ کے قدموں میں

ڈال دوں۔“

نواب جولین نے کراڈیل کے ننانے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”مجھے تم پر اعتماد ہے کراڈیل۔ سنو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کے خلاف اپنا ایک سپاہی

بھی ضائع نہیں کریں گے۔“

کراڈیل نے حیرت سے نواب جولین کو دیکھا۔ اس کا آدھا منہ کھل گیا۔

نواب جولین نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

”اگر ہماری آزادی کی ضمانت مل گئی تو ہم مسلمانوں سے صلہ کر لیں گے۔ ان کے در دست بن جائیں

گے۔“

”لیکن.....“ کراڈیل نے ہلکاتے ہوئے کہا:
”کیا..... کیا وہ مان جائیں گے۔ نواب جولین اگر مسلمان بن جائیں تو ہم انہیں بڑے سے بڑے پاسبان کو خوشخبری سنا دوں کہ مسلمان اب قلعہ سبستہ کا رخ نہیں کریں گے۔ میں کل صبح ان کے سردار موسیٰ بن نصیر معاوضہ دے گئے ہیں۔“

”معاوضہ؟“ نواب جولین نے منہ کر کہا:
”بھولے کراڈیل۔ تم مسلمان قوم کے ذہن کو نہیں جانتے۔ انہیں سیم و زر کی رشوت پیش کی جا کر ان کے محبوب قلعہ دار نے مسلمانوں سے باعزت سمجھوتہ کر لیا ہے اور اب قلعہ ہر طرح محفوظ ہے۔“
تو حکمران دیتے ہیں حسین و جمیل کمینروں کا تحفہ پیش کیا جائے تو منہ کھلیتے ہیں۔

”عجیب قوم ہے ان کی۔“ کراڈیل نے ایوی کے انداز میں کہا:
”پھر انہیں کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے۔“

نواب جولین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:
”کراڈیل۔ جو باتیں میں نے مسلمانوں کے بارے میں بتائیں وہ دراصل ایسی خوبیاں ہیں کہ جس نواب کی زبردست سکھ و آرمیہ کو جو کاہنہ (جادوگر) کے لقب سے مشورتی، شکست دے کہ مارے شمالی افریقہ پیدا ہو جائیں وہ قوم دنیا پر حکومت کر سکتی ہے۔ ایسے سادہ اور صاف دل لوگوں کو سمجھانا بڑا ہی آسان ہے۔“
”پرتشدد کر لیا تھا۔ عبدالملک کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے مدد میں حسان کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو افریقہ ہم انہیں پوری دستی کا یقین دلا دی اور وہ ایک بار ہم پر اعتماد کر لیں تو پھر وہ اور ان کی پوری قوم ہمارے ہاتھوں میں آجائے گی۔ اپنے دوستوں کے لیے تو وہ پہاڑوں سے بھی ٹکرا جاتے ہیں۔“
”مگر ان کی دوستی آپ کیسے حاصل کریں گے۔ پھر ان کی دوستی کا مطلب یہ ہوگا کہ شمشاد و ہسپانیہ میں اپنی جان دے دے گی۔“

”موسیٰ کا باپ حضرت امیر معاویہ کے دور میں شاہ کا لپٹا ہوا تھا۔ افریقہ کی بربر قوم موسیٰ کی شجاعت اور فراست سے واقف نہ تھی اس لیے بربروں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی لیکن موسیٰ نے انہیں پے درپے شکستیں دے کر تمام اہل زور کو کچل کر امن و امان بحال کر دیا۔“
”موسیٰ نے یہ بھی کیا کہ شمالی افریقہ میں حمی قدر روئی تھی ان سب کو نکال باہر کیا کیونکہ ہر بغاوت اور سازش میں ان کا ہاتھ ہوتا تھا۔“

نواب جولین نے کہا:
”نواب جولین۔ آپ ہمارے سردار اور مالک ہیں۔ کس کی بھال ہے کہ آپ کے خلاف بول سکے؟“
”آپ سب سے عقل مند ہیں۔ جو قدم بھی آپ اٹھائیں گے وہ یقیناً سب سے اوپر اہل سبستہ کے مفاد میں ہوگا۔“

”آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔“
”ناباش کراڈیل۔ تم نے میری بڑی مشکل آسان کر دی۔“ نواب جولین خوش ہوتے ہوئے بولا:
”اب میں بڑے اطمینان سے مسلمانوں سے گفتگو کر کے قلعہ سبستہ کو بھی پہاڑوں گا اور پھر شمشاد و ہسپانیہ

نواب جولین کے قلعہ سبستہ پر دو بار اپنے فوجی دستوں سے بیجا کرانی جس کا مقصد قلعہ کی تسخیر سے زیادہ قلعہ کو زراعتی کر حاصل کرنا تھا۔ موسیٰ بن نصیر اس عظیم قلعہ کو براہِ کر کے بجائے اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ آئندہ فتوحات کے موقع پر وہ ایک مضبوط چھاؤنی کا کام دے لیکن جب دو بار لیگا کر نہ کے باوجود قلعہ دلو

نے مصالحت کا ہتھ بڑھا با تو اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔
قلعہ کو فتح کیے بغیر آگے کے علاقوں پر قبضہ کرنا کسی طرح دانشمندی نہ تھی۔ قلعہ بستہ کسی وقت بھی نہ
محورت پیدا کر سکتا تھا۔

مولیٰ بن نصیر ان دنوں قیرواں میں مقیم تھا۔ اس نے قلعہ بستہ اور اس کے اطراف کے علاقوں کو
کا ایک جامع منصوبہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے تمام سرداروں کو اپنے خیمے میں بلایا تھا۔
مولیٰ گورنر تھا۔ وہ محل میں رہ سکتا تھا لیکن وہ دن رات کا بیشتر حصہ فوجیوں کے ساتھ قیرواں سے
چھاؤنی میں گزارتا تھا۔

مولیٰ کے بڑے خیمے میں تمام سردار جمع ہو چکے تھے۔ مولیٰ وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ صرف
سرداروں کا انتظار ہو رہا تھا جو اب تک نہیں پہنچے تھے۔
مولیٰ ادھر ادھر کی گفت گو میں مصروف تھا کہ خیمے کے ایک پرے دار نے اندر آ کر مولیٰ بن
کان میں آہستہ سے کوئی بات کہی۔

مولیٰ بہ سن کر اچھن پڑا۔ تمام لوگ مولیٰ کو دیکھنے لگے۔
مولیٰ بن نصیر نے پرے دار سے پوچھا:
”تم نے اس خبر کی تصدیق کی ہے؟“
مولیٰ نے آہستہ سے کہا تھا پھر بھی خیمے میں موجود تمام لوگوں نے اس کی آواز سن لی۔ انھیں بھی
ایسی کون سی خبر آئی ہے جس نے مولیٰ کو پریشان کر دیا ہے۔

پرے دار نے بہت آہستہ سے کہا:
”والی معظم خبر لانے والا قاصد خیمے کے باہر موجود ہے۔“
اسے فوراً اندر بھیجا جائے۔ پرے دار مولیٰ کا یہ حکم سن کر باہر کی طرف چلا۔
مولیٰ نے اپنے سرداروں سے کہا:

”میرے دوستو۔ حافظہ سرحد نے ایک حیرت انگیز خبر بھیجی ہے۔“
اس کی بات ختم ہوئی تھی کہ پرے دار ایک آدمی کو لے کر پھر خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے گرد
کپڑے اس بات کی غازی کر رہے تھے کہ وہ دور دراز کے سفر سے آ رہا ہے۔ اس نے مولیٰ کو سلام کیا۔
مولیٰ نے ولیمک اسلام کہہ کر اس سے پوچھا:

”اسے قاصد۔ سوچ کر جواب دو کہ تمہیں حافظہ سرحد نے کیا پیغام دیا ہے؟“

قاصد نے صاف کے ایک لشکے ہوئے حصے سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ پھر بڑی واضح اور صاف آواز میں
مولیٰ سے کہا:

”حافظہ سرحد کا والی افریقہ کے لیے یہ پیغام ہے کہ قلعہ دار بستہ کاؤٹ جولین، اسلامی سرحد میں داخل
ہو گئے اور آپ سے فوراً ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔“

”کاؤٹ جولین۔“

”نواب جولین۔“

”حاکم بستہ۔“

اور اس طرح کی کئی آوازیں خیمے میں گونجیں۔ بہر آواز حیرت اور استعجاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔

مولیٰ بن نصیر سخت حیرت زدہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

مولیٰ نے پوچھا:

”کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ کاؤٹ جولین یعنی قلعہ بستہ کا حاکم ہی ہے۔“

”جی ہاں والی افریقہ۔“ قاصد نے دتوق سے کہا:

”جس وقت حافظہ سرحد نے مجھے یہ پیغام پہنچانے کا حکم دیا۔ اس وقت کاؤٹ جولین میرے سامنے
کھڑے تھے۔“

اس وقت مولیٰ کے سرداروں میں سے ایک سردار اٹھ کر مولیٰ کے پاس آیا۔ اس کا نقلیہ برہنہ سے تھا
اور وہ قلعہ بستہ کے قریبی علاقے کا رہنے والا تھا۔

مردار نے مولیٰ سے کہا:

”والی محترم! میں کاؤٹ جولین کہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ قاصد سے ان کا حلیہ دریافت کیجیے۔ میں
تصدیق یا تردید کر دوں گا۔“

مولیٰ نے قاصد سے کہا:

”قاصد۔ اپنے ذہن پر زور دو اور نواب جولین کا حلیہ تمہیں یاد آ سکے، بیان کہ دو۔“

قاصد نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں جیسے وہ کاؤٹ جولین کو تصور کے پردوں پر کھینچ
رہا ہے۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا:

”ان کا قد لمبا بنا۔ بدن چھبر۔ آنکھیں روشن نیلی۔ بال گھنگھریلے۔ قلیں گالوں پر لٹکی ہوئی۔
ادھیڑ عمر۔ ان کی آواز بھی میں نے سنی ہے۔ بہت جلدی جلدی باتیں کرتے ہیں۔“

”بے شک۔ بے شک۔ برابر سردار کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
”وہ نواب جو لین ہی ہیں۔“

”ان کے ساتھ کوئی خوج یا عاقل دوست ہے۔“ موسیٰ نے قاصد سے پوچھا۔
”کوئی نہیں ہے جناب والا۔“ قاصد نے فوراً جواب دیا؛
”وہ تنہا آئے ہیں۔ صرف ایک گھوڑا گاڑی ان کے ساتھ ہے۔“

”موسیٰ کو اور حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا؛
”گھوڑا گاڑی کی تلاش لی تھی۔ اس میں کیا ہے؟“

”گاڑی میں نواب جو لین کے گھر کی عورتیں ہیں۔“ قاصد نے ایک اور حیرت ناک انکشاف کیا۔
”موسیٰ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے قاصد کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر سرداروں سے مخاطب ہوا؛

”میرے ساتھیو۔ یہ خبر جس قدر حیرت انگیز ہے اتنی ہی سرت انگیز بھی ہے۔ نواب جو لین کا
ہیگمات کے ساتھ آگیا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر ضرور کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے اور وہ ہماری دعا
کا خواہش مند ہے۔

”بے شک۔“ کسی سردار کی آواز آئی۔

”آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔ ہم اپنے مکان کی بی بیوں کی کس انداز سے کریں۔“ موسیٰ بن نصیر نے کہا۔
”کلبھیو وہ سردار دلہ سے نہیں بلکہ خود اپنے آپ سے سوال کر رہے۔

”جو آپ بہتر خیال کریں۔“ ایک سردار نے کہا؛

”آپ ہمارے دالی ہیں۔“

”موسیٰ بن نصیر کسی خیال میں کھو گیا تھا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا؛

”نخواہ حالات کچھ بھی ہوں مگر نواب جو لین کا اپنی عورتوں کے ساتھ دشمن کے علاقے میں تھنا دانا
ہونا، شجاعت اور فراست کا ایک عظیم اظہار ہے۔ ہم اپنے بہادر دشمن کی اس کے شانِ ثانی پذیرائی
کریں گے۔“

پھر مہلتے مکھ دیا کہ ایک شاہی اور تین برابر سردار مع اپنی ہیگمات کے فوراً نہر حد کی طرف روانہ ہوں
اور نواب جو لین اور اس کے ساتھ آنے والی خواتین کو عزت و احترام فراوان لائیں۔

(2)

قصہ شر

دوسری شب کاؤنٹ جو لین نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

وہ اپنی بیوی اور دونوں لڑکیوں کے ساتھ چھت پر آیا تو پورا شہر ایک چراغاں کا منظر پیش کر رہا تھا۔
درد دیوار اور کوچہ بازار چراغوں کی روشنی سے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ کوئی گھڑیسا نہ تھا جہاں چراغ نہ ہیں
رہے ہوں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے زمین پر لکھناں اتر آئے ہوں۔ وہاں سب کی ہوتی تھیں اور لوگوں کی چہل پل پھٹی۔
کاؤنٹ (نواب جو لین) نے تو فوراً ہی سمجھ لیا کہ لوگ یہ خوشی کا اظہار کیوں کر رہے ہیں لیکن اس کی
بیوی اور بچیوں کو ذرا حیرانی ہوئی۔ جو لین نے انھیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ یہ چراغاں شہر کی آمد کی خوشی
کیا گیا ہے۔

قلعہ بستہ والے دراصل مسلمانوں کے حلقوں سے تنگ آ گئے تھے اور ان پر اس قدر خوف طاری تھا کہ رات
کو آرام سے سو بھی نہ سکتے تھے۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ اب حملہ ہوا اور اب ہوا۔

جب دن میں یہ خبر پھیل گئی کہ دالی بستہ نے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے تو وہ بے حد خوش
ہوئے اور رات کا یہ چراغاں اسی کا اظہار تھا۔

نواب جو لین کو عوام کے اس جذبے سے بے حد سرت ہوئی اور اس نے طے کر لیا کہ اب وقت ضائع کیے
بغیر وہ مسلمانوں کے دالی موسیٰ بن نصیر سے فوراً ملاقات کرے گا۔

اسی رات اس کے نائب کراڑی نے ملاقات بستہ کے تمام اہم لوگوں کی طرف سے جو لین کو مبارکباد کا
پیغام دیا۔ ان سب نے جو لین کے اس راہنمائی اقدام کو سراہا تھا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا۔

جولین نے کراڈیل کے ذریعے ان کا شک یہ ادا کیا اور اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ الگ صبح مسکانوں سے تکیہ کے لیے موسیٰ بن نصیر کے مستقر قیرواں جا رہا ہے۔

نواب جولین کی بیوی بہت سادہ طبیعت اور نیک دل عورت تھی۔ وہ سیاسی داؤں پیچ کو نہ توجہ دیتی تھی۔ نہ ایسے معاملات میں دخل دیتی تھی۔

نواب جولین نے شہنشاہ ہسپانیہ سے کہا تھا۔ اس کی بیوی بستر مرگ پر ہے حالانکہ وہ بالکل تندرست تھی۔ نواب جولین نے اس کی سیاسی بیماری کا ڈھونگ اس لیے رہایا تھا کہ شہنشاہ کو فلوراکو واپس بھیجنے میں کڑا اعتراض نہ ہو۔

آخر اس کا یہ ڈرامہ کامیاب ہوا اور وہ فلوراکو شہنشاہ کے چنگل سے چھڑا لایا۔ نواب جولین نے اپنی دونوں بیٹیوں مریم اور فلوراکو رات ہی مطلع کر دیا تھا کہ وہ اپنی تیاریاں مکمل کر لیں گی کیونکہ انھیں جولین کے ساتھ قیرواں چلنا ہے۔ چنانچہ دونوں بہنیں رات بھر خوشی خوشی تیاریاں کرتی رہیں۔ ان کی ماں نے ان کا ہاتھ بٹایا لیکن اس نے شوہر سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ قیرواں کے دور دراز سفر میں ان لڑکیوں کو لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہی حلال مریم اور فلوراکو تھا۔ انھیں اپنے باپ کی فراموشی اور دروازہ پر پورا اعتماد تھا۔

صبح کے دھندلے میں نواب جولین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ مریم اور فلوراکو ایک گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ انھیں الوداع کہنے کے لیے جولین کی بیوی، جولین کا نائب کراڈیل اور جولین کے ذاتی ملازموں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ نواب جولین خاموشی سے جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ اتنی خاموشی سے روانہ ہوا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو سکی۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو یہ مختصر قلعہ بستی سے کافی دور پہنچ چکا تھا۔

اسلامی سرحد میں داخل ہوتے ہی سرحدی دستوں نے نواب جولین کو گھیر لیا۔ سرحد کے ناظم کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی سرحد میں داخل ہونے والی قلعہ بستی کا حاکم نواب جولین ہے تو وہ بہت عزت اور مردت سے پیش آیا اور انھیں ہمان کی طرح اپنے ساتھ رکھا۔

جولین کی خواہش کے مطابق ناظم سرحد نے موسیٰ بن نصیر کو اس کے مرنے کی اطلاع بھجوا دی۔ دو ہفتے بعد نواب جولین کو حفاظتی دستوں کے ساتھ قیرواں روانہ کر دیا گیا۔

اسلامی سپہ سالار اور گورنر قیرواں، موسیٰ بن نصیر، رطبی بے چینی سے نواب جولین کا انتظار کر رہا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے قیرواں سے ایک منزل آگے پہنچ کر نواب جولین کا استقبال کیا۔ نواب جولین کے ساتھ اس کی دونوں لڑکیوں کے علاوہ قیرواں سے بیسے ہونے سردار اور ان کی بیگمات بھی تھیں۔

نواب جولین نے گھوڑے سے اتار کر اپنی کمر سے تلوار نکالی اور موسیٰ بن نصیر کی طرف بڑھا دی موسیٰ نے نواب جولین سے تلوار لے لی پھر خود اپنے ہاتھ سے اس کی کمر میں لگا دی۔ یہ ایک طرح کا انہار دوستی تھا۔

جولین نے اس کے جواب میں موسیٰ بن نصیر کو فوجی طرز سے سلام کیا موسیٰ نے سلام کا جواب دے کر اپنے بازو پھیلا دیے اور نواب جولین آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا۔

ان دسویں اور فوجی تکلفات کے بعد سب لوگ قیرواں کی طرف روانہ ہوئے رستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص بات نہ ہوئی۔

قیرواں پہنچ کر موسیٰ بن نصیر نے نواب جولین سے کہا کہ وہ کچھ آرام کرے تاکہ سفر کی تھکن دور ہو جائے مریم اور فلوراکو موسیٰ کے ایک معزز مصاحب اور سردار ابن مرجع کے گھر ٹھہرایا گیا۔ ابن مرجع نے خود ہی ان معزز مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے درخواست کی تھی۔

دوسرے دن موسیٰ بن نصیر نے دوپہر کے کھانے پر جولین کو مدعو کیا۔ اس موقع پر موسیٰ نے چند سرداروں کو بھی کھانے پر بلایا۔

کھانا رطبی خاموشی سے کھا گیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے اپنے سرداروں کو رخصت کر دیا۔ اب موسیٰ اور جولین اکیلے رہ گئے۔

موسیٰ بن نصیر یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا کہ نواب جولین کے اس طرح آنے کا سبب کیا ہے۔ جولین خود بھی چاہتا تھا کہ وہ ان باتوں کا اظہار کرے جن کی خاطر اس نے دشمن کے علاقے میں آنے کا خطرہ مول لیا ہے۔

نواب جولین نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں صرف ایک غلام موجود تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے نواب کا اندیشہ پاکر اسے بھی باہر بھیج دیا اور کہہ دیا کہ:

”ہم گفتگو کر رہے ہیں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔“

آخر نواب جولین نے کہا:

”سردار محترم۔ آپ کو میرے اس طرح یہاں آنے پر ضرور حیرت ہوگی لیکن سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا

شہنشاہ راڈرک کے محل کا ہے۔ اس کے محل کا چہ چہ عشرت کدہ بنا ہوا ہے۔ ہر شب نغمہ و سرور کی محفلیں جتی ہیں، بے پس اور بے کس لڑکیاں ہر نہر نہر پر مجسمہ کی جاتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بن و ابوں اور سرداروں نے اچے بیٹیں اور بیٹیاں تعلیم و تہذیب کے لیے شاہی محل میں رکھ چھوڑی ہیں، وہ بھی محفوظ نہیں۔ شریف خاندان کی ایک دو تیرہ روز راڈرک کی ہوس کا نشانہ.....

یہ کہتے ہوئے نواب جولین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اس کی آواز بھراگی اور گلہ ریز ہو گیا۔ پھر اس سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ رونے لگا۔ پھوٹ پھوٹ کے، بالکل بچوں کی مانند، جن کا کوئی دل پسند کھلونا ٹوٹ جاتے۔

موسیٰ بن نصیر، نواب جولین کی ان باتوں سے بڑا متاثر ہوا۔

موسیٰ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

”نواب جولین۔ آپ ایک بہادر سردار ہیں اور بہادر بچوں کی طرح آنسو نہیں بہایا کرتے؟“

نواب جولین نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

”محترم سردار۔ ہمارے جسمانی رشتوں سے کبھی نہیں گھبراتے لیکن جب دل پر زخم لگے اور روح بے چین ہو جائے تو کون ہے جو صبر کر سکے..... سردار آپ کو علم نہیں کہ..... کہ اس کیسے..... ذلیل..... راڈرک نے..... میری معصوم بیٹی..... نلوار کا دامن عصمت تار تار کر دیا۔“

نواب جولین کے آنسو پھر زباں ہو گئے۔

موسیٰ بن نصیر نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھیں غصے سے ابل پڑیں۔ اس نے نلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر اسے کھینچا چاہا لیکن فوراً ہی وہ سنبھل گیا۔ اس نے سوچا وہ خود مختار اور با اختیار نہیں۔ ابھی اسے کچھ سچا اور کھنسا ہے رندہ و خود کوئی نصیب کر سکتا ہے اور نہ قدم اٹھا سکتا ہے۔

نکار مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ نواب جولین ایک شعلہ جیا مقرر بھی تھا۔ پھر نلوار کی وجہ سے اس کے دل میں جو آگ لگی تھی اس نے اس کی تقریر میں حقیقت کا رنگ بھر دیا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کے سامنے اتنا زبردست تقریر کی کہ موسیٰ اسی وقت نلوار بلند کر کے اس کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر بڑا ذہین اور دراندیش سردار تھا۔ وہ نواب جولین سے اگرچہ بہت متاثر ہوا لیکن کسی فتنہ فیشے سے پہلے اسے دربار خلافت سے اجازت لینا تھا اور خود کو بھی پوری طرح مطمئن کرنا تھا۔ موسیٰ نے تسلی دیتے ہوئے کہا:

”نواب جولین۔ قسم ہے وحدہ لا شریک کی کہ میں تمہارے علم میں براہد کا شریک ہوں۔ تیری بیٹی مثل

جس کام کے لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں وہ اتنا اہم ہے کہ اس کی اطلاع کسی پیغام کے ذریعے نہیں ہو سکتی تھی۔“

موسیٰ بن نصیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور بولا:

”نواب جولین۔ میں اس بات کا اعزاز تو ہو گیا ہے کہ آپ کسی خاص مصیبت میں گرفتار ہیں۔ آپ بہر فرمائیے۔ ہماری خدمات آپ کے لیے حاضر ہیں۔“

نواب جولین نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا:

”سردار محترم! میں آپ کی توجہ ہسپانیہ کے عوام کی بد حالی اور شہنشاہ راڈرک کے ظالمانہ رویے کی طرف مبذول کرا چاہتا ہوں۔“

جولین نے تھکرے موسیٰ کی طرف دیکھا۔

موسیٰ نے کہا:

”نواب جولین۔ میں پوری طرح متوجہ ہوں۔“

نواب جولین نے کہا:

”سردار۔ آپ نے ہسپانیہ کے مملکت کھیتوں، سرسبز و شاہد اب مرغزاروں اور قدرتی مناظر پر حسین وادیوں کا حال تو سنا ہوگا؟“

”جی ہاں۔ مجھے مختصر طور پر بتا گیا ہے۔“ موسیٰ نے جواب دیا:

”ہسپانیہ کے بہت سے لوگ آپ کے بادشاہ کے مظالم سے تنگ آکر ہمارے علاقے میں آ گئے ہیں۔ انھوں نے کچھ اسی طرح کی باتیں بتائی ہیں۔“

نواب جولین نے کہا:

”جی سردار محترم! میں اسی غلام رستم کی داستان آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہسپانیہ میں اس وقت دربار حکمران پر ایک ظالم شہنشاہ راڈرک اور دوسری طاقت کلیساؤں کے پادری۔ پادریوں نے مذہب کے نام

راڈرک کو غلام رستم کی چھٹی دوسے رکھی ہے اور شہنشاہ نے پادریوں کو ہر قسم کی مافی کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ اس طرح ہسپانیہ کے عوام پر توڑا جانے والا ظلم، ان دو طاقتوں کے اشتراک کی وجہ سے حکم الٰہی

کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ عوام کو اپنی مرضی سے شادی بیاہ کی بھی اجازت نہیں۔ انھیں شادی سے پہلے کلیسا کے پادری سے اس کی باتا تہہ اجازت حاصل کرنا پڑتی ہے۔ ہر کلیسا ایک عشرت کدہ بنا ہوا ہے جہاں غریب

کی دو تیرہ بیٹی زبردستی داخل کی جاتی ہیں اور ان کی جوانیوں کا مذہب کے نام پر روزانہ ہوتا ہے۔..... بیٹی

میرم اور خمیری کی دلچسپ نوک جھونک میں حصہ لیتی۔

فلورا اور مریم کو آئے ہوئے چوتھارن تھا۔

مریم اور خمیری منہ سے منہ ملائے باتیں کر رہی تھیں۔ فلورا بھی پاس ہی بیٹھی تھی۔ مریم باتیں کرتے کرتے رکی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

خمیری نے پوچھا:

”کیا ہوا مریم۔ تم چپ کیوں ہو گئیں۔ کیا گھریا دارا ہے؟“

مریم نے چونک کر خمیری کو دیکھا۔ پھر مسکلاتے ہوئے بولی:

”میرا گھر۔ کیا یہ میرا گھر نہیں۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب میں اسی گھر کی ہو کر رہ گئی ہوں۔“

خمیری اور فلورا نے اسے ذرا تعجب سے دیکھا۔ پھر خمیری بولی:

”مذاکرے کرے مریم۔ اگر اسی گھر پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہے تو بڑے پارٹینا پڑیں گے۔“

مریم ہنسے ہی یہ ذمعی جملہ کہہ کر آپ ہی آپ شرمندہ ہو رہی تھی اس پر جب خمیری نے اس پر بھرپور طنز:

کیا تو وہ تڑپ اٹھی اور جلدی سے بولی:

”میں خمیری کی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔ میں نے تو بس ایک بات کی ہے؟“

خمیری زبیر لب مسکراتی اور بولی:

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تم بات کی بات کرتی رہو اور ہم نرے بدحوہی کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکیں۔ بھلی حبیب بھی ہیں بدحوہ سمجھتے ہیں۔ ہمارا طرح وہ بھی سمجھ بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور جب ان کا چور پکڑا جاتا ہے تو فوراً مسکرا کر اٹھ جاتے ہیں۔“

حبیب کے آکر مریم اور حبیب گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی:

”اچھا بابا معاف کر دو غلطی ہو گئی۔“

”نہر گز نہیں۔ معافی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک تم یہ نہ بتاؤ گی کہ تم باتیں کرتے کرتے چپ کیوں ہو گئی تھیں۔ خمیری نے جبکہ کہہ کر کہا۔“

مریم نے کہا:

”جلو یہ جھکسے۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ آزاد پنچھی ہیں۔ چار پانچ دن سے گھر میں جیسے قید ہیں۔“

”خدا نہ کرے۔ قید ہوں تمہارے دشمن؟“ خمیری کو جیسے برا معلوم ہوا:

”جہاں جہاں چاہے جاؤ گھر کو پھر دو۔ تم تو ہماری ممان ہو۔ تمہیں کون روک سکتا ہے۔“

میری اولاد کے ہے۔ اگر اسی پر واقعی ظلم ہوا ہے اور ہسپانوی عوام کا جو نقصان تم نے کھینچا ہے اس میں کوئی حقیقت ہے تو یقین رکھو کہ مسلمانوں کی تلوار ظلم و استبداد اور فتنہ و فساد کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے تیار کر رہی ہے بشرطیکہ....“

نواب جولین اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا:

”مردارہ محترم! کیا آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں۔ میں اس کے لیے بڑے سے بڑا حلف اٹھانے کیلئے

تیار ہوں۔“

موسی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

”نواب! تمہارا دل دکھا ہوا ہے۔ یہ تو مجھے یقین ہے کہ تمہاری بیٹی پر ضرور ظلم ہوا ہے اور تمہارا جذباتی

لازمی ہے لیکن یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے ہے۔“

نواب جولین بولا:

”مردارہ عالی مقام! میں آپ کا تعاون اور اعتماد حاصل کرنے کے لیے ہر قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔“

”ٹھیک ہے نواب جولین۔ موسیٰ نے کہا:

”آپ کچھ دن آرام فرمائیے۔ آپ ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کو یوں نہیں کریں گے لیکن کوئی فیصلہ کرنے

پہلے ہمیں اسی کئی باتوں پر غور کرنا ہو گا۔“

نواب جولین کو موسیٰ بن فیصر نے اس طرح تسلی دی کہ اسے بڑی حد تک اپنی کامیابی کی امید پیدا ہو گئی۔



فلورا اور مریم، ابن مرجع کی لڑکی خمیری سے ایسے گل مل گئیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ خمیری بڑی شرمندہ اور چھٹی لڑکی تھی۔ اس کی مریم سے خوب ہنسی۔ مریم بھی خمیری کی طرح چٹا چٹا باتیں کرتی۔ اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی، اس نے اسے آزاد خیال اور بے باک بنا دیا تھا۔ عیسائی لڑکیاں یوں بھی اپنے یاغیر سے گفتگو کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتیں۔ یہ دونوں عین بے پردہ رہتی تھیں۔

فلورا اگرچہ شرمندہ نہ تھی لیکن حالات اور واقعات نے اس کے مزاج میں کچھ سنجیدگی پیدا کر دی تھی۔ اس کے باپ نواب جولین نے اسے اچھی طرح سکھایا تھا کہ طلبہ کے واقعات کی کسی کو جھجک نہ پڑے اور فلورا اپنی گفتگو یا کسی فعل سے یہ بات ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ کسی قیامت سے گزر چکی ہے۔ فلورا سے جہاں تک:

مگر جاؤں کہاں اور کس کے ساتھ۔ تم تو پرہیزگرنی ہو۔ مریم نے شرارت سے کہا۔

”ہوں۔ تو یہ بات ہے۔“

غیر مریم جیسے بات کہہ کر پہنچ گئی۔

”کیا خیال ہے تمہیں بھیا حبیب کے ساتھ میرے لیے بھیج دوں۔“

اب تو جیسے مریم پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

حبیب اور عثمان دونوں غیر مریم کے بڑے بھائی تھے۔ غیر مریم نے کئی بار یہ محسوس کیا تھا کہ مریم حبیب سے خواہ مخواہ گفتگو کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

مریم کو کوئی اور جواب تو نہ سوجھا مگر اس نے پیچھا چڑھانے کے لیے کہا:

”بھئی حبیب میں کیا خاص بات ہے اس خراس گھر میں بھیا عثمان بھی تو موجود ہیں۔“

”نہ نہ نہ۔ مریم تم بھیا عثمان کا نام نہ لو۔ خیمری اڑا کر بولی، پھر اس نے فوراً کی طرف دیکھا اور بولی:

”بھیا عثمان کے لیے تو میں فوراً کہہ پہلے ہی پسند کر چکی ہوں۔“

فوراً دھک سے رہ گئی۔

اسے عثمان سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ عثمان ضرور اس سے بات کرنے کا خواہش مند نظر آتا تھا لیکن

فوراً کا دل دکھا ہوا تھا پھر بھی اسے عثمان کا ہنستا ہوا سرخ چہرہ اور سرخ بال پسند تھے۔ فوراً اپنی طرف سے

عثمان سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرتی لیکن جب عثمان ان لوگوں کے اس مزاج پر مئی کے لیے آتا تو فوراً

کے دل کے کسی کونے میں یہ خواہش ضرور پیدا ہوتی کہ عثمان اسے نظر انداز نہ کرے۔

فوراً نے نظریں نیچی کر کے کہا:

”ہن خیمری۔ تم اپنے جھگڑاؤں میں مجھ غریب کو کیوں پھینٹ رہی ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟“

خیمری نے ہنس کر کہا:

”اچھا بھئی قصور وار تو ہم ہی ہیں لیکن یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ بھیا عثمان مزاج پوچھنے تو سب

معاذوں کا آتے ہیں لیکن بات کہتے وقت ان کی تمام توجہ اور نظریں تمہاری طرف رہتی ہیں۔“

اسے میں ابن مرجع مگھئے۔ ان کے ساتھ حبیب اور عثمان بھی تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کو ہنس ہنس کر بات

کرتے دیکھا تو غریب سے کہہ کر بولے:

”خدا کا شکر ہے کہ بیٹی مریم اور فوراً کا بہاں دل لگ گیا۔ تم دونوں کہہ ہنتا بوتا دیکھ کر میرا دل خوشی سے

باغ باغ ہو جاتا ہے۔“

خیمری نے سسکا کر کہا:

”اباجان۔ ان کا دل تو یہاں خوب لگا ہے لیکن مریم نے آج ایک فرمائش کی ہے۔“

نزد رنرور۔ کو بیٹی مریم۔ تمہاری فرمائش پوری کر کے ہمیں دن خوشی ہوگی۔ ابن مرجع نے بے مد

شفقت سے کہا۔

مریم نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خیمری بول پڑی:

”اباجان۔ مریم ہمارے قروان کے غنساؤں کی سیر کرنا چاہتی ہیں۔“

کیوں نہیں ضرور سیر کریں۔“

پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے:

”میرا خیال ہے کہ.....“

”بھائی جان حبیب کو ان کے ساتھ بھیج دیجیے۔ خیمری باپ کی بات کھٹے ہوئے پٹ سے بولی۔

”تم فیصلہ کرنے والی کون ہوتی ہو۔“ عثمان نے تقریباً چہینتے ہوئے احتجاج کیا۔ اسے خیمری پر بڑا غصہ

آیا۔ وہ خود اس حسین اجتماع کا خواہش مند تھا۔

لیکن ابن مرجع نے یہ کہہ کر عثمان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا:

”حبیب زیادہ مناسب ہے۔“

پھر حبیب سے مخاطب ہوئے:

”دیکھو بیٹے۔ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہاں خیمری تم بھی ساتھ جاؤ گی۔“

”ہیں..... میر.....“ خیمری ذرا گھبراتی۔

”نہیں اباجان..... امی کے پاس کون رہے گا۔“ عثمان نے جہل کر کہا۔

”آپ کیل جلتے جا رہے ہیں عثمان بھائی۔ میں خود ہی نہیں جاؤں گی۔ خیمری کو بھی غصہ آگیا۔

ابن مرجع نے ہن بھائی کی ابن نوک جھوک کر اپنی ایک ڈانٹ کے ذریعے ختم کر دیا اور حکم دیا:

”کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ جاؤ حبیب تیار ہو جاؤ۔ اور مریم اور فوراً تم بھی تیار کرو۔“

حبیب اور ابن مرجع چلے گئے تو عثمان نے مریم سے کہا:

”مریم۔ آپ بھائی جان کے ساتھ جاؤ رہی ہیں لیکن وہ جنگی ہتھیاروں کے نام کتابتا کے آپ کا دماغ چا

جا رہی ہے۔“

”کھینائی ملی کھانا چپے اسی کو کہتے ہیں مریم۔“ خیمری نے ہنس کر کہا۔

قلعہ بستہ کے پہلے عاصر کے دوران وہ خوش جہاد میں قلعہ کی دیوار تک پہنچ گیا تھا اور اسے دباں سے بچاؤت داپن لائے میں بڑی ہریشانی ہوئی تھی۔ عام طور سے عورتوں سے شرارتیں بہت باتیں شروع ہوجاتیں تو پھر رکے کا نام نہ لیت لیکن اس کی تمام گفتگو گھوم پھر کر جنگ اور اسلحے پر آکر مرک جاتی۔ تینوں خاموشی سے گھوڑے بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ حبیب کا گھوڑا درمیان میں تھا۔ وہ رہنمائی کے فرائض ادا کر رہا تھا۔

فلورا تو خاموش طبیعت کی تھی ہی مگر مریم بھی خاموشی سے چل رہی تھی اور حبیب باتیں کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ آخر حبیب سے نہ بھا گیا۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کے مریم سے کہا: ہم کبھی کسی لڑائی میں شریک ہوتی ہیں۔ مریم کو اس کے بھولے پن پر ہنسی آگئی۔ اس نے تیز نظروں سے حبیب کو گھورتے ہوئے کہا: ”حبیب صاحب ہم جنگ کے لیے نہیں سیر کے لیے آئے ہیں۔ دیکھیے ناموسم کتنا خوش گوار ہے۔ تیز ہوا کے جھونکے کیسے پیار سے لگتے ہیں۔“

”جی ہاں جی ہاں۔ آپ نے بجا فرمایا۔“ حبیب خوش ہوتے ہوئے بولا: ”ہوا کے یہ تیز جھکڑ بالکل اس طرح چل رہے ہیں جیسے دشمن کی فوج اٹھ رہی ہو اور.....“ اور اس میں سبز نمکستان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“ مریم نے ہنسنے ہوئے پوچھا۔ ”سمان اللہ کیا کہنا ہے اس سبزے کا۔ ہوا کے شونخ پھیڑوں سے سبزہ اس طرح لہرا رہا ہے جیسے..... جیسے..... جیسے حملہ آور سوار گھوڑے سے گھوڑا لمانے دشمن پر یلغار کر رہے ہوں۔“ حبیب نے اپنے خیال میں بڑی خوبصورت تشبیہ دی تھی لیکن مریم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ فلورا نے اپنی ہنسی بمشکل روکی اور مسکرا کر رہ گئی۔

ایک مرغزار میں پہنچ کر قینوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔ یہ نمکستان کا درمیانی حصہ تھا۔ اس قسم کے سبزہ زار ارگنستان میں عام طور پر نظر نہیں آتے لیکن قیردان کے اطراف میں بعض نمکستان ایسے تھے جہاں پہنچ کر انسان بھول جاتا ہے کہ وہ کسی ارگنستان میں موجود ہے۔ سب لوگ گھوڑوں سے اتار پڑے۔ حبیب نے زین سے کسا ہوا کھجور کے ریشوں سے بھرا ایک گدا نکال کر زمین پر بچھا دیا۔

فلورا نے دیکھا کہ حبیب اور مریم ہیں اب تک چلی ہوئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے کھینے ہوئے یا خائف ہیں۔ اسے اس ماحول میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے مریم سے کہا:

غھوڑی دیر بعد تین گھوڑے ان لوگوں کے لیے بھیج دیے گئے۔ مریم شہسواروں میں کافی ماہر تھی۔ ہر ایک ہلکی جست کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ حبیب پہلے ہی گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ فلورا کی تربیت سپاہیوں میں ہوئی تھی۔ اسے گھڑسواری کی زیادہ شغف نہ تھی۔ غیر کی کوئی بات کا موقع ملنا چاہیے۔ وہ ہنسی مذاق اور طنز و مزاح کا کوئی موقع نہ جانے دیتی تھی۔ اسے فلورا کی ہنس کمزوری کا کہیں سے علم ہو گیا تھا۔

فلورا اپنے گھوڑے کے پاس آئی تو خیر نے فوراً عثمان سے کہا: عثمان بھاٹی، فلورا کو سہارا دیجیے۔ اور عثمان بوکھلا یا ہوا بغیر کچھ سمجھے فلورا کی طرف چلا..... لیکن فلورا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی گھوڑا پر سوار ہو چکی تھی۔ فلورا نے باگیں سنبھالتے ہوئے کہا: ”خیر تمہارا شکریہ۔ فی الحال مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی ایسا وقت آئے تو عثمان صاحب کو ضرور زحمت دوں گی۔“

عثمان شرمندہ سا ہو گیا۔ حبیب کو نہ جانے کیا سوچھی کہ وہ گھوڑا بڑھاکے فلورا کے پاس آیا اور بولا: ”آپ کو شہسواروں آتی ہے تو شمشیر زنی بھی ضرور آتی ہوگی۔“ ”کچھ کچھ آتی ہے۔“ فلورا نے شرماتے ہوئے کہا۔ ”نکرنہ سمجھیے۔ میں آپ کو شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں ماہر کر دوں گا۔“ حبیب نے خواہ مخواہ اپنی خان پیش کر دیں۔

یہ سن کر فلورا تو کچھ نہ بولی مگر مریم کے چہرے پر شکلیں پڑ گئیں۔ اس نے کہا: ”حبیب صاحب۔ یہ کام آپ عثمان صاحب کے لیے چھوڑ دیں۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔“ مریم کی اس بات پر حبیب گھبرا گیا۔ گڑ بڑا کر بولا: ”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ عثمان بھی اچھا شمشیرزن ہے لیکن.....“ لیکن آپ جیسا نہیں۔ آپ کا جواب تو شاید پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ مریم جل گئی تھی مگر بڑے انداز سے ہنسنے ہوئے بولی۔

حبیب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ مریم اس کی کسی بات سے ناراض ہو گئی ہے۔ یہ کامراج ایک کھرے اکھر قسم کے سپاہی کا تھا۔ میدان جنگ میں بھی وہ اسی طرح رہتا۔ وہ انتہائی جوشیلا جوان تھا۔

عثمان..... عثمان نے کیا کہا تھا۔ حبیب نے چونک کر پوچھا۔
فلورا نے سر ہلکا اشارہ کیا کہ وہ کچھ نہ بتائے مگر مریم نے زبان نہ رکھ سکی۔ اس نے کہا:
عثمان بھائی گھر رہے تھے کہ تم حبیب بھائی کے ساتھ جا تو رہی ہو لیکن وہ جنگ کی باتیں کر کر کے
میر کا سارا مزہ کر کر اکھڑ گئے۔
"وہ تو احمق ہے۔ ذرا تلوار چلانا کیا آگئی کہ اپنے برابر کسی کو سمجھتا ہی نہیں۔ حبیب بڑا بڑا نے لگا۔
عثمان تلوار کا دھنی مشہور تھا۔ وہ حبیب کی طرح جو شہیدانہ تھا بلکہ میدان جنگ میں بھی اپنے حواس
درست رکھتا۔ چھوٹی چھوٹی کٹی لڑائی میں اس نے بڑی داد شجاعت دی تھی۔ موسیٰ بن نعیر ابن مرجع کو اس لیے
بھی عزیز رکھتا تھا کہ اس کے دونوں بیٹے شجاع اور بہادر تھے۔
فلورا کے دل معقولات سے گفتگو کا رخ تبدیل ہوا۔ یہ لوگ اپنے گھوڑے وہیں چھوڑ کر پیدل چل
پڑے۔ یہ تختستان اپنی شادابی کے لیے مشہور تھا۔
فلورا کی کوشش سے مریم اور حبیب میں میل ہو گیا۔ یوں کوئی لڑائی بھی نہ تھی بس پونی نو کا چوکی ہوا
کرتی تھی۔ انھوں نے خوب دل بھر کے سیر کی۔
جب شام کو گھر واپس پہنچے تو ان کے جسم تھکن سے چور چور تھے۔



"اہل اسلام کو ہونک سمندر میں نہ ڈالو۔"
یہ مختصر جواب موسیٰ بن نعیر کو دربار خلافت سے موصول ہوا۔ موسیٰ نے کاڈٹ جولین کے اس طرح
قبضان آنے کی پرری تفصیل خلیفہ ولید بن عبدالملک کو دمشق مکہ بھیجی تھی۔ اس نے آخر میں دبے دبے الفاظ میں
اندس (ہسپانیہ) پر لشکر کشی کی اجازت مانگی تھی لیکن اموی خلیفہ اس پر راضی نہ ہونے اور اس مختصر نامے
کے ذریعے صاف انکار کر دیا۔
موسیٰ بن نعیر کو اس جواب سے بڑی مایوسی ہوئی۔
کاڈٹ جولین نے ہسپانیہ کے عوام پر ہونے والے مظالم کا تذکرہ ایسے افانوی انداز میں کیا تھا
کہ موسیٰ بن نعیر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ اسلام کا مقصد ہی فتنہ و فساد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنا ہے مگر
اب نہ مجبور تھا۔ خلیفہ وقت کی اجازت کے بغیر وہ اتنا بڑا اور اہم قدم کس طرح اٹھا سکتا تھا۔

"حبیب بھائی بڑی دلچسپ گفتگو کرتے ہیں تم خواہ مخواہ مرمان جاتی ہو۔"
مریم اب صبح پر آدھہ ہو چکی تھی۔ اس نے کہا:
"میں کیوں مرمانے لگی۔ ان کی گفتگو واقعی دلچسپ ہوتی ہے۔ اگر ان سے کوئی گلم کہہ
تعریف کیجیے تو یہ فوراً فرمایں گے۔ واہ واہ! کیا ابرو ہیں۔ خیمہ تلواریں ہیں یا کھینچی ہوئی کانیں اور بکسیر
تیر ہیں۔ کمان سے نکلنے کے لیے بے چین۔ ان کی نظروں میں وہ آنکھیں بہت خوبصورت ہیں جن سے
نکلنے ہوں۔"
فلورا تو مریم کی باتوں پر مسکرا رہی تھی لیکن حبیب نہ جانے کیا سمجھا، فوراً قطع کلام کرتے ہوئے
"سبحان اللہ! آپ تو شاعری کرتی ہیں۔ کیا بیاری بیاری مثالیں پیش کی ہیں آپ نے۔"
مریم نے منہ کر کہا:
"یہ تمام مثالیں میدان جنگ سے تعلق رکھتی ہیں نا اسی لیے آپ کو بہت پسند آئی ہیں۔ کبھی آپ برا
سے نکل کر بھی سوچا کیجیے۔"
حبیب گھبرا کر بولا:
"جی ہاں۔ آپ خزانہ میں تو ایسا ہی کروں گا لیکن جنگ، میدان جنگ، تیر تلوار اور نیزہ۔ اور۔"
اگر انسان نکل جائے تو پھر اس کی زندگی میں رہ کیا جلتا ہے۔"
"زندگی کا ایک اور رخ بھلے ہے حبیب صاحب۔" مریم نے جھٹکا کر کہا۔
حبیب نے معصومیت سے پوچھا:
"جی میں سمجھتا نہیں۔ وہ دوسرا رخ کونسا ہوتا ہے۔"
"وہ بھی ہے حبیب صاحب۔" مریم نے دبی زبان میں کہا،
"دنیا کے جھمیلوں سے وقت نکال کر اگر سیر و تفریح نہ کی جائے تو زندگی ایک خشک چٹان بن کر
جاتی ہے۔"
"صحیح فرمایا آپ نے۔ ایسا جو ناہمت ضروری ہے۔ میں سیر و تفریح اور اچھی اچھی باتوں کو بہت پسند
ہوں۔ حبیب نے اس طرح کہا جیسے وہ دوسروں کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔
مریم نے کہا:
"لیکن مشکل تو یہ ہے کہ آپ اس ماحول میں بھی میدان جنگ سے باہر نہیں نکلتے۔۔۔۔ عثمان بھائی
نے ٹیک ہی کہا تھا۔"

موسیٰ نے کاؤنٹ جولین سے اس جواب کا تذکرہ نہ کیا اور ایک دوسرے قاصد کے ذریعے پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی ہم آپ جیسے غلص دوست کی مدد کر کے بھی بہت سرور ہوں گے پاس درخواست روانہ کی۔

اس میں موسیٰ نے دیگر تفصیل کے علاوہ اس بات کی بھی وضاحت کی کہ ہسپانیہ اور افریقہ کے درمیان کوئی وسیع سمندر واقع نہیں ہے بلکہ ایک چھوٹی سی خلیج ہے اور افریقہ کے ساحل سے ہسپانیہ کا علاقہ تہ نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ کاؤنٹ جولین نے جو سابق شہنشاہ ہسپانیہ کا داماد ہے، وعدہ کیا ہے کہ شہنشاہ راڈرک کے خلاف اس سابق شہنشاہ عیسیٰ کے بھائی اور لڑکے کے ساتھ تعاون کرے گا۔ اس کے لیے آمادہ ہیں۔

اس درخواست کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ خلیفہ نے موسیٰ کو لکھا کہ: "بہمی رنجش و رقابت اور مذہبی عناد اکثر ایسے فتنے اٹھاتا کرتے ہیں اس لیے کاؤنٹ جولین کی اچھی طرح آگاہی کی جائے۔" اس کے بعد ایک آزمائشی حکم کیا جانا چاہیے۔

خلیفہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد موسیٰ نے کاؤنٹ جولین سے تفصیلی گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے نواب جولین کو اسی وقت بلا بھیجا۔

نواب جولین دواہ سے موسیٰ کے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا کہ موسیٰ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ دربار خلافت کی اجازت کے بغیر وہ ایک قدم بھی اٹھانے سے مجبور ہے۔ کاؤنٹ جولین امید و بیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ موسیٰ کے پاس پہنچا۔

موسیٰ بن نصیر نے اسے دیکھتے ہی کہا:

"کاؤنٹ جولین مبارک ہو خلیفہ المسلمین نے ہمیں شہنشاہ ہسپانیہ کے خلاف کارروائی کرنے کی اجازت دیدی ہے۔"

کاؤنٹ جولین اس قدر خوش ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ آنسو خوشی کے تھے۔ کاؤنٹ جولین نے کہا:

"سرور محترم! میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ اس وقت خوشی کی وجہ سے میرے دل کا یہ حالت ہے وہ میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔"

موسیٰ بن نصیر کچھ کچھ ہنستے ہوئے بولا:

"میں بھی کچھ کم خوشی نہیں کاؤنٹ جولین۔ ہسپانیہ کے مظلوم عوام کو راڈرک کے ہتھی پھڑتے

کاؤنٹ جولین نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا:

موسیٰ بن نصیر مکرراتے ہوئے بولا:

سرور محترم! کاؤنٹ جولین نے گلگورگہ آواز میں کہا:

نواب جولین نے کہا:

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

نواب جولین نے کہا:

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

نواب جولین نے کہا:

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

نواب جولین نے کہا:

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

نواب جولین نے کہا:

”یہ ہماری ذمہ داری ہے۔“ موسیٰ بن نعیر نے کہا:
”قلعہ اور علاقہ سب سے کی حفاظت ہم کریں گے۔ آپ ہسپانوی علاقے پر حملے کا سنا کر متبےجیے۔ باقی
نہا کا کام ہمارا لشکر کرے گا۔“

کاؤنٹ جولین نے اب تک جو کچھ کہا تھا اب اسے اس کا عملی ثبوت پیش کرنا تھا۔ شہنشاہ ہسپانیہ سے
انتفا لینے کے لیے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ موسیٰ بن نعیر کا تعاون حاصل کرے۔ موسیٰ بن نعیر کی شرط بہت سخت
تھی لیکن اسے پورا کرنے کے سوا کاؤنٹ جولین کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔
کاؤنٹ جولین نے کہا:

”محترم سردار آپ کا حکم مرا نکھوں پر لیکن اس کے پورا کرنے میں دو تباہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر میں
اپنے دوستوں کے ساتھ ہسپانوی علاقوں پر حملہ آور ہوں تو وہاں جو کچھ پیش آئے اس کا حال آپ سے کون
بیان کرے گا؟“

موسیٰ بن نعیر نے مسکرا کر کہا:

”اور دوسری مشکل کیا ہے آپ کو؟“

”دوسری مشکل یہ ہے۔“ کاؤنٹ جولین نے کہا:

”کہ اگر میں اس مہم میں مارا گیا، جس کا امکان زیادہ ہے تو میرے علاقے اور میری جیوی بچوں کا کیا
بنے گا اور اس صورت میں شہنشاہ ہسپانیہ کے خلاف آپ کیا قدم اٹھائیں گے؟“

”کاؤنٹ جولین۔ میں آپ کی ان مشکلات کا پسے ہی احساس تھا۔ موسیٰ بن نعیر نے اسے مطمئن کرنے
کے لیے کہا:

”آپ اپنا فرض ادا کیجیے۔ ہم اپنا فرض پورا کر دیں گے۔ ہم آپ کے ساتھ اسلامی لشکر کا ایک حصہ روانہ کر
رہے ہیں۔ وہ فی الحال قلعہ سب سے اور آپ کے علاقے کی حفاظت کرے گا۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ بلواریست
شہنشاہ ہسپانیہ سے ٹکریں۔ آپ تو ہسپانوی علاقے پر یلغار کریں اور۔۔۔۔۔“

”اور یہ ثبوت دیں کہ میں واقعی ہسپانیہ کے خلاف ہوں و کاؤنٹ جولین نے موسیٰ بن نعیر کا جملہ
اس طرح پورا کر دیا۔“

موسیٰ بن نعیر واقعی یہی چاہتا تھا کیونکہ وہ بارہ خلافت سے اسے ہی حکم ملتا تھا لیکن وہ کھل کر کاؤنٹ سے اس کا
اعلا رہنیں کرنا چاہتا تھا۔

موسیٰ بن نعیر نے کاؤنٹ جولین کو جو جواب دیا وہ صرف ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو اس کے سنجیدہ چہرے

لمحے کے لیے آگہاں ہو گئی۔

اس مسکراہٹ نے کاؤنٹ جولین کے خیال کی تصدیق کر دی۔
کاؤنٹ جولین نے کہا:

”اس سلسلے میں میری درخواست ہے کہ میری دونوں بیویاں کو تیراں میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ بہتہ
بچ کر میں اپنی بیوی کو بھی یہیں بھیج دوں گا۔“

موسیٰ بن نعیر نے جواب دیا:

”آپ فکر نہ کریں۔ میریم اور فلورا اگر بیان رہنا چاہیں تو میری بیٹیوں کی طرح رہ سکتی ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنی
بیٹیوں کے ثبوت میں انہیں بطور بیان بیان چھوڑنا چاہتے ہیں تو مجھے اس کا اندیشہ ہوگا۔ ہم حاف دل ہیں اور
دل کھول کر دوستوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم آپ کو یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ ہم ہسپانیہ پر لشکر کشی اس وجہ سے
کرنا چاہتے ہیں کہ وہاں کے عوام کو راڈرس کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں۔ اب یہ قدم ضرور اٹھایا جائے گا
خواہ حالات کوئی بھی صورت اختیار کریں۔“

موسیٰ بن نعیر سے گفتگو کے بعد کاؤنٹ جولین نے واپس آکر دونوں بیٹیوں کو تمام احکامات سے آگاہ کیا۔
فلورا ارمیس سے بھی زیادہ خوش تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اب اس کے انتفا کا وقت قریب آ رہا ہے اور
قدرت خود بخود صورتیں پیدا کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر شہنشاہ راڈرس سے انتفا لینے کا
تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

شاکاہک یہ خبر پوری چھاؤنی میں پھیل گئی کہ اسلامی لشکر کسی خاص مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔

قیروان، افریقہ میں اسلامی لشکر کی زبردست چھاؤنی تھی۔ اموی خلیفہ نے اس قسم کی چھاؤنیاں تمام بڑے
بڑے شہروں میں قائم کی تھیں، جہاں فوجوں کے علاوہ اسلحہ اور سامان رسد کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا۔ جوش جہاد
سے ہر شہر مسلمان ہر مہم کی خبر سے جھوم اٹھتے اور ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی کہ اس مہم کے لیے اسے
منتخب کیا جائے تاکہ وہ غازی یا شہید کے مرتبے پر مرفوز ہونے کی سعادت حاصل کر لے۔

اسی مہم کے سلسلے میں سب سے پہلے ابن مرجع نے موسیٰ بن نعیر سے درخواست کی کہ مجھے معہ اپنے
دونوں لڑکوں کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے۔“

ابن مرجع بہت بخیر کامر مدار تھا۔ موسیٰ بن نعیر نے اسے یہ کہہ کر اس میں شریک ہونے سے روک دیا کہ
اس کی خدمات بڑی خدمات کے لیے محفوظ کر لی گئی، میں، ہاں وہ اپنے دونوں لڑکوں کو بھیج سکتا ہے۔ ابن مرجع
نے اپنے سردار کے آگے مرتبہ مہم ختم کر دیا۔

حبیب اور عثمان کو جب خبر ملی کہ انھیں ہم پر جانے کا حکم ہوا ہے تو وہ خوشی سے پاگی ہو گئے۔ حبیب نے فوراً ہی جنگی جنوں سوار ہو گیا۔ تیر اور کوار کا ذکر تو اس کی گفتگو میں ہوا ہی کرتا تھا۔ اب یہ حال ہوا کہ اس کا کھانا مینا اور اٹھنا بیٹھنا بھی جنگی طرز کا ہو گیا۔ حبیب کے ہر عمل سے یہ ظاہر ہونے لگا جیسے وہ ابھی سے میدان جنگ میں ہے۔

مریم چونکہ اس کی سرشت سے اب مانوس ہی ہو گئی تھی اس لیے وہ حبیب کی باتوں کا بڑا نہایتی ملکہ پورا دلچسپی سے اظہار کرتی۔

عثمان نے بھی تیریاں شروع کر دیں۔ اسے یہ سن کر خوس ہوا کہ فوراً اور مریم قیروان میں ہی ٹھہریں گی۔ پھر بھی اسے اس خیال سے ملانیت تھی کہ وہ فوراً کے وطن میں جا رہا ہے۔ عثمان ہر وقت فوراً سے سبستہ کے بارے میں سوالات کرتا رہتا۔ اسے پتہ نہیں کیوں سبستہ سے ایک دلی رگڑا ہوا گیا تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے ابن مرجع کو جاننے کی اجازت تو نہ دی لیکن اس ہم کے لیے اس نے ابن مرجع کے پیاروں کا انتخاب کیا۔ ابن مرجع کے زیرِ گمان ایک ہزار کار سالہ تھا۔ موسیٰ نے ان میں سے پانچ سو آدمی منتخب کیے۔ ان میں بہترین تیر انداز بھی تھے اور شیر زن بھی۔ سرداری کے لیے ابن مرجع کے نائب کو دیا گیا۔ اس نائب کا نام بھی حبیب تھا۔ حبیب کو حکم دیا گیا کہ وہ ساتھ جانے والوں کو کیل لگاتے سے لیں کہ لے کیونکہ کوچ کا حکم کسی وقت بھی دیا جاسکتا تھا۔

ابن مرجع نے گھر پر چکر لگا کر یہ اعلان کیا کہ اس ہم کے لیے حبیب کو سردار مقرر کیا گیا ہے تو تمام لوگ حیران رہ گئے۔ حبیب کا تو خوشی کے مارے بڑا حال ہو گیا۔ سب سے پہلے اسے مریم نے مبارکباد دی لیکن ابن مرجع کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہو گیا اور جب انھوں نے دوسرا اعلان کیا کہ سردار منتخب ہونے والا یہ حبیب نہیں بلکہ ان کے نائب حبیب بن اسد ہیں تو مبارکباد ایک زوردار قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ بے چارہ حبیب بہت شرمندہ ہوا لیکن یہ غلطی اس کے باپ سے ہوئی تھی اس لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ابن مرجع اپنے کمرے میں جانے لگے تو فوراً چٹکے سے ان کے پیچھے ہوئی۔ مریم، حبیب اور عثمان باتوں میں لگے تھے انھوں نے فوراً کی طرف توجہ نہ کی۔ کاؤٹ جولین، موسیٰ بن نصیر سے صلاح مشورے کے لیے گئے ہوتے تھے۔

ابن مرجع اپنے کمرے میں پہنچے تو فوراً بھی اندر آ گئی۔ ابن مرجع نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

ابن مرجع کی بیوی کی نظر فوراً پر پڑی تو محبت سے بولیں:

”آؤ بیٹی فوراً۔ بیٹھو۔“

ابن مرجع کو فوراً کے اس طرح اپنے پیچھے آنے سے بڑی حیرانی تھی۔ انھوں نے پوچھا:

”کیا بات ہے بیٹی فوراً۔ تم کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہو؟“

”جی ہاں چچا جان“۔ فوراً نے سر جھکا کر کہا:

”میں کئی دن سے آپ سے ملنا چاہتی تھی لیکن بات ایسی تھی کہ سب کے سامنے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔“

ابن مرجع نے اطمینان کی مائل سی بھر کہا:

”ہاں عزیز کو کہو کیا بات ہے؟“

بات یہ ہے۔ فوراً کہنے کہتے رہی۔ اہم نے ابن مرجع کی بیوی کی طرف دیکھا۔

”ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہاری ماں کے برابر ہیں۔“ ابن مرجع نے فوراً کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

”میں سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر سے ملنا چاہتی ہوں۔ فوراً نے جی ٹکا کر کہہ ہی دیا۔

”گھر کیوں؟“ ابن مرجع کو اور زیادہ حیرانی ہوئی۔

”یہ میں سردارِ اعلیٰ کی کوتاہی کو بتاؤں گی؟“ فوراً نے جواب دیا۔

ابن مرجع نے فوراً کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

”فوراً تم یہ درخواست کاؤٹ جولین کے ذریعے بھی کر سکتی تھیں۔“

”جی نہیں۔ میں ان پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔ فوراً بولی۔

”اگر تم سردارِ اعلیٰ سے ملتی ہو تو یہ بات پوشیدہ کس طرح رہ سکے گی؟ کاؤٹ جولین کو جلد یا بدیر علم ہو ہی جائے

مار میرے بارے میں وہ کیا خیال کریں گے۔“

ابن مرجع کو طرح طرح کے خیالوں نے گھیر لیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ آخر فوراً اپنے باپ کی مرضی کے بغیر

موسیٰ بن نصیر سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔

فوراً کو بھی گمان ہوا کہ اس کی درخواست کو شاید غلط سمجھا جا رہا ہے۔ اس نے کہا:

”چچا جان آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں سردارِ اعلیٰ سے ملنے کے بعد خود ہی ابا جان کو بتا دوں گی۔ یہ میرا

فرائض کا کام ہے۔ آپ پر کوئی الزام نہ آئے گا بلکہ جب ابا جان کو معلوم ہو گا کہ میں آپ کے ذریعے سردارِ اعلیٰ سے

ماہوں تو وہ آپ کا شکریہ ادا کر دیں گے۔“

ابن مرجع ”اُھ“ کہتے ہوئے چل رہے تھے پھر بھی فوراً نے باتیں بنا کے کسی نہ کسی طرح انھیں رضا مند کر لیا

ابن مرجع کی بیوی نے بھی فوراً کی سفارش سن لی۔ فوراً دوسرے دن ملانے کا وعدہ لے کر ابن مرجع کے پاس

دراپس لگ گئی۔

ابنِ مرجع نے حسبِ وعدہ فلورا کو موسیٰ بن نعیر کے سامنے پیش کر دیا۔

موسیٰ بن نعیر نے فلورا کو دیکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی فلورا! ہمیں تعجب ہے کہ وہ کون سی بات ہے جو تم ہم سے تنہائی میں کہنا چاہتی ہو؟

فلورا نے جواب دینے کے بجائے ابنِ مرجع کی طرف دیکھا۔ ابنِ مرجع بھی گے کہ فلورا تنہائی پر، تعجب سے اس کے دل میں ڈالنے والی تو اس سب سچی میری فلورا ہے۔"

فلورا باہر چلے گئے۔

فلورا نے ڈرتے ڈرتے کہا:

مردارِ اعظم! مجھ پر جو کچھ گزری ہے اس سے میرے باپ کے علاوہ یہاں صرف آپ واقف ہیں۔

نے مجھے سختی سے منہ کر دیا ہے کہ اس کا کسی اور کو... علم نہ ہونا چاہیے اس لیے میں چچا ابنِ مرجع کو

ذریعہ اپنی درخواست آپ تک نہ پہنچا سکی۔

موسیٰ بن نعیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"غیر ٹھیک ہے۔ اب تاؤ تم کیا چاہتی ہو؟"

فلورا کو حوصلہ ہوا تو وہ صاف بچے میں بولی:

مجھے علم ہوا ہے کہ آپ نے ابا جان کو ہسپانوی عیالے پر حملے کا حکم دیا ہے۔

"یہ ٹھیک ہے فلورا لیکن اس سے ہمارا مقصد انھیں کسی مصیبت میں ڈالنا ہرگز نہیں۔ موسیٰ بن نعیر

فلورا کو سنجایا۔

فلورا نے کہا:

مردارِ اعظم! میں اس بارے میں کچھ نہیں چاہتی۔ میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ حکومت ہسپانیہ

اس کے حاکم سے جتنی نفرت مجھے ہے اس کا اندازہ آپ بھی کر سکتے ہیں۔

ٹھیک ہے فلورا! تمہاری نفرت جائزہ اور فطری ہے لیکن تم چاہتی کیا ہو؟" موسیٰ نے پوچھا۔

"میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے ذلیل راؤرک سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے۔"

بڑے غلام۔

موسیٰ بن نعیر نے کہا:

"ہمیں تمہارے دل کا پوری طرح اندازہ ہے بیٹی۔ ہم تمہیں نہ صرف انتقام لینے کی اجازت دیتے ہیں کہ فی۔ اگر فلورا کو شاہی محل میں داخل نہ کیا جاتا تو وہ بھی فتنوں جنگ میں مریم ہی کی طرح ماہر موجدانی۔ مریم اور اس انتقام کے لیے ہم ذرائع بھی مہیا کریں گے۔ تمہارا درد ہمارا درد ہے۔ ہمارے دل کو بھی اُس وقت کہ چھوڑنا چاہتا تھا کہ موسیٰ بن نعیر پر اس کا اعتماد اور زیادہ بحال ہو جائے۔ وہ اپنے سکون نہ ملے گا جب تک تمہارے دل میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہے گی۔"

کوچہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ کاؤنٹ جولین کو جب معلوم ہوا کہ فلورا نے مسلم مردارِ اعظم سے مل کر اپنے اور مریم کے لیے اس میں مریم کی اجازت حاصل کر لی ہے تو اسے اور زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ کاؤنٹ نے مریم کی پرورش مثل لڑکے کے کی تھی اس لیے وہ تیرا انداز، اشد سواری اور شہساز میں ماہر اس انتقام کے لیے ہم ذرائع بھی مہیا کریں گے۔ تمہارا درد ہمارا درد ہے۔ ہمارے دل کو بھی اُس وقت کہ چھوڑنا چاہتا تھا کہ موسیٰ بن نعیر پر اس کا اعتماد اور زیادہ بحال ہو جائے۔ وہ اپنے سکون نہ ملے گا جب تک تمہارے دل میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہے گی۔

کوچہ کے وقت موسیٰ بن نعیر بذاتِ خود چھاؤنی میں موجود تھا۔ مریم اور فلورا، قیروان آتے وقت بند گاڑی

مردارِ اعظم باپ کتنے عظیم ہیں! فلورا کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

میری خواہش ہے کہ ہسپانیہ کے خلاف ہمیں حصہ لینے کی اجازت مجھے بھی دی جائے تاکہ ہسپانیہ

ہم تہذیب کے جذبے کی قدر کرتے ہیں فلورا بیٹی! موسیٰ بن نعیر نے خوش ہو کر کہا:

تمہیں جانے کی اجازت ہے بشرطیکہ کاؤنٹ جولین بھی اسے پسند کریں!

اب کا بہت بہت شکریہ۔ فلورا نے مسرت آمیز لہجے میں کہا:

ابا جان کو میں رضامند کر دوں گی۔

فلورا چلے گی تو موسیٰ بن نعیر نے کہا:

"فلورا تم جی جاؤ گی تو مریم کیلے گھبرائے گی۔ یہ اس پر ظلم ہو گا۔"

فلورا فوراً بولی:

"اگر آپ مریم کو بھی اجازت دے دیں تو یہ اور مرانی ہو گی۔"

ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں! موسیٰ نے کہا۔

فلورا نے لشکرِ امیر نگاہوں سے موسیٰ بن نعیر کو دیکھا۔ پھر سدا کر کے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر

۔

میں آتی تھیں لیکن واپسی پر انھوں نے گاڑی پر جلنے سے انکار کر دیا اور خود بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر کلاں کے ساتھ چلے گئیں۔

موسیٰ بن نصیر نے جس عورت و احترام سے کاؤٹ جولین کا استقبال کیا تھا اسی عزت سے اسے لے کر کاؤٹ جولین چلتے وقت موسیٰ بن نصیر سے بڑی گرجوئی سے لگے گا۔
ابن مر جھنے دونوں لڑکوں کو لے لیا۔ پیران کی پیٹھ جھٹ سے تھپ تھپاتے ہوئے اس کے ساتھ چلے گئے۔
آہستہ سے کہا:

نبیارسے بچو۔ اسلام کی حرمت اور میری عزت کا ہر وقت خیال رکھنا۔

عثمان نے کہا:

اباجان۔ ہم آپ کو ناامید نہ کریں گے۔

حبیب نے کہا کہ:

اباجان۔ اگر میں شہید ہوا تو آپ زخموں کے نشان میرے سینے پر دیکھیں گے۔ پیٹھ پر نہیں چلتے۔
کاؤٹ جولین نے مسلمان سالار دستہ حبیب بن اسد کو قلعے میں ٹھہرنے کی دعوت دی مگر حبیب نے یہ کہہ قلعے میں جلنے سے انکار کر دیا کہ مسلمان، قلعہ بستہ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ وہ قلعے میں آرام کرنا چاہتے ہیں۔

کاؤٹ جولین نے حبیب کے اس جذبے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ مسلمانوں نے قلعے کے نشیب میں اپنے حبیب اپنے جنگی جنوں میں کچھ اور کھانا چاہتا تھا کہ کوچ کا قنارہ بج گیا اور پانچ سو مجاہدوں کا بد نہ لگے گا دیے۔ کاؤٹ جولین نے ان کی ضروریات کا معقول انتظام کر دیا اور پھر وہ دوسرا قدم اٹھانے کی تدبیروں کو بروئے کار لانے کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔
کاؤٹ جولین چاہتا تھا کہ وہ اپنی جنگی حکمت عملی اس طرح ترتیب دے کہ اسے مسلمانوں کا مکمل تعاون اور تعاون حاصل ہو جائے۔
دستہ کا سردار حبیب ابن اسد آگے آگے تھا۔ اس کے ساتھ کاؤٹ جولین، مریم اور فلورا کے گھر تھے۔ عثمان اور حبیب اپنے دستوں کے ساتھ چل رہے تھے۔

مریم، فلورا سے زیادہ تیز اور چالاک تھی، اس لیے جب فلورا کو شمشیر زنی سکھانے کا مسئلہ درپیش ہوا تو اس نے اپنی فراست سے کاؤٹ جولین کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ فلورا کے لیے اپنی مرجع کے بیٹے عثمان کی مدد حاصل کی جائے۔ اس نے دینی زبان سے خود بھی مزید مہارت کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ مریم کے لیے ہی قائل تھا اس لیے اس نے یہ تجویز منظور کر لی اور مسلم سردار سے عثمان اور حبیب کے لیے اجازت حاصل کر لی۔
فلورا اور مریم کو عثمان اور حبیب سے راستے میں گفتگو کا کوئی موقع نہ ملا۔ یہ لوگ بڑی تیزی سے گزر رہے تھے۔
سردار کاؤٹ جولین کا نائب کراؤٹیل اپنے سردار کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ کاؤٹ جولین نے اسے اپنی واپسی کی اطلاع بجاوادی تھی۔

کراؤٹیل کو جب کاؤٹ جولین کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان، جو دوبارہ قلعہ بستہ پر یلغار کر کے غلام زنی اور شمشیر زنی میں طاق کر دے گا کہ فلورا کی خواہش کے مطابق وہ اس ہم میں اپنے جوہر دکھا سکے۔ عثمان وہی مسلمان قلعہ بستہ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا۔ اسے اپنے سردار پر پہلے ہی شک تھا کہ فلورا کو تیز و تلواری کی مشق کراتا۔ فلورا کے ہمارے جسم کے لیے اتنی سخت ریاضت بڑی کمشن ہے۔ وہ تھک کر چور ہو جاتی لیکن عثمان اس کا بیچیانہ چھوڑتا اور اسے صلیبی جیسی باتوں میں لگاتے

زیادہ سے زیادہ مشتق کرتا۔

دوسری طرف مریم اور حبیب تلوار چلاتے اور تیر اندازی کستے نخراتے۔ حبیب کا انداز گھڑ نہ ہوا۔ اتنی قربت کے باوجود بھی تبدیل نہ ہوا تھا۔ وہ مریم سے باتیں کرتے وقت ہر دوسرے تیسرے بعد کوئی جملہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسا ضرور کہتا جس میں کسی نہ کسی جگہ اسلے کا ذکر یا اشارہ ہو جاتا۔ اب ان باتوں کی عادی سی ہو گئی تھی۔ اسے اب حبیب کے ساتھ بات کرتے ہوئے پہلی سی الجھن محسوس نہ ہوتی۔ حبیب کی گفتگو پہلے سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی۔

جس میدان میں یہ لوگ مشتق کرتے تھے اس کے قریب ہی ایک خوبصورت سا باغیچہ تھا۔ جب یہ جلتے تو باغ میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرتے۔ اس طرح عثمان اور حبیب کے دن ان پری جال اور پری ناز نیونز کی قربت میں بڑی ہنسی خوشی گزر رہے تھے۔ عثمان چاہتا تھا کہ ان مشغول کاموں کے اس کی طرف سے مل جائے تاکہ وہ فلورا سے کبھی جلد نہ ہو۔

۱۶ دن سورج میں کچھ زیادہ تازہ تھی۔

فلورا زیادہ تیز مشتق نہ کر سکی اور تھک کر باغیچے کا رخ کیا۔ عثمان ایسے موقعوں پر فلورا کو کچھ باغ میں معرور رکھتا تھا مگر اس دن اس نے بھی ڈھیل دے دی اور خود بھی خاموشی سے فلورا کے پیچھے چلا گیا۔

فلورا نے عثمان کو کچھ پریشان دیکھا تو پوچھا:

"کیا ہوا عثمان؟ تم چپ چاپ کیوں ہو؟"

فلورا اور عثمان کے درمیان سے "آپ، جناب" کے تلفظ کی دیوار گر چکی تھی اور وہ تنہائی میں رہنے سے گفتگو کرتے تھے۔ دراصل فلورا کو عثمان کی محبت میں کچھ ایسا سکون ملتا تھا کہ وہ اپنا ماضی بھول کر وہ لطف و پیور سے لطف اندوز ہونے لگتی تھی۔ اس کا غم بھلا ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن پر بے کیفی کے جواں پھلے رہنے تھے وہ چٹ گئے تھے۔ وہ جب عثمان کے ساتھ ہوتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اس سے اس کے ساتھ ہے اور ہمیشہ ہی اس کے ساتھ رہے گا۔ اب اسے زندگی سے ایک انس اور لگاؤ پیدا اور اس پر زندہ رہنے کی زبردست خواہش انگریزیاں لینے لگی تھی۔

عثمان نے کچھ عجیب سی نظروں سے فلورا کو دیکھتے ہوئے کہا:

"ہیں۔ بس ذرا یونہی....."

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر نظریں نیچے کر لیں جیسے اس میں فلورا کو دیکھ رہا ہو۔

فلورا جس کا دل ب زندگی اور جوانی کی امنگوں سے بھرا ہوا تھا، مسکرائی اور بولی:

"کسی سپاہی کو ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں نے آج ہی دیکھا ہے کیا نیل ہے تمہارا عثمان؟"

عثمان نے کوئی جواب نہ دیا۔

فلورا نے نیل کی نوک سے عثمان کو ٹوکا دیا اور کہا:

"منہ میں گلے کیوں بھر رکھے ہیں۔ کس بات کا غم ہے سپاہی زادے کو؟"

عثمان نے ایک جھرجھری لی..... جیسے اسے یہ طنز ناگوار گزرا ہو۔ اس نے کہا:

"فلورا تمیں کوئی غم نہیں مگر مجھے وقت پر اختیار نہیں۔ یہ تو گزرا رہا ہے اور گزرتا جلتے گا۔"

فلورا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا:

"عثمان آج تمیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ وقت کا فلسفہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا ہے۔"

عثمان نے نظریں اٹھائیں۔

فلورا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے عثمان کی آنکھیں ویران اور پریشان سی نظر آئیں۔ وہ کچھ گھبرائی اور کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عثمان نے سرگوشی کی:

"فلورا میں آج تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

فلورا کو خیال گزرا کہ عثمان کو شاید کوئی اور غم پریشان کر رہا ہے۔

جب اس نے عثمان کی زبان سے یہ جملہ سنا تو اسے ہنسی آ گئی۔ اس نے اپنی بھاری پکیس جھپکتے ہوئے کہا:

"عثمان۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ بھی کہی جائیں تو سمجھ لی جاتی ہیں۔"

"تو کیا تم جانتی ہو کہ میرے دل میں کیا ہے اور میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟" عثمان نے حیران نظروں سے فلورا کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں عثمان۔ میں جانتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں لیکن میرے دل کی تمیں خبر نہیں۔" فلورا نے درد بھرے لبوں میں کہا۔

"فلورا..... میری فلورا..... مجھے بتاؤ تمہارے دل میں کیا ہے جو کچھ دل میں ہے اگلے دو..... یقین کر دو اگر تم مجھے پسند نہیں کرتیں تو میں تمہیں کبھی پریشان نہ کروں گا۔ تم کوئی تو تم سے ملنا بھی چھوڑ دوں گا۔" عثمان بے حد جذباتی ہو گیا۔

فلور نے ایک بار پھر اپنی بھاری پکیں چھپکا لیں۔

عثمان نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو زربے ہیں؟... وہ بے چین ہو گیا۔
اسی نے منت سے کہا:

”فلور! میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے لیے جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالو۔“
”یہ آنسو میرے غمساں ہیں۔“ فلور نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

”یہ تو صد سال سے رہ رہے تھے۔ تمہاری قسمت نے انہیں خشک کر دیا تھا۔ آج ان پر ضرب پڑی تو پھر عثمان! میں نے اپنے دل میں ایک غم پال رکھا ہے۔ دل کی آہنی دیواروں میں ایک راز چھپا رکھا ہے مگر وہ غم اور میں تم پر برا نہیں کر سکتی۔ میں اس زندگی میں خوش ہوں۔ میں نے اپنے غم سے تجھ کو نہ کر لیا ہے۔ اگر میں نے یہ ظاہر کر دیا تو میری خوشیاں مجھ سے چھن جائیں گی اور تم.... تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے۔ میں تمہارا اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔ میں تمہاری نفرت برداشت نہ کر سکیں گی۔“

فلور کے آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عثمان کب بے چینی بڑھ گئی۔ اسے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ مہنی کا کوئی غم اندر ہی اندر فلور کو کھائے جا رہا ہے مگر وہ غم کیلے؟

وہ کوئی نسا راز ہے جسے فلور اس سے چھپا رہی ہے؟

عثمان نے بڑے محبت آمیز انداز میں کہا:

”فلور! اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تمہارا غم سننے اور راز معلوم کرنے کے بعد میں تم سے نفرت کرنے لگوں تو اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ مجھے تمہارے ماضی کا کوئی غم نہ ہو گا۔ اگر تم سے ماضی میں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو دل سے اسے معاف کرنا ہوں۔ اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ لیکن مجھ سے محبت کرنے کا حق نہ چھینو۔“
”میں عثمان۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔“ فلور اتر پک کر بولی:

”میں مجبور تھی عثمان! مجبور.... مجھ پر ظلم کیا گیا۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔“

”کس نے ظلم کیا ہے۔ کیا ظلم ہوا ہے؟“ عثمان نے بے چینی سے پوچھا:

”فلور۔ لوگ! اپنا غم تو دیواروں سے کہہ دیتے ہیں پھر میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا۔ ماضی کا کوئی داغ میری شرافت محبت میں حائل نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر اعتماد کرو فلور!“

فلور نے محسوس کیا کہ اگر اب بھی اس نے عثمان سے اپنا غم بیان نہ کیا تو وہ ایک ایسے وہم کا نشانہ!

نے لگا جسے دیکر نہ مانگن ہو گا۔

اس نے اپنا ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں تھما دیا اور پھر بچکیوں، اسکیوں اور آنسوؤں کی جھڑی کے درمیان وہ آہستہ آہستہ بیان کر دیں جس کا بھاری بوجھ اٹھانے اٹھاتے وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

عثمان نے بڑے صبر و تحمل سے تمام باتیں سنیں اور جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے کہا:

”تم بڑی باحوصلہ لڑکی ہو۔ یقین کرو تمہارے اس اظہار سے تم پر میرا اعتماد اور پختہ ہو گیا ہے اور میں یہ سوس کر رہا ہوں کہ میری محبت میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی ہے۔“

فلور نے آنسو پونچھ ڈالے۔

پھر جبران نظروں سے عثمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا:

”عثمان! کیا تم نے واقعی مجھے دل سے معاف کر دیا اور اب بھی تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟“

”کہہ تو دیا فلور! عثمان نے اس کا ہاتھ محبت سے دبا تے ہوئے کہا:

”مجھے اب پہلے سے زیادہ تم سے محبت ہو گئی ہے۔“

”تم کتنے فراخ دل ہو عثمان۔“ فلور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

”ایک بات اور کی تو میرے باپ کی شہنشاہ سپاہ سے یہ بغاوت میری وجہ سے ہوئی ہے۔ میں نے یہ تمام باتیں ایک معتدلمانم کے ذریعے اباجان تک پہنچا دی تھیں اور وہ بڑی خوش اسلوبی سے مجھے غلطی سے نکال دلائے تھے۔“

اس وقت مریم اور حبیب ہنستے ہوئے ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔

فلور نے فوراً اپنی حالت درست کر لی اور جب وہ قریب پہنچے تو فلور اس طرح مسکرا رہی تھی جیسے اسے کوئی غم نہیں۔

مریم نے قریب پہنچ کر ہنستے ہوئے کہا:

”یہ اس گوشے میں بیٹھے کیا باتیں ہو رہی ہیں عثمان بھیا؟“

عثمان اس وقت تک اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے اطمینان سے کہا:

”کچھ بھی نہیں مریم! آپ کی ہن آج کچھ زیادہ ہی ٹھک گئی تھیں۔ یہ ذرا سناٹا یہاں آگئیں۔“

”اب بھی ٹھنک ہونا تو ضروری ہے۔“ حبیب نے خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑا دی:

”وہ دیکھیے نا۔ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمانا پھر....“

فلور نے بات کاٹ دی:

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

بھوت اور راستہ تھا۔

ڈنٹ جولین نے جیب کو اس لیے کانفرنس میں شرکت کی ضرورت رکھتی تھی تاکہ وہ وہ قدم نشانہ پر پائے۔

جیب نے اس سے جیب باخبر رہے اور قیروان کہہ ہر ماتہ سے اس کا گاہ کر کے۔

جیب کی بی بی، نوازش تھی۔ اسے تلواریں آنے کا کوئی شوق نہ تھا لیکن اس نے ترکہ سے اس لیے

یا کہ وہ جولین کی نقل و حرکت سے خود کو باخبر رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

جیب بن اس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ وہ عثمان اور جیب کے تقریباً ہم عمر تھے لیکن ان میں ان

جولین کے بچپن کی طرح لڑکپن اور لالہ بانی پن نہ تھا۔ وہ بلا کے سنجیدہ اور ذہین تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس عمر

میں جیسے تجربہ کار سردار کے نائب بن گئے تھے۔ انہوں نے مریم اور فلوراکو ابن مرجع کے مکان پر نگرانی کی تھی

ان نے عثمان کی طرف اس کھانچا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ایک سچے اور دیندار مسلمان تھے۔

کانفرنس آل میں کاؤنٹ جولین کے سب سردار اکٹھے تھے۔ انہوں نے بھی جیب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جولین

یہ کے سامنے ایک نیا نقشہ پیش کیا جس میں لالہ رنگ کے نشانات سے اس علاقے کی نشاندہی کی

جس پر کاؤنٹ جولین نے حکم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

کاؤنٹ جولین نے جیب کو بتایا کہ یہ علاقہ مدینہ شہدوں کے نام سے

دور ہے۔ اگرچہ یہ سلطنت ہسپانیہ کی ایک معمولی ساحلی پٹی ہے لیکن اس میں بے شمار کلیسا اور گرگیاں ہیں۔

ان پادریوں کو مذہبی تعصب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ پادری جب تعلیم پاکر ہسپانیہ کے مختلف مقامات

نے فرائض سمجھاتے ہیں تو غیر عیسائیوں کو حیرت و ذلیل سمجھنے کے علاوہ ان پر حکم کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں

یہ علاقہ مذہبی منافرت پھیلانے والوں کا گڑھ تھا۔

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

جیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا بچہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟

کانفرنس ہال میں کامل خاموشی عاری تھی۔ کئی منٹ اسی گونگولی حالت میں گزر گئے۔ شاید یہ احساس ہوا کہ کہیں حبیب اللہ نہ چلے جائیں اور وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، نہ کہہ سکے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ آپ صرف ایک دو آدمی ہمارے ساتھ کر دیں، انہیں بھی ہم سب سے کچھ کہیں۔

کاؤنٹ جولین نے بڑے مذہب لمحے میں حبیب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مردار محترم! ہم نے جس علانے کی نشاندہی کی ہے۔ یہاں ہسپانوی جیٹاؤنی موجود ہے۔ یہاں ہم ایک سخت آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس ہم میں نہ تو آپ ہم سے کہیں گے اور نہ ہم اس کے خواہاں ہیں۔ پھر بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ مدینہ شہر دن کے میدان گزرے اس بحال آپ سے آپ کا کوئی آدمی بیان کرے۔"

کاؤنٹ جولین اپنا دلی مقصد بیان کرنے کے بعد خاموش ہو گیا۔ اسے اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر اس نے مدینہ شہر دن کی صبح سے واپس آکر وہاں کا حال کیا تو پتہ نہیں حبیب کو اس کی بات کا یقین آئے یا نہ آئے اور حبیب کی اطلاع پر مسلمانوں کے کا فیصلہ ہونا تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ اس قسم کا خطرہ خود حبیب کو بھی تھا۔ اسے اس ہم کی خبر موسیٰ بن نصیر کو بھی مل چکی تھی۔ اس نے کاؤنٹ جولین کو کہہ چاہا ہے اسے کہنے دیا جلتے مسلمان دستے اس کی کسی ہمت نہیں گئے۔

ان حالات میں حبیب کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کاؤنٹ جولین پر آم بادل تھے کیونکہ مسلمانوں کے دونوں حملوں کے وقت کاؤنٹ جولین نے بار بار شمشادہ سے مدد مانگی مگر اس نے وہ بیان کرنا اس کی روشنی ہی میں وہ موسیٰ بن نصیر کو کچھ کہہ سکتا تھا۔

کاؤنٹ جولین نے اس وقت جو تجویز اس کے سامنے پیش کی اس نے حبیب کی مشکل کو بالکل سے ہسپانوی پرچم اترنے پر عوام نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ اس مسرت میں وہ لوگ بھی شامل اس نے فوراً کہا: "نواب جولین آپ کی تجویز نہایت معقول ہے۔ ہمیں اگرچہ آپ پر پورا پورا اعتماد ہے لیکن یہ انتہائی اہم اور اہم امور ہیں۔ ان میں عیسائی عوام بھی تھے اور یہودی بھی، ہسپانیہ کی سرزمین معلوم ہوتی ہے کہ اس ہم کے دوران ہمارا ایک آدمی یا کچھ لوگ آپ کے ساتھ جائیں۔ اب آپ ہمارے کے ساتھ کتنے آدمی روانہ کریں؟"

کاؤنٹ جولین کی تجویز منظور ہوئی تو وہ خوش ہو کر بولا: "مردار محترم! آپ جتنے آدمی چاہیں ہمارے ساتھ بھیج سکتے ہیں لیکن ہم فی الحال شمشادہ میں ہرگز نہ جا رہے ہیں۔ اس ہم پر جانے کے لیے فلورا اور مریم نے باہر کو بھیج دیا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے نہیں ہونے دینا چاہتے کہ ہمارے ساتھ مسلمان بھی ہیں۔ اس سے راڈرک کے چوٹا بھوجلے کا اہلکار اور حبیب بھی جا رہے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مریم اور فلورا نے ایک دوسرے کو اس بات کی

میں نے انہیں اور شاہی کارندوں کے محلات کو لوٹ لیں۔

چھاؤنی میں تین ہزار کے قریب نوچی موجود تھے اس لیے حکم چھاؤنی نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا اور فوج کو تیار کر کے مورچے سنبھال لیے۔
کاڈٹ جولین نے فوراً گھیرائی کرنے کا حکم دیا۔
پھر دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہو گئی۔

آخر چار گھنٹے ٹی لڑائی کے بعد مدینہ شہر دن کے شاہی لشکر نے ننگست کھائی اور چھوٹی چھٹی ہوا کاؤنٹ جولین کے سپاہیوں نے دور تک بھاگنے والوں کا تعاقب کیا۔

فتح حاصل ہونے کے بعد کاؤٹ جو لینے پر سے شہر میں اعلان کر دیا کہ اسے عوام سے کٹا
اس کا جھگڑا صرف شمشاد راؤ دس سے ہے اور اس کے پیڑ پادریوں سے ہے۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا
عوام پر ظلم کرتے اور ان کا حق انہیں نہیں دیتے۔ اسی لیے وہ عوام کو پادریوں اور کلیساؤں سے بھارت
اس اعلان کے بعد کاؤٹ جو لینے نے کلیساؤں پر حملہ کر دیا۔ ان میں آگ لگا دی اور تمام پادریوں کو
گرجاؤں کو منہدم کر کے انہیں زمین کے برابر کر دیا۔ پھر کاؤٹ جو لینے نے اپنی فوج اور عوام کو حکم

ہاؤٹ جوبین کا بانی نفعان بہت کم ہوا، البتہ رنجیوں کی تعداد زیادہ تھی۔
 رنجیوں کو کاؤنٹ جوبین بخاناقت اور بڑے آرام سے اپنے ساتھ واپس لے گیا۔ اس راٹنی میں کاؤنٹ جوبین
 کے کئی زخم آئے تھے۔ اس کا لباس خون سے تر تھا لیکن زخم ہلکے تھے۔
 حبیب کے بایں شانے پر ایک گہرا زخم آیا تھا۔ نشان کے پیر میں ایک تیر پیوست ہو گیا تھا جس کو اس نے
 نکال دیا لیکن زخم سے اب تک خون جاری تھا اور اسے فرصت نہ ملی تھی کہ اس پر چٹی باندھ سکے۔

ادھر کاؤنٹ جو لین کے مہم پر روانہ ہوتے ہی حبیب بن اسد کے حکم سے قلعہ سبتہ کے گرد مسلمان فوجوں نے حفاظتی حصار بنا دیا تھا تاکہ اگر کسی طرف سے حملہ ہو تو قلعے کی پوری طرح حفاظت کی جاسکے۔

سب سے بڑے علاقے اور قلعے والے مسلمانوں سے بہت خوش تھے اور اب وہ رات کو اطمینان سے سوتے تھے۔ انہیں اب کسی طرف سے حملے کی فکر نہ تھی۔ ان کے محافظ مسلمان رات دن پہرہ دیتے تھے اور وہ چین کی بنی بجاتے تھے۔

حبیب بن اسد کا طریقہ تھا کہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر گھوڑے پر بیٹھا اور قلعہ بہتہ کے گرد ایک چار گھارے لگا کر نماز گزارتا تھا۔ کوئی اس پر شک نہیں سہو کہ بھتا اور قدرت کے مطابق احکامات جاری کرتا۔

اس دن وہ قلعے کا چکر لگا کر واپس آیا تو اسے کاؤنٹ جوئین کی واپسی کی اطلاع ملی۔ وہ جلدی

کاؤنٹ جولین نے اپنے دستوں کو تو قلع میں بھیج دیا اور خود سیدھا حبیب بن امس کے پاس پہنچا۔

اس کے کپڑوں پر خون خشک ہو گیا تھا اور جگہ جگہ کپڑے ہنسنے سے چٹے ہوئے تھے۔ جولین اسی حالت میں صبر پاس پہنچا۔

کاؤٹ جولین نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا:

”مسلم سردار کو کامیاب یغلا مبارک ہو۔ میرے دوستوں نے ہسپانوی ساحلی پٹی مدینہ شہر میں اپنا مچائی ہے کہ شہنشاہ ہسپانیہ حیران نہ جائے گا۔“

حبیب بن اسد نے اس کے لگا کر جواباً مبارک بادری اور کہا:

”کاؤٹ! میں آپ کی جوفردی اور بادری سے ایسی ہی امید تھی۔“

اب عثمان اور حبیب بھی ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ کچھ سوار سامان گھوڑوں پر بار کیے ہوئے ساتھ تھے۔ کاؤٹ جولین نے سامان گھوڑوں کا حکم دیا۔

سامان میں سونے چاندی کے سکے، ظروف اور بیش قیمت جواہرات تھے۔

کاؤٹ جولین نے کہا:

”یہ وہ سامان ہے جو اس مہم میں حاصل ہوا ہے۔ محترم سردار! یہ سب آپ کی نذر ہے۔“

حبیب بن اسد نے مسکرا کر کہا:

”یہ مال غنیمت بھی تم کو مبارک ہو۔ ہمارا اس پر کوئی حق نہیں۔“

پھر اس کی نظر عثمان پر پڑی جو سنکر اگر چل رہا تھا۔

حبیب نے پوچھا:

”عثمان! تمہارے پاؤں میں کیا ہوا؟“

عثمان نے لاپرواہی سے جواب دیا:

”کچھ نہیں سردار۔۔۔۔۔ تیرنگ گیا تھا جسے میں نے نکال دیا ہے۔۔۔۔۔ یاں بھائی حبیب کے شانے کو نشان اور حبیب کی بادری کی داستان پہلے ہی سنا دی تھی۔ حبیب بن اسد نے انہیں خوش و خرم دیکھا تو بڑا طینن ہوا۔“

”ان کی مہم پٹی قلعے میں ہوگی، کاؤٹ جولین نے حکم دیا:

”تم دونوں قلعے میں چلو، وہاں اس کا بہتر انتظام ہے۔“

عثمان نے حبیب بن اسد کی طرف دیکھا جیسے اجازت طلب کر رہا ہو۔

حبیب بن اسد کو عثمان سے مہم کے حالات معلوم کرنا تھے۔ اس نے کہا:

”کاؤٹ! آپ قلعے میں تشریف لے چلیے۔ میں ان کو ابھی وہیں بھیج دوں گا۔“

سہوٹ جولین، حبیب بن اسد کا مطلب سمجھ گیا اور قلعے کی طرف واپس ہوا۔

حبیب بن اسد نے کہا:

”کاؤٹ! یہ مال غنیمت آپ اپنے ساتھ لیتے چلیے۔ یہ آپ کے سپاہیوں کی محنت ہی کا صلہ ہے۔“

کاؤٹ جولین سامان لے کر قلعے میں چلا گیا۔

حبیب بن اسد نے عثمان کے بھائی حبیب کا زخم دیکھا۔ زخم گہرا تھا۔ انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ پھر انہوں نے

دی جلدی مہم کی تفصیل سنی اور ادھر سے صحن پر کر عثمان اور حبیب کو قلعے میں بھیج دیا۔

حبیب بن اسد نے اسی وقت ایک سوار اور ایک شتر سوار قیردان روانہ کیے جن کے ذریعے اس

نے کاؤٹ جولین کی کامیاب مہم کا پورا حال موسیٰ بن نصیر کو لکھ بھیجا۔

عثمان اور حبیب قلعے میں پہنچے تو فلورا اور مریم کو اپنا منتظر پایا۔ بدستہ کے کئی جراح اور حکیم وہاں موجود

تھے۔ حبیب کے شانے کا زخم بہت گہرا تھا۔ گمردہ حسب معمول مسکرا رہا تھا اور اس طرح جنگی ہتھیاروں کا ذکر

کر رہا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف نہیں۔

جراح نے زخم میں دوا بھر کر بیٹا بندھ دی۔ عثمان کا زخم بڑا ہر معمول معلوم ہوتا تھا لیکن جب جراح نے

سے دیکھا تو دھجکرا گیا کیونکہ عثمان نے تیر کھینچنے ہوئے بے احتیاطی برتی تھی جس سے اس پاس کا کافی گوشت

وہڑ گیا تھا۔

جس وقت جراح عثمان کی مہم پٹی کو دیکھا تو فلورا اس پر جھکی تشویش ناک نظروں سے اس کا زخم دیکھ رہی

تھی لیکن عثمان کے چہرے پر شگن تک نہ تھی اور وہ سنسنی سے باتیں کر رہا تھا۔

جواحول نے رخصت ہوتے وقت عثمان اور حبیب کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

شام کے وقت کاؤٹ جولین اور حبیب بن اسد، ان کی عیادت کو آئے۔ کاؤٹ جولین نے حبیب بن اسد

کو نشان اور حبیب کی بادری کی داستان پہلے ہی سنا دی تھی۔ حبیب بن اسد نے انہیں خوش و خرم دیکھا تو بڑا

طینن ہوا۔

کاؤٹ جولین اور حبیب بن اسد کے جلنے کے بعد مریم، حبیب کو اپنے کمرے میں لے گئی تاکہ اس کی

بات دن بتا داری کر سکے۔

فلورا نے بھی مریم کی تعلیم کی اور عثمان کو اپنے کمرے میں اٹھوائے گئی۔

عثمان کے پاؤں پر پٹیاں چڑھی تھیں اور وہ چل پھرنے لگا تھا، اس لیے اسے ایک غلام کا سہارا لے کر

فلورا کے کمرے میں باہر پڑا۔

خبر ہی ہاں قلعے کے اندر ہی پڑھی اور عثمان کی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

عثمان نے آنکھیں کھولیں تو اتنے سارے آدمیوں کو اپنے گرد جمع دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے جلیب بن اسد کو قریب بیٹھ دیا تو سلام کر کے اسٹھنے کی کوشش کی مگر جلیب بن اسد نے اشارے سے اسے منع کیا اور پوچھا:

”اب کیسے ہو عثمان؟“

”الحمد للہ..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ عثمان نے پریشان ہو کر کہا:

”آپ سب لوگ میرے پاس کیوں اکٹھے ہیں؟“

”تمہیں رات بھر تیز بخار چڑھا رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم نے آنکھیں کھولیں۔“ جلیب بن اسد نے جواب دیا پھر کاؤٹ جولین سے مخاطب ہوئے:

”کاؤٹ! میں آپ کا ذاتی حیثیت سے شکریہ گزار ہوں۔ عثمان اور جلیب مجھے بہت عزیز ہیں۔“

”کاؤٹ جولین مسکرا کر بولا:

”شکریہ کسی بات کا۔ یہ دونوں مجھے بھی بہت عزیز ہیں۔ میں ان کے گھر ہمارے چکا ہوں۔ آخر پاس مہمان نوازی بھی تو کوئی چیز ہے۔“ جلیب بن اسد نے ان دونوں کے ہمارے شانہ بشانہ دشمنوں کے مقابلے میں ایسی شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے کہ میں ان کا احسان مند بھی ہوں۔“

سب کے چلے جانے کے بعد مریم نے چپک کر کہا:

”عثمان بھی اب جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ تم نے تو تم سب کو گھبرا دیا تھا۔“

جلیب جواب تک خاموش تھا، بولا:

”اور کیا..... تم پر تو ہمارے اتنا حسرت حملہ کر دیا تھا کہ اگر بچاؤ نہ کیا جاتا تو.....“

”خدا نہ کرے شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔“ مریم نے اس کی بات کاٹ دی:

”آپ کا حملہ شروع ہو گیا۔ جلیب صاحب! آپ کسی وقت تو میدان جنگ کو بھول جایا کیجیے۔“

”اچھا اب میں نہیں بولوں گا۔“ مجھے اپنی شکست تسلیم ہے۔“ جلیب مسکرایا۔

عثمان نے پوچھا:

”بھائی جان۔ آپ کا زخم کیسا ہے؟“

”غیر فکرنہ کو۔ زخم پوری طرح قابو میں ہے۔“ جلیب نے ہنسنے ہوئے کہا:

”میں تم سے زیادہ اپنا دفاع کر سکتا ہوں۔“



عثمان کو شام ہی سے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا تھا۔ رات ہوتے ہوتے بخار میں تیزی آگئی۔ فلورا اور اس کی تیمارداری کے لیے موجود تھیں۔

آدھی رات گزر گئی مگر عثمان کے بخار میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ پھر اس پر بے ہوشی اور ہذیبائی کی لہر طاری ہو گئی۔

فلورائے فوراً باپ کو خبر کرائی۔

”کاؤٹ جولین نے آکر عثمان کی نین پر ہاتھ رکھا تو وہ تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ اس کا پورا جسم طرح تپ رہا تھا۔ کاؤٹ نے پریشان ہو کر جلیب بن اسد کو خبر بھجوائی۔“

جلیب ابھی آرام کے لیے بیٹھتے تھے، اطلاع پانے ہی وہ قلعے میں آگئے۔

جلیب بن اسد نے بھی عثمان کی نین دیکھی۔

اس وقت عثمان کا بھائی جلیب، مریم اور مریم کی والدہ بھی عثمان کے کمرے میں پہنچ چکی تھیں، کو بار بار ہذیبائی دورہ پڑتا۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں بڑبڑاتا۔ جلیب بن اسد کو خطو پیدا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ جولین سے کسی اچھے طبیب کو بلانے کے لیے کہا۔

”کاؤٹ کو بھی عثمان بہت عزیز تھا۔ اس نے ایک نہیں بلکہ قلعے میں رہنے والے تمام طبیبوں کو بلوایا۔“

طبیبوں نے باری باری عثمان کا معائنہ کیا۔ پھر انہوں نے متفقہ طور پر بتایا کہ فکر کی کوئی بات بخار سبب ہونے تک اتر جائے گا۔ جسمانی ٹھنک اور زخم کی تکلیف سے عثمان کی یہ کیفیت ہوئی ہے۔

طبیبوں کے اطمینان دلانے سے سب کی جان میں جان آئی۔ فلورائے تو درود کو برا حال کر دیکھ کر مریم نے اسے دوسرے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

اسی حالت میں ایک گھنٹہ درگزر گیا۔ طبیبوں نے پھر معائنہ کیا اور اطمینان کیا کہ بخار میں کمی واقع ہوئی اور اب بخار بہت درجہ کم ہی ہوتا رہے گا..... لیکن کاؤٹ جولین اور جلیب بن اسد کی پریشانی کم نہ ہوتی۔

دونوں عثمان کے بستر کے پاس بیٹھ رہے۔

طبیبوں کی تشخیص ٹھیک نکلی۔ صبح کی پسی کرن کے ساتھ عثمان کا بخار بالکل اتر گیا۔ جلیب بن اسد

فلورا کا ہاتھ پھر اس کی ہنسی پر پڑ گیا۔
عثمان کا نفعہ جاتا رہا۔ اس نے کہا:
"اس دھڑکن تو دل کی ہوتی ہے۔"
عثمان نے فلورا کا ہاتھ پکڑ لیا، شاید دل پر رکھنے کے لیے۔
فلورا اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ باہر سے کسی کے قدموں کی آواز آرہی تھی۔
مریم اور حبیب واپس آگئے تھے۔

فلورا نے کہا:
"واپس کیوں آگئیں۔ کیا حبیب بھائی نے کوئی نئی جنگ چھڑی؟"
مریم ہنسی کر بولی:
"تو اپنی نگر۔ جنگ نہ ہو تو ملاپ میں لطف ہی نہیں آتا۔"
"واہ واہ مریم۔ کیا تیر جلیبا ہے تم نے۔ ٹھیک نشا نے پر بیٹھا۔ حبیب خوش ہو کر بولا:
"فلورا۔ اب بھاؤ اس شیر کو۔ ورنہ مات ہو جئے گی۔"
فلورا لاجواب ہو گئی۔ اس نے کہا:
"بھائی حبیب۔ آپ کے ہاتھ کاغذ نم خاں گھر ہے۔ آپ کو آرام کرنا چاہیے۔"
"ٹھیک ہے۔ حبیب نے کہا۔ پھر سوچتے ہوئے بولا:
"ملاں مریم بتاؤ نا وہ بات جس کے لیے ہم آئے ہیں۔"
مریم بولی:

"بات یہ ہے کہ بھائی عثمان کو..... قیروان واپس جانا ہے۔ مسلم مرد اور حبیب صاحب نے دریافت کیا ہے
کہ اگر عثمان واپس جانا چاہیں تو انھیں آرام سے قیروان بھیجا جاسکتا ہے۔"
"لیکن ابھی تو....." فلورا گھبرا گئی۔ وہ کیسے چاہتی کہ عثمان واپس چلا جائے۔
"گھر آؤ نہیں فلورا۔ ہم نے اباجان سے سفارش کی ہے کہ عثمان کو ابھی نہ بھیجا جائے۔ مریم نے اپنے طور
پر فلورا کو تسلی دی۔

عثمان نے کہا:
"اس سفارش کا شکریہ۔ لیکن اگر یہ مردار کا حکم ہے تو میں ہجوورت میں قیروان جاؤں گا۔"
"شاہان عثمان سپہی کی بھی شان ہونی چاہیے۔ حبیب نے غصہ ہوتے ہوئے کہا: "جنگ ہو یا امن۔"

مریم، فکرمند فلورا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:
"اس بے چارے کا دل تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔"
"انہیں کیا ہوا؟ کیا یہ بھی بیمار ہو گئی تھیں؟" حبیب نے گھبرا کر پوچھا۔
"انہیں بیماری آپ کے جنگی دماغ میں نہیں آئے گی۔ مریم نے حل کر رکھا:
"بس اب پیسے رباں سے۔ ایک بیمار کے پاس ایک ہی تیمار دار رہنا چاہیے۔"
مریم کھڑکی پر بولی۔

حبیب کچھ سمجھا اور کچھ نہ سمجھا تاہم مریم کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔
فلورا نے جلدی سے عثمان کی ہنسی پر ہاتھ رکھ دیا:
"شکر ہے۔ اب بخار بالکل نہیں۔"
فلورا نے عثمان کی ہنسی سے ہاتھ ہٹا یا تو وہ بولا:
"ہاتھ نہ ہٹاؤ فلورا۔ ورنہ پھر بخار چڑھ جائے گا۔"
"اب بخار کا نام نہ لو عثمان۔ رات بھر نہ آلوگ سخت پریشان رہے۔ تم نہ جانے بخار میں کیا کیا کرتے رہے۔"
فلورا خوفزدہ لمبے میں بولی۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:
"کہیں تمہارا نام تو میری زبان پر نہیں آیا؟"
"آیا تھا اجی! بار! فلورا ابھی مسکرا دی:
"مگر وہ نام سولے میرے اور کوئی نہ سن سکا۔"

"پیر کا زخم تو ٹھیک ہو ہی جائے گا لیکن....." عثمان کہتے کہتے رکھا اور اٹھنے کی کوشش کی۔
"بس اب آپ لیٹے رہیے۔ زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ فلورا شرعاً ہی گئی۔
عثمان کو آج کچھ زیادہ ہی شوخی سوچ رہی تھی۔ اس نے کہا:

"اگر تمہارے جیسا تندر دار لے تو میں عمر بھر لونی آرام سے لیٹنے کو تیار ہوں۔"
"عثمان! تم سپاہی ہو۔ سپاہیوں جیسا باتیں کیا کرو۔" فلورا تلخی بھری محبت کے ساتھ بولی۔
"تو اب میں بس بھائی جان کی طرح تیرو تھوڑا کر بائیں شروع کر دوں؟" عثمان نے کہا۔
"یہ میں نہیں سمجھتی لیکن....." وہ کہتے کہتے خود ہی چنبٹ گئی۔

"کہہ دو نا کہ پیار کی باتیں ابھی نہیں گئیں....." عثمان نے مصنوعی غصہ عاری کرنے کی کوشش کی۔

سردار کا حکم ماننا، سپاہی کا فرض ہے۔

آپ ذرا کم بولا کیجیے حبیب صاحب۔ مریم نے جھلا کر کہا:

”یہ حکم نہیں۔ انھوں نے دریافت کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عثمان بھائی کی درخواست ہو تو انہیں بھیجے۔“

انتظام کیا جاسکتا ہے۔ فیصلہ ان کی مرضی پر ہے۔

فلورا کے افسردہ چہرے پر بجلی آگئی۔ اس نے امید افزا نظروں سے عثمان کو دیکھا۔

عثمان نے کہا:

”بھائی جان..... آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔“

”میں نے..... میں نے۔“ حبیب گڑبڑا گیا:

”میں تو خود کو دوسری جنگ کے لیے تیار کر رہا ہوں۔“

مریم نے مسکرا کر کہا:

”آپ ایک ہاتھ سے ضرور لڑیں گے..... ہاں عثمان بھائی آپ نے کیا فیصلہ کیا؟“

عثمان نے فلورا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا:

فلورا بولی:

”میرے خیال میں تو انہیں ہاں زیادہ آرام ہے۔ سفر میں تکلیف بڑھ سکتی ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ عثمان نے اپنا فیصلہ سنایا تو فلورا کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔

مریم، حبیب کا ہاتھ پکڑ کر کہنچتے ہوئے بولی:

”کیوں حبیب صاحب۔ میں نے کیا کہا تھا۔“

”آپ نے کہا تھا کہ بیمار اور بیمار دار کی رائے اکثر یکساں ہوتی ہے۔“

اور وہ دونوں ہنستے ہوئے واپس چلے گئے۔

انہیں ابن مرجع کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔

جس وقت انہیں بتایا گیا کہ عثمان قیروان جانے سے یہاں رہنا بہتر سمجھتے ہیں تو انہوں نے اسی وقت ایک سوا

کے ذریعے ابن مرجع کو عثمان کے زخمی ہونے کی پوری تفصیل کھو بھیجی۔

انہوں نے اپنے خط میں خاص طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ عثمان نہیں آنا چاہتے اور ان کے ساتھ

کاہل معقول اشتقاق دیا گیا ہے۔

حبیب بن اسد نے خط ابن مرجع کو لکھا تھا لیکن اس کا جواب مسلم سردار اباعلماموسی بن نصیر نے کاؤٹ جولین کو بھیجا۔

موسی بن نصیر نے کاؤٹ جولین کو فوری مشورے کے لیے قیروان بلایا۔

کاؤٹ جولین کو یہ بھی تاکید کی گئی کہ اگر عثمان اور حبیب سفر کے قابل ہوں تو انہیں اپنے ساتھ ہی قیروان

لیتے آئیں۔

موسی بن نصیر کو درباری حکامات سے پہلے خط میں تاکید کر دی گئی تھی کہ ہم کا آغاز کاؤٹ جولین سے کرنا چاہئے

تاکہ ایک طرف تو کاؤٹ کی وفاداری کا ثبوت مہیا ہو جائے اور دوسری جانب یہ معلوم ہو سکے کہ اگر عثمان، سپاہیہ

حد آور ہوئے تو انہیں کس حد تک مدافعت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حبیب بن اسد نے جو دوسرا خط ابن مرجع کو

لکھا تھا، انھوں نے موسی بن نصیر کو دکھایا۔

کاؤٹ جولین کی کامیاب مہم کی اطلاع انہیں پہلے ہی مل چکی تھی اور انھوں نے یہ جلد درباری حکامات بھی

بجوائی تھی لیکن موسی بن نصیر چونکہ محاذ جنگ سے بہت دور تھے اور آئندہ مہم کی پوری ہی ذمہ داری ان

پر تھی اس لیے وہ اپنی جگہ پوری طرح مطمئن ہونا چاہتے تھے۔

پہلے انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ خود قلعہ سبستہ پہنچ کر حالات و واقعات کا جائزہ لیں لیکن بعض مصلحتوں کی

بنا پر ان کا قیروان کو فی الحال چھوڑنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے کاؤٹ جولین کے ساتھ عثمان اور حبیب کو

بلوایا تاکہ وہ ان دونوں سے جنگ کے پورے حالات سن سکیں۔

کاؤٹ جولین کو قیروان پہنچنے کا بلاوا ملا تو وہ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اسے مشورے کے لیے بلایا گیا اور

صاف ظاہر ہے کہ یہ مشورہ آئندہ اقدام ہی کے لیے ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی اس نے مریم اور فلورا کو بھی تیار ہونے کا

حکم دیا۔

دوسرے ہی موسی بن نصیر کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی بیٹیوں کو بطور رینگل قیروان رکھنا چاہتا تھا اور

اب تو جنگ کا وقت قریب آ رہا تھا اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ مریم اور فلورا کو قیروان پہنچا دے تاکہ موسی

کو اس کی خدمت پر کسی طرح بھی شبہ نہ ہو۔

مسلم سردار حبیب بن اسد جب عثمان کو دیکھ کر واپس گئے تو انہیں یہ دھڑکا پیدا ہوا کہ کہیں عثمان ان کا

طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ اس لیے انھوں نے بہتر خیال کیا کہ اگر عثمان رضامند ہو جائیں تو انہیں قیروان

بھیج دیا جائے، کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اگر خدا نخواستہ کوئی ایسی ایسی بات پہلے

مریم اور فلورا کو جب یہ معلوم ہوا کہ انھیں باپ کے ساتھ نہ صرف قیروان جانا ہے بلکہ انھیں اب قیروان رہنا ہوگا تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔ لیکن ان کی یہ پریشانی اس وقت کمالِ مسرت میں بدل گئی جب انہیں بتایا گیا کہ عثمان اور حبیب ان کی بڑی قریبی دوستی تھی اس نے فلورا کو ایک عجیب الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کچھ دن تو وہ اسی ادھیڑ میں رہی پھر اس نے اسے واپس بلایا گیا ہے۔

حبیب اور عثمان پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے تھے لیکن اب تو دلی قیروان نے انھیں طلب کیا۔ یاد ہم تجھ کو اپنے دل کو سمجھا لیا۔ سوائے علم بھالانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ انہیں بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے ساتھ کاؤٹ جولین معاہدہ اپنی زندگی کے قیروان جارہے ہیں۔ ایک تو گھر جانے کی خوشی، پھر مریم اور فلورا جیسی ہم سفر۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا۔

کاؤٹ جولین نے جلدی جلدی قیروان جانے کی تیاری کی۔۔۔۔۔ روانگی کے وقت حبیب بن احمد وادع کئے آئے۔ مریم، فلور، عثمان اور حبیب بھی تیار ہو کر آگئے۔ سفری سامان گھوڑوں اور اوٹوں پر بار بونے لگا۔ حبیب بن احمد ہر ایک سے مرزے اور اخلاق سے مل رہے تھے۔ انہوں نے ایک جگہ فلورا کو تنہا کھڑے دیکھ کر ان کی نظریں بچا کر اس کے قریب پہنچنے اور آہستہ سے بولے:

"فلورا۔۔۔۔۔"

فلورا کی پیٹھ ان کی طرف تھی۔ اس نے اپنا نام سنا تو پلٹ کر دیکھا۔۔۔۔۔ حبیب بن احمد اس سے ملنے کے غاصب پر تھے۔

فلورا نے بڑے مذہب لہجے میں پوچھا:

"مرد! آپ نے مجھے آواز دی تھی؟"

ٹھیک اسی وقت کہیں سے عثمان آگیا۔

حبیب بن احمد کچھ گھبرا یا پھر سنبھل کر بولا:

"ہاں۔۔۔۔۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عثمان اور حبیب کا سفر میں خیال رکھنا۔ یہ ابھی پوری طرح تندرست نہیں ہوئے۔"

عثمان قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ہنس کر کہا:

"مرد! آپ بالکل مطمئن رہیں۔ یہ اور مریم بڑی اچھی تیار دار ہیں۔ جب تک قلعے میں رہا تو میں یہی

دیکھ رہا تھا کہ جیسے ہیں اپنے گھر میں ہوں؟"

یہ مختصر قافلی قیروان کی طرف روانہ ہوا۔ سب اپنے اپنے خیال میں گم تھے اس لیے سفر بڑی خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ فلورا ضرورت سے زیادہ خاموش تھی۔ عثمان نے کئی بار اس سے پوچھا بھی لیکن فلورا کچھ نہ بتا سکی۔ وہ بتاتی بھی کیا۔ مریم اور حبیب نے بھی فلورا کی خاموشی کو محسوس کیا۔ مریم نے اسے ہنسنے کے لیے ٹی بیٹھے بھی منائے مگر فلورا کی سجدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ عثمان کا یہ پورا سفر بڑی بے لطفی سے گزرا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ فلورا کو یہ ایسا دم کیا ہو گیا ہے۔ آخر سفر ختم ہوا۔۔۔۔۔ یہ لوگ قیروان میں داخل ہو گئے۔

اس بے قرہ سفر سے سب کی طبیعتیں کمزور تھیں۔ مریم کو تو فلورا پر غصہ آگیا۔ اس نے گڑ گڑا کر کہا: "فلورا! تو نے سفر کے مزے کو ملیا میٹ کر دیا ہے قیروان میں آنا تھا تو وہیں کہہ دیتی۔ میں اب جان سے لے کر تجھے ہستہ میں ٹھرنے کی اجازت دلا دیتی۔" یہ بات نہیں ہے مریم! فلورا کے دل پر بہت بوجھ تھا۔۔۔۔۔ ناقابل برداشت بوجھ۔

پھر کیا ہوا کسی نے کچھ کہا..... گالی دی تھی۔ مریم پھر کر بولی۔

مریم۔ تم سونگے تو تم بھی میری طرح خاموش ہو جاؤ گی۔ فلور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے پر کانٹا
 "ناؤ مجھے۔ دیکھو تو مجھ پر کیسے اثر ہوتا ہے" مریم ذرا صدم ہو گئی۔

فلور راز دارانہ انداز میں بولی:

"تمہارا مسلم مردار حبیب بن امد کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بہت شریف اور معقول انسان ہیں۔" مریم نے فوراً جواب دیا۔

"میں بھی یہی سمجھتی تھی۔" فلور نے اوجھڑا ہوا دیکھا اور بہت اہستہ سے کہا:

"لیکن آج انھوں نے مجھے دوبارہ آزادی لیکن دونوں بار کوئی نہ کوئی آگیا اور وہ کچھ نہ کہہ سکے۔
 "تو تو شہر آتے اسی الجھن میں گرفتار رہی۔"

مریم کا نصف ختم ہو گیا اور چہرے پر مسکراہٹ اٹھ گئی:

"تیرا کیا خیال ہے وہ تجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے؟"

"یہی تو پتہ نہیں مریم..... میں تو ان کی بڑی عزت کرتی تھی۔" فلور نے انھوں سے کہا۔

"اور اب تو پہلے سے زیادہ ان کی عزت کرے گی۔"

مریم کو ہنسی آنے لگی:

"میں بتاؤں وہ تجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے؟"

فلور نے مریم کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا:

"تمہیں معلوم ہے کیا؟"

"ہاں معلوم ہے۔" مریم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا:

"کان لا اذہر۔ بات کان میں کہنے والی ہے۔"

فلور نے اپنا کان مریم کے منہ کے قریب کر دیا۔ مریم نے نہ جانے کیا کہا کہ فلور ابھی کھٹکھٹا کر نہ کھٹک گئی۔

اور بولی:

"اچھا..... واقعی..... مگر خمیری نے تو کبھی ہوا تک نہ گھسنے دی۔"

رات کو جب خمیری اکیلی رہ گئی تو مریم نے اس سے اہستہ سے کہا:

"خمیری تمہارے لیے ایک پیغام ہے۔"

مریم نے پیغام کھولا..... بس کا پیغام ہے..... "خمیری۔ نے حیرت سے پوچھا۔

مریم اس کے کان کی طرف تھکی اور اہستہ سے بولی:

"مسلم مردار حبیب بن امد کا۔"

خمیری نے جلدی سے مریم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اس نے گھبرا کر اوجھڑا ہوا دیکھا۔ فلور اور ذرا بیٹھی ان

دونوں کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

خمیری مریم کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی اندر کے کمرے میں لے گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مریم

بیموں ہو جیسے خمیری کے ہاتھ پاؤں کا پ رہے ہیں۔

مریم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"خمیری تم پریشان کیوں ہو گئیں۔ انھوں نے تو مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ اگر خمیری تنہا میں نہیں تو ان سے

منا کہ میں حیرت سے ہوں۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔"

"تم نہیں جانتیں مریم۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ میں حبیب بن امد سے ملتی یا بات کرتی ہوں تو بس

نت آبلے۔"

خمیری اب ملک کا پ رہی تھی اور بار بار بند دروازے کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔

"خمیری۔ تم بالکل مطمئن رہو۔ تمہارا راز راز جی رہے گا۔ اس کا علم مجھے ہے یا فلور کو۔" مریم نے خمیری کو

مزید یقین دلایا۔

"اے اللہ..... کیا فلور کو بھی معلوم ہو گیا؟" خمیری پھر پریشان ہو گئی۔

"پھر تم گھبراؤ..... ہم دونوں ہمیں تمہاری احساندہ ہیں۔ ہماری زبان کسی اور کے سامنے نہیں

مریم نے خمیری کے دل میں اٹھنے والے شہات کو دد کرتے ہوئے کہا:

"لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس قدر ڈرتی کیوں ہو۔ کسی سے ملنے جلنے میں کیا عیب ہے جبکہ تم حبیب بن

امد سے پردہ بھی نہیں کرتیں۔"

"تمہیں پتہ نہیں مریم، ہم لوگ ڈیڈال قبیلے کے برابر ہیں۔"

خمیری نے بتانا شروع کیا:

تمہارے قبیلے میں شادی سے پہلے کسی لڑکی کا مرد سے گفتگو کرنا بڑا عیب خیال کیا جاتا ہے۔ اگر گھریا



قتیلے والوں کو معلوم ہو جائے کہ کوئی لڑکا لڑکی آپس میں ملتے ہیں تو پھر وہ نظروں سے گرا دیے جائیں۔
ان کی شادی کسی صورت نہیں ہو سکتی۔
اس کا مطلب ہے کہ تمہارے قتیلے میں بخت کی شادی، گناہ یا کوئی جرم ہے۔ مریم نے فر

وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ دراصل اب اسے خود اپنی اور فلورا کی فکر پر گئی تھی۔
خمیری بولی:

"بس یہی سمجھ لو..... پہلے ہمارے قتیلے میں بس بھائی کی شادی بھی ہو جاتی تھی لیکن ہر
مسلمان ہوئے ہیں، ہمارے مرد اس کا ایک بڑی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ وہ لڑکی لڑکے کا لڑکا نہیں کرنے کے بعد صاف اٹھا لیں یہ کچھ تھا کہ
پسند نہیں کرتے۔"

"اس کا مطلب ہے..... مریم نے گہرا کر پوچھا:
"تمہارے مرد اپنی مرضی کی لڑکی سے شادی بھی نہیں کر سکتے۔"
خمیری بہت ذہین لڑکی تھی وہ مریم کا مطلب فوراً سمجھ گئی۔ اس نے کہا:
"یہ بات نہیں ہے مریم۔ ہمارے بیان تو جب تک لڑکا اور لڑکی رضامند نہ ہوں، شادی ہو
سکتی۔ پھر جہاں تک مردوں کا تعلق ہے ان پر کوئی پابندی نہیں۔"
مریم نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر کہا:

"مگر خمیری! تم تو بڑی چھپی نکلیں۔ ہم اتنے دن تک تمہارے ساتھ رہے۔ مردار حبیب نے
کتنی ہی بار یہاں تمہارے گھر آئے مگر ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ ہماری بہن خمیری بولی
کو سینے سے لگانے رہتی ہے۔"
پھر فلورا نے بھڑک سے دروازہ کھول دیا اور اندر آ کر بولی:
"یہ کیا کھچیا میں گڑ پھوڑا جا رہا ہے۔ چچا جان تم دونوں کو پوچھ رہے ہیں اور تم دونوں
چھپی بیٹھی ہو۔"

کاؤنٹ جولین کی مہمان نوازی کے فرائض اس مرتبہ بھی ابن مرجع نے اپنے سر لے لیے تھے۔
وہ دونوں صحن میں بیٹھے گفت گو میں مصروف تھے۔ مریم اور خمیری نے وہاں پہنچ کر انہیں ادب سے سلام
دیا۔ وہ دونوں باتوں میں کچھ ایسے الجھے ہوئے تھے کہ ان کے سلام کا جواب دے کر پھر باتوں میں مصروف
خمیری اور مریم چند لمحے وہاں کھڑی رہیں کہ شاید وہ کچھ کہیں لیکن جب وہ ان کی طرف مخاطب نہ ہوئے
دونوں پھر اسی کمرے میں واپس چلی گئیں جہاں پہلے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ اب ان میں ایک کا اور

کاؤنٹ جولین کے بارے میں پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ وہ ایک نہایت چرب زبان مقرر تھا۔ اس نے ایسے سحر انگیز
انلاز میں حملے کی تفصیلات بیان کرنا شروع کیں کہ ابن مرجع اس میں کھو کر رہ گئے اور انہیں یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ کون
آیا اور کون گیا۔
علیفہ ولید بن عبد الملک بڑا دور اندیش خلیفہ تھا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کے خلاف لشکر کشی کی

طریقہ ولید بن عبد الملک بڑا دور اندیش خلیفہ تھا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کے خلاف لشکر کشی کی

اجازت تو دے دی لیکن یہ سوچتے ہوئے کہ یہ لشکر کشی ایک ایسے ملک کے خلاف ہے جس کے علاوہ دیکھا۔
علم نہیں۔ پھر بیچ میں سمندر بھی حاصل ہے اس لیے کوئی بن نہیں کر سکے گا کہ لشکر کشی سے پیشتر کسی
کو چار پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ہسپانیہ بھیجا جائے تاکہ وہاں کے حالات اور شہنشاہ ہسپانیہ
کا اندازہ لگائے۔ اگر اس کی اطلاعات اطمینان بخش ہوں تو پھر ممکنہ قوت کے ساتھ سمندر عبور کر کے
حکمہ کیا جائے۔

103
کاؤنٹ جولین نے کہا:
مسلحہ سردار عالی! میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ یہ سب آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے!
موسیٰ بن نعیر نے جواب دیا:
کاؤنٹ! اسلام آمنہ و آشتی کا پیغام دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا بھی اس کا
مشنشاہ ہسپانیہ کے ظلم و ستم اور چرہ دستیاری ایسی نہیں جہیں نظر انداز کیا جاسکے۔ آپ نے ہسپانیہ
کے لوگوں کی زبانوں میں جو نقشہ کھینچا ہے اس سے ہر ایک کا دل دکھنا اور آنکھ پھرا کرنا ضروری ہے!
تھامس سردار موسیٰ بن نعیر کی باتیں بڑی خاموشی سے سن رہے تھے اور بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ موسیٰ

اس حکم نامے کے بعد موسیٰ بن نعیر کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ ہسپانیہ کے خلاف فوری لشکر کشی کر دے۔
اسی ادھیڑ میں رہے۔ ان کے پیش نظر سب سے بڑا مسئلہ کسی تجربہ کار سردار کا انتخاب تھا۔ کتنے ہی
ذہن میں آئے مگر دل مطمئن نہ ہو سکا۔ اس طرح تعجب کا وقت ہو گیا۔

موسیٰ بن نعیر تعجب ادا کرنے کے بعد بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گئے اور گڑ گڑا کر رہنمائی کا راز
دریائے رحمت جوش میں آیا اور اس پر خلوص دعا کے درمیان ایک نام ان کے ذہن میں ایسا آیا جو جرم کے
وہ نام بار بار ان کے ذہن کے پردوں سے ٹکراتا رہا۔ انھوں نے تجھ لیا کہ یہی حکم ایزدی ہے۔ پھر
آپ ہی آپ اطمینان ہو گیا۔

موسیٰ بن نعیر نے دعوت کے وقت کا انتظار نہ کیا اور صبح ہوتے ہی ابن مرجع کاؤنٹ جولین کے
تعمام بڑے بڑے سرداروں کو بلوایا۔
ایک ایک دودھ کے تمام سردار موسیٰ بن نعیر کے پاس پہنچ گئے۔ سردار آتے۔ موسیٰ کو سلام
پھر ادب سے ان کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاتے۔

کاؤنٹ جولین کہا تو اس کا دل دھڑک رہا تھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بار خلافت کا تادمہ تازہ احاطہ
قیدان آیا ہے۔ یہ احکامات مسلمانوں کے فیصلے کی بنیاد بنتے تھے اور اسے کچھ علم نہ تھا کہ یہ فیصلہ کس قسم کا رہا
کاؤنٹ جولین دھڑکتے دل سے موسیٰ بن نعیر کے سامنے پہنچا۔ اس نے ذرا غور ہو کر تعظیم پیشانی
مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کاؤنٹ جولین سے بغل گیر ہوئے۔ اس سے کاؤنٹ کو کچھ تسک ہوئی اور
ذہنی ہونی امید پورا کر اور آگئی۔

موسیٰ بن نعیر نے اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کاؤنٹ جولین کو مخاطب کیا:
"کاؤنٹ جولین! آپ کو مبارک ہو۔ غلیظہ المسلمین نے ہمیں ہسپانیہ پر لشکر کشی کی اجازت دے
کاؤنٹ جولین کو اس سے جو خوشی حاصل ہوئی ہوگی اس کا ذکر تو الگ رہا۔ مسلمان سردار موسیٰ بن نعیر
اس اعلان سے اس قدر خوش ہوئے جس کا ذکر الہا رسے باہر ہے۔ انھوں نے بڑی متحرک ہوئے۔"

موسیٰ بن نعیر بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا:
"آپ لوگ ہمارے اور سلطنت اسلامیہ کے دست و بازو ہیں۔ آپ کے جذبات کا احترام ہمارا فرض ہے
ابیں بحیثیت والی افریقہ خلیفہ دمشق کے حکم کے تحت ہسپانیہ کے خلاف فوری لشکر کشی کا حکم دیتا ہوں۔
حاضرین محفل کے چہرے خوشی سے دکھلے۔ کاؤنٹ جولین تو مسرت سے ایسا دیوانہ ہو کر وہ فوراً اپنی جگہ پر

کھڑا ہوا اور ملک اسلام آباد موسیٰ بن نعیر زندہ باد کے کئی نعیرے گاڈ اے۔۔۔۔ پھر سب باری باری اپنے
اٹھ کر موسیٰ بن نعیر کے پاس گئے اور اُنہی عقیدت کے طور پر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

موسیٰ بن نعیر نے مزید اعلان کیا:

”ہم اب ایک طرح بھی تاثیر نہ کریں گے۔ ہمارا دل دستہ کل شام تک قیروان سے روانہ ہو جائے گا۔
اپنی تیاریاں مکمل کرتے ہی پورے لشکر کے ساتھ شمال مغربی افریقہ کے اس سرے کی طرف چل پڑیں گے۔
افریقہ اور ہسپانیہ کے درمیان سمندر کی ایک تپتی پٹی واقع ہے۔“

موسیٰ بن نعیر کا یہ اعلان بھی بڑی خاموشی اور صمت سے سنا گیا۔ اب ہر شخص اس بات کا منتظر تھا
ہر اول دستے کی سرداری کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔

موسیٰ بن نعیر نے انہیں زیادہ انتظار میں نہ رکھا اور اعلان کیا:

”دوستو اور ساتھیو! اس مہم کے آغاز کا سہرا جس سردار کے سر باندھا جا رہا ہے اس سے آپ دون
ہیں بلکہ اس جوانی کے عالم میں انھوں نے جس بہادری اور شجاعت کا پھل کئی مجنگلوں میں اٹھا رکھا ہے اور
سب کو قائل کر دیا ہے۔ اس جوان اور اولوالعزم کا نام ابو زرعہ طریف بن مالک المعاضری ہے اور جنہ
کی کنیت سے پکارتے ہیں۔“

طریف طبری اس عقل میں موجود تھے۔ اپنا نام سن کر وہ خوشی سے جھومتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔
انھیں اپنے قریب بلا! اور کہا:

”طریف! خدا انہیں یہ مہم مبارک کرے۔ اپنی تیاری مکمل کرو۔ کل تمہیں چار سو سپاہیوں کو ساتھ
ساحل کی طرف روانہ ہونا ہے۔ کاؤنٹ جوہن تمہاری رہنمائی کریں گے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف
اور جب ساحل ہسپانیہ صاف نظر آنے لگے تو وہاں کوئی معقول جگہ دیکھ کر سمندر عبور کر کے ہسپانیہ میں
جلاؤ اس کے بعد تم کیا کرو گے اس کے بارے میں ہم خود نہیں جانتے۔ اپنی عقل و خرد سے کام لیتا۔
مدد کرے گا۔“

موسیٰ بن نعیر کی بات ختم ہوئی تو کاؤنٹ جوہن نے کہا:

”مسلم سردار اعلیٰ! مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت ہو۔“

”کاؤنٹ جوہن۔۔۔۔ موسیٰ بن نعیر نے صاف آواز میں کہا:

”آپ ہمارے دوست اور اب حلیف ہیں، بے تکلف فرمائیے۔ اس پوری مہم میں آپ ہمارے

رہیں گے۔“

کاؤنٹ جوہن نے شکر یہ ادا کرنے کے بعد کہا:

”مسلم سردار۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس مسلم ہراول میں کچھ ہمارے سپاہی بھی شامل کر لیں جو آپ کے
سپاہیوں کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔۔۔۔ اور وہاں کے راستوں سے بھی باخبر رکھیں گے۔ دوسری بات یہ کہ
اگر ممکن ہو سکے تو دوسو سو اوروں کو بھی اس دستے کے ساتھ سمندر پار بھیجا جائے۔“

”کاؤنٹ جوہن۔ آپ کی دونوں تجویزیں قابل قبول ہیں مگر اتنی بہت سی کشتیاں کہاں سے آئیں گی یہیں
بقیہ شکر کے لیے بھی کشتیوں کا انتظام کرنا ہے۔“

کاؤنٹ جوہن نے کہا:

”میں نے اپنی پہلی ملاقات میں مسلم لشکر کو سمندر پار اتارنے کی پیش کش کی تھی، اس کے لیے کشتیاں تیار
کی جا چکی ہیں۔ اب اگر چند مزید کشتیوں کی ضرورت پیش آئی تو اس کی فراہمی کچھ زیادہ مشکل نہ ہوگی۔“

کچھ دیر غور کرنے کے بعد موسیٰ بن نعیر نے کاؤنٹ کے دونوں مشورے، تجویزیں یا خواہشیں تسلیم
کر لیں۔ (بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس مہم میں ایک سو سو اوروں بھی شامل تھے)۔

وہ رات ابو زرعہ طریف طبری نے بڑی مصروف گزار دی۔

ابن مرجع، کاؤنٹ جوہن، موسیٰ بن نعیر تمام اہل طرف کے ساتھ مہم کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے
پرانوں نے ان چار سو جوانوں کا انتخاب کیا جو اس مہم پر جانے والے تھے۔

ابن مرجع جس وقت موسیٰ بن نعیر کے پاس آ رہے تھے تو اس وقت ان کے دونوں بیٹوں حبیب اور عثمان نے
مذہبہ التجا کی تھی کہ موسیٰ بن نعیر سے ہراول دستوں میں ان کی شمولیت کی اجازت حاصل کی جائے لیکن جب انتخاب کا
موقع آیا اور ابن مرجع نے بیٹوں کی خواہش کا انکار موسیٰ بن نعیر سے کیا تو انھوں نے ہنس کر انکار کر دیا اور کہا کہ ابھی
انھیں مزید آرام کی ضرورت ہے۔

اس قسم کی ایک درخواست کاؤنٹ جوہن کی معرفت ان کی دونوں بیٹیوں مریم اور فلورا کی طرف سے پیش کی گئی
انھوں نے بھی اس مہم میں شریک ہونے کی استدعا کی تھی۔ موسیٰ بن نعیر نے اسے بھی منظور نہ کیا لیکن اس کا وعدہ
کر لیا کہ جب ہسپانیہ پر کامیاب ہوگی تو مریم اور فلورا کو اس میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے گا۔

یہ باتیں اتنی اہم نہ تھیں لیکن جس شام ہراول کو روانہ ہونا تھا اس دوپہر کو ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ کاؤنٹ
جوہن نے موسیٰ بن نعیر سے فوری ملاقات کی درخواست کی۔

موسیٰ بن نعیر نے اسے فوراً بلوایا۔

موسیٰ بن نعیر کاؤنٹ جوہن بڑی خوشحالی سے ملے اور کہا:

موسیٰ بن نصیر مسکراتے ہوئے بولے:

”بیٹوں! باپ یوں بھی ہر وقت پریشان ہی رہتا ہے کیوں اگر آپ پسند فرمائیں تو آپ کی منہل آسان ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ اس کی ذمہ داری ہم اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔“

کاؤٹ جولین خوش ہوئے بولے:

”آپ کس قدر مہربان ہیں مسلم سردار۔ کیا آپ میری میٹھوں کی شادی خود کر امیں گی؟“

”کیوں نہیں کاؤٹ؟“ موسیٰ بن نصیر نے کہا:

”آپ کی بیٹی اور ہماری بیٹی میں کوئی فرق نہیں۔ غلورا اور مریم کا مرتبہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہماری بیٹوں سے بھی افضل ہو گیا ہے۔ آپ منظور فرمائیں تو ان کی شادی ابھی اور اسی وقت ہو سکتی ہے۔“

”کیا ایسا ممکن ہے مسلم سردار! کاؤٹ جولین نے مسرت انگیز لہجے میں کہا:

”اگر ایسا ہو جائے تو میرے سر سے سب سے بڑا بوجھ اتر جائے گا۔“

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

”کاؤٹ! ہم آپ کی میٹھوں کے لیے دو نام تجویز کرتے ہیں۔ آپ بلا جھجکاں کے بارے میں اپنی رائے پیش کیجیے۔ ہمارے ایک سردار اور آپ کے میزبان ابن مرجعہ کے دو بیٹے حبیب اور عثمان ہیں۔ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ اگر پسند کریں تو مریم کے لیے حبیب اور غلورا کے لیے عثمان کا رشتہ اٹکا جا سکتا ہے۔“

جھلکے جواب دینے کے کاؤٹ جولین نے جھک کر فوراً موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ چوم لیے اور بولا:

”سردارِ عظیم! اگر ایسا ہو جائے تو یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوگی۔“

لیکی پھر کاؤٹ جولین کے دماغ میں ایک خیال بڑی تیزی سے گردش کر گیا اور اس نے اخروہ کی طرف سے کہا:

”لیکی! کیا عثمان غلورا کو قبول کر لے گا؟“

”اس کی آپ فکر نہ کریں۔“ موسیٰ بن نصیر نے کاؤٹ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

”مقتدر ہمت پر متعین ہمارے سردار حبیب بن امدن نے بھی غلورا اور عثمان کے بارے میں بہت کچھ کہہ کر حبیبہؓ پر عثمان ایک سہولت مند نوجوان ہے وہ انکار نہ کرے گا۔ ہم مسلمان اپنے آقاؐ کے نامہ رخی اگر ہم حضرت محمدؐ کی تعلیم پر عمل نہ کر سکتے ہیں تو اس فرمان پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہر عمل کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔ غلورا اور حبیبہؓ کو گوارا اس میں اس کی نیت کو کوئی دخل نہ تھا۔ غلورا ہمارے لیے شہنشاہ کی طرح پاک اور بے عیب ہے۔“

موسیٰ بن نصیر نے اسی وقت ابن مرجعہ کو بلایا۔

”کاؤٹ جولین! آپ مجھ سے ملاقات کے لیے اجازت کا انتظار نہ کیا کیجیے۔ میرے دروازے پر خوش آمدید کہنے کے لیے ہر وقت کھلے ہیں۔“

کاؤٹ جولین نے سپاٹ لہجے میں کہا:

”سردارِ عظیم! اس عزت افزائی کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔“

کاؤٹ جولین صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے ذرا دیر انتظار کیا کہ کاؤٹ جولین خود ہی اپنے آگے کا سبب بیان کریں لیکن جب یہ نہ

ہو سکنے لگی اور موسیٰ بن نصیر نے دیکھا کہ کاؤٹ کسی خاص الجھن میں ہے تو انہوں نے پوچھا:

”کاؤٹ! آپ کسی خاص پریشانی میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں۔ میں آپ کا دوست ہوں۔ فرمائیے! مدد کر سکتا ہوں۔“

کاؤٹ جولین جیسے کسی خیال سے چمک پڑا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو دیکھا پھر ہڑکھڑکایا:

”مسلم سردارِ عظیم! میں اپنے بزرگوں کے مذہب پر قائم ہوں اور موت تک اس کی پابندی کرنا چاہتا ہوں۔“

یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ کس نے آپ کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا ہے۔“ موسیٰ بن نصیر کو کاؤٹ

کی بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ انھیں یہ سوچ کر افسوس بھی ہوا کہ کسی مسلمان نے کاؤٹ کو تبدیلی مذہب

دی ہے۔

کاؤٹ جولین نے کہا:

”آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں مسلم سردار۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ آج ہمارے

دونوں بیٹوں نے کسی مسلم بزرگ کے ہاتھوں پر آپ کا مذہب قبول کر لیا ہے۔“

موسیٰ بن نصیر یہ سن کر ششدر رہ گئے۔ غلوڑی دیر سوچتے رہے پھر بولے:

”کاؤٹ جولین! کیا آپ کو شبہ ہے کہ آپ کی میٹھوں پر کسی نے ستمی کی ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو

ناگامحان طور پر ہمیں بتائیے۔ ہم اس شخص یا اشخاص کو سخت سزا دیں گے۔“

کاؤٹ جولین نے کہا:

”ایسی بھی کوئی بات نہیں سردارِ عظیم! میری بیٹیاں مذہب کے معاملے میں آزاد ہیں۔ وہ جو مذہب

اختیار کر سکتی ہیں لیکن اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ۔۔۔۔۔ میں ان کی شادی کہاں کر دوں گا۔ آخر ایک

ان کی شادی تو ہونا ہی ہے۔“

کاؤٹ جولین خاموش ہو گیا۔

اعراض تو نہیں؟

ابن مرجع ایک عرصے سے خیر کی شادی کی فکر میں تھے لیکن کوئی معقول رشتہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ حبیب بن احمد کا نام سن کر وہ خوش ہو گئے اور بولے:

”آپ نے میرا بوجھ اپنے سر رکھ لیا ہے تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“

اسلام میں جوہر بائیتیم مظلوم اور معذور لڑکی سے عقد کرنے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ موسیٰ بن نعیم نے جس وقت حبیب اور عثمان کو بلایا تو اس نے یہی سوچا تھا کہ حبیب کو تو کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن عثمان کو رام کرنے کے لیے انہیں اسلام کے ذریعہ اصولوں اور دوائیوں کا سہارا لینا پڑے گا لیکن جب انہوں نے عثمان کے سامنے فلوراکا ناما لیا تو عثمان نے فوراً ہی لمبی بھری بٹمان کو تزیین محسوس ہوا جیسے دنیا کی سب سے عظیم نعمت بغیر کسی محنت کے اس کی بھولی میں ڈال دی گئی ہے۔

موسیٰ بن نعیم نے طریف طبق کے دوستوں کی دعاؤں کی ایک دن کے لیے طغویٰ کر دی۔ مریم اور فلوراکا موسیٰ کے گھر مشغول کر دیا گیا۔ شام کو ابن مرجع کے گھر سے رات پڑھی حبیب اور عثمان دو لکھابن کے موسیٰ بن نعیم کے گھر آئے جہاں چند مرادوں اور قیروان کے معززین کی موجودگی میں ان کا نکاح مریم اور فلوراکا سے اسلامی دستور کے مطابق پڑھا یا گیا۔ پھر موسیٰ بن نعیم کی طرف سے دی گئی ایک صیانت کے بعد حبیب اور عثمان اپنی اپنی دھنوں کو اپنے گھر واپس چلے گئے۔

عزیز کا عقد فوری طور پر ممکن نہ تھا۔ پھر موسیٰ بن نعیم نے حبیب بن احمد کو سبستہ سے واپس آنے کا حکم بھجوا دیا تاکہ ان کا عقد خیر سے کیا جاسکے۔



جولائی ۱۰۱۷ء مطابق ۹ مئی ہجری میں ابو ذر و طریف بن مالک طبق نے چار سو سپاہیوں اور ایک سو کھاروں کے ساتھ سمندر عبور کیا اور ہسپانیہ کے ساحل پر جو مہمۃ الحفر کے قحطاً پر اتارے۔ اس ہراول دستے میں کچھ مراد اور پیادوں سے کاؤنٹ جولین کے بھی تھے۔ سمندری سفر کے لیے کشتیوں کا بندوبست بھی کاؤنٹ نے ہی کیا تھا۔

یہاں طریف طبق کے دستے کے سامنے ہسپانیہ کی ساحلی اور علاقائی فوج آگئی۔ کئی ایک معمولی اور شدید جھڑپیں ہوئیں۔ طریف طبق، اس کے سپاہیوں نیز کاؤنٹ جولین کے آدمیوں نے ہسپانیہ کی اس فوج کو پسپا کر کے دُور

ابن مرجع آئے تو موسیٰ بن نعیم نے کہا:

”ابن مرجع۔ آپ نے مسلم اور فلوراکا کے بارے میں کچھ سنا؟“

”جی ہاں۔ مجھے ان کے اسلام لانے سے وہی مسرت ہوئی؟“ ابن مرجع بولے:

”لیکن اس خیال سے ضرور پریشانی ہے کہ کہیں کاؤنٹ جولین ان کے اس عمل کے لیے ہم پر شبہ مار کر کاؤنٹ کو مریم اور فلوراکا کے اسلام لانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ موسیٰ بن نعیم نے ابن مرجع کو جواب

کے لیے کہا۔

”اوپر کو یہ سن کر اور خوشی ہوگی کہ ان دونوں کو ہم نے اپنی بیٹیاں بنایا ہے۔“

”یہ تو اور بھی خوشی کی بات ہے مراد عزیم۔“ ابن مرجع بولے۔

”چھا ابن مرجع۔“ موسیٰ بن نعیم نے ابن مرجع پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا:

”اب ہم اپنی بیٹی مریم کے لیے حبیب... اور فلوراکا کے لیے عثمان کا رشتہ طے کرتے ہیں۔“

خیال ہے؟“

ابن مرجع نے خوش ہوتے ہوئے کہا:

”مراد۔ آپ تواج ایک خوشی کے بعد دوسری خوشی کا اعلان کر رہے ہیں۔ بھلا مجھے اس میں کیا اعتراض ہو؟“

”بشرطیکہ کاؤنٹ جولین رضامند ہوں۔“

”ان کی رضامندی میں نے پہلے ہی حاصل کر لی ہے۔“ موسیٰ بن نعیم نے ہنس کر کہا۔

ابن مرجع بولے:

”پھر توبات طے ہو گئی۔ مجھے اپنے بیٹوں سے امید تو نہیں کہ وہ اٹکار کریں پھر بھی ان کی رائے سنا

ضروری ہے۔“

”ان سے آپ کوئی بات نہ کریں۔“ موسیٰ بن نعیم نے کہا:

”دونوں کو میرے پاس بھیج دیں۔ میں انہیں سمجھاؤں گا۔“

ابن مرجع اٹھ کر چلنے لگے تو موسیٰ بن نعیم بولے:

”ابن مرجع ذرا ٹھہریے! ابھی میری ایک بیٹی اور باقی ہے۔ اس کی بات بھی اس وقت طے ہو جانی چاہیے۔“

”آپ کی بیٹی.... کون سی بیٹی؟“ ابن مرجع نے حیران ہو کر پوچھا۔

”میری وہ بیٹی خیر بنت ابن مرجع ہے۔“ موسیٰ بن نعیم نے مسکراتے ہوئے کہا:

”میں اپنی بیٹی خیر کا رشتہ سبستہ میں تقیم اپنے مراد حبیب بن احمد سے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اس

نیک بھگادیا۔

اسلامی ہر اول دستہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا اور وہاں کے حالات معلوم کرتا رہا۔ بعض مقامات پر انھوں نے شمال میں بڑے کھدے دریا اور کامیاب و کامیاب رہے۔ گوانا، فوٹات سے مقصد حاصل نہ ہوا عیسائیوں کی کمزوری، فوجیوں کی بزدلی اور ہسپانیہ کے عسکری نظام کے بارے میں طریف طبق نے تمام حالات پوری طرح آگاہی حاصل کر لی اور یہی اس ہم کا مقصد بھی تھا۔

جس مقام پر طریف طبق نے ہسپانیہ کے ساحل پر قدم رکھا تھا وہ مقام آج تک طریف کے نام سے مشہور ہے۔

طریف طبق اس کامیاب ہم کے بعد واپس آگئے۔ اور انھوں نے موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کے بارے میں امید افزا رپورٹ پیش کی۔ اس طرح طریف طبق کا یہ حملہ ایک بڑے جھکے پیش قدمی بن گیا جس کے لیے موسیٰ بن نصیر اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں شروع کیں۔

کاؤنٹ جوئین اور طریف طبق کی ہمت اتاریج ہسپانیہ کے دو اہم باب ہیں:

الف یہ کہ جب ان ہمت کی اطلاع شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک (ارڈیف) کو پہنچی گئی تو اس نے اس کا یقین نہ کیا اور قطعاً بلند کرنے ان اہم خبروں کو سامعہ شراب میں ڈبو دیا۔ شہنشاہ راڈرک کو یاد دلانے یہ باور کر دیا تھا کہ وہ (راڈرک) دنیا میں آسمانی طاقت کا مظہر ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ہسپانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

یادریوں نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ ہسپانیہ کی سرزمین پر اگر کسی غیر ہسپانوی نے قدم رکھا تو اس کے پیر خود بخود جل اٹھیں گے اور وہ آسمانوں سے اندھا ہو جائے گا۔ ان حالات میں بھلا کون یقین کرتا کہ کاؤنٹ جوئین یا طریف طبق نے ہسپانوی علاقوں کو فتح کیا ہے۔

مابقی ہسپانوی شہنشاہ عبیڈن (ہیٹزا) کے عزیز واقارب، شہنشاہ کے خاتمے کے بعد ہسپانیہ سے بھاگ کر شمالی افریقہ کے مختلف علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ کاؤنٹ جوئین بھی سابق شہنشاہ کا داماد تھا لیکن وہ اپنی فراست اور ذہانت کی بنا پر راڈرک کے ہاتھوں سے بچا رہا اور اس نے قلعہ سبستہ کو بچانے کے لیے ہسپانیہ کا باگزار بننے کا اعلان کر دیا لیکن راڈرک کی کمپنی حرکت کی وجہ سے اب وہ پھر سے باغی ہو گیا۔ جس وقت کاؤنٹ جوئین نے ہسپانیہ پر حملے کا قصد کیا تھا اس وقت اس نے ہسپانیہ کے سابق شہنشاہ کے بھائی ادویس یا روپس اور اس کے بیٹے ایندیکو اپنے ساتھ ملنے کی کوشش کی تھی مگر ان دونوں کو اس بات کا یقین ہی نہ آیا کہ کاؤنٹ جوئین

شہنشاہ ہسپانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر سکتا ہے لیکن جب کاؤنٹ جوئین کی کامیابی کا چرچا شمالی افریقہ کے ساحل پر اس سرے سے اس سرے تک پھیل گیا تو انخیلہ اور روپس کو کاؤنٹ جوئین کے ساتھ تعارض نہ کرنے پر بڑا افسوس ہوا اور وہ خود ہی کاؤنٹ سے دوستی کی راہیں تلاش کرنے لگے۔

کاؤنٹ جوئین بڑا فاضل انسان تھا۔ جب موسیٰ بن نصیر نے اسے ہسپانیہ پر حملے کے سلسلے میں معاہدے کی دعوت دی تو اس نے موسیٰ سے ہسپانیہ کے سابق شہنشاہ کے بیٹے اور بھائی کی سفارش کی۔

موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جوئین کی سفارشی پر انخیلہ اور روپس کو بھی اس معاہدے میں شریک کر دیا اور ہسپانیہ کی فتح کی صورت میں انھیں ان کی حسبِ مرضی کچھ عطا دیے کا وعدہ کیا گیا۔

اور پھر..... موسیٰ بن نصیر کی مردم شناس اور جوہر شناس نظر دلنے، ہسپانیہ پر اس اہم یلغار کے لیے اذق بن زیاد کا انتخاب کیا۔

طارق بن زیاد بھی طریف طبق کی طرح موسیٰ بن نصیر کے ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ طارق بن زیاد کے اوائل زندگی کے بارے میں صحیح معلومات میسر نہیں۔ بعض مورخین کے نزدیک وہ فارمک کے رہنے والے تھے لیکن ان کا کہنا تھا کہ وہ سرخ رخ مال اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ ہر قوم کے ڈنڈال ہی کی اولاد میں سے تھے۔

اب دیرنساب تھی نہ قرین صلیحت۔ طارق بن زیاد کے بحیثیت سپہ سالار منتخب ہوتے ہی اسلامی چھاوٹی یہی عہد بن گئے۔ تلواروں کی دھاریاں تیز ہونے لگیں اور اسلحہ مجاہدوں کے جسموں کی زینت بن گیا۔

قرآن کے والی اور افریقی علاقوں کے سردار اعلیٰ موسیٰ بن نصیر نے بہ نفس نفیس سات ہزار تجربہ کار مجاہدین اسلام کا لشکر اس ہم کے لیے ترتیب دیا جس میں تین سو سواری بھی تھے۔

مخبر مہرور کرنے کے لیے چار ہجاز (بڑی کشتیاں) کاؤنٹ جوئین سے حاصل کی گئیں۔ موسیٰ بن نصیر نے حسبِ وعدہ کیم اور فلور کو بھی اس ہم میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ حبیب بن امیج کی شادی اب غیری بنت ابن مرجع کے ساتھ ہو چکی تھی۔ وہ عثمان اور حبیب کے ساتھ مجاہدوں کے اس لشکر میں شامل ہو گئے۔

تاریخ کے مطابق اسلامی لشکر کو کاؤنٹ جوئین کے علاوہ ہسپانیہ سے نکالے جانے والے یہودی قولہ گاتھک منیش الریدی کی بھی حمایت حاصل تھی۔ روانگی سے قبل موسیٰ بن نصیر نے امامت کی اہمیت کو اہم مجاہدین سے ان کے بچے ناز پڑھ کر بارگاہِ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں۔

اور پھر ۹ جولائی ۱۱ء مطابق ۵- رجب المرجب ۹۲ھ علامہ معری کے بیان کے مطابق یہ تاریخ ۲۷ شعبان تھا کہ ایک روشن دھبہ تھی جب لشکر اسلام نے طارق بن زیاد کی سرداری میں ہسپانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔

جنگ کے میدان سے اب مفر کی کوئی صورت نہیں۔ دشمن ہمارے سامنے ہے اور سندر ہمارے پیچھے (کشتیاں جل چکی تھیں) نہ راہ فرار اس طرف ہے نہ اس طرف۔ صدق، صبر اور مستقل مزاجی کے علاوہ اب ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں یہ اچھی طرح جان لو کہ تمہاری مثال اس جزیرے میں ایسی ہی ہے جیسی کمبوئس کے دو مترخان پر یتیم کی۔ تمہاری ذرا سی کمائی تمہیں غنیمت ہی سے متا دینے کے لیے کافی ہے۔ تمہارے دشمن کے پاس فوج بھی ہے، اسلحہ جنگ بھی ہے۔ تمہارے پاس بجز تمہاری تلواروں کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر تم نے ہمت سے کام نہ لیا تو تباہی ہو ا کھر جائے گی۔ تمہاری عظمت خاک میں مل جائے گی۔ تمہارا رعب ختم ہو جائے گا۔ دشمنوں کی جہتیں بڑھ جائیں گی۔ تم اپنی عزت و ناموس کو بچاؤ اور دشمن جو تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھ کر آیا ہے اس کے دانت کٹے کر دو۔۔۔۔۔ اس کی قوت کو ختم کر دو۔

میں نے تم کو کسی ایسے امر سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود گریز کروں میں نے تم کو ایسی سرزمین پر لانے کے لیے آمادہ نہیں کیا جہاں میں خود جنگ نہ کروں۔ اگر تم نے ذرا بھی ہمت سے کام لیا تو اس ملک کی دولت و عظمت تمہاری جوتوں میں ہوگی۔ اگر تھوڑی سی سختی برداشت کر گئے تو اسی جزیرے کی ہر چیز تمہاری ملکیت ہوگی۔

امیر المومنین ولید بن عبداللہ نے تم جیسے بہادروں کا انتخاب کیا۔ تم نے اگر یہاں کے شمسواروں سے دو دو ہاتھ کھیلے تو خدا کا دین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم یہاں جاری و ساری ہو جائے گا۔ یہ جان لو کہ جہد میں تم کو مارا جائے گا، اور دھڑلے والا شخص میں ہو گا۔ جب فوجیں ٹکرائیں گی تو پہلی تلوار میری ہوگی جو بلند ہوگی۔

اگر میں راہ خدا میں لڑتے ہوں چلی بس تو تم لوگ عاقل و داناستار ہو کس دوسرے کا فوری انتخاب کر لینا مگر خدا کی راہ میں جان دینے سے منہ نہ موڑنا اور اس وقت تک دم نہ لینا جب تک یہ جزیرہ فتح نہ

کاؤنٹ جولین کے ویسے ہوئے چار ہزاروں سے کیلپے کے مقام پر قلعہ الاسد کے قریب اترنے والی جاہدین کی اس قبل تعداد کے لیے یہ ایک نیا ملک، نئی سرزمین، نئی آب و ہوا، نئی فوج لوگوں کو زندیاں کے حالات سے آگاہی تھی اور نہ وہاں کی کیفیات سے واقفیت۔ وہ اجنبی ملک میں جسے سندر تیز و حادثہ نے ان کے وطن سے علیحدہ کر دیا تھا، امن اپنے عزم و حوصلے، اپنے جوش اور قوت ایمانی کے بل بوتے پہنچے تھے۔

طارق بن زیاد پر تمام جاہدین کو پورا اعتماد تھا۔ وہی طارق بن زیاد جس کے نام پر جمل الطارق یا جہار اللہ اس جوان نگر، جوان عمل اور جوان عمر کی یاد تازہ کرتا ہے۔

مسلمان کشتیوں سے اتارا جا چکا تو سپہ سالار اسلام طارق بن زیاد گر جہاد آواز میں بولے:

”کشتیوں کو آگ لگا دو۔“

طارق بن زیاد کے اس حکم کو سوچنے اور سمجھنے سے عقلیں حیران اور سمجھ ناکارہ تھیں۔ سپاہیوں نے یہی پوچھا سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

اسی وقت طارق بن زیاد کی آواز پھر گونجی:

”سفینوں کو جلا دیا جائے۔“

سپہ سالار کے حکم کی تعمیل کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سفینے جو ان کو ریگ زاروں سے نکال کر دریا میں لائے تھے، وہ کشتیاں جنہوں نے بحر ذخار کا سینا صلہ طے کیا تھا، نذر آتش کر دی گئیں۔

سفینوں میں شعلے بھڑک اٹھے اور بل کھاتا ہوا دھواں آسمان کی مسعتوں میں پھیلنے لگا۔ تمام لشکر جہت میں فرق بڑی حسرت سے جلتی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ سامنے جہد نظر نہم اجنبی سرزمین، پشت پرے سفینے۔ داہنی کاراستہ مسدود ہو گیا۔

پھر اسی حیرانی اور ہوش و خرد کی کشمکش کے عالم میں ایک نعرہ بکیر بلند ہوا۔ اس نعرے کے ساتھ ہی:

”ذیاد کی آواز اس کے ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔“

اس آواز نے کیا کہا۔ اس گرج میں کونسی بجلی پنناں تھی۔ اسی کا جواب تاریخ اسلام اور تاریخ عالم یہ دیتی ہے کہ وہ برق، وہ بجلی اور وہ گرج ایک خطبہ تھا جو طارق بن زیاد نے جہت پر جان رکھ کر ساتھ چلے آنے والے سامنے دیا۔

طارق بن زیاد نے فرمایا:

”ہمے جوان مردو!“

ہو جائے! (عربی سے لفظ بہ لفظ ترجمہ)
 سنبھلوں کو زندہ رکھنے کے تاریخی واقعے کو علامہ اقبال نے زبانِ شعر میں یوں بیان کیا ہے:
 طارق جو برکنارہ از دلیس مضیتِ نیرخت
 جب ہسپانیہ کے ساحل پر طارق نے کشتیاں جلا دیں۔
 گفتند کار تو، بہ نگاہِ خود خفاست
 تو لوگوں نے کہا کہ غفل کی نگر میں تمہارا یہ فعل ایک غلطی ہے
 ودریم از سوادِ وطن، باز چوں رسیم
 ہم وطن سے دور ہیں، واپس کیسے جائیں گے؟
 ترکِ سبب ز دوشے شریعت کجا راست
 شریعت کی رو سے ترکِ سبب درست نہیں۔
 خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
 طارق مسکرائے۔ اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا اور کہا
 ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خداست
 ہر ملک ہمارا ہے کہ ملکوں کا ایک خدا ہے اور ہم اس کے نائب ہیں



طارق بن زیاد کے قدم ابھی آگے بڑھنے نہ پائے تھے کہ شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کے ایک ازودہ
 جہز قیوڈومیر نے اس آفتِ ناگمانی کی خبر پائی۔ وہ ہسپانوی صوبہ مرسیہ کا گورنر تھا اور جبرالٹر کا علاقہ اسی صوبہ کا
 حصہ تھا۔

قیوڈومیر اپنی پوری قوت کے ساتھ اس نیم صبح گھر مرتب و منظم فوج کے مقابل آیا۔ طارق بن زیاد نے اپنی
 فوج کو میدان میں اس طرح پھیلایا کہ اس کی تعداد دو گنی معلوم ہونے لگی۔

اس جنگ میں حبیب بن امد عثمان اور حبیب امیسرہ کے دستوں میں موجود تھے۔ فلورا امد مریم ان کے ماتہ
 قیودمیر خیر اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے حبیب بن امد کے ساتھ نہ آسکی تھی۔

جنگ شروع ہوئی تو میسرہ نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ قیوڈومیر کی فوج کا دایاں بازو ہلکا ہو گیا۔ قلب میں
 قیوڈومیر نے زیادہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے پہلے ہی حملے میں دشمن کو درہمیک دھکیلتے چلے گئے۔ قیوڈومیر کا
 نگرانِ اچانک حملہ آوروں سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ زیادہ دیر میں ان میں نہ ٹھہر سکا اور منہ موڑ کر ہلکا کھڑا ہوا۔
 اس کامیابی نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیے۔
 طارق بن زیاد نے فردا فردا ہر سردار کے پاس جا کر ان کی اور زیرِ کمان سپاہیوں کی ہمداری کی تعریف کی۔
 بن امد عثمان اور حبیب شامل تھے اس نے کچھ زیادہ ہی شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے زیادہ شاباش ملی۔ حبیب
 بن امد فلورا اور مریم کو دورانِ جنگ تلوار چلاتے دیکھ چکے تھے۔ وہ اپنے رمالے سے عثمان اور حبیب کے پاس آئے
 اور فلورا اور مریم کی بہترین شمشیر زنی پر انہیں مبارکباد دی۔
 گورنر قیوڈومیر کو طارق بن زیاد کے سامنے آنے کی دوبارہ ہمت نہ ہوئی۔ وہ اپنی جان بچا کر سیدھا راڈرک
 کے پاس پہنچا۔

راڈرک اس وقت جرمن قوم (BASGUES) کی بغاوت فرد کرنے کے سلسلے میں شمالی علاقے پیمونہ
 میں پڑا ہوا تھا۔ قیوڈومیر شہنشاہ کے سامنے پیش ہوا تو وحشت اور دہشت سے اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔
 شہنشاہ نے اسے اس قدر وحشت زدہ دیکھا تو پوچھا:
 "ہمارے قیوڈومیر! تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"
 قیوڈومیر اس قدر گھبرا ہوا تھا کہ الفاغاس کے منہ سے نہ نکلتے تھے۔ اس نے کوشش کر کے کہا:
 "مالی جاہ! عالی جاہ!..... جن، بھوت..... وہ بھوت ہیں..... کوئی آسمانی مخلوق....." وہ آگے
 کچھ نہ کہہ سکا۔

"اپنے حواس درست کرو قیوڈومیر! راڈرک نے کہا:

"کلیسی مخلوق۔ بھوت کہاں ہیں؟"

"مالی جاہ۔ وہ چارے ملک پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ قیوڈومیر نے حواس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔
 راڈرک نے حکم دیا کہ قیوڈومیر کو شراب پیش کی جائے۔ شراب پی کر قیوڈومیر کے حواس بجا ہوئے تو اس
 نے کہا:

"اے شہنشاہ عالی مقام! ایک قوم نے میرے جنوبی علاقے پر حملہ کیا ہے۔ پتہ نہیں وہ لوگ کہاں سے آئے ہیں
 کیسے گئے ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ نہ ان کے وطن کا پتہ ہے نہ ان کی قومیت کا علم اور نہ ان کے مقصد کی اطلاع۔ انھوں
 نے ہماری فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ جتوں بھوتوں کی طرح لڑتے ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں جہم کر لڑتے ہیں تو ہسپا

بن جاتے ہیں اور جب حرکت میں آتے ہیں تو سیل رول کی مانند۔ انہیں روکن مشکل ہے اور کسی طرح ممکن نہیں....

راڈرک نے تعجب سے میر کی باتیں سنی۔ میر سے غور سے نہیں۔ جیسا کہ وہ دنیا مسافروں کی جانب گیا۔ ایک طرف یہ شان اور یہ امن بان تھی۔ شان و شوکت اور تزک و احتشام کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف جن کے طاقت نے افریقہ میں قیامت برپا کر رکھی تھی۔

راڈرک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،
ان کی تعداد کتنی ہے۔ وہ کتنے ہما زوں پر سوار ہو کر آئے ہیں۔
تھیوڈ میر نے جواب دیا،

مائی جاہ! ان کی صحیح تعداد کا تو مجھے علم نہیں۔ میر سے مجھوں نے بتایا ہے کہ یہ لوگ جن ہما زوں پر چڑھ کر آئے ہیں۔
تھے انہوں نے ان کو خود اپنے ہاتھوں سے جلا کر خاک کر دیا ہے۔
راڈرک بڑا حیران ہوا۔ ساتھ ہی اسے یہ پریشانی بھی لاحق ہوئی کہ آخر وہ کیا وجہ ہے جس نے ان کو

کو اپنے ہما ز جلائے پر مجبور کیا۔
راڈرک نے فوراً اپنے مجبور کو دریافت حال کے لیے جنوب کی طرف روانہ کیا۔ پھر وہ چپکے سے بائیں کا

ختم کر کے دارالخلا نہ طیلہ واپس آگیا۔ طیلہ میں بھی مسافروں کے حملے کی خبر پہنچ چکی تھی اور وہاں ہر شخص پر اور مریا سہمہ تھا۔

راڈرک نے فوراً مذہبی جنگ کا اعلان کر دیا اور ہر طرف اپنے ہر کا سے دوڑا دیے۔ اس نے پادریوں سے درخواست کی کہ وہ اس بڑی گھڑی میں اس کا ساتھ دیں اور جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دے کہ لوگوں کی زیادہ سے حمایت حاصل کریں۔

اب کیا تھا.... پادری حرکت میں آ گئے۔ تبلیغ اور دھوکا کے ساتھ شوق جنگ بھی دلایا جانے لگا اور اسے معانت مطلق کا درجہ دیا گیا۔ انعام و اکرام کے وعدے کیے گئے۔ زمینیں اور جاگیریں عطا کی جانے لگیں۔ زبردستی لٹائے جانے لگے۔ جبر یہ بھرتی شروع کر دی گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک لاکھ کی فوج جمع ہو گئی.... جن میں گھوڑے بھی تھے.... بیش قیمت بھی اور مازو سامان بھی۔

شہنشاہ راڈرک ایک لاکھ کی اس فوج کے ساتھ طارق بن زیاد کے مقابلے کے لیے اس شان سے نکلا کہ اسے سونے کا تخت، جواہرات سے آراستہ، لالہ و زمر سے سجایا ہوا اور یا قوت سے مرصع، دو گھوڑوں کی پشت پر بٹھایا تھا.... اس کے سر پر ایک اٹلی درجے کا پتھر لگا تھا۔

شہنشاہ راڈرک ایک لاکھ کی اس فوج کے ساتھ طارق بن زیاد کے مقابلے کے لیے اس شان سے نکلا کہ اسے سونے کا تخت، جواہرات سے آراستہ، لالہ و زمر سے سجایا ہوا اور یا قوت سے مرصع، دو گھوڑوں کی پشت پر بٹھایا تھا.... اس کے سر پر ایک اٹلی درجے کا پتھر لگا تھا۔

شہنشاہ راڈرک ایک لاکھ کی اس فوج کے ساتھ طارق بن زیاد کے مقابلے کے لیے اس شان سے نکلا کہ اسے سونے کا تخت، جواہرات سے آراستہ، لالہ و زمر سے سجایا ہوا اور یا قوت سے مرصع، دو گھوڑوں کی پشت پر بٹھایا تھا.... اس کے سر پر ایک اٹلی درجے کا پتھر لگا تھا۔

جنگ شروع ہوئی۔

لیکن اس کی یہ نظر ایک جگہ جم کے رہ گئی۔

ہمتیاروں کی جنگا ہٹ نے سورج کو ماند کر دیا۔ کھانٹے سے کھانڈا ٹکڑا کرنے لگا۔ تلواریں بھونکنے لگیں۔

بڑے سینوں میں بیہوشی ہوئی۔ کھانٹے سے سورج کو ماند کر دیا۔ کھانٹے سے کھانڈا ٹکڑا کرنے لگا۔ تلواریں بھونکنے لگیں۔ ہزار سپاہی نہ تھے، ایک لاکھ مرتے جس کے کٹنے کے لیے بھی مدت درکار ہوتی ہے۔ ایک دن کی جنگ میں دو چار روزہ رہتے۔

راڈرک کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

وہ دوڑ کر گھوڑے کے پاس پہنچا۔ رکاب میں پیر رکھ کر سوار ہوا۔ لگائی سنبھالتے ہوئے اس نے ملوک

یگانہ موت سامنے نظر آئی۔ ایک مسلمان سپاہی سپاہیوں کا حلقہ توڑ کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ دوسرا ان

عیسائی پادری بھنڈے لیے اصریب لگے میں ٹکائے فوجوں کے ساتھ تھے۔ وہ چٹا چٹا کر سپاہیوں کے درمیان میں تھا۔

راڈرک نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پیچھے کی طرف جنگا۔

دل بڑھانے لگے.... مگر جاہلین اسلام کو گراں تھے۔ آہنی دیوار تھے۔ ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ پیچھے نہ ہٹتا۔

جنگ دور دور تک بھینچتی تھی۔ مشرق، مغرب کے راستے سپاہیوں کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔

راڈرک نے شمال کا رخ کیا مگر شمال میں دریا تھا۔ راڈرک دریا کے کنارے پہنچ گیا۔... مسلم سوار اس کے

سات دن گزر گئے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

جنگ کا آٹھواں دن تھا۔

سوار کو اکیلا دیکھ کر راڈرک کا صدمہ بڑھا۔ اس نے تلوار کھینچی۔ ٹھیک اسی وقت مسلم سوار نے اپنے

جاہلین رات بھر سربسود ہو کر دعاؤں میں مصروف رہے۔ صبح ہوتے ہی ایسا زبردست حملہ کیا کہ

فلورا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار اس کے ہاتھ میں کاٹنے لگی۔

راڈرک کے لشکر میں ابتری پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں نے اور دباؤ ڈالا اور سپاہیوں کی صفیں ڈوڑ

فلورا نے تیری موت بڑول!

فلورا کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ پھر اس کی تلوار چمکی۔ راڈرک نے گھوڑا موڑ کر اپنا سینہ بچانا

راڈرک نے گھبرا کر اپنے دس ہزار محافظوں کو بھی جنگ میں جھونک دیا مگر جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔

فلورا نے تلوار اس کی پیٹھ میں داخل ہو گئی۔... فلورا نے تلوار پر زور ڈالا اور تلوار راڈرک کے دل میں سے

آج حبیب بن احمد عثمان، حبیب اور مریم و فلورا اس کے سب ایک ہی دستے میں تھے۔ حبیب

راڈرک کا گھوڑا بد کا اور مدد سوار کے پانی میں کود پڑا۔

بہت زخمی ہو گئے عثمان نے فلورا ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر انہیں پیچھے کر دیا۔ اس کو شش میں عثمان اور

فلورا نے تلوار راڈرک کے جسم سے نہ نکال سکی۔ راڈرک کی گردن زین سے لگ گئی۔ گھوڑا دریائے تیز

دن ڈھلتے ہی مسلمانوں کے حملے میں شدت پیدا ہو گئی۔

فلورا نے تلوار راڈرک کے جسم سے نہ نکال سکی۔ راڈرک کی گردن زین سے لگ گئی۔ گھوڑا دریائے تیز

طارق بن زیاد عصر سے پیسے ہی جنگ کا فیصلہ کر دینا چاہتے تھے۔ انھوں نے نغزہ بکیر بلڈ کے چلیا۔

فلورا نے تلوار راڈرک کے جسم سے نہ نکال سکی۔ راڈرک کی گردن زین سے لگ گئی۔ گھوڑا دریائے تیز

میدان ہاتھ سے جانا دیکھ کر راڈرک گھبرا کر اپنے تخت پر کھڑا ہو گیا۔ ایک گھوڑا اس کے لیے تخت کے

ہر وقت تیار رہتا تھا اس نے تخت سے اترنے سے پہلے آخری بار میدان جنگ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی۔

بعد وہ پھر کبھی اتنی عظیم قوت جیت نہ کر سکے۔

③ تارامیر

شام کے دھندلکے میں جب فلورا، زخمی عثمان کے بستر کے پاس پہنچی تو عثمان نے پوچھا:
"تمہاری تلوار کہاں ہے فلورا، اور لڈرک کہاں ہے؟"
"وہ میرے انتقام کا نشانہ بن گیا اور دیا اس کی قبر" یہ کہتے وقت فلورا کے چہرے پر ایک
مسکراہٹ کھین رہی تھی۔

گھوڑا گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔
گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی خواتین نے گردنیں باہر نکالیں۔ سپاہی جھنڈا دیکھ کر ان کی جینیں نکل گئیں۔ بچے رونے
لگے کہ چوان پریشان اور چاروں مسلمان محافظ سوار حیران تھے اور سوچ رہے تھے کہ اس بلائے لگائی سے کیسے بچا
جائے؟
چاروں طرف پہاڑی پہاڑ۔ حد نظر تک آبادی کا نام و نشان نہیں۔ گاڑی کو واپس کرنا بھی ممکن نہ تھا اس لیے
کہ سامنے سے چالیس پہچاس سپاہی سوار سپاہی جھنڈا ہاتھ میں لیے بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ چکے
آ رہے تھے۔

گاڑی پر اسلامی پھیر لہرا رہا تھا۔ اس طرح دو جھنڈے، دو تہذیبیں اور دو مذہب ایک مرتبہ بھرا گئے
ملنے لگے۔

تیز رفتار سپاہی، گاڑی سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئے۔ شاید انہیں اسلامی جھنڈا نظر آ گیا تھا اور
اب وہ مسلمان محافظوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مسلمان محافظ اپنی تلواریں بے نیام
کر چکے تھے۔

گاڑی کے اندر سے ایک کانپتی ہوئی آواز آئی:

"اب کیا ہوگا مسلمان محافظ۔ یہ سپاہی ہمارے دشمن ہیں؟"

ایک محافظ نے تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے جواب دیا: "خاتون! ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہوگا کیونکہ"

اس کا اطمینان رکھیے کہ جب تک ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے ان ہسپانوی سپاہیوں کے ہاتھ آپ تک نہیں
 آتے ہیں ہسپانوی سواروں میں سے ایک سوار گاڑی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ محافظوں میں سے ایک
 بڑھ کر اسے گاڑی سے دوڑی روک لیا۔ ہسپانوی سوار نے تلوار نہیں نکالی تھی اسی لیے مکان کا خطرہ نہ
 "تلوار بنام میں رکھ لی۔"

ہسپانوی سوار نے پوچھا:
 "تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

محافظ نے کہا:
 "تعب ہے کہ تم ہمارا پرچم دیکھنے کے بعد بھی پوچھ رہے ہو کہ ہم کون ہیں؟"
 "تم کتنے آدمی ہو اور گاڑی کے اندر کون ہے؟" ہسپانوی سوار نے ذرا سختی سے پوچھا۔ اس نے کہا:
 "کہ مسلمانوں کی تعداد صرف چار ہے۔"
 "گاڑی میں کچھ معزز خواتین ہیں۔ اس سے زیادہ نہ بتانے کی ضرورت ہے اور نہ تمہیں پوچھنے کا حق ہے۔ پناہ گزین ہو گئے۔"

ہسپانوی سپاہی نے گھوڑا، گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا:
 "ہم خود دیکھ لیں گے کہ وہ کون ہیں؟ اگر وہ تمہاری عورتیں ہیں تو انہیں ہم چھوڑ دیں گے اور اگر وہ ہمارے
 ملک سے تعلق رکھتی ہیں تو ہم انہیں تمہارے ہاتھوں سے آزاد کرانے کے ان کے گھروں تک خود پہنچا دیں گے۔"
 "وہ تمہارے ہی ملک کی ہیں مگر تمہارے ساتھ نہیں جائیں گی۔" محافظ نے اپنا گھوڑا ہسپانوی سوار کے
 کے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔

دو رکھڑے ہوئے ہسپانوی سپاہیوں نے دیکھا کہ جگڑا بڑھ گیا ہے تو وہ بھی گھوڑے دوڑاتے ہیں انتظار کی ضرورت نہ سمجھی گئی اور صرف چار مسلمان محافظ روانہ کیے گئے جو اس وقت ایک سنگین صورت حال سے
 قریب آگئے۔ ان میں سے ایک سوار نے جو ان کا سردار تھا، پوچھا:
 "ٹیسٹس! یہ کون ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ان کے ساتھ ہسپانوی عورتیں ہیں۔ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گی۔" ٹیسٹس نے اپنے سردار سے اور وہی وقت بھی فوج لے کر واپس آسکتا ہے۔
 جواب دیا۔ "باقی تین مسلمان محافظ بھی اپنے ساتھی کے برابر آگئے۔"

گھوڑا گاڑی سے منہ نکال کر ایک ضعیف خاتون نے جیچ لگا کر کہا:
 "ہاں! ذیل نوا! ہم تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ ہم روپاس کے گھروالے ہیں۔ ظالم راڈرک مارا گیا۔"
 اب ہماری حکومت ہے۔

ہم ان کے کہنے پر ہی گروہ جنوبی ہسپانیہ میں ادھر ادھر سے مارے پھرتے تھے۔ یہ مسلمان اور ان کے حلیوں
 کے سخت دشمن تھے۔ اگر کوئی ایسا دیکھتا تو وہ اسے بے دریغ تہ تیغ کر دیتے۔ یہ ایسے ہسپانویوں کو
 مسلمان نہ مانتے تھے جن کے متعلق انہیں شبہ ہوتا کہ انہوں نے مسلمانوں کا کسی طور ساتھ دیا ہے۔
 ہمارے روپاس کا تعلق تھا ان کے بار سے ہیں تو ہر ایک کو معلوم تھا کہ وہ اور سابق شمشاہ کے لڑکے

کھلم کھلا مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ وہ جوان جس کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال کی ہوگی۔ گھوڑے سے کود کر فوراً گاڑی کے پاس گیا۔ وہ یہ دیکھ کر ہسپانوی سواروں نے بڑی تیزی سے مسلمان محافظوں کے گرد گھبراہٹ ڈال دی۔ مسلمانوں نے بھی ہسپانویوں کی تھیں۔

ہسپانوی سوار نے کہا: رو پاس نے ہسپانیہ سے غداری کی ہے اس کے گھروالوں کو ہم گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ اپنی جان بچا کر جاسکتے ہو۔ مسلمان محافظ اپنی جان بچا یا نہیں کرتے یہ کہتے ہوئے ایک محافظ نے سردار پر حملہ کر دیا۔ سردار سے تیار تھا اس نے وار روک لیا۔ لڑائی پھوٹ گئی۔

ویز تک دونوں طرف سے تلواریں چلتی رہیں مگر چار اور پچاس کا کیا مقابلہ خدا مسلمان محافظوں پر ہوا۔ تے تلواریں پڑ رہی تھیں اور وہ زخمی ہو رہے تھے لیکن ان کے قدم زمین میں جیسے جم گئے تھے۔ گاڑی میں بھی عورتیں اور بچے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ کوچران کے پاس تلوار نہ تھی۔ اس نے اپنی چابک لہا اور ہسپانویوں پر چابک برساتا نہ روکا دی۔

رو پاس کی بہن گاڑی سے نکل کر زمین سے پیچھا لگا کر ہسپانویوں پر پھینکنے لگی لیکن اس کا اثر نہ ہوا۔ ہاں ختم ہو گیا۔

چاروں محافظ ایک ایک کر کے اپنے زخمی پر قربان ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے رسیوں سے باندھ دیے گئے۔ اب گاڑی ان امیروں کو لے کر شمال کی بجائے مغرب کی طرف جا رہی تھی۔ ہسپانوی سپاہی قہقہے لگاتے اور اپنی کامیابی پر ناز کرتے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ سامنے سے میں ہیں۔ گھوڑا اٹنے ان کی جانب آتے دکھائی دیے۔

ہسپانویوں کے چہرے سے فتنے ہو گئے۔ سوار قہقہے اٹھتے تو معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہیں۔ اب تو ہسپانویوں کے پیروں کے پیچھے سے زمین نکل گئی۔ اور نظروں کے سامنے موت ناچنے لگی۔

مسلمانوں میں سے ایک نوجوان نے اگے بڑھ کر پوچھا: ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ لاکھ جتدہ کو کوئی راستہ بتائیے۔

ایک ہسپانوی نے اپنی جان چھڑانے کے لیے راستہ بتایا مگر وہ راستہ غلط تھا۔ اسی وقت گاڑی کے اندر عورت نے چلا کر کہا:

”یہ تمنا جھوٹ بول رہا ہے۔ تمہیں اپنے خدا کی قسم! ہمیں بچاؤ۔ یہ ظالم ہیں۔“

وہ جوان جس کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال کی ہوگی۔ گھوڑے سے کود کر فوراً گاڑی کے پاس گیا۔ وہ یہ دیکھ کر ہسپانوی سواروں نے بڑی تیزی سے مسلمان محافظوں کے گرد گھبراہٹ ڈال دی۔ مسلمانوں نے بھی ہسپانویوں کی تھیں۔

ہسپانوی سوار نے کہا: رو پاس نے ہسپانیہ سے غداری کی ہے اس کے گھروالوں کو ہم گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ اپنی جان بچا کر جاسکتے ہو۔ مسلمان محافظ اپنی جان بچا یا نہیں کرتے یہ کہتے ہوئے ایک محافظ نے سردار پر حملہ کر دیا۔ سردار سے تیار تھا اس نے وار روک لیا۔ لڑائی پھوٹ گئی۔

ویز تک دونوں طرف سے تلواریں چلتی رہیں مگر چار اور پچاس کا کیا مقابلہ خدا مسلمان محافظوں پر ہوا۔ تے تلواریں پڑ رہی تھیں اور وہ زخمی ہو رہے تھے لیکن ان کے قدم زمین میں جیسے جم گئے تھے۔ گاڑی میں بھی عورتیں اور بچے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ کوچران کے پاس تلوار نہ تھی۔ اس نے اپنی چابک لہا اور ہسپانویوں پر چابک برساتا نہ روکا دی۔

رو پاس کی بہن گاڑی سے نکل کر زمین سے پیچھا لگا کر ہسپانویوں پر پھینکنے لگی لیکن اس کا اثر نہ ہوا۔ ہاں ختم ہو گیا۔

چاروں محافظ ایک ایک کر کے اپنے زخمی پر قربان ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے رسیوں سے باندھ دیے گئے۔ اب گاڑی ان امیروں کو لے کر شمال کی بجائے مغرب کی طرف جا رہی تھی۔ ہسپانوی سپاہی قہقہے لگاتے اور اپنی کامیابی پر ناز کرتے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ سامنے سے میں ہیں۔ گھوڑا اٹنے ان کی جانب آتے دکھائی دیے۔

ہسپانویوں کے چہرے سے فتنے ہو گئے۔ سوار قہقہے اٹھتے تو معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہیں۔ اب تو ہسپانویوں کے پیروں کے پیچھے سے زمین نکل گئی۔ اور نظروں کے سامنے موت ناچنے لگی۔

مسلمانوں میں سے ایک نوجوان نے اگے بڑھ کر پوچھا: ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ لاکھ جتدہ کو کوئی راستہ بتائیے۔

ایک ہسپانوی نے اپنی جان چھڑانے کے لیے راستہ بتایا مگر وہ راستہ غلط تھا۔ اسی وقت گاڑی کے اندر عورت نے چلا کر کہا:

”یہ تمنا جھوٹ بول رہا ہے۔ تمہیں اپنے خدا کی قسم! ہمیں بچاؤ۔ یہ ظالم ہیں۔“

ہیں۔ ہم ان کی فوج میں شریک ہونے اور فیر سے آئے ہیں۔

تارائی اپنی بڑی بڑی بلیں بچھکاتے ہوئے مسلم نوجوان کو شکوگزار اور محبت کے جذبے سے دیکھ رہا تھا۔ بڑوں کی نظر نوجوان کی آستین پر پڑی۔ اس پر خون کے دھبے نظر آئے۔ مسلم جوان کے ہاتھ اور شانے پر معمولی زخم کھائے ہوئے تھے۔ وہ آخری دقت تک لڑتے رہے مگر اتنے بہت سوں کا مقابلہ کیسے کرتے۔ ایک ایک کر کے آئے تھے۔

بڑی جی نے تارائی سے کہا،

اے بیٹا! منہ بھارے کیا دیکھ رہی ہو۔ لڑکے کی آستین پر خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔ ذرا دیکھو گہرا زخم تو نہیں ہے؟

تارائی جیسے اسی بات کا انتظار کر رہی تھی۔ ہاتھ کر مسلم جوان کے پاس گئی اور نیچی نظریں کر کے بولا،

”آپ آستین لپیٹے دیکھیں تو زخم کتنا گہرا ہے۔“

معمولی زخم ہے۔ آپ فکر نہ کیجیے۔ جوان نے مسکرا کر کہا۔

تارائی نے بڑی بے کون اکیوں سے دیکھتے ہوئے کہا،

جلدی دکھائیے۔ خالہ جان نے حکم دیا ہے۔ وہ غصے کی بہت تیز ہیں! ابھی آفت برپا کر دیں گی۔

تو پھر آپ خود ہی دیکھ لیجیے۔ جوان نے اپنا زخمی ہاتھ تارائی کی طرف بڑھا دیا۔

تارائی نے آستین اٹھی۔ زخم زیادہ گہرا نہ تھا۔ اس نے سرکار دمال کھولا اور اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک زخم صاف کیا، دوسرا اس پر باندھنے لگی۔

نوجوان نے پوچھا،

”آپ کا نام تارائی ہے۔“

جی ہاں! تارائی ٹپڑتے ہوئے بولی،

”ناک تو تارائی ہے لیکن سوائے خالہ جان کے سب مجھے تارا کہتے ہیں۔“

بڑا خوبصورت ناک ہے۔ آپ تو واقعی تارائیں، آسمان پر چکنے والا تارا۔

تارائی اور زیادہ شرمگاہی۔

پتی باندھنے کے بعد اس نے پوچھا،

”آپ کو میرا نام تو معلوم ہو گیا۔ اپنا نام بھی بتا دیجیے۔“

”مجھے امیر قیروانی کہتے ہیں۔ نوجوان بولا،

”آپ جاہلیں تو مجھے صرف میر کہہ سکتی ہیں۔ میرے نام کو دوست مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں۔“

میر: تارائی نے آہستہ سے دہرایا۔ پھر بولی،

”یہ لوگ نہ آج اتنے تو بہت نہیں ہم پر کیا گزرتی۔ آپ سے پہلے ہمارے چار حافظ مسلمانوں کو ان بھڑوں نے مار ڈالا تھا۔ وہ آخری دقت تک لڑتے رہے مگر اتنے بہت سوں کا مقابلہ کیسے کرتے۔ ایک ایک کر کے آئے تھے۔“

پھر میر نے بتایا،

میر کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا۔ اس نے رنجیدہ لہجے میں کہا،

”ماٹھی ہم لوگ کچھ پہلے پہنچ جاتے تو ان کی جانیں بچ جاتیں۔“

پھر میر نے بتایا،

”ہم لوگ تو راہ بھول کر ادھر آ گئے تھے ورنہ ہم تو خود بھی لاگو جندہ جاہے تھے۔“

میر نے نظر اٹھا کر اٹھوں سپاہیوں کو نفرت سے دیکھا۔ میر کے ساتھیوں نے انہیں رسیوں سے

گھوڑوں کی پیٹھ پر باندھ دیا تھا۔ رو پاس کے خاندان کی عورتیں اور بچے گاڑی میں پھر سے بیٹھ گئے تھے۔ رگازری چلی پڑی۔

امیر کو راستے کی کوئی فکر نہ تھی۔ رگازری کا چوچان اور عورتیں سب ہی لاگو جندہ کا راستہ جانتی تھیں۔



اسپین (ہسپانیہ) کی جنگ لاگو جندہ، دنیا کی عظیم ترین جنگوں میں سے ایک جنگ ہے۔ اس جنگ نے ہسپانیہ کی عظیم اور قدیم سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

ایک طرف ایک لاکھ سے زیادہ کیل کلنٹے سے لیس ہسپانوی لشکر کاٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور دوسری طرف صرف بارہ ہزار جہادین اسلام۔

ایک طرف شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک، دوسری طرف اسلام کے غلاموں کا ایک غلام طارق بن زیاد۔ وہ زیاد، ممکنہ حاصل ہسپانیہ پر قدم رکھتے ہی کشتیوں کو نذر آتش کر دیا تھا۔ . . . پھر اس کا وہ ایمان آموز اور ایمان افروز خطبہ جس نے جہادین کے دلوں کو جوش جہاد سے بھر دیا۔

برہنگ اور یہ فوج ایسی نہ تھی کہ اس کی بازگشت دو روز تک نہ سنائی دیتی۔ اس جنگ میں پچاس ہزار فوجی (تو لوگ جنگ) مارے گئے۔ تیس ہزار قیدی ہوئے اور اسی رسیوں سے باندھے گئے جو رسیاں وہ مسلمانوں کو باندھنے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے۔ مقتولین میں ہزاروں روماء اور امراء تھے جن کے زرد جواہر سے مزین ہتھیار

ان کے جسموں سے پلٹے ہوئے ان کی موت پر گریہ کیاں تھے۔

جوانان اسلام کی نصرت کی یہ خبر سپاہیہ سے قیرواں پہنچی۔
قیرواں میں اس کا عظیم سردار اور خلیفہ کا گھر زرخیز تھا۔ سپاہیہ پہ پیغمبر کا منسوبہ لڑنے والے تھے۔
اسی سردار نے تیار کیا تھا اور طارق بن زیاد اس کا آزاد کردہ غلام تھا۔

موسیٰ بن نصیر اس فتح پر سجدہ شکر بکھلایا۔ اس نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کو دمشق اطلاع دی۔
اپنے غلط میں لکھا،

اے امیر المومنین!

یہ جنگ کوئی بلی جگہ نہ تھی۔ کوئی آسان معرکہ اور سہل جہاد
نہ تھا۔ یہ تو خشر کا ایک نمونہ تھا۔ قیامت مغربی کا منظر تھا۔ اس کے
ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا میانی کا سہرا
فرزندانِ توحید کے سر ہاں۔

اس کے سامنے پیش کیا جلتے۔
سلم جو ان میر قیروانی، لاگو جندہ پہنچ کر تار سے جدا ہو گیا تھا لیکن تار کا چہرہ بدن، زنگی آنکھیں اور بھاری
جاری پلکیں اس کے ذہن پر سوار ہو گئی تھیں۔ تار سے ملاقات اور سفر کے دوران اس نے یہ تو عسری کر لیا تھا کہ تار اس
کا اتوار میں دلچسپی لیتی ہے اور اس کا خیال بھی رکتی ہے مگر وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ تار کی یہ انبیت اور لگاؤ جذبہ
اسانندی کا اظہار ہے یا وہ اس کی طرح دل سے بھی اسے پسند کرتی ہے۔

بیخبر اور لقمہ کی بنی بستی اور قریہ قریہ سپہ گئی رہبران سے ملوئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے افریقہ کے
بربر جو ان اجماد میں حصہ لینے اور قسمت آزمائی کرنے، سمندر عبور کر کے ہسپانیہ میں داخل ہو گئے۔ ان کا جواز
روزانہ ایک دو گروہ لاگو جندہ پہنچتے۔ طارق بن زیاد نے ان آئے والوں کو مسرا نکھوں پر بٹھایا اور اپنے
شامل کر لیا۔

افریقہ سے آنے والا ایسا ہی ایک گروہ تھا جس میں امیر یا امیر اپنے دوستوں کے ساتھ شامل ہو کر سپہ
پہنچا تھا۔ اس کا آئنا بزرگ ثابت ہوا کیونکہ اگر وہ عین وقت پر روپاس کے خاندان والوں کی مدد کو نہ پہنچتا
ورنہ صفت راڈرک کے لشکری، معصوم بچوں اور مظلوم عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

افریقہ سے آنے والوں کے لیے طارق بن زیاد نے ایک ماضی حکمہ قائم کر دیا تھا۔ اس حکمے کے کارکن
آنے والوں کا غیر متعہ کرتے۔ ان کے قیام و طعام کا انتظام کرتے اور ہر جوان کو اس کی فوجی ہنرمندی کے مطابق
دستوں میں بھجوتے۔ آنے والوں میں تیر انداز، شمشیر زن، نیزے باز، فریقہ ہر قسم کے لوگ تھے۔ ان کا ضروری استقامت
انہیں مختلف جگہوں پر لگایا جاتا۔ جو فوجی خدمات کے مقابلہ نہ ہوتے انہیں غیر فوجی کام پر مرکوز دیا جاتا۔ یا اس
نہ کیا جاتا۔

طارق بن زیاد کے پیش نظر اب صرف لشکر کشی اور فتوحات نہ تھیں بلکہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی مستقل
کابند و بست بھی کرنا تھا تاکہ مفتوحہ علاقوں میں شہری حکومت اور اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالی جاسکے۔

میر قیروانی جب سپہ سالار کے خیمہ میں پہنچا تو اس نے لاگو جندہ کے میر کو ایک چٹائی پر بیٹھ دیکھا۔ طارق کو اگرچہ
اس نے پہلے نہ دیکھا تھا لیکن اس کا سرخ رنگ اور سرخ بالوں کو دیکھ کر اسے طارق کے پہنچنے میں کوئی وقت نہ ہوئی
طارق بن زیاد اپنی رنگت اور بالوں کی وجہ سے دو مردوں سے مختلف نظر کرتے تھے اور سرخ بالوں والے سالار کے
ناک ہسپانیہ سے لے کر افریقہ تک مشہور ہو گئے تھے۔

ایک بڑی سی چٹائی پر چادر بچھی تھی جس پر طارق کے دائیں بائیں کچھ مسلم سردار اور چند عیسائی اور یہودی
بیٹھ گئے۔

میر قمر دانی نے بڑے ادب سے تمام لوگوں کو سلام کیا۔ میر قمر دانی کو بلا کر لانے والے نے پہلے ایک چادر ڈال دی تھی۔ میر قمر دانی نے اس بات سے اور خوش ہوئے۔ طارق نے کہا: کہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پھر طارق نے میر سے پوچھا: میر! اگرچہ تم ابھی جوان ہو لیکن تم نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے لیے ہم ادب پادری روپاس تمہارے کرنے کی کوشش کی ہے۔

میر قمر دانی کا تعلق بھی برہمنوں سے تھا۔ یہ تو بڑی جگہ جو تھی۔ میر کے باپ دادا فوجی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ یہ کہتے ہوئے طارق نے ایک توند انسان کی طرف دیکھا۔ یہ پادری روپاس تھا۔ ہسپانیہ کے جازم تھا۔

کا بھائی جسے قتل کر کے داڑکے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ بھائی کے قتل کے بعد روپاس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کے جسم پر سفید رنگ کی لابی جاتی تھی۔ روپاس کا جسم باری بھرم کیکن داڑھی بالکل سفید تھی۔

پادری روپاس نے مشکوٹوں سے میر کو دیکھتے ہوئے کہا: خداوند یسوع مسیح کی رحمتیں تم پر نازل ہو جو ان تہہ میرے اہل دیال کی جان بچا کر جو احسان کیا ہے

میں عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔

میر نے نیت ادب سے جواب دیا:

بزرگ محترم! میں نے آپ پر ایسی پرکھ کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ تو میرا مذہبی فرائض تھا جسے ادا کرنے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔

”بہادر کی قدر اہم عزت افزائی نہ کرنا ایک جرم ہے۔“ طارق نے مسکرا کر کہا: پھر ایک لٹنے قادر ہو۔

و رنگت والے عیسائی کی طرف دیکھ کر بولے:

”کیوں کاؤٹ جلیں آپ کا کیا خیال ہے؟“

کاؤٹ جلیں نے جواب دیا:

”ملا لڑکھڑکے بالکل بجا فرمایا۔ بہادر کی قدر دانی اور ہمت افزائی کرنے کے علاوہ انہیں نوازشوں سے ضروری ہے۔“

”کیوں نہیں کاؤٹ؟“ ہم آپ کی رائے سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں۔ طارق نے جواب دے کر میر قمر دانی کو دیکھا اور بولے:

”میر قمر دانی! ہم تمہیں کچھ انجام دینا چاہتے ہیں۔ تم کس قسم کا انجام لینا چاہو گے؟“

”میر سالار معظم! میرا ادب سے بولا: تمہارے ادب میرے ساتھیوں نے خواتین کی حفاظت کی صلیب

میر قمر دانی نے نہیں کی تھی۔ میری جگہ کوئی بھی مسلمان ہوتا۔ ایسا ہی کرتا۔ میر! ہم تمہاری اس بات سے اور خوش ہوئے۔ طارق نے کہا: تم تیرا مذہبی اور شیرازی مذہب کے کفن میں زیادہ عزت رکھتے ہو۔

”قوی خدمات انجام دینا میرا خاندانی پیشہ ہے سالار معظم۔ میں سپاہی زادہ ہوں۔ میں نے ہر فن پر عبور حاصل

میر قمر دانی کا تعلق بھی برہمنوں سے تھا۔ یہ تو بڑی جگہ جو تھی۔ میر کے باپ دادا فوجی خدمات انجام دیا کرتے

تھے۔ یہ کہتے ہوئے طارق نے ایک توند انسان کی طرف دیکھا۔ یہ پادری روپاس تھا۔ ہسپانیہ کے جازم تھا۔

کا بھائی جسے قتل کر کے داڑکے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ بھائی کے قتل کے بعد روپاس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

اس کے جسم پر سفید رنگ کی لابی جاتی تھی۔ روپاس کا جسم باری بھرم کیکن داڑھی بالکل سفید تھی۔

پادری روپاس نے مشکوٹوں سے میر کو دیکھتے ہوئے کہا: خداوند یسوع مسیح کی رحمتیں تم پر نازل ہو جو ان تہہ میرے اہل دیال کی جان بچا کر جو احسان کیا ہے

میں عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔

میر نے نیت ادب سے جواب دیا:

بزرگ محترم! میں نے آپ پر ایسی پرکھ کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ تو میرا مذہبی فرائض تھا جسے ادا کرنے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔

”بہادر کی قدر اہم عزت افزائی نہ کرنا ایک جرم ہے۔“ طارق نے مسکرا کر کہا: پھر ایک لٹنے قادر ہو۔

و رنگت والے عیسائی کی طرف دیکھ کر بولے:

”کیوں کاؤٹ جلیں آپ کا کیا خیال ہے؟“

کاؤٹ جلیں نے جواب دیا:

”ملا لڑکھڑکے بالکل بجا فرمایا۔ بہادر کی قدر دانی اور ہمت افزائی کرنے کے علاوہ انہیں نوازشوں سے ضروری ہے۔“

”کیوں نہیں کاؤٹ؟“ ہم آپ کی رائے سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں۔ طارق نے جواب دے کر میر قمر دانی کو دیکھا اور بولے:

”میر قمر دانی! ہم تمہیں کچھ انجام دینا چاہتے ہیں۔ تم کس قسم کا انجام لینا چاہو گے؟“

”میر سالار معظم! میرا ادب سے بولا: تمہارے ادب میرے ساتھیوں نے خواتین کی حفاظت کی صلیب

میر قمر دانی نے نہیں کی تھی۔ میری جگہ کوئی بھی مسلمان ہوتا۔ ایسا ہی کرتا۔ میر! ہم تمہاری اس بات سے اور خوش ہوئے۔ طارق نے کہا: تم تیرا مذہبی اور شیرازی مذہب کے کفن میں زیادہ عزت رکھتے ہو۔

”قوی خدمات انجام دینا میرا خاندانی پیشہ ہے سالار معظم۔ میں سپاہی زادہ ہوں۔ میں نے ہر فن پر عبور حاصل

میر قمر دانی کا تعلق بھی برہمنوں سے تھا۔ یہ تو بڑی جگہ جو تھی۔ میر کے باپ دادا فوجی خدمات انجام دیا کرتے

تھے۔ یہ کہتے ہوئے طارق نے ایک توند انسان کی طرف دیکھا۔ یہ پادری روپاس تھا۔ ہسپانیہ کے جازم تھا۔

کا بھائی جسے قتل کر کے داڑکے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ بھائی کے قتل کے بعد روپاس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

اس کے جسم پر سفید رنگ کی لابی جاتی تھی۔ روپاس کا جسم باری بھرم کیکن داڑھی بالکل سفید تھی۔

پادری روپاس نے مشکوٹوں سے میر کو دیکھتے ہوئے کہا: خداوند یسوع مسیح کی رحمتیں تم پر نازل ہو جو ان تہہ میرے اہل دیال کی جان بچا کر جو احسان کیا ہے

میں عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔

میر نے نیت ادب سے جواب دیا:

بزرگ محترم! میں نے آپ پر ایسی پرکھ کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ تو میرا مذہبی فرائض تھا جسے ادا کرنے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔

”بہادر کی قدر اہم عزت افزائی نہ کرنا ایک جرم ہے۔“ طارق نے مسکرا کر کہا: پھر ایک لٹنے قادر ہو۔

و رنگت والے عیسائی کی طرف دیکھ کر بولے:

”کیوں کاؤٹ جلیں آپ کا کیا خیال ہے؟“

کاؤٹ جلیں نے جواب دیا:

”ملا لڑکھڑکے بالکل بجا فرمایا۔ بہادر کی قدر دانی اور ہمت افزائی کرنے کے علاوہ انہیں نوازشوں سے ضروری ہے۔“

”کیوں نہیں کاؤٹ؟“ ہم آپ کی رائے سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں۔ طارق نے جواب دے کر میر قمر دانی کو دیکھا اور بولے:

”میر قمر دانی! ہم تمہیں کچھ انجام دینا چاہتے ہیں۔ تم کس قسم کا انجام لینا چاہو گے؟“

”میر سالار معظم! میرا ادب سے بولا: تمہارے ادب میرے ساتھیوں نے خواتین کی حفاظت کی صلیب

میر نے بھٹکتے ہوئے در خواست کی:

نمرود ار علی نے جس سلسلے میں میری قدر دان افاد عزت افزائی فرمائی ہے اس میں میرے ساتھیوں کا ہم حصہ ہے۔ اگر سردار مناسب خیال فرمائیں تو انہیں بھی عافیت دستوں میں منتقل کر دیں۔

طارق بن زیاد ایک نوکر نوجوان کی زبان سے یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا:

اے نوجوان! تمہاری بات سے ہمیں دلی مسرت ہوئی ہے۔ تم نے اپنے دوستوں کی سفارش کر کے

کر دیا کہ تم مفاد پرست نہیں ہو بلکہ غلصہ ہوا و انصاف پسندی تمہاری طبیعت کا خاصہ ہے۔

نمرود ار علی کی نوازش کو کم ہے۔ میر نے انہی سے کہا۔

تمہارے ساتھ کتنے جوان تھے؟ طارق نے پوچھا۔

میر سے علاوہ اٹھارہ تھے۔ میر نے کہا۔ پھر میر نے ان کے نام گنا شروع کیے۔

طارق بن زیاد نے افسر حکم کو جواب تک وہیں موجود تھا، میر کے بتائے ہوئے نام کہنے کا حکم دیا۔ پھر

میر کے تمام ساتھیوں کو عافیت دستوں میں تبدیل کیے جانے کے فوری احکامات جاری کر دیے۔

میر نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اب اسی کی دہان ضرورت نہیں، سب کو ادب سے سلام کیا اور اٹھ کھینچے۔

باہر چلا گیا۔

میر کے جانے کے بعد طارق بن زیاد نے تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

”میں بحیثیت سالار لشکر، خواص و عوام کی اطاعت کے لیے اعلان کرتا ہوں کہ ہسپانیہ کے عوام سے ہماری

لڑائی نہیں۔ وہ جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں امن و امان سے رہ سکتے ہیں۔ ان کی جان و مال کے ہنڈے دار ہیں۔ بڑے

بچوں اور خواتین کا احترام کیا جائے گا۔ معبد گاہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہوں، ان کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔

اور..... عبادت گاہوں کے پادریوں اور دیگر لوگوں کی پوری عزت کی جائے گی۔

جو لوگ ہتھیار ڈال دیں گے انہیں کوئی سزا دی جائے گی۔ ہم صرف ان لوگوں سے جنگ کریں گے جو غلامی

دوسرے مذاہب اور فرقوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ ایسے معتمد لوگوں کے خاتمے تک ہم ان سے ہمدرد نہیں کریں گے۔

اس اعلان کی پوری تشریح کی جلتے اور اگر ہمارا کوئی فوجی اسی کی خلاف ورزی کرتا دیکھا جائے تو اس کی اشد

دوبلائی اسے سخت سزا دی جائے گی۔

طارق بن زیاد کے اس اعلان کا اور زیادہ اچھا اثر ہوا۔ ہسپانیہ کے پادریوں کو اسی بات کا خدشہ تھا کہ

ان کے چھٹاؤں اور رگڑا گھروں کو خدا دیں گے اور ان کی جگہ مجبورین تعمیر کریں گے۔

طارق کے اس اعلان نے ان کا یہ دم دور کر دیا۔



ہر چند کہ لاگو جنگ کی جنگ فیصلہ کن تھی اور ہسپانیہ کی شناسایت کا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن طارق بن زیاد اور مجاہدین
اور عافیت دستوں کے صلہ بلند تھے۔ وہ اور معرکے مکر کرنے کی فکر میں تھے۔ ان کے قدم آگے بڑھے کبے چین تھے۔ طارق بھی
وید بین قدمی کے حق میں تھے۔

انہی کے تازہ دم جوانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ اب طارق کے پاس بارہ ہزار کے بجائے تیس بیست ہزار کا

لشکر ہو گیا تھا۔ طارق نے تمام لشکر کو شمار کر کے اسے تین حصوں (بعض کے مطابق چار حصوں) میں تقسیم کیا اور کلڈٹ

جوں کے مشورے سے ایک حصے کو غراط، دوسرے کو مالقہ (طائغہ) کی طرف روانہ کیا اور بقیہ لشکر کی کمان انھوں نے

تین لشکروں کے جانے کے بعد طارق بن زیاد نے بھی روانگی کا ارادہ کیا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ اب تک لاگو جڑ

کے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سب سے پہلا شہر مدینہ شہدوند (شہدوند، شہر شہدوند) تھا۔ شہدوند کی

دن بڑے سے پہلے طارق نے میر قزوانی کو بلا کر حکم دیا کہ وہ نیچے ڈیرے اکھڑا کر صبح کو شہدوند کا رخ کرے۔

طارق کو شہدوند پر قبضہ کرنے کی جلدی تھی کیونکہ اسے ماسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ شکست خوردہ ہسپانوی لشکر کا کٹھا

بڑا شہدوند پر قبضہ کرنے کے ارادے سے آرہا ہے۔

چنانچہ طارق بن زیاد اپنے لشکر کے ساتھ شاہی کو شہدوند روانہ ہو گئے۔

شہدوند پر قبضہ میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ شہدوند کو معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا موت کو

دعوت دینا ہے۔ وہ تو مسلمانوں کا پچھلے نئی ہفتوں سے انتظار کر رہے تھے۔

شہدوند میں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ اس کے دروازے طارق نے استقبال کے لیے کھلے تھے۔ انہوں نے بغیر

قفلہ کے مدینہ شہدوند پر قبضہ کر لیا۔



میر قزوانی کے لیے بڑا کام تھا۔ چاروں لشکروں کا سامان میدان میں پیلا ہوا تھا۔ سامان اکٹھا کرنا، پھر اسے

بڑا کر کے شہدوند پہنچانا، اس میں وحی بارہ گھنٹے لگ جانا ضروری تھا۔ اسے صبح تک مدینہ شہدوند پہنچنے کا بھی حکم دیا گیا تھا۔

اس لیے اس نے طارق کے روانہ ہوتے ہی کام شروع کر دیا۔ محافظ دستے فوراً نیچے اکھاڑنے اور مار مار کر میں محروم ہو گئے۔

میر نے تمام خواتین کو ایک کمرے میں بیٹھوایا تاکہ اس اکھاڑ پکڑ کے دوران انہیں کوئی ہرجا نہ ہو۔ ان خواتین میں عیسائی اور یہودی عورتوں کی تعداد تقریباً برابر تھی۔ کلونٹ جو لین کی یہودی بیٹی تھی اس کی دونوں لڑکیاں اور داماد جنگ لاکھ جڑو میں رنجی ہو گئے تھے۔ طارق بن زیاد کی اجازت سے انہیں اپنے قلعہ سبستہ بھیج دیا تھا۔

قابل ذکر خواتین میں پادری، روپس کی بیوی، ان کی دو بہنیں اور ایک بھانجی تھی۔ پادری روپس نہایت خاص و شایع واقع ہوئی تھی۔ اسے دین سے جیسے کوئی تعلق ہی نہ تھا وہ ہر دم مسیح گمانی مانتا تھا۔

روپس کی دونوں بہنیں بیوہ تھیں۔ ایک بہن کی سب سے بڑی لڑکا تارائی اور تین چھوٹے لڑکے سب سے چھوٹا لڑکا چھ سال کا تھا۔ دوسری بہن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ بڑی لمب چڑھی اندر دانا سخت مزاجی سے سب تنگ تھے اور ڈرتے تھے لیکن سخت مزاج ہونے کے باوجود وہ بڑی محنت کرنے لگی تھیں۔ تمام بچوں کی نگرانی اور بڑوں کے آرام کا خیال رکھنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔ یہ بہنیں یہودیوں سے بھی بڑی مہربان تھیں۔ میر قریانی کو اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں دل میں ایک دوبار خواتین کی بیویوں کے پاس جانا اس کے علاوہ بھی وہ کسی نہ کسی بہانے وہاں پہنچ جاتا۔ بڑی بیوی امیر کو دیکھتے ہی آنکھیں پھاڑتیں اور خاطر دلات کرتیں۔ وہ میر کی احسان مند تھیں لیکن وہ میر سے اتنی محبت سے ملتیں کہ دیکھنے والوں کو یہ کہہ مای بیٹا گل مل کے باتیں کر رہے ہیں۔

میر بھی ان سے بڑی محبت سے پیش آتا۔ وہ جانتا تھا کہ بڑی بیوی کے ہاتھ میں روپس خاندان کی گوارہ کیونکہ خاندان میں اس کی بات اور مکہ چلتا تھا۔

میر بڑی محنت روپس خاندان سے بے تکلف ہو گیا تھا۔ اسے اکثر تارائے باتیں کرنے کا بھی ذرا لیکن تنہائی بہت کم میر آتی اور دوسروں کے ملنے سولے رسمی گفتگو کے اور کوئی بات نہ ہوا۔ میر گھومتا پھرتا تھا خواتین کے نیچے پر گیا تو اسے معلوم ہوا کہ بڑی بیوی کی طبیعت خراب ہے۔ اسے اچھا وہ فوراً اندر چلا گیا۔

جلبے چوڑے نیچے میں فرش بچا ہوا تھا۔ اس پر تمام خواتین مٹی مٹی بیٹھیں۔ بچے سو گئے تھے یا نہ دہے تھے۔

میر سیدھا بڑی بیوی کے پاس پہنچا۔ ایک چھوٹی شمع ان کے سر پر ٹکڑی تھی۔ تارائے بیوی کا سر دبا

دی تھی۔ بہن کیسی ہیں خالد جان؟ میر نے ان کے قریب فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تارائے انہیں خالہ کسمتی بھی اس لیے میر نے ان سے یہی رشتہ جوڑ دیا۔

تم آگے ہو تو بس اب ٹھیک ہو جاؤ گی۔ بڑی بیوی نے اپنی بند آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ بڑی بیوی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھولا۔ پھر انہیں ایک ایسا منظر نظر آیا کہ وہ ہسوت ہو گئیں۔

تارائے اور میر ایک دوسرے کو ٹٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ وہ دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ انہیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور ان کی محبت کو کوئی دوسرا بھی دیکھ رہا ہے۔

پیلے تو بڑی بیوی کو بڑا منہ آیا اور ان کے چہرے کی شکلیں زیادہ گہری ہو گئیں لیکن پھر ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ محبت بھی مسکراہٹ!

بڑی بیوی نے ان سے تو کچھ نہ کہا، حرف اٹھا تھا کہ اپنے سر پر رکھا۔ ان کے سر پر تارائے کے دونوں ہاتھ پیلے سے موجود تھے۔ سر دلتے دلتے اس کے ہاتھ سر پر ایک دم رک کر رہ گئے تھے۔ ان کا ہاتھ تارائے کے ہاتھوں سے مس ہوا تو وہ ایک دم چومک پڑی اور پھر احساسِ مذمت سے پانی پانی ہو گئی۔ اس کا راز..... بڑی خالہ پر آشکارا ہو گیا تھا۔

بڑی بیوی کو اس بات کا شبہ تو پہلے ہی تھا لیکن انہوں نے اس معاملے میں دخل کی ضرورت نہ محسوس کی کیونکہ میر بڑا بھلا ہر کوئی عیب نہ تھا۔

میر کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پریشان تھا اور اس نے شرم کے اسے اپنی نظریں نیچی کر لی تھیں۔

بڑی بیوی نے ٹٹے پیار سے تارائے کہا: بیٹی! اگلی آنکھوں سپنا نہیں دیکھا جاتا۔ پھر.... خواب تو خواب ہی ہوتا ہے کیا یہ تو سچا ہو یا جھوٹا ہو جائے۔

تارائے اور میر اس گہرے طنز پر کٹ کر رہ گئے۔ تارائے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ بغلیں جھانکنے لگی۔ میر سے اب بیٹھنا نہ جا رہا تھا اور فوراً بھاگنے کی فکر میں تھا۔ اس نے ہمت کر کے کہا:

خالہ جان۔ اب اجازت دیجیے۔

بڑی بلکے سر کا درجہ جسے نہ ہو گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور مسکرا کر بولیں،

”بیٹے! تم مجھ سے اجانت لے کر کب آئے تھے کہ اب جاننے کی اجازت مانگ رہے ہو؟“

بڑی بلکے اس جگہ میں بھی طنز تھا مگر ان کے مسکراتے ہوئے چہرے نے طنز کی تلخی کو کم کر دیا تھا۔ بڑی بلکے کے مسکراتے ہوا تار کی طرف بڑھا۔
کانہ دیکھتا ہوا تار کو میر کی بے بسی پر بڑا ترس آیا۔ بڑی بلکے چہیتے ہوئے جھلنے نے اس کے پیروں پر
کی ڈال دی تھی۔

”تو تار نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بات مانگنے کے لیے کہا،

شدوز جانے میں کتنی دیر باقی ہے؟“

”کچھ دیر نہیں۔ نصف سا ان بندہ چلکا ہے۔“ میر نے اطمینان سے عکس کیا۔ بات کسی اور طرف نکلی تھی۔

لیکن بڑی بلکے تو جیسے آج ادھار کھائے بیٹھی تھیں، فوراً بولیں،

”بیٹی تارا ذرا باہر نکل کے دیکھ۔ کتنا سا ان بندہ جا چکا ہے اور کتنا باقی ہے؟“

”نہیں.... میں غلط جان، آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔“ تارا گھبرا گئی۔

بڑی بلکے آج عجیب طرح کی باتیں کر رہی تھیں۔ میر کی سمجھ میں بھی نہ آیا کہ بڑی بلکے، تارا کو کیسے

بھیجا چاہتی ہیں۔

خالد بولیں،

”کیا تجھے ڈر لگتا ہے۔“

”باہر تجھے کوئی کھا نہیں جائے گا۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”بیٹی! تم مجھ سے اجانت لے کر کب آئے تھے کہ اب جاننے کی اجازت مانگ رہے ہو؟“

بڑی بلکے اس جگہ میں بھی طنز تھا مگر ان کے مسکراتے ہوئے چہرے نے طنز کی تلخی کو کم کر دیا تھا۔ بڑی بلکے کے مسکراتے ہوا تار کی طرف بڑھا۔

کانہ دیکھتا ہوا تار کو میر کی بے بسی پر بڑا ترس آیا۔ بڑی بلکے چہیتے ہوئے جھلنے نے اس کے پیروں پر

کی ڈال دی تھی۔

”تو تار نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بات مانگنے کے لیے کہا،

شدوز جانے میں کتنی دیر باقی ہے؟“

”کچھ دیر نہیں۔ نصف سا ان بندہ چلکا ہے۔“ میر نے اطمینان سے عکس کیا۔ بات کسی اور طرف نکلی تھی۔

لیکن بڑی بلکے تو جیسے آج ادھار کھائے بیٹھی تھیں، فوراً بولیں،

”بیٹی تارا ذرا باہر نکل کے دیکھ۔ کتنا سا ان بندہ جا چکا ہے اور کتنا باقی ہے؟“

”نہیں.... میں غلط جان، آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔“ تارا گھبرا گئی۔

بڑی بلکے آج عجیب طرح کی باتیں کر رہی تھیں۔ میر کی سمجھ میں بھی نہ آیا کہ بڑی بلکے، تارا کو کیسے

بھیجا چاہتی ہیں۔

خالد بولیں،

”کیا تجھے ڈر لگتا ہے۔“

”باہر تجھے کوئی کھا نہیں جائے گا۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

بڑی بلکے اس جگہ میں بھی طنز تھا مگر ان کے مسکراتے ہوئے چہرے نے طنز کی تلخی کو کم کر دیا تھا۔ بڑی بلکے کے مسکراتے ہوا تار کی طرف بڑھا۔

کانہ دیکھتا ہوا تار کو میر کی بے بسی پر بڑا ترس آیا۔ بڑی بلکے چہیتے ہوئے جھلنے نے اس کے پیروں پر

کی ڈال دی تھی۔

”تو تار نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بات مانگنے کے لیے کہا،

شدوز جانے میں کتنی دیر باقی ہے؟“

”کچھ دیر نہیں۔ نصف سا ان بندہ چلکا ہے۔“ میر نے اطمینان سے عکس کیا۔ بات کسی اور طرف نکلی تھی۔

لیکن بڑی بلکے تو جیسے آج ادھار کھائے بیٹھی تھیں، فوراً بولیں،

”بیٹی تارا ذرا باہر نکل کے دیکھ۔ کتنا سا ان بندہ جا چکا ہے اور کتنا باقی ہے؟“

”نہیں.... میں غلط جان، آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔“ تارا گھبرا گئی۔

بڑی بلکے آج عجیب طرح کی باتیں کر رہی تھیں۔ میر کی سمجھ میں بھی نہ آیا کہ بڑی بلکے، تارا کو کیسے

بھیجا چاہتی ہیں۔

خالد بولیں،

”کیا تجھے ڈر لگتا ہے۔“

”باہر تجھے کوئی کھا نہیں جائے گا۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

”شکر تو جا چکے ہیں۔“

”اب تو عرف اپنے گھر میں۔“

میرا تارا کو تھوڑی دیر بیٹھ لے آیا۔ اور پھر وہ دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ میرنے کہا:

"تارا کوئی بات کر دے۔"

"آپ کی کوئی بات کریں؟" تارا نے جواب دیا۔

"پھر وہی آپ۔ اب تو مجھے اس آپ سے چڑھنے لگی ہے۔ میرنے قدر سے ناگوار کر لیا ہے۔"

"جب تک یہ آپ کا پرہیزگار ہے درمیان حائل رہے گا۔ ہم کوئی بات نہ کر سکیں گے۔"

"اچھا۔ تو پھر تم ہی کچھ کہو۔ تارا شوخی سے بولی۔

میر بہت سی باتیں سوچتا ہوا آیا تھا۔ پہلے ہی اس نے ہزاروں باتیں سوچی تھیں کہ جب کبھی تارا

گی تو یہ کون کا وہ کون کا گھر اس وقت وہ سب باتیں بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہ رہا تھا کہ وہ کیا کہے

"پھر خاموش ہو گئے۔" تارا نے اسے چیرا:

"خدا جانے تو تم اتنی باتیں کرتے ہو کہ مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔"

"خدا جان اور تم میں فرق ہے تارا۔ میر بولا تو مگر بے نیکی بات۔ پھر اس نے رک کر کہا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا نام تارا کی کس نے رکھا؟"

میر نے اپنی طرف سے بڑی اچھی بات کی تھی مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ بے نیکی بات تھی۔ جیسا کہ وہ

تقصیر میں جانے کی ضرورت تھی۔

پتہ نہیں تارا کو اس بات میں کیا اچھائی نظر آئی کہ اس نے نہ صرف اپنے نام کی تفصیل بیان کی بلکہ یہ بھی

لے بیٹھی۔ جوش سنبھالنے سے اب تک جتنے اہم یا غیر اہم واقعات اس نے یاد تھے، اس نے ایک ایک کر کے

لگا کر بیان کرنا شروع کر دیے اور میر قہرانی اس کی ہر بات کی دل کھول کر داد دے رہا تھا۔ حالانکہ تارا کا چہرہ

سے گزرا تھا۔

اچھ سال کی عمر تک اس کی زندگی شہزادیوں جیسی گزری تھی۔ وہ شاہی محل میں رہتی تھی۔ اس کا بڑا اہل خانہ

ہمیشہ تھا۔ پھر غلطی نہ تو قتل کر کے راڈرک نے ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا۔ تارا اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ

بھونپڑی میں آ گئی۔

شاہی خاندان کے یہ افراد ادھر ادھر ٹھہر گئے۔ پھر گناہ ہو کر ایک گرجے میں پناہ لی۔ تارا کے

انتقال اسی زمانے میں ہوا۔

شاہی محل کی زندگی اسے ایک خواب کی طرح یاد تھی۔ اس کے بعد تارا کی زندگی میں کوئی انقلاب نہ آیا۔

طرح پر کیو جان ہوئی۔ جیسا کہ وہ کوئی دلچسپ باتیں تھیں کہ میر ہر بات پر خوش ہو کر مڑھنے لگتا۔

دراصل وہ دو معمول دل تھے۔ جیسے کہ وہیں تھیں۔ وہ خود تو جوان تھے مگر طبیعت میں ابھی تک بچوں کی

صورت تھی۔ جیسے بچے ایسی باتیں نہ کرتے تو ادھر کیا کرتے۔

میر کو ایک دم خیال آیا کہ اسے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس نے تارا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ کر لیا:

"اب اسے چلو تارا۔ بہت دیر ہو گئی۔ خدا جان ناراض نہ ہو جائیں؟"

"خدا جان؟" تارا نے ریل سکرٹی اور پھر خاموشی سے میر کے ساتھ چلنے لگی۔

تارا اور میر نے پر پہنچے تو سب لوگ سو گئے تھے سوئے خالہ کے۔ ان کی نظریں خیمے کے دروازے پر لگی تھیں۔

نیں تارا کچھ کہہ اٹھا بیٹھیں اور بولیں:

"اگے میرے بچے گھوم پھرے۔"

میر قہرانی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ خیمے کے باہر گھوڑا اچھلنے کی آواز پیدا ہوئی۔ یہ کسی خطرے کا

بج تھا۔ میر تارا کو دہریں چھوڑ کر دوڑتا ہوا خیمے کے باہر چلا گیا۔

خدا اور تارا کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ میر تیزی سے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ اس

نے آتے ہی کہا:

"خدا بھلی سے سو توں اور بچوں کو جگا دو۔ شور نہ ہونے پڑے۔ ہم خطرے میں ہیں؟"

یہ کہہ کر میر پھر باہر نکل گیا۔

میر باہر پہنچا تو تین اور سوار بھاگتے ہوئے آگئے۔ یہ میدان کے گرد پہرہ دینے والے محافظ تھے۔ ان سب کا

میر کے پاس چار سواری سوار کی سوار نظر آئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہمیں اپنے گھرے

میر کے پاس چار سواری نفرت تھی۔ ان میں کام کرنے والے مزدور بھی شامل تھے مگر یہ سب کے سب شمشیر زنا

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

"میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو کھینچ لیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

معاظن کا ایسا ناتواں بندہ کہ علمہ اگر گھبرا گئے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ہزاروں مسلمان زمین سے نکل پڑے ہیں۔ شعلہ بھڑکنے سے اندھیرا پھیل گیا تھا مگر مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے۔

یہ وہ وقت تھا جب میر قیروانی کی اطلاع پر لشکر اسلام سے میدان جنگ کی طرف ملک روانہ ہو رہا تھا۔ ایک ہزار سواروں کا ایک برق رفتار کشتہ مدینہ شہر سے نکلا۔ سپہ سالار طارق بن زیاد خود اس کی سربراہی کر رہا تھا۔ میر قیروانی اس جنگ درڑ میں تھا کہ اس نے مدینہ شہر کی طرف سے سواروں کو آئے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں سے ان کے ماقبلے بیڑوں اور بیڑیوں کے کئی معوزا رکاں تھے۔ پنا پنا کی ٹڈ بھڑان ہسپانوی فوجیں بھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں تین تین لیکن دوری کا دھبہ سے ان کے چہرے نظر نہ آ رہے تھے۔ گئی جو میدان میں شب خون کی ناکامی کے بعد مدینہ شہر پر شب خون مارنے کے لیے بڑے غور سے تیار ہوئے۔

انہیں دیکھ کر طارق بن زیاد نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ ایک ہزار آوازوں نے اس نعرے کو دہرایا۔ مدینہ شہر کے شہری گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ طارق نے نعرہ اس لیے لگایا تھا کہ آنے والے مسلمان، میں تو نعرے لگاؤں گے تو ان سے دیں گے جیسا کہ ایسے موقعوں پر کیا جاتا تھا۔

جب انہیں دوسری طرف سے جواب نہ ملا تو انہوں نے حملے کا حکم دے دیا۔ پھر کیا تھا! مسلمانوں نے ہسپانیوں کو تلوار پر رکھ دیا مگر اندھیرے کی وجہ سے لڑائی جاری نہ رہ سکی۔ ہسپانوی ان علاقوں اور اسی سے واقف تھے۔ وہ پتے پتے، کھاگ، ٹھیکہ، طارق نے بھی ان کا تعاقب مناسب خیال نہ کیا۔

مگر اب طارق اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ آیا وہ میدان والوں کو لگ بھگ بھیجیں یا مدینہ شہر سے انتقام کروائیں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ جگہ گئے والے پھر اکٹھا ہو کر شب خون مارنے کا ارادہ کریں۔ احتیاطاً کاؤٹ جولین اور مرثکس سردار غیث الروی کو مدینہ شہر واپس بھیج دیا کہ وہ جا کر شہر میں مضبوطی کا انتظام کروائیں اور خود میدان ناگوجنڈہ کی طرف روانہ ہوئے۔

میدان ناگوجنڈہ میں پھر شعیب روشن ہو گئیں اور محافظ دستے اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔ نے یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب جگہ گئے ہسپانوی لشکر کی واپسی کا کوئی امکان نہیں، نصف اور یوں پر لگوا اور باقی نصف سواروں کو فوری ہدایات دے کر پہرے پر مقرر کر دیا۔ وہ خواتین اور بچوں کو شب واپس لے آیا۔ پھر ایک اور بڑا خیمہ نصب کر کے وہاں تمام زخمیوں کو اکٹھا کیا۔

اس شب خون میں مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا تھا مگر زخمیوں کی تعداد کافی تھی۔ زخمیوں کا انتقام کیا گیا جس میں خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تیار اس کام میں پیش پیش تھی۔ میر قیروانی کو ابھی پوری طرح اطمینان نہ ہوا تھا اس لیے کبھی وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے دشمن میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ میر نے بڑے غرور سے کہا۔

کیا چچ؟ طارق نے حیرانی سے سوال کیا۔ شب خون میں تو سرسمر نقصان ہی کا امکان ہوتا ہے۔
سے حیران ہو رہے تھے۔

میر قیروانی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

”جانی اور مالی نقصان تو بالکل جو ابھی نہیں۔ ہاں ہمارے آدمی زخمی کافی تعداد میں ہوئے ہیں؛

طارق اسکان کی طرف نہ کر کے بولے،

”تیرا لشکر ہے خدایا۔“

پھر میر سے مخاطب ہوئے:

”زخمیوں کو فوراً مدینہ شہدوں سے چلو۔ دماغ معقول انتظام موجود ہے۔“

میر قیروانی طارق کو سیدھا سامنے بیٹھنے میں لے گیا جہاں زخمیوں کو رکھا گیا تھا۔ زخمیوں کی تعداد بڑھ

تھی لیکن طارق کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان کی معقول قسم کی مرہم پٹی کی گئی تھی اور کی جارہی تھی۔

عورتیں زیادہ حصہ لے رہی تھیں۔ عورتوں کے علاوہ بچے بھی دوڑ دوڑ کر لگا کر رہے تھے۔

طارق بن زیاد نے اسی وقت ایک حکم بدلی کیا۔

انہوں نے میر قیروانی کو حکم دیا کہ ایک علیحدہ دستہ قائم کیا جائے جو زیادہ تر خواتین پر مشتمل

کا کام صرف زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماریوں کی دیکھ بھال ہو۔ اس دستے کے لیے بلا تخصیص مذہب

حاصل کی جائیں اور انھیں معقول سادہ زندگی ملے۔

تاریہ سننے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق کے قریب آئی اور صلا کر کے بولی:

”اس دستے کے لیے میں اپنی مذمت بلا سادہ پیش کرتی ہوں۔ امید ہے کہ سرور باطن

قبول فرمائیں گے۔“

پادری روپاس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے بڑی محبت سے تارا کو دیکھا۔

طارق نے پوچھا:

”اسے جو اُت مند مٹی! کیا تاکہ ہے تمہارا؟“

”تمہاری! یہ آواز پادری روپاس کے منہ سے بے ساختہ نکلی گئی۔ اس نے طارق کو بتایا:

”تمہاری میری بیوہ بس کی لڑکی ہے سرور باطن۔ بہت ذہین ہے۔“

”ہم اس جو اُت مند لڑکی کے لیے تمہیں مبارک باد دیتے ہیں پادری روپاس! طارق نے خوشی

انہوں نے تارا کو اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔

تارانی تو سب کی تعارفی نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

”تمہاری! میں اس دستے کے لیے تمہارے جیسی حوصلہ مند لڑکیوں اور عورتوں کی ضرورت ہے۔ ہم نے تمہاری

دعائست منظور کی اور ہم تمہیں اس دستے کا ناظم اعلیٰ مقرر کرتے ہیں۔“

تارانی نے شک کے طور پر ایک بار پھر طارق بن زیاد کو سنا لیا۔ پادری روپاس خوشی سے کھنکھار رہا تھا۔ میر

قیروانی اسے یہ خوش تھا کہ اس کی محبوبہ ایک ایسے ہمد سے پر فائز لڑکی تھی جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

طارق بن زیاد نے رد پاس سے کہا:

”پادری صاحب! آپ نے اس نوجوان کی پہلے بھی سفارش کی تھی۔ اس نے اپنی صلاحیتوں کا پورا پورا مظاہرہ کیا

ہے۔ اس کے صلے میں ہم میر قیروانی کو ایک ہزار سواروں کا سردار بنانے کا اعلان کرتے ہیں۔“

میر قیروانی اور پادری روپاس نے سپہ سالار کے اسی اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن

میر کو یہ نیکو اسٹیج ہو گئی کہ وہ ایک ہزار سواروں کا سردار ہو کر محافظ دستوں سے ہٹا دیا جائے گا۔ اس طرح اسے

ہمسے دور رہنا پڑے گا۔

میر اسی الجھن میں تھا کہ طارق نے کہا:

”ہمسایہ شب خون نے ہیں اور زیادہ محتاط ہونے پر مجبور کر دیا ہے اس لیے محافظ دستوں کی نفی ایک ہزار

مک بڑھائی جاتی ہے۔ میر قیروانی بدستور اس کا سردار رہے گا اور خواتین کا پناہ گاہ کا دستہ بھی اس کی نگرانی میں اپنے

فرائض انجام دے گا۔“

بلٹے امداد نے غیر گذشت کے مصداق میر قیروانی کی فکر دور ہو گئی۔ اسے ہمدہ بھی طاووز تار کی قدرت بھی

برقرار رہی۔ تارا بھی بہت خوش ہوئی کیونکہ اس طرح میر قیروانی کا تختہ میں رہ کر وہ ہر وقت بلا روک ٹوک میر سے

مل سکتی تھی۔

طارق بن زیاد نے مزاج پر عمل کے بعد مدینہ شہدوں واپس چلے گئے۔ جلتے وقت وہ حسب اعلان پانچ سو سوار

برکے لیے میدان میں پھوڑتے گئے تاکہ محافظ دستوں کی نفی ایک ہزار ہو جائے۔



طارق بن زیاد نے ایک لشکر جنوب کی طرف زید بن کساہ کی سرکردگی میں روانہ کیا تھا۔ ان کا رابطہ زید سے

برابر قائم تھا۔ انہیں بلا خبری میں رہی تھیں کہ زید بن کساہ فتح کا پرچم اڑاتے غزات کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جب انہیں

طارق نے مجبور ہو کر جملے کا حکم دیا لیکن شہر کی قدرتی بناوٹ سدراہ بن گئی۔
فصیل بہت مضبوط تھی اور اسے

طارق بن زیاد اسی ادھر شہر میں تھے۔ وہ مغیث الردی سے اس سب سے پرستش کو کر رہے تھے کہ کیا شہر کی
جائے کہ شہر بھی فتح ہو جائے اور مسلمانوں کا جانی نقصان بھی نہ ہو۔ اس گفتگو کے دوران ہی کاؤٹ جولین طارق کے
غیر میں داخل ہوا اور اس کا کہنے بڑی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

طارق بن زیاد نے کاؤٹ کو خاموش خاموش دیکھا تو پوچھا:
کیا بات ہے کاؤٹ! آج آپ خلافِ عہد کچھ خاموش نظر آ رہے ہیں۔

کاؤٹ نے بڑے سنجیدہ انداز میں کہا:
نہ سالار علی! اگر میری گستاخی معاف کر دیں تو میں ایک بات کہوں۔ اس سے میری خاموشی کی وجہ بھی ظاہر ہو
جائے گی اور میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

طارق بن زیاد نے مسکرا کر کہا:
کاؤٹ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بے تکلف فرمائیے۔ ہم تعزلی ناگوار نہ ہوگا۔ ہم تو آپ کے دشمنوں کے
کرب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کے دل پر جو بوجھ ہے اسے ہلکائیجیے۔ ہمیں اس سے کمال خوشی حاصل

کاؤٹ جولین اشدوگی سے بولا:
نہ سالار علی! کیا میں نے اور میرے مختصر دستے نے آپ اور لشکرِ اسلام کی وفاداری میں کسی دقت کوئی
تفاسل برپا ہے؟

نہ سالار نہیں کاؤٹ! طارق نے فورا کہا:
آپ کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ ہمارے کسی شکر کی نے بھی آپ کے خلاف
نہ کوئی بات نہیں کی۔

کاؤٹ جولین کی اشدوگی اب بھی دور نہ ہوئی اس نے کہا:
آپ کے شکر گزار میں نہ سالار۔ لیکن مجھے اور میرے دستے کو یہ شکوہ ضرور ہے کہ لشکرِ اسلام کے
نہ سالار نے انہیں کسی ایسی خدمت کا موقع نہیں دیا اور نہ کوئی ایسا اہم کام سپرد کیا ہے جسے انہماک کے ہم اپنی
وفاداری کا اعلیٰ ثبوت پیش کریں۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ ہمارے دستے کو میدانِ جنگ میں بھی دوسری تیسری صف
میں رکھا جائے ہے۔

جبرٹا کہ زید بغیر کسی مدافعت کے باجہ پر قابض ہو گئے ہیں تو انہوں نے اب خود بھی آگے بڑھنے کا ارادہ کیا
شہر میں ایک ماکہ مقرر کیا گیا اور کچھ فوج انتظار کے لیے چھوڑی گئی۔

ہسپانیہ کے اصل حاکم کا شک قوم کے لوگ تھے مگر جب سے شہنشاہ راڈرک نے سابق شہنشاہ
مارک ہسپانیہ کے تخت و تاج پر قبضہ کیا تھا اس وقت سے یہ قوم کئی حصوں میں بٹ گئی تھی اور بہت سے
راڈرک کے خلاف ہو گئے تھے۔

ایسے باغی حواریوں میں ایک بلو اور بیدار مغز سردار مغیث الردی بھی تھا۔ وہ راڈرک کے سخت
اس لیے اس نے طارق بن زیاد کا دل سے ساتھ دیا اور اب تک تمام سرکوں میں ان کے ساتھ رہا۔

یہی حال کاؤٹ جولین کا تھا۔ کاؤٹ جولین ایذا فانی نہ تھا اور افریقہ میں قلعہ سبسنہ کا حاکم تھا۔ اس
مسلمانوں کا پوری طرح ساتھ دیا تھا۔ ان دونوں کی طارق بن زیاد بڑی عزت کرتے اور ان کے مشوروں کو بڑا
میتے تھے۔

طارق بن زیاد چاہتے تھے کہ جن قدر جلد ممکن ہو سکے ہسپانیہ کے دار الحکومت طلیطلہ پر قبضہ کر لیا جائے
دار السلطنت پر قبضہ ہو جائے سے ہسپانیہ کے حصے بڑی حد تک بہت ہو جائیں گے اور بقیہ ملک پر قبضہ
آسانی ہوگی۔

جب طارق نے اپنا یہ خیال مغیث اور جولین کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی پوری پوری تائید
طریق بن زیاد دینے شروع نہ کر سکے کہ نکلے اور طلیطلہ کا رخ کیا لیکن طلیطلہ کے راستے میں کئی مضبوط
فتح کیے بغیر آگے نہ بڑھا جاسکتا تھا اور اگر وہ انہیں حاصل کیے بغیر آگے بڑھ جاتے تو ان کے گھیرے ہوا
کا خطرہ تھا۔

طلیطلہ کے راستے میں پہلا مضبوط شہر (قلعہ) قزمونہ
بیشہر بہت اونچائی پر مضبوط سنگی دیواروں کے اندر واقع تھا۔ اس کی فصیل ناقابلِ تسخیر نظر آتی تھی
مسلمان تو ہر ناقابلِ تسخیر شہر کو اور قلعے کو تسخیر کرنے کا مزہ اور ارادہ لے کر آتے تھے۔

طارق بن زیاد نے قزمونہ پہنچتے ہی اس کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے قزمونہ والوں کو بیچا کہ اگر شہر
کے حوالے کر دیا جائے تو کسی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا لیکن شہر والوں کو اپنی فصیل اور قلعے کی مضبوطی کا
انہوں نے طارق کو کوئی معقول جواب نہ دیا اور شہر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔

طارق کا خیال تھا کہ چند دن میں شہر میں کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جائیں گی اور محصورین پر
خود ہی شہر کے دروازے کھول دیں گے لیکن ایسا نہ ہوا اور محاصرہ طویل پھینچ گیا۔

طارق بن زیاد نے کہا: "ہم آپ کے اور آپ کے سپاہیوں کے شکر گزار ہیں کہ انہیں شکر اسلام سے انکار نہ کیا۔"

وفا داری ہے۔ ہم کسی آئندہ جنگ میں آپ کی یہ خواہش ضرور پوری کریں گے۔

کاؤنٹ جولیون نے کہا:

"سید سالار علی! آپ ہیں اس محاصرے میں خدمت کا موقع کیوں نہیں دیتے؟"

طارق نے حیران نظروں سے کاؤنٹ کو دیکھتے ہوئے پوچھا:

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکتے کاؤنٹ! اس محاصرے میں آپ کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں؟"

"سید سالار علی! کاؤنٹ جولیون نے اب انہر دگر کے ہلے تھے قدرے جوش سے کہا:

"ہم چاہتے ہیں کہ قزوین کا محاصرہ توڑنے کا حکم دیا جائے۔"

طارق کو اور زیادہ حیرانی ہوئی۔ انہوں نے پوچھا:

مگر کس طرح کاؤنٹ جولیون! ہم آپ کو محاصرہ توڑنے کی تو اجازت دے سکتے ہیں مگر اس بات کی اجازت

دے سکتے کہ وفا داری کے جوش میں آپ کے دستانے کے سپاہی قلعے کی غصیل سے نکل کر اپنا محاصرہ توڑیں۔ انہیں رکتا کاؤنٹ جولیون نے تو کمال کر دیا۔"

خود کشی کی اجازت ہم ہرگز نہیں دے سکتے۔ اس شکر میں خواہ بونانی سپاہی ہوں، سپانوی ہوں یا مسلمان۔

ساؤنڈ کی دے وادی مجھ پر ہے۔ حشر میں اس کا جواب مجھے دینا ہو گا۔"

کاؤنٹ جولیون نے سید سالار علی کو مطمئن کرنے کے لیے کہا:

"سید سالار! مطمئن رہیں۔ میں ایسا احتمالہ قدم اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرے ذہن میں ایک

ہے۔ اگر آپ اس پر عمل کرنے کی اجازت دیں تو مجھے کامیابی کی سو فیصدی امید ہے۔"

طارق بن زیاد کے کہنے پر کاؤنٹ جولیون نے غصیل الری اور طارق بن زیاد کو اپنی سکیم کی پوری تفصیل

اسہنہ بتائی۔ طارق بن زیاد نام طور پر صرف دیر بک سکتے تھے۔ کھل کر پہنچنے ہوئے انہیں کسی نے اب تک نہ دیکھا۔

لیکن کاؤنٹ جولیون جب اپنی سکیم بیان کر رہا تھا تو غصیل الری اور طارق بن زیاد کو کھٹی بارہنسی آئی۔ غصیل

ضبط کرنے کے بعد جو در اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے اور کھٹی باران کے منہ سے ہلکے ہلکے قہقہے بھی بلند ہوئے۔

کاؤنٹ جولیون جب سکیم کی تمام تفصیل بتا چکا تو غصیل نے ہنسنے ہوئے کہا:

"سید سالار علی! آپ نے کاؤنٹ جولیون کی ترکیب بڑی دلچسپ ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ اس میں فائدہ

ہوئے گا۔"

طارق بھی دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

مجبے اس کی اجازت دینے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر کسی وقت یہ بات کھل گئی تو کاؤنٹ کے تمام آدمیوں

کی کامیابی میں پڑ جائیں گی۔"

کاؤنٹ جولیون نے فخریہ لہجے میں کہا:

"سید سالار علی! سپاہی کی زندگی کا مقصد ہی خطرات سے کھیلنا ہے۔ آپ اس کی نگر نہ کیجیے۔ اس کی پوری

بے دری مجھ پر ہو گا۔"

طارق نے پوچھا:

"آپ کو کتنے آدمیوں کی ضرورت ہو گی؟"

کاؤنٹ جولیون نے مسکرا کر جواب دیا:

"آدمیوں کی نہیں! مجھے تو خواتین کی ضرورت ہے۔ خواتین ہی اس ڈرامے میں اصل رنگ بھریں گی۔"

غصیل الری نے کاؤنٹ جولیون کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"بالکل ٹھیک ہے۔ اس پسو پر تو ہم نے خود ہی نہیں کیا تھا۔ عورتیں اور بچے ہوں گے تو پھر کسی کو شبہ ہو ہی

سورتوں اور بچوں کے نام پر طارق بن زیاد کو نگر نہ ہونے۔ انہوں نے اسی وقت پادری روپاس اور میر قیروانی

کو بلا دیا۔ وہ آگے تو ان کے سامنے کاؤنٹ جولیون کی اسکیم رکھی تھی۔ سکیم بڑی لا جواب تھی۔ ان دونوں نے بھی پورا

الفاظ کیا۔"

پاؤنڈ روپاس نے کہا:

"سید سالار! آپ عورتوں اور بچوں کی طرف سے تو فکر نہ کریں۔ درجن بھر عورتیں اور بچے تو میرے ہی گھر کے

ہیں۔ اگر اور کا انتظام میرے سر کر دیں گے۔"

طارق بن زیاد بولے:

"میرا کامیابی کے لیے بلا لیا گیا ہے۔ کاؤنٹ جولیون کا خیال ہے کہ اگر دو درجن عورتیں اور بچے تیار ہو جائیں تو زیادہ

بھروسہ ہو گا۔"

میر قیروانی نے کہا:

"کاؤنٹ جولیون! تمہاری عورتیں کہیں وہ حاضر کی جاسکتی ہیں۔ ہمارے رضا کار دستے میں ایک سے ایک ہا جو ملے اور

ذہن نشین ہو جائے۔ وہ جان دینے سے بھی دریغ نہ کریں گی۔"

اس وقت تو یہ گفتگو ختم ہو گئی لیکن دوسرے دن کا سورج بلند ہوا تو قلعہ قزوین والوں نے ایک عجب تماشہ

دیکھا۔

اس زمانے میں قلعوں اور شہروں کے عالم پر چار سمتوں میں دروازے ہوتے تھے۔ قزوین کے قلعے کو مسلمانوں نے گھیر رکھا تھا۔ جانا کہ مسلمان شہر سے دور تھے لیکن شہر والے غمور تھے اور ڈر کے مارے ہوئے تھے۔ کل رات تک چاروں دروازوں کے سامنے مسلمان لشکر کی دور سے گواہیں لیے کھڑے نظر کرتے تھے لیکن قزوین کے شمالی دروازے کے سامنے دو درمیک کسی مسلمان سپاہی کا پتہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے محاصرہ اٹھا لیا ہے۔

صبح کو صبح بلند ہوا تو فصیح پر متعین ہسپانوی لشکر نے دیکھا کہ مسلمانوں کا تو دور دور تک پتہ نہیں لیکن عورتوں، بچوں اور مردوں کا ایک قافلہ آہستہ آہستہ شہر کے دروازے کی طرف آ رہا ہے۔ قافلے والے ہر اماں ہیں۔ بچے دور ہے ہیں۔ عورتیں بڑبڑا رہی ہیں۔ اماں کٹی خچروں پر لہلہا ہے۔ ایک بوڑھا لڑکا

یہ ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ لوگ گرواڑے خچروں کو آگے دھکیلتے چلے آ رہے تھے۔ عورتیں ردنے والے بچوں کو بار بار ہاتھ

جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ غمور کہہ رہے تھے۔ ان کے والوں کی حالت کچھ ایسی ناگفتہ بہ اور بدینی تھی کہ قلعے کے اوپر برجوں اور فصیح کے ساتھ قلعے کے ٹھنڈے ٹھنڈے لگ گئے۔ ہر ایک گردن ٹھکڑے نوادروں کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ قلعے کے قریب تھی۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ان کے چہروں سے ہی ہر ہوتا تھا کہ وہ کسی ایک کے لوگ نہیں ہیں بلکہ ان میں یہودی، عیسائی اور جوتھی ہسپانیہ کے یونانی خاص بھی شامل ہیں۔

آئے والوں کی حالت زار سے قلعے والوں نے یہ تو اندازہ لگایا کہ یہ نہ تو مسلمان ہیں اور نہ دشمن بلکہ اور خانہ برباد ہیں۔ اس لیے قلعے پر سے نہ کوئی تیر ہلایا گیا اور نہ کسی قسم کی مدافعت کا سامان کیا گیا۔ چنانچہ اسی طرح گھسنے پھٹنے قلعے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچتے ہی بچوں کے شور میں اضافہ ہو گیا۔

پانی دو در در دئی دو۔ بھوک بھوک۔ پناہ دو۔

اس قسم کی آوازیں اتنے قاز اور تیری سے بلند ہوئیں کہ کان پڑی آواز نہ سنا دیتی تھی۔ عورتوں کا

غصے میں تبدیل ہو گئی تھی اور بچوں کے رونے پانی مانگنے پر انہوں نے بچوں کو بے تحاشا مارنا پشیمان کر دیا تھا۔ قلعے کے دروازے پر ایک ہنگامہ تھا۔ ایک قیامت تھی۔ قلعے کے محافظ دستے کا سردار، مرج سے لڑنے لگا پھاڑ چاڑ کر ان لوگوں سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نیچے سے صلیب بردار پادری بھی کچھ جواب دے رہا تھا۔ اس کی آواز نیچے پہنچتی تھی اور نہ نیچے کی آواز اوپر جا رہی تھی۔ اگر کوئی آواز یا آوازیں سنی جاسکتی تھیں تو وہ

پانی اور پناہ کے الفاظ تھے جو زور و شور سے گونج رہے تھے۔

نوار د فصیح اور دروازے کے محافظ سے بار بار کچھ کہتے تھے۔ شاید وہ دروازہ کھولنے پر زور دے رہے تھے۔ محافظ سردار بھی اب اسی تہہ پر پہنچا تھا کہ ان خانہ بربادوں کو چپے اندر آنے دیا جائے پھر ہی ان سے کوئی گفتگو ممکن ہوگی۔

معموین نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ پریشان اور متلے ہوئے ہیں۔ انہیں پناہ کی ضرورت ہے اس لیے حاکم قلعے کے حکم سے ان لوگوں کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

پہلے قلعے کے اندر پانچ سو سپاہی گواہیں ہوتے ہوئے تھے۔ انہوں نے دروازے کے سامنے حفاظتی صفیں بنا لی تھیں۔ ان لوگوں کو اندر جانے کا حکم دیا۔

یہ قافلہ لرزاں دیریاں اور خوف سے کانپتا ہوا، خچروں کو دھکیلتا ہوا جلدی جلدی اندر داخل ہو گیا لیکن بچوں اور عورتوں کا شراری طرح جاری تھا اور روٹی پانی کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

اندروں داخل ہوتے ہی مردوں نے ٹوٹی پھوٹی پیٹیاں اور کبے خچروں سے نیچے آ کر۔ عورتوں نے کپڑوں کی گھڑیاں گھول ڈالیں اور ان میں سے بھی پی پانی پانی کر دین لگال کر زمین پر پچھا تا شروع کر دیں۔ کئی سپاہی بھاگ کر ان کے پاس آئے اور عورتوں کو منع کیا کہ یہ راستہ ہے۔ دروازے سے دور جا کر چادریں، بچائیں گھر کون ملتا، عورتیں اپنے کام میں لگی رہیں اور دروازے کے ساتھ ساتھ چادروں کا فرش پچھا کھو عورتوں نے بچوں کو اس پر بٹھا دیا ان کے ٹوٹے کھسے ادھر ادھر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے کسی گھر کو چوروں نے لوٹ لیا ہو۔

یہ فقیرانہ فرش پچھا تھا کہ ان کے لیے کھانا پانی آ گیا۔ حاکم قلعہ بار بار پادری اور ایک بے طرح آدمی سے جو ان لوگوں میں ذرا سنجیدہ معلوم ہوتے تھے، ان کا حال پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ دونوں بھی گھبرائے گھبرائے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور بچوں اور عورتوں کو چپ کر رہے تھے۔

کھانا آنا اور یہ سب کے سب کھانے پر اسی طرح چپٹے جیسے کتا پڑی پر جھپٹا ہے۔ ہسپانوی سپاہی ان کی بے مبری اور بددلی سے بے رحم رہے تھے۔ کھانے کے دوران ہی بچوں اور عورتوں نے اوٹکھنا شروع کر دیا جیسے انہیں سخت ہنند آ رہی ہو۔ کھانا ختم ہوتے ہوتے آدھے سے زیادہ ہوتی اور بچے فرش پر ادھر ادھر لڑکھک کر سو گئے تھے۔ باقی لوگ اونٹوں پر بٹھ گئے۔

حاکم قلعے نے پادری اور بے آدمی کو اپنے قریب بلا کر کھانا پیش کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب یہ کھانا کھالیں تو ان سے وہ حالت دریافت کرے جس کے تحت ان پر افتاد پڑی۔ اور یہ کہ وہ کتنے ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں لیکن حاکم قلعے نے دیکھا کہ پادری اور وہ آدمی بھی کھانے کے دوران ہی اونگھنے لگے ہیں۔ اس لیے اس نے مزید انتفا نہ کیا اور پادری

سے پوچھا:

”بزرگ پیشوا یہ سب کیا ہے۔ آپ پر کیا مصیبت آئی پرٹی جو گھر بار چھوڑ کر آیا؟“

بادری نے ایک بڑی سی جھانکی اور آنکھیں کو زبردستی کھولتے ہوئے کہا:

”بابا ہم لٹ گئے۔ بستیان اجڑ گئیں۔ اب ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔“

پھر وہ اسی طرح جھوم جھیسے زمین پر گر جائے گا۔

حاکم قلعہ نے اس کا شانہ ہلکتے ہوئے کہا:

”بزرگ! یہ تو بتائیے کہ آپ کو کس نے لوٹا؟ کب لٹا؟ کہاں لوٹا؟“

بادری نے جانوں پہ جھانپا لیتے ہوئے کہا:

”وہ کوئی ہے ہم نہیں مانتے۔ کہاں سے آئے ہیں اس کا بھی پتہ نہیں۔ بس وہ تو جنت بھوت ہیں۔“

نے بستیوں کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ قتل عام کر دیا۔ پندرہ دن....“

بادری کی نیند سے بوجھل آنکھیں نہ کھل رہی تھیں۔

حاکم قلعہ نے پھر اس کا شانہ ہلایا اور پوچھا:

”ہاں بزرگ! آپ کہہ دیجئے تھے پندرہ دن۔ پندرہ دن سے کیا ہوا؟“

بادری نے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:

”پندرہ دن سے ہم یوں ہی مارے مارے پھر رہے ہیں۔ پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہم نے تین دن: جاگنا کھانا اور پھر اپنی جگہ واپس آکر لیٹ جاتیں۔“

نہ کچھ کھایا ہے اور نہ پانی ملا ہے۔

حاکم قلعہ کی سمجھ میں کچھ نہ کچھ تو آئی گی تھا اس نے پادری کو اس وقت زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ ٹھانسی طاری رہی۔

اور اس کا شانہ چھوڑ دیا۔ شانہ چھٹتے ہی پادری ایک طرف لٹکھٹکھٹا اور گڑھی مڑی ہو کر سو گیا۔

اب حاکم قلعہ دوسرے آدمی کی طرف متغلب ہوا جو اس کے بائیں جانب بیٹھا کھانا کھا رہا تھا لیکن وہ بھانکا اور تین بائیں طرف دھکتے نظر آتے۔ بقیہ تمام لوگ بے خبر سوتے دکھائی دے رہے تھے۔

شاہد پادری سے پیسے کھانا کھا کر زمین پر ٹانگیں پھیلائے بے خبر سو رہا تھا۔

حاکم قلعہ نے دیکھا تو اسے اس قافلے کے تمام بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں فرض پر اس طرح گرے پڑے

دکھائی دیے جیسے میدان جنگ میں لڑائی کے خاتمے پر سامان جنگ بکھرا ہوا ہے۔ ان کا سامان بھی بے ترتیبی

دروازے سے لے کر درون تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا دوسرے مرداروں کو لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

سوچا کہ یہ لوگ پندرہ دن کے تھکے ماندے ہیں۔ انھیں آرام کرنے دیا جائے۔ شام تک ان کی تھکن دور ہو جائے۔

گی پھر ان سے مزید تفصیلات حاصل کی جا سکیں گی۔

قلعہ میں داخل ہونے والے گھوڑے بچ کر ایسے سوئے کہ شام تک انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا اس طرح سے

ہم تھک کر آنا یا گھر سب کو بے خبر سوتا دیکھ کر واپس چلا گیا۔ دوپہر میں ان لوگوں کے لیے کھانا بھیجا گیا مگر ان کو بار بار

لے کے باوجود کوئی نہ جاگا۔ صرف ایک جوان لڑکی نے کھانا لانے والوں کو خارا کو د آنکھوں سے دیکھا۔ ایک سپاہی

لے کے اس کھانے کے آگیا اور کھانے کو کھا۔

لڑکی نے فرش پر ایک طرف لٹھکتے ہوئے کہا:

”بھائی تمہارا شکریہ۔ سب کھانا ہمیں چھوڑ جاؤ۔ جو اٹھے گا خود ہی کھا لے گا۔ ہم لوگ پندرہ دن کے

ٹھکے ہوئے ہیں۔ ہمیں سونے دو۔“

لڑکی نے مزید گفتگو کا دروازہ بند کرتے ہوئے خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

تمام لوگوں کا کھانا، سونے والوں کے قریب ہی رکھ دیا گیا۔ جب کھانا لانے والے کھانا چھوڑ کر چلے گئے

تو لڑکی انہیں بٹیاں کھاتی ہوئی سوئے ہوئے بچوں کے پاس پہنچی اور دو بچوں کو چپکے سے جگا دیا۔ بچے پہلے ہی سے

جاگ رہے تھے۔ دن بھر انہیں یوں ہی پڑے پڑے جھوک مگ آئی تھی۔ لڑکی نے بچوں کو کچھ اشارہ کیا۔ دو نوں نے

اٹھ کر کھانے کے پاس گئے۔ خوب جی بھر کے کھانا کھایا اور پھر جا کر اپنی جگہ لیٹ گئے۔ دوسرا منٹ کے بعد دو

بچے اور اٹھے۔ وہ بھی کھانا کھا آئے اور اپنی جگہ آکر سو گئے۔ اس طرح کھانا کھانے والے بچوں کا تانہ بندھ گیا۔

بچوں کے کھانے کا سلسلہ بند ہوا تو عورتوں نے کھانے کا فہر لگایا۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے اٹھیں۔

عورتوں کے بعد مردوں نے بھی طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح سب نے کھانا کھا لیا نہ کوئی غل ہوا نہ شور۔ بالکل

قلعہ والے یہی سمجھتے رہے کہ یہ لوگ بھوکے سو رہے ہیں کیونکہ ان کی جب بھی نظر پڑتی تھی انہیں صرف ایک

رات ہو گئی۔ قلعہ میں شمعیں روشن ہو گئیں۔

بادری خانے کے آدمی خالی برتن اٹھا لے گئے اور پھر انھیں بھر کر رات کا کھانا لے آئے۔ اب انھوں نے

کھانا کھانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ کھانا کھا کر چلے گئے۔ اس خیال سے کہ جو اٹھے گا وہ پہلے کے کھانے کی طرح

خود ہی کھا لے گا۔ یہ لوگ اس طرح لٹکھٹے پڑے تھے کہ لوگ اپنے کام کاج میں لگے رہے۔ ان کی طرف کسی نے

کچھ بات نہ کی۔

کچھ بات نہ کی۔

کچھ بات نہ کی۔

کچھ بات نہ کی۔

کچھ بات نہ کی۔

پایا۔ وہ مسکراتا ہوا آگے چلا گیا۔

اس بار یہ صلیب مسلح لہرائی رہی۔

جس جگہ یہ لوگ سو رہے تھے وہاں ہلکی ہلکی روشنی بھی میری روشنی دروازے کے داہیں بائیں اندر چلتے والی شمعوں کی تھی۔ ان سونے والوں نے اپنی پادریں دروازے کے ساتھ ساتھ اوپر ہانسنے کے قریب تک بکھائی تھیں۔ اوپر جانے کے لیے صرف دروازے پر چھوڑا تھا۔ اوپر گئے جانے والے اوپر سے پھانڈ پھانڈ کر ادھر پہنچے اچھا رہے تھے مگر بہت سے تھے جیسے دنیا و مافیہا سے رات کو بھی کھانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ جسے بھوک لگتی، ایک ایک دو دو کر کے اٹھ اٹھ کر اور اپنی جگہ جا کر لیٹ جاتا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان لوگوں کی زندگی کا مقصد صرف کھانا اور سونا ہے۔ اپنی صلیب دیوار کے سارے کھڑکی کیے زینے کے پاس بیٹھا تھا۔

جس بات انداز سے آدھی سے زیادہ گزر گئی تو پادری نے لیٹے لیٹے ہاتھ رکھا کہ صلیب الگ آہستہ آہستہ دوبارہ پایا۔

صلیب کے حرکت میں آتے ہی سونے والوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ سب آہستہ آہستہ کروٹیں بدلتے بدلتے اٹھ اٹھ کر دھڑکھٹکتے ہوئے پیسٹ کے ایک جگہ آ گئے۔ مورتیں بھی لڑکھکیاں کر رہی تھیں اور تمام مرد بھی کروٹ بدلتے ہوئے یکسوں کے پاس پہنچ گئے۔ اس طرح ان لوگوں کے جسم ہو گئے۔ بڑی خاموشی اور فکرمند جذبہ کے ساتھ۔ کسی کو خبر نہ ہوئی اور نہ شبہ ہوا۔

فصل کا یہ دروازہ ددفٹ مٹی کھڑکی کے تختوں کا بنا ہوا تھا۔ باہر کی طرف اس پر لوہے کے پتھر چڑھے ہوئے تھے۔ اندر کی جانب زنجیر کے بجائے تلے اور تین لوہے کے گڑڑاواہٹ سے بائیں ہوتے تھے۔ ان گڑڑوں کے سروں پر مضبوط رسیاں بندھی تھیں۔ یہ رسیاں برجوں میں نصب چرخوں سے بندھا

جب دروازہ کھولنا مقصود ہوتا تو چرخیاں داہیں جانب گھمائی جاتیں اور گڑڑوں میں بندھی ہوئی رسیاں ان کو اوپر کی طرف اٹھا لیتیں۔ اس طرح دروازہ بند کر کے ان چرخوں کو بائیں طرف گھمایا جاتا تو یہ گڑڑاواہٹ آ جلتے اور دروازے پر نین زنجیریں ہل کر چپک جاتے۔ بغیر ان گڑڑوں کو اوپر اٹھانے، دروازہ کھلانا اور دروازہ باہر سے بھی اتنا مضبوط تھا کہ اسے توڑنا ناممکن نہ تھا۔

اس دروازے کے اندر کی طرف بھی دو سو سپاہیوں کا پہرہ لگتا تھا لیکن اس وقت سپاہیوں کے دینے کی جگہ پر یہ قافلے والے قبضہ کیے ہوئے تھے اور پہرے دار سپاہی دور در دور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ خوش نفع تھے کہ اس قافلے کے آنے سے آج انہیں چھٹی ملی ہوئی ہے۔

پھر پھر پڑی کہ صلیب ایک باپھر ہوا میں لہرائی۔

نہ ہے کیا ہوا۔ تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ اٹھ میرا بیڑا دب گیا۔ اسے اندھے دیکھ کر چل۔... کیا قیامت

نیچے کے سپاہی عورتوں اور بچوں کو دھکیل کر نیچے پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور اوپر زوردار تلوار بادل ہی قحطی قحطی کے وہ جوان بدون بھر بھرا ہوا ہونے پر سے تھے اب اپنی تلواریں یکسوں سے نکال نکال کر برجوں پر چڑھ گئے تھے اور دروازے کے محافظوں سے نبرد آزما تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح برجوں کے پاس پہنچ کر اسے کے گڑڑوں کو اوپر اٹھا دیں تاکہ دروازہ کھل جائے۔ محافظ ان کا ارادہ بھانپ گئے تھے اور دیوار بن کر ملنے لگے۔

اب پورے قلعے میں شور مچ گیا تھا اور سپاہیوں سپاہی دھڑا دھڑا تلواروں کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔ آخر قافلے کے ہواؤں نے دروازے کے محافظوں پر ایک زبردست حملہ کیا اور انہیں دھکیلے ہوئے چرخوں کے پاس پہنچ گئے۔

محافظوں نے جان توڑ کوشش کی مگر ان جیالوں کو زبردستی کے پھر دروازے کے گڑڑاواہٹ گئے۔ اوپر آ جلتے اور دروازے پر نین زنجیریں ہل کر چپک جاتے۔ بغیر ان گڑڑوں کو اوپر اٹھانے، دروازہ کھلانا اور دروازہ باہر سے بھی اتنا مضبوط تھا کہ اسے توڑنا ناممکن نہ تھا۔

اس وقت قلعے کے ایک برج پر صلیب کے ساتھ بندھی ہوئی ایک شیخ ہوا میں لہرائی۔

طارق بن زیاد اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے اپنے سواروں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گئے۔

اس سبیلہ رواں کر رہنے کی کسی میں محاطت تھی۔ جو سامنے آیا مارا گیا۔ ذرا دیر میں قلعے کے اندر کا میدان

لاشوں سے پٹ گیا۔
حاکم قلعہ شرمین کردوازہ کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ بیاں تو مسلمان ہی مسلمان ہو چکی ہیں۔ اس نے فریاد کیا کہ:

کے نعرے لگا رہے ہیں تو اس کاوصلہ پست ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ کر چلایا:
”ہسپانوی سپاہیو! ہتھیار ڈال دو۔ ہمیں شکست ہو چکی ہے۔“

اس آواز کے ساتھ ہی ہسپانیوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ مسلمانوں نے تلواریں نیا مومیں کر دیں۔
حاکم قلعہ کا مکان جو حقیقت میں ایک چھوٹا سا محل تھا، اس میں ہسپانیوں کی شکست کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔
اس کی بیوی اور بچے سخت پریشان تھے۔

مسلمانو! مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔ میں حاکم قلعہ ہوں:
اس وقت طارق بن زیاد قریب ہی تھے۔ انوں نے آواز سنی تو گھوڑا بڑھا کر حاکم قلعہ کے پاس آئے۔
سپاہی شیعین لے کر طارق بن زیاد کے گرد کھڑے ہو گئے۔
طارق بن زیاد نے کہا:

”تم کون ہو۔ تم نے ابھی کیا کہا تھا؟“
حاکم قلعہ طارق بن زیاد کی رعب دار آواز سے سمجھ گیا کہ یہ مسلمانوں کا سردار اٹلی ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا:

”میں مسلمان سردار کو آداب پیش کرتا ہوں اور اپنی اور اپنے سپاہیوں کی جان کی امان چاہتا ہوں۔
طارق نے اسی رعب سے کہا:
”حاکم قلعہ! ہم تمہاری معافی مندی اور دانشوری سے بہت خوش ہوئے۔ ہم قلعہ قرطبہ کے ہر شخص کو معافی دیتے ہیں۔ ہسپانوی سپاہ یا شہری اگر شہر میں رہیں تو ان کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں۔ اگر وہ کسی ناقص مکانی کرنا چاہیں تو ہم کوئی ذمہ نہ دیں گے۔“

”میرے لیے کیا حکم ہے سردار اٹلی؟“ حاکم قلعہ نے گھر کر پوچھا۔
”قلعے کی چابیاں ہمارے حوالے کی جائیں۔“ طارق نے اسے حکم دیا۔
حاکم قلعہ بولا:

”چابیاں میرے مکان پر ہیں۔ مجھے اجازت دی جلتے میں لا کر پیش کرتا ہوں۔“
طارق نے پوچھا:
”کیا سرکاری خزانہ اور مال و اسباب تملک گھر میں بھی ہے؟“

”نہیں سپہ سالار۔“ قلعہ دار بولا: ”تمام سرکاری مال و دولت نیچے ترخانے میں بند ہے۔“

سوائے میرے ذاتی اماں اور خواتین خانہ کے زیورات کے اور کچھ نہیں۔ آپ میرے ساتھ شکری بھیج کر تصدیق فرمائیے۔

طارق نے فریاد کیا:
”کسی تصدیق یا شہادت کی ضرورت نہیں۔ جو شخص اپنی شکست خود تسلیم کر لے اس کی دیانت پر شبہ کرنا۔“

اس کی بیوی اور بچے سخت پریشان تھے۔
اس زمانے میں قلعہ فتح ہونے کا مطلب قلعہ دار کی گرفتاری اور قتل ہوا کرتا تھا لیکن جب قلعہ دار زندہ و سلامت رہے گھر پہنچا تو اس کے بچے روتے ہوئے اس سے پوچھ گئے۔ اس نے گھر والوں کو تسلی دی اور بتایا کہ مسلمان بظاہر بہت نیک اور معاملہ فہم ہوتے ہیں اور اس پر دیکھیں گے کہ برعکس میں جو ان کے خلاف شہروں شہروں کیا بار بار ہے۔
حاکم قلعہ نے چابیوں کے دوپچھے اٹھاری سے نکالے اور گھر والوں کو تسلی و تشفی دے کر طارق بن زیاد کے پاس آیا۔

قلعہ میں امن و امان ہو گیا تھا۔ طارق ایک بڑے محل میں اپنے ہاں شادوں کے ساتھ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ حاکم قلعہ نے لاکھ چابیاں طارق کے قدموں میں رکھ دیں۔ پھر سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ طارق نے چابیوں کے دوپچھے دیکھے تو پوچھا:

”میرے چابیوں کے دوپچھے کیسے ہیں؟“
”سپہ سالار۔“ بڑا اچھا متہ خانے کے خزانے کا ہے اور..... چھوٹا کچھ میرے گھر کا ہے۔“ حاکم قلعہ نے اسی لاکھ چابیاں کیے ہوئے کہا۔

طارق نے بڑی سنجیدگی سے کہا:
”اپنے گھر کی چابیاں اٹھاؤ۔ ہم لوگوں کے گھر لوٹے نہیں آئے۔ ہم تو ہسپانوی عوام کو شاہی غلام و استبداد سے نجات دلانے آئے ہیں۔ انسانیت اور مساوات کا سبق پڑھانے آئے ہیں۔ ہاں ایک بات اور سن لو۔ یہ کہ ہم نے تمہارے لیے لازماً تجویز کی ہے بشرطیکہ تم اسے پسند کرو۔“
”مزا کا نام سن کر حاکم قلعہ کا رنگ فق ہو گیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آگیا۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کے حلق میں الجھ کر رہ گئے۔“

طارق نے اسے پریشان دیکھا تو پھر کہا: ”گھبراؤ نہیں۔ ہم بادوروں کی قدر کرتے ہیں۔ اگر سزا تمہیں پسند نہ

آئی تو ہم سے واپس لے لیں گے۔

”کیا سزا آپ مجھے دیں گے۔ حاکم قلعہ نے مری مری آواز میں منکر کہا۔

”پہلے ادھر دیکھو۔“ طارق نے ایک لمبے اولیٰ طرف اشارہ کیا،

”انہیں پہناتے ہو؟“

حاکم قلعہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ لانا آدمی وہی تھا جو صبح کے وقت اس قلعہ کو مارا

میں داخل ہوا تھا۔ اس کے برابر پادری اپنی صلیب لیے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں صبح والے پٹے پرانے کپڑوں

لبوس تھے۔

حاکم قلعہ نے کہا:

”جی ہاں۔ یہ دونوں آج صبح پناہ گزینوں کا ایک قافلہ لے کر قلعہ میں آئے تھے۔“

”لیکن یہ پناہ گزین نہیں، طارق نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”یہ کاؤٹ جولین ہیں۔ افریقہ میں قلعہ سبستہ کے خود مختار حاکم۔“

”کاؤٹ جولین۔“ حاکم قلعہ نے یہ نام زیر لب دہرایا۔ پھر بولا:

”کاؤٹ جولین، سابق شہنشاہ غبطشہ کے داماد اور بی بی نایہ؟“

”بالکل وہی۔“ طارق نے کہا۔ پھر پادری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

”اور یہ بی بی سابق شہنشاہ کے بھائی پادری روپاس۔ اس عظیم ہستی کو بھی آپ نہ پہچان سکے۔

یہ بی بی قوم کا خلیفہ کے ہاں اور عقل مند سردار صیث الروی۔ انھیں تو آپ فردرپہنستے ہوں گے۔“

حاکم قلعہ نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا:

”جی سپہ سالار۔ اب میں سب کو پہچان گیا اور یہ سبھی سمجھ گیا کہ قلعہ کس طرح فتح ہوا۔“

طارق بن زیاد نے کہا:

”اب یہ سب مسلمانوں کے صلیف ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں۔ سپانیہ میں راڈرک کی شہنشاہیت کے

مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے صلیفوں کے سامنے حاکم قلعہ کی مزا کی تجویز رکھی ہے اور انھوں نے

تائید کی ہے۔“

سزا کا نام سننے ہی حاکم قلعہ کا رنگ پھر پیکا پڑ گیا۔ اس نے بڑی امید اور حسرت بھری نظروں سے ان

معززین کو دیکھا جن کے ہاتھ میں اس وقت اس کی جہاں تھی۔

”تمہاری سزا یہ ہے کہ تم تمہیں... طارق نے ایک لمحہ تو قف کیا۔ حاکم قلعہ کے جسم سے سردی کی لہر

چلی گئی تھی بڑی گرمی:

”میرا یہ ہے، تمہیں پھر سے حاکم قلعہ بناتے ہیں اور تمہارے پورے اختیار است تمہیں واپس کیے جاتے ہیں۔“

حاکم قلعہ کا منہ حیرت اور خوشی سے کھل گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔

لیکن تین کچھ بدایات پر عمل کرنا ہو گا۔ طارق بن زیاد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

”اب کسی پر علم نہ ہو گا کہ ہر شخص اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہے کسی مذہب کی عبادت لگائیں اگر سب اپنی

مذہب کے حقوق کے حقوق بلا تمیز مذہب برابر ہوں گے۔“

حاکم قلعہ نے ہر بدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور پھر بار بار شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو کر

طرک بن جانا کہ اہل خانہ کو جا کر یہ خوش خبری سنائے۔

اس کے جانے کے بعد طارق بن زیاد نے کہا:

”قلعہ قمر بنی فنج کا سہرا کاؤٹ جولین کے سر ہے۔ انہوں نے اپنی حکمت عملی سے کئی ہزار بے گناہوں کو

جلک لٹھ میں جلنے سے بچا لیا۔“

کاؤٹ جولین جواب تک پیٹھ پرانے کپڑے چڑھاٹے ہوئے تھا، بولا:

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

فرمایا۔“

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

فرمایا۔“

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

فرمایا۔“

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

فرمایا۔“

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

فرمایا۔“

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

فرمایا۔“

”فنج کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا

قلعے میں نماز باجماعت کے انتظامات ہونے لگے۔ ایک اونچے چوڑے کوہ پور مسجد اقصیٰ کی طرف سے آیا تھا، جو قلعہ کا ایک حصہ تھا۔ اس نے قلعہ میں کوئی اور نماز گاہ نہیں دیکھی تھی۔ قلعہ کا میدان انصیل، بڑیاں اور چھتیاں لوگوں سے بھر گئیں۔ دیکھی تھی۔ قلعہ کا میدان انصیل، بڑیاں اور چھتیاں لوگوں سے بھر گئیں۔

لشکرِ مریضوں کو کہتے آتے اور فرشِ پرادب سے بیٹھ جاتے۔ کوئی کسی سے بات نہ کرتا۔ ہر ایک اپنی تقریبِ اسلام کے سچے اور سادہ اصولوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام جبر و تشدد اور فتنہ و دزد و دہلاہٹ پر مبنی نہیں ہے۔

یہ نظارہ بڑا ایمان افروز اور ایمان آموز تھا۔ عیسائی، یہودی، عہد و عورتیں، بچے، بوڑھے اور لڑکے، سب ایک جگہ جمع ہو کر خدا کی تعریف کرتے تھے۔ یہ نظارہ بڑا ایمان افروز اور ایمان آموز تھا۔ عیسائی، یہودی، عہد و عورتیں، بچے، بوڑھے اور لڑکے، سب ایک جگہ جمع ہو کر خدا کی تعریف کرتے تھے۔

میں مرداروں کے ساتھ کسی خاص مسئلے کو حل کرنے میں معروف تھے۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ اسی وقت محی سید عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ

جمعہ کا خطبہ شروع ہو گیا مگر طارق نہ اُٹھے۔ پھر خطبہ ختم ہونے کو تھا کہ لوگوں نے دیکھا کہ گھٹے بدن اکاٹ چلین اور پادری روپاس معاً اپنے افراد خانہ کے اس موقع پر اسلام لے آئے لیکن مغربی مؤرخ اسے تسلیم جسب کارنگ کھلتا ہوا تھا اور بلاں کی رنگت سرخ مخی، بڑی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا صدق میں آباد اس کی طرف کھینے سے انکار کرتے ہیں۔

بھنڈہ دی۔ پورا میدان غازیوں سے بھرا ہوا تھا۔ آنے والے کو سب سے پیچھے جگہ ملی۔ وہ کہہ کر بالکل چپ چاپ۔ جب پوری روپس اپنے گھر (جہاں اسے ٹھہرایا گیا تھا) پہنچا تو اس کی بہن نے کہا: سے آخری صف میں بیٹھ گیا۔

فصیل پر کھڑے ہوئے ایک شخص نے دوسرے سے کہا:

”دیکھا تم نے طارق بن زیاد کو؟“

”کہہ کر میں؟ میری آنکھیں تو انہی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ درد مری نے بڑی لمبے صحنی سے جواب دیا۔

پہلے نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا:

”سب سے پیچھے۔ لال لال بابوں والے طارق بن زیاد ہیں۔ مسلمانوں کے نیک دل سیہ سالار“

”اوہ یہ میں سپہ سالار۔ مگر انہیں تو اگے ہونا چاہیے تھا۔“

اس کے ساتھ نے بتایا:

”یہی تو ان میں خوب ہے جو ہم میں نہیں۔ یہ لوگ اپنی عبادت گاہوں میں سپینچ کر پڑے چھوٹے چھوٹے محل اور تختوں کو بلایا جلتے گا اور جو چیز وہ پسند کریں گے، انہیں دس دی جائے گی۔“

بھول جلتے ہیں۔ ان میں بڑا دلکشا ہوتا ہے جو زیادہ عبادت گزار اور بہرگار ہو۔ لیکن تارکی پسند کو کوفی چیز اس میں ملے گی نہیں۔ بہن نے عجیب انداز سے پاوری روپاس کہ

ایک سے دوسرے پھر تیسرے۔ اس طرح تمام نفیس اور رب جوں میں کھڑے ہو

پادری رو پاس نے ذرا بگڑ کر کہا :

”تم ہر بات میں اپنی عقل مندی دکھاتی ہو۔ قزمونہ کے خزانے میں تو ایسی ایسی باتیں
پھیر رہے ہیں کہ تارا دیکھے گی تو دیکھتی رہ جائے گی۔“

ہن کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے تیوریاں چڑھلتے ہوئے کہا :

”تم صرف پادری ہو رو پاس۔ پھر تم جتنے موٹے ہو تمہاری عقل بھی اتنی ہی موٹی ہے۔“

تارا نے جو ہر اس بند کیا ہے وہ دنیا کے کسی خزانے میں نہیں ہے :

پادری کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہ آیا۔

ہن نے اسے بے بس دیکھا تو ہنس کر کہا :

”میر قیر وانی جیسا میرا ہے کسی خزانے میں؟“

پادری رو پاس کی ہاتھیں کھل گئیں۔ بول :

”ٹھیک کہتی ہو ہن۔ لیکن یہ بات تارا نے تم سے خود کہی ہے؟“

ہن نے بھائی کو ڈانٹتے ہوئے کہا :

”تم تو سٹھیل گئے ہو۔ ایسی باتیں کہی نہیں جاتیں بلکہ سمجھی جاتی ہیں۔ جا دوسپہ سالارے !“

اب کاٹا کہیلے؟“

اس کے ماتھی نے جواب دینے کے بجائے اپنے منہ سے زبان باہر نکالی اور زبان پر انگلی رکھ کر کچھ اس طرح

کہا جیسے کنا چاہتا ہو کہ وہ زبان سے بول نہیں سکتا۔

سوال کرنے والا سوار مسکرایا اور بولا :

”محترمہ دار۔ اب آپ کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ ہر ایک یہی سمجھے گا کہ آپ واقعی گونگے ہیں۔“

گونگے کی کامیاب اداکاری کرنے والے نے کہا :

”راڈ ما ! ہمیں خدا سے امید ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔“

راڈ ما بولا :

”امید نہیں بلکہ ہمیں یقین رکھنا چاہیے۔ آپ ان کپڑوں میں بالکل ہر پانوی نظر آتے ہیں۔ صورت تنگ

ہر ایک آپ ہر پانویں سے ملے جلتے ہیں۔ زبان اور بدن کا مسئلہ تھا جسے آپ نے گونگا بن کر حل کر لیا۔

آپ ملے شہر میں اطمینان سے گھوم سکیں گے۔ کوئی بھی آپ کو پہچان نہ سکے گا۔ کلیساؤں اور خانقاہوں

بہت آسکے ساتھ ساتھ رہیں گا۔“

سینٹ پیٹرک کی چھوٹی سی خانقاہ جس کے دروازے پر کھڑے ہوئے یہ دونوں سوار باتیں کر رہے تھے ،

④
شعاعی

ہسپانیہ کے مشہور شہر اور قلعہ ای۔ سی۔ جا کے مضافات میں سرحد پر واقع تھا۔
 راڈسا ہسپانوی نژاد عیسائی تھا اور دوسرا جو بظاہر گھوٹکا بنا ہوا تھا، اس کا نام حاکم بن منذر تھا۔
 حاکم بن منذر اسلامی لشکر کے اس ہراول دستے کی کان کر رہا تھا جسے بجا پر ظہر
 ای۔ سی۔ بجا پر حملہ کرنے سے پہلے وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے آگے روانہ کیا تھا۔
 عیسائی راڈسا اور مسلمان سردار حاکم بن منذر آپس میں گہرے دوست تھے۔ ان کے درمیان
 میدان جنگ میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں راڈسا نے دو بدولٹانی کے دوران حاکم کی شہادت
 کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ حاکم چاہتا تو اسے قتل کر سکتا تھا لیکن اس نے راڈسا کو
 معافی ان دونوں کے درمیان گہری دوستی کا سبب بن گئی۔ راڈسا نے حاکم کا اتنا اعتماد حاصل
 اہم ہم میں اپنے ساتھ رکھنے کے لیے راڈسا کو منتخب کیا تھا۔

طارق بن زیاد کو سرزمین ہسپانیہ پر قدم رکھے چار ماہ سے زیادہ کا عمر گزر چکا تھا۔
 (لاگو جنڈا) میں شمشاد راڈک کو شکست دینے کے بعد ان کے قدم آگے بڑھ چکے تھے اور
 جیسے اہم تعلقوں پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔
 طارق بن زیاد اب اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ انہیں خبر ملی تھی کہ مدینہ شہر نہ اور فرار
 نصرانی فوج ای۔ سی۔ جا کے قلعے میں جمع ہو رہی تھی۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ای۔ سی۔ جا
 میں اتنا ہی متبرک ہے جتنا کہ کسی زمانے میں سوننا تھ کا مندر تھا جسے پاش پاش کر کے خود
 کا لقب پایا۔

طارق بن زیاد ہسپانیہ کے بت شکن تھے اور اس شہر و قلعے پر حصار جلد قبضہ کرنا چاہتے
 متعلق مزاح تھے اور کوئی قدم جلد بازی میں نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ ای۔ سی۔ جا کو کلیساؤں اور خانے
 تھا۔ اس متبرک شہر کی حفاظت کے لیے ہر طرف سے فوجیں دھڑا دھڑا پیش کر رہی تھیں۔
 مضبوط تر بنایا جا رہا تھا۔ کہتے ہیں یہ شہر اس سے پہلے کبھی کسی غیر عیسائی طاقت کے قبضے
 نے اس پر حملہ کیا وہ ناکام ہوا۔
 ان تمام خبروں، افواہوں اور خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے طارق نے اپنے ہراول دستے

ہسپانیہ کے مشہور شہر اور قلعہ ای۔ سی۔ جا کے مضافات میں سرحد پر واقع تھا۔
 راڈسا ہسپانوی نژاد عیسائی تھا اور دوسرا جو بظاہر گھوٹکا بنا ہوا تھا، اس کا نام حاکم بن منذر تھا۔
 حاکم بن منذر اسلامی لشکر کے اس ہراول دستے کی کان کر رہا تھا جسے بجا پر ظہر
 ای۔ سی۔ بجا پر حملہ کرنے سے پہلے وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے آگے روانہ کیا تھا۔
 عیسائی راڈسا اور مسلمان سردار حاکم بن منذر آپس میں گہرے دوست تھے۔ ان کے درمیان
 میدان جنگ میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں راڈسا نے دو بدولٹانی کے دوران حاکم کی شہادت
 کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ حاکم چاہتا تو اسے قتل کر سکتا تھا لیکن اس نے راڈسا کو
 معافی ان دونوں کے درمیان گہری دوستی کا سبب بن گئی۔ راڈسا نے حاکم کا اتنا اعتماد حاصل
 اہم ہم میں اپنے ساتھ رکھنے کے لیے راڈسا کو منتخب کیا تھا۔

دو دن اجنبی سوار آپس میں گفتگو کر رہے تھے یا اپنے آئندہ پروگرام کو ترتیب دے رہے تھے کہ خانقاہ
 کے صدر دروازے میں لگی ہوئی چھوٹی کھڑکی کھلی اور ایک نازک بدن جگ کر اس سے باہر آئی۔ یہ کھڑکی
 لڑکی کا پورا جسم ایک سفید چوڑے یا فراک میں لپٹا ہوا تھا۔ کمر میں چوڑی سی سفید پیٹی اور سر پر سفید رومال
 بندھا تھا۔ اس سفیدی میں ذرا سی سیاہی بھی شامل تھی اور یہ سیاہی تھی اس کالی چٹکی کی جو لڑکی کی پیشانی کے
 گہرے دو مال کو رد کرنے کے لیے بندھی گئی تھی۔
 لڑکی کھڑکی سے باہر آئی تو اجنبی سواروں کو دیکھ کر ٹھٹھکی۔ راڈسا اشاروں ہی اشاروں میں حاکم کو پیسے
 بچھا چکا تھا کہ بس اب اس کے امتحان کا وقت شروع ہونے والا ہے اس لیے اپنی زبان پر خابور کے بلکہ زبان کو
 باطل بند کر کے۔

لڑکی کو حیران دیکھ کر راڈسا گھوڑے سے اتر پڑا۔ حاکم نے اس کی تقلید کی۔ لڑکی کی نظر میں حاکم پر جمی ہوئی
 ٹھٹھکاؤں کا حاکم کی مردانہ وجاہت سے مرعوب ہو گئی تھی۔ حاکم بڑا خوبصورت نوجوان تھا اور کسی دوشیزہ کا اسے
 دیکھ کر حیران رہ جانا کوئی حیرت ناک بات نہ تھی۔ راڈسا کی عمر بیستیس سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی اور اسے یہ بھی
 اعزاز ہو گیا تھا کہ سفید کپڑوں میں ملبوس یہ لڑکی خانقاہ کی کنواری حضرت مریم کی کوئی کنواری نہ ہے اس لیے راڈسا
 کو لڑکی کا حسن متاثر نہ کر سکا۔ ہاں اس کی نظروں میں عقیدت کی جھلک ضرور آگئی تھی لیکن حاکم جس کا عفتوان شباب

بلکہ بھری جوانی تھی، لڑکی کو دیکھ کر مہموت سا ہو کر رہ گیا۔ نرگسی آنکھیں، بڑا ماسقہ، یعنی عقیق جیسے لہو ہونٹ اور گلاب جیسے دیکھتے رضا ریسی نہ تھے کہ اسے کوئی جھان دیکھے اور پھر دیکھنے کی آرزو نہ کرے۔ شگفتہ بنت لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اور حاکم کی تنگنیں بار بار ستقام ہو ہو کر جھک جاتی تھیں۔ راڈما نے نظروں کے اس پرجوش ٹکراؤ نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ وہ گھبرا گیا۔ اس نے سوچا کہ حاکم کہیں اس خوف کے شروع ہی میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ راڈما داخل درختوں کے لیے آگے بڑھا۔ لڑکی شاید زیادہ سمجھ دار تھی۔ اس نے فوراً ہی غور کر

ان سے پوچھا:

”آپ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟“

راڈما کو پسینہ آگیا۔ لڑکی نے یہ سوال براہ راست حاکم سے کیا تھا اور اس سوال کے دوران میں اس کی طرف بڑھ گئی۔ راڈما کانپ گیا۔ حاکم جس محویت سے لڑکی کو بار بار دیکھتا تھا اس سے راڈما کو ہوا تھا کہ حاکم خود کو بھول چکا ہے اور اس سوال کے جواب میں غور بول پڑے گا۔ حاکم نے لڑکی کا سوال سنا۔ راڈما کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی زبان نکال کر اس پر انگلی رکھی۔ راڈما کے موقع غنیمت تھا اس نے فوراً کہا:

”مقدس بن! یہ جوان میرا دوست ہے مگر ایک حادثے میں اس کے بولنے کی قوت ضائع ہو گئی۔ گو نگا ہو گیا ہے۔“

راڈما نے دیکھا کہ اس کا یہ جواب سن کر سن کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بھراؤں اور اس نے بڑی مایوسی سے راڈما کو دیکھا پھر حاکم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:

”ان کی یہ حالت کب سے ہے؟ کیا یہ.....؟“ لڑکی کہتے کہتے لڑکی۔

راڈما فوراً بولا:

”نہیں۔ یہ پیدا انٹی گونگے نہیں ہیں۔ ایک طبیب نے بتایا ہے کہ ان کے اچھے ہونے کے امکانات دراصل یہ حادثہ قرمونہ میں پیش آیا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ مسلمانوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اسی لڑائی میں ان کا گھوڑا بھرک کر بھاگا اور کچھ دور جا کر انہیں پشت سے گرادیا۔ دماغ میں چوٹ آجانی کی وجہ سے بند ہو گئی لیکن میں نا امید نہیں ہوں۔“

”قرمونہ پر قبضے کے وقت آپ لوگ وہیں تھے؟“ لڑکی کھوٹی کھوٹی آواز میں بولی لیکن اس کی نظر حاکم پر جمی تھیں۔

راڈما نے جواب دیا:

”جی ہاں۔ میں نے ابھی کہا تو ہے کہ ہم اس جنگ میں شریک تھے۔“

لڑکی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ بات پلٹے ہوئے بولی:

”آپ لوگ بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ چلیے اندر چلیے۔ میرے باپ آپ لوگوں سے مل کر ضرور خوش

یہ کہتے ہوئے لڑکی اندر واپس گئی اور پہرے داروں سے کہہ کر خانقاہ کا بڑا دروازہ کھلا دیا۔ راڈما اور حاکم گھوڑوں کا لگا ہوا کپڑے ہوئے خانقاہ میں داخل ہو گئے۔

لڑکی کے اشارے پر ایک پہرے دار نے ان کے گھوڑے ایک جگہ بندھوا دیے اور انہیں ساتھ لے کر خانقاہ کا لمبا چوڑا میدان طے کرنے لگی۔

راڈما نے چلتے چلتے لڑکی سے پوچھا:

”معاف کیجیے میں نے اب تک اپنی راہبر اور مہربان خاتون کا نام نہیں پوچھا۔“

لڑکی مسکرائی اس کے موقی جیسے دانت چمکنے لگے۔ اس نے کہا:

”میرا نام شاعی ہے۔ میرے باپ اس خانقاہ کے بڑے ہادری ہیں۔“

پھر اس نے پوچھا:

”آپ کا کیا نام ہے؟“

راڈما۔ میں قرمونہ کا رہنے والا ہوں۔“ راڈما نے جواب دیا۔

اور ان کا نام؟“ شاعی نے بڑی حسرت سے پوچھا۔

راڈما نے کہا:

”میرے دو نصیب دوست کہ کما حقہ کہتے ہیں۔“

”ملاک؟“ شاعی نے ذرا حیرانی سے کہا:

”یہ نام کچھ عجیب سا لگتا ہے۔“

”آپ نے ٹھیک کہا شاعی! راڈما بولا:

”میرے دوست کا نام جس قدر عجیب ہے اس کی شخصیت بھی اتنی ہی عجیب ہے۔“

”میں سمجھ نہیں آپ کی بات۔“ شاعی کو ذرا اور تعجب ہوا۔

”دیکھیں! قدرت نے میرے دوست کو اپنی تمام انجانیوں سے نوازا ہے۔ ملاک کتنا خوبصورت اور وجہ جوان

ہے اس کے ساتھ ہی بلا کا ہمارا، تیر اندازی اور شمشیر زنی میں اپنا خواب نہیں رکھتا مگر اس میں سب نے
خوبیوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔
راڈمانے ذرا رک کر کہا:

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں محترمہ شماعی؟"
"محترمہ راڈمان! شماعی گلو گریہ آواز میں بولی:

"آپ نے جو کہلے اس کا ایک ایک لفظ سچا اور آپ کے خلوص اور دوستی کا شاہد ہے۔ آپ نے ان
آپ ان کی طرف سے نا امید نہیں۔ مجھے بھی یہی امید ہے۔ میں ہر اسمبلی کے بعد مکاح کی صحت کے لیے
میج سے دعا کیا کروں گی۔ وہ ہمارے عالم کے مسما ہیں۔ کیا عجب کہ وہ مہربان ہو جائیں؟
حاکم (مکاح) ان دونوں کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ شماعی کو دیکھ کر اس کے دل پر ہول
گزری ہی تھی لیکن اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ شماعی کا دل بھی اسے دیکھ کر کچھ سوچنے پر مجبور ہو
ورہا تھا۔ خانقاہ میں خشک زندگی گزارنے والی ایک نئی کو کیا پڑی تھی کہ وہ کسی جوان کے متعلق اس انداز سے
اس کی صحت کی اس قدر خواہش مند ہوتی۔

خانقاہ کے مشرقی جانب چرچ تھا اور مغرب کی سمت چار صاف ستھرے کمرے برابر برابر تھے۔
دو کمرے شماعی اور اس کے پادری باپ کے استعمال میں تھے اور بقیہ دو ان لوگوں کے لیے جو بھرے جاتے
میں نکل آتے تھے۔

پادری ایک سیدھا سادا اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اسے شہر کی زندگی پسند نہ تھی۔ وہی جاکے لارڈ
(اصطفیٰ اعظم) نے نئی بارگاہ پیش کی کہ وہ اس ویران خانقاہ کو چھوڑ کر شہر میں آکر کسی بڑے گرجا یا خانقاہ
ذمے دار یا سنبھالے مگر اس نے ہمیشہ معذرت کر لی۔ اسے علم تھا کہ شہر کی خانقاہوں میں کمزاری نزلے
سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ خانقاہ میں عبادت و ریاضت کے ناپیرایہ حجبہ تھیں۔ زہد و تقویٰ کے پردے
ایسے گھٹاؤ نے عشرت کے پردے تھے جہاں دوشیزاؤں کی دو تیز نگاہیں چڑھتی تھیں۔ شہر کا اسقف انھیں بھی
ایک دین دار آدمی تھا لیکن اس کے چیلے چلنے میں کئی پرستش کرنے والی راہبائیں کو اپنی لوندی سمجھتے تھے
خانقاہ عیاشی کا آدھ اور پیکلہ بنی ہوئی تھی۔ ہر کلیسا، ہر گرجا، ہر کھلی ٹیٹھا جس کے پیچھے تارکات عیاشی کا
رہتا تھا۔ دولت مند اور حکومت کے کارندے پادریوں اور موبدوں کو رقیب دے کر اپنی پسند کی لڑکی حاصل
کرتے تھے اور وہ بے چاریاں ان تک نہ کہہ سکتی تھیں۔ وہ فریاد کرتے تھے تو کسی سے؟ اس جام میں
ننگے تھے۔

شماعی کی ماں اسے بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئی تھی۔ اس کا باپ ہی اس کے لیے سب کچھ تھا۔
شماعی اس کی آنکھوں کا نور تھی اور اس کے سکون کا واحد سہارا۔ پادری نے شماعی کو نہ تو کبھی شہر کے کسی بڑے
کلیسا میں بھیجنے کی کوشش کی اور نہ شہر کی رنگینیاں اور دولت اسے اپنی طرف کھینچ سکیں۔ وہ شماعی کو سینے سے
لگائے سب سے الگ تھک اس ویرانے میں اپنی زندگی کے بقیہ دن گزار رہا تھا۔ ان باپ بیٹی کے علاوہ اس
خانقاہ میں دو چار ملازم مع اپنے بال بچوں کے رہتے تھے۔

راڈمان اور حاکم، شماعی کی رہبری میں پادری کے کمرے میں داخل ہوئے۔ پادری انجیل مقدس کے مطالعے میں
مغور تھا۔ بیٹی کے ساتھ دو ابھیویوں کو دیکھ کر اس نے انجیل بند کر دی۔ ابھیویوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا جس
کے جواب میں پادری نے انہیں بہت سی دعائیں دیں اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
شماعی نے باپ کو بتایا:

"پاپا۔ یہ لوگ قزمونہ سے آ رہے ہیں؟"

"قزمونہ؟" پادری نے کمال حیرت سے ابھیویوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"وہاں تو افریقہ کے بربر یوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ لوگ کیسے پہنچ سکے؟"

شماعی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے راڈمان کی طرف دیکھا۔

راڈمان سنبھل کر بولا:

"محترمہ اسقف! آپ نے صحیح فرمایا۔ قزمونہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور اب وہ آگے نڈک بڑھنے کا
منصوبہ بنا رہے ہیں۔"

پادری نے پوچھا:

"میرے بچے تمہیں کچھ علم ہے کہ قزمونہ کے کتنے کلیسے توڑے گئے اور کتنی خانقاہوں میں آگ لگائی گئی؟"

راڈمان نے حیرانی سے کہا:

"محترمہ اسقف! یہ آپ سے کس نے کہا۔ مسلمان تو ہماری طرح اہل کتاب ہے۔ وہ خداوند ہمو ع میسح کو
بے عزت مانتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور اسقفوں کی بڑی عزت کرتے ہیں۔"

پادری نے راڈمان کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"میرے بچے! میں تمہیں جھٹلاتا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم کو ان باتوں کا علم نہ ہو۔ قزمونہ میں پادریوں، اسقفوں
اور نون کا جو ختم ہوا اسے سن کر پیکلہ مند کو آجاتا ہے۔ ای۔ سی۔ جاکا ہر گھر اس ماحول پر آسوا ہمارا ملے اور ہر جوان
انعام لینے کے لیے شمشیر بکھڑ ہے۔ تیلیٹ (عیسائیت) کی آج تک کسی نے اتنی تذبذب نہیں کی جتنی مسلمانوں کے ہاتھوں

ہوئی ہے۔ لوگوں نے اپنے چشم دید واقعات بیان کیے، میں جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتا تھا۔ محمد آدروں نے دہشت و بربریت کا کوئی انداز و طریقہ نہیں چھوڑا جو انھوں نے قزموں پر عملے کے دراز مایا ہوئے۔

راڈسا اور حاکم یہ باتیں بڑی جرات سے سن رہے تھے۔ پادری اپنی باتیں کہہ کے خاموش ہو گیا۔ راڈسا کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ پادری کی باتوں کی تردید کس طرح کرے۔ باپ کی باتوں سے شماعی بھی کانٹا نظر آتی تھی۔

راڈسا نے ادب سے کہا: "محترم اسقف! اگر میں یہ عرض کروں کہ جتنی باتیں آپ کے کانوں تک پہنچیں یا یہاں پھیل چکی ہیں یہ سب کسی سازش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں تو آپ شاید یقین نہ کریں لیکن قزموں کی لڑائی اور اس پریشانی کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ اگر میری بات کو آپ کچھ اہمیت دیں تو میں وہاں کے تمام حالات سے آپ کو آگاہ کر سکتا ہوں۔"

پادری سر جھکا کر کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا: "پیارے بچے! تمہاری باتوں سے مجھے صداقت کی بو آتی ہے لیکن جو خبریں، افواہیں اور باتیں پورے ای۔سی۔جی میں پھیلی ہوئی ہیں ان سے بھی انکار کو دل نہیں چاہتا۔ بہر حال اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ سب راڈسا نے بنیاد میں تو تم نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اسے بیان کرو۔ ممکن ہے قزموں کا دوسرا رخ دیکھنے نہ آوے اور ای۔سی۔جی والوں کے خیالات پر کوئی خوش گوار اثر پڑے۔"

راڈسا نے کہا: "محترم اسقف! قزموں کی لڑائی کا مختصر حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے قلعہ قزموں کا محاصرہ کر لیا۔ حاصرے نے طویل کھینچاؤ کو کچھ مسلمان کسی طرح رات کے وقت قلعے میں داخل ہو گئے۔ اس رات میری ڈیوٹی مغربی برج پر تھی۔ رات کے قریب اندر گئے والے مسلمانوں نے صدر دروازہ کھول دیا اور مسلمان فوج قلعے میں داخل ہو گئی۔ یہ سب اتنا آہستہ ہوا کہ ہماری فوج بے بس ہو کر رہ گئی۔ قلعے کے اندر بمشکل ایک گھنٹہ لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کا قلعہ و گیارہ قلعے کے حاکم نے چاہا کہ مسلمان سلاطین طارق بن زیاد کے حوالے کر دیں۔ سالار نے قلعہ دار کے قتل کا حکم کر دیا۔ سب کی مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ کوئی پادری قتل نہیں ہوا کسی کلیسا کو ہاتھ نہیں لگا۔ جن لوگوں نے قزموں چھوڑنا چاہا انھیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔"

پادری اور شماعی کے لیے یہ باتیں بالکل نئی اور حیرت انگیز تھیں۔

پادری نے پوچھا:

"اور کنواری نونوں کے بارے میں جو یہ کہا جا رہا ہے کہ سپاہیوں نے انہیں کلیساؤں سے باہر کھینچ کھینچ کر ان کی کھلے عام عزت لوٹی؟"

راڈسا نے کہا:

"محترم اسقف! میں ایک سچا عیسائی ہوں۔ پھر کوئی عیسائی اپنے اسقف کے سامنے بھڑ بھڑ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ یقین کیجیے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ تو اس وقت پیش آتا جب ان کے سردار نے سپاہیوں کو کلیسا میں داخلے کی اجازت دی ہوئی، قلعے پر قبضہ ہوتے ہی طارق بن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ مقدس مقامات میں داخل نہ ہوا جائے۔ کسی عہدہ پادری، اسقف کو نہ تو گرفتار کیا جائے اور نہ ان سے بدتمیز ہی سے گفتگو کی جائے۔ نیت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ جو امان اور پناہ طلب کریں انہیں ٹھیک کہا جائے۔"

اب تو پادری بھی راڈسا کی باتوں کا قائل ہو گیا۔ اس نے کہا:

"پیارے بچے! تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ تمام ای۔سی۔جی میں مسلمانوں کی وحشت و بربریت کے ذکر کے سوا اور کوئی بات ہی نہیں کی جاتی۔ قلعے میں فوجی تیاریاں زوروں پہ ہیں۔ پتہ نہیں کہاں کہاں سے فوجیں آکر کہاں جمع ہو رہی ہیں؟"

راڈسا نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ ای۔سی۔جی میں سخت جنگ ہوگی اور ہزاروں بے گناہوں کا خون بہے گا۔ آخر یہ لوگ یہ بات کیوں نہیں سوچتے کہ مسلمانوں کے ساتھ خود ہمسایوں کی دستے بھی ہیں۔ انھوں نے کوئی نہ کوئی خوبی دیکھ کر ہی تو مسلمانوں کا ساتھ دیا ہو گا؟"

پادری نے دوران گفتگو کئی بار حاکم کی طرف دیکھا تھا جو خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے اس کے سامنے پوچھا:

میرے بچے! تمہارا ماضی بڑی خاموش طبیعت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اب تک اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

راڈسا نے پہلے شماعی بولی:

"اپنا۔ ان کی زبان ایک حادثے میں بند ہو گئی ہے۔ آپ انہیں دیکھیں۔ ان کے ماتھی کہتے ہیں کہ یہ مرنے والا ہو سکتا ہے۔ آپ انہیں ضرور دیکھیے۔"

شعاعی نے جس لجاجت اور خلوص سے حاکم کے لیے باپ سے سفارش کی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اس حاکم کے ساتھ باوجود اس کے گونگا ہونے کے کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور ہو گئی تھی۔ شعاعی کا پادری باب الہیہ طبیب بھی تھا اور قرب و جوار کے لوگوں کا مفت علاج کیا کرتا تھا۔

پادری اٹھ کر حاکم کے پاس آیا اور اسے زبان کھولنے کو کہا۔ حاکم اور راڈسا دونوں کو پسینہ آ گیا۔ وہ چونکہ دانی سے پیٹ نہیں پھٹتا تو دونوں گھبرا رہے تھے کہ کہیں ان کی جی بنائی ترکیب الٹی نہ ہو جائے لیکن الٹی نہیں ہوئی۔ پادری نے زبان دیکھنے کے بعد بتایا:

"حلق، تالو، زبان اور گلے میں کوئی خرابی نہیں۔ ہوا زاپنے آپ ہی نکلنے لگی۔"

ان کے خیالی میں یہ مرض کا اختتامی مرحلہ تھا اور اب حاکم کو اچھا ہو جانا چاہیے تھا۔ پادری کو کیا پتہ تھا کہ یہ بیداری کب ہو اتھا کہ وہ اختتام کو پہنچتا۔

کمرے میں پہنچ کر پادری نے پوچھا:

"موریرا راڈسا! کیا تمنا راجیل ہے کہ مسلمان ای۔ سی۔ جا پر حملہ کر رہے ہیں؟"

راڈسا نے کہا:

"مخبرم! آپ نے یہاں کے جو حالات بیان کیے ہیں اس کے پیش نظر میں کچھ کہنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن آپ حاکم کو کمرے میں موجود تھے۔ راڈسا نے عموماً کہا کہ پادری کچھ کہنا چاہتا ہے اور حاکم کے لحاظ کی وجہ سے نہ کہتا ہے۔ اسے ساتھ جس غلطی اور محبت سے پیش آتے ہیں وہ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں آپ کو صحیح حالات سے آگاہ کر دوں۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میرے ہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ میں عیسائی ہوں اور دل سے چاہتا ہوں کہ عیسائی قوم کو فائدہ نہ ماری جائے۔ آپ کہتے ہیں کہ ای۔ سی۔ جا میں صلیبی تیریاں ہو رہی ہیں۔ مجھے ان نادانوں کی عقل پر فخر ہے۔ انہیں بڑے شہنشاہ راڈرک ایک لاکھ فوج سے مسلمانوں کو شکست نہ دے سکا تو یہ لوگ کس شمار و فخر میں ہیں۔ اگر ان لوگوں نے ان سے مقابلے کی غلطی کی تو آپ دیکھیں گے کہ ای۔ سی۔ جا کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے گی۔ مسلمان بھی کی طرح چمکتے اور اندھنی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتے ہیں۔ کوئی قوم اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

پادری نے بے چینی سے پوچھا:

"مخبرم! کمال حال نہ آپ جلتے ہیں اور نہ میں لیکن مجھے حالات کا اندازہ آپ سے زیادہ ہے۔ ممکن دو چار دن میں یہاں پر ای۔ سی۔ جا میں حالات اتنے خراب ہو جائیں کہ میں آپ سے نقل سکوں۔ راڈسا چاہتا تھا کہ پادری کو اعتماد میں لے کر اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر دے لیکن وہ کھل کر اس بات کو کہہ نہیں سکتا تھا۔ جب تک پادری خود اس سے نہ پوچھے۔ اس نے یہ جواب اسی وجہ سے دیا تھا کہ پادری

ان کی سب سے بڑی خوبی اور بہادری ان کا اخلاق اور کردار ہے۔ وہ نہ شراب پیتے ہیں نہ جوا کھیلے ہیں۔

عورت کو اپنی ماں بھی سمجھتے ہیں۔ جب تک شادی نہ کر لیں عورت کے قریب نہیں جلتے۔

پادری نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"یہی تعلیم خداوند یسوع مسیح کے لیے لیکن راڈسا اگر ای۔ سی۔ جا پر حملہ ہوا تو ہمارا کیا ہوگا؟ ہونے بیٹھے ہیں۔"

آپ کیوں فکر کرتے ہیں؟ آپ تو پادری ہیں۔ آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ راڈس پادری کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

پادری بولا:

"میرے بچے! مجھے اپنی کوئی فکر نہیں۔ میں مارا بھی جاؤں تو کیا فرق پڑے گا۔ میں تو اپنی شعاعی کے لیے ہوں۔ شہر کے کلیساؤں میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے میں واقف ہوں۔ میں نے اپنی بیٹی کو نہ توں بنایا ہے۔ کلیساؤں کی ہولناکی دی ہے۔ شعاعی بڑی حساس بچی ہے۔ میں جانتا تھا کہ مرنے سے پہلے یہ اپنے گھر کی پوجا کوئی رشتے آئے مگر میرا دل نہ ٹھکا۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسا صلیب نکل آیا کہ یا تو میں نے انکار کر دیا یا ٹھنڈ منظور نہ کیا۔ میں نے شعاعی کو بڑے لاڈ سے پالا ہے۔ میں اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ جہاں چاہے گی وہیں اس کی شادی ہوگی خواہ میری مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

راڈسا نے پادری کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ پھر بولا:

"محترم! آپ نے مجھے اپنا کچھ کر گھر کی باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس لیے اب میں آپ کو بتانا ہوں کہ اس کی ای۔ سی۔ جا پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے اور اس کے ہراول دستے اس کلیسا سے صرف ایک منزل کے پرم ہیں۔"

پادری کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے پریشان ہو کر کہا:

"میرے بچے! اب ہمارا کیا ہوگا۔ میں اپنی شعاعی کو کہاں چھپاؤں گا؟"

آپ اور شعاعی کی جان اور عزت کی ذمہ داری میں لیٹا ہوں یہ جملہ راڈسا کی زبان سے بے مبالغہ لگا۔ بڑا افسوس ہوا کہ اسے یہ نہ کہنا چاہیے تھا کہ تیر تو کہاں سے نکل چکا تھا۔

پادری کا منہ حیرت سے کھلا اور وہ بولا:

"راڈسا! یہ تم نے کیسے کہا کہ یا تم میرے لیے مسلمانوں کے لشکر سے اکیلے لڑو گے۔ تم نہیں جانتے کہ کیسے لے رہے ہو؟"

راڈسا کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے بات نہ بتاتے ہوئے کہا: "محترم پادری! ذمہ داری"

نہیں۔ میں نے تو ایک حقیقت بیان کی ہے۔ مسلمان پادریوں کی عزت کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

پادری کو یقین تو نہیں آیا مگر وہ سوائے اعتبار کے اور کیا کر سکتا تھا۔ اس نے کہا:

"خداوند یسوع مسیح ہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔"

راڈسا نے ذمہ داری کی بات کہہ کر غلطی کی تھی اسے نہانے اور پادری کا تنگ دور کرنے کے لیے اسے بہت دیر تک اس سے باتیں کرنا پڑیں۔ اس نے اپنی طرف سے تو بڑی کوشش کی مگر پادری کے دل میں شے کا جو چرہ بیٹھ گیا تھا وہ نہ ہی نکل سکا۔

راڈسا اور پادری کے چلے آنے کے بعد شعاعی کمرے میں حاکم کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔ ریلوں تو کل سے اب تک اسے بے موقع ملتا وہ حاکم کو چور نظروں سے ضرور دیکھتی لیکن اس وقت اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر ماک کو بڑی پیلر بھی نظروں سے دیکھا۔ حاکم اس کی طرف پیسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ شعاعی کو جانوں سے نظریں چار کرنے کا بہت کم اتفاق ہوا تھا۔ اس کا باپ، بچیں ہی میں اسے شہر سے اس دور افتادہ ویرانے میں لے آیا تھا۔ یہیں وہ بلی بڑھی اور جوان ہوئی۔ وہ جنگلی پھول تھی لیکن ایسا پھول جس کی خوشبو سے پورا جنگل گھسکتا تھا۔ وہ کول کا پھول تھی جسے دیکھنے کے لیے بے ساختہ نظریں اٹھ جاتی تھیں۔ وہ شہر کے پربھت تمدن سے بیگانہ تھی۔ اس کی پادری قدرت کی فیاض فضاؤں میں ہوئی تھی۔ اس پر کبود فریب کا سایہ تک نہ پڑا تھا۔ وہ منہ بند کلا بھونڈ کی دھڑ سے باہر تھی۔ گردہ ای۔ سی۔ جا میں ہوتی تو کسی کلیسا میں نہ بن کر اپنی دوشیزگی کو اپنی بھتیجی ہوتی۔ اس کا باپ پادری ہوتے ہوئے ہی کلیسا کی زندگی سے متنفر تھا۔ خائف ہوں اور کلیساؤں میں ہزاروں کنواری لڑکیاں بظاہر زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتی تھیں لیکن پادری کو حقیقت کا علم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ان قسمت کی ماریوں پر کیا سیتھی ہے۔ ان کی جوانیوں کو کس طرح بالائیک جالتہ اور عبادت کا فریب دے کر ان کی ریش میں عیاش مردوں کے ساتھ بسر ہوتی ہیں۔

شعاعی کی نظریں مکاح سے طیس تو اسے ان نظروں میں ایک عجیب سی چمک محسوس ہوتی ای۔ سی۔ جا کے بے فکرے جوان مردوں کا کرتے ہوئے اکثر اس کلیسا میں آ جلتے تھے۔ شعاعی کو ممان نوازی کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ اجنبیوں کے ساتھ بڑے ظلم کے ساتھ ہمیشہ آتی اس کی آنکھیں ان سے بھی طیس لیکن ان کی آنکھوں میں ہوس کے اندھیرے ہوتے نہیں بلکہ اسے پہلی مرتبہ دکھائی دی تھی۔

شعاعی کا دل چاہا کہ کچھ مکاح کو دیکھے لیکن یہ سوچتے ہوئے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ دیر تک اسی طرح نظریں بٹھکے بیٹھ رہی۔ اس نے سوچا۔ کاش مکاح بول سکتا اور وہ اسے گتے گتے کر سکتی۔ اس کا یہ بھی دل چاہا کہ وہ مکاح سے بچے کہ تم کب بولو گے؟ یہ بھی پوچھ کر تم مجھے ایسی نظروں سے کیوں دیکھتے ہو جو میرے دل میں اتنی جلی جاتی

ہیں۔ مگر وہ پوچھتی کس سے؟ اسے جواب کون دیتا؟

وہ دل مسوس کردہ گئی اور بڑی حسرت سے کھاج کو دیکھنا رکھا۔ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ غور غور

اور جھک گئیں۔

پھر شعاعی کے دل میں جو کچھ تھا وہ اس نے اگل دیا۔ اس نے اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے اور شاعری میں وقت رخصت نظروں کا تبادلہ ہوا۔ کس نے کیا کیا؟ یہ تو وہ خود ہی جانتے ہوں گے لیکن راڈما نے شعاعی کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے آنسو لڑتے ہوئے دیکھے جنہیں وہ روکنے کی انتہائی کوشش کر رہی تھی۔ کھاج سے کہا:

"کھاج! ایسی جانتی ہوں کہ تم بول نہیں سکتے۔ میری بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ پھر بھی میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے پوچھیں کہ تم کب بولو گے؟ ہم میری بات کا جواب کب دو گے؟ مجھے سے گفتگو کب کر دو گے؟ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور تمہاری باتیں سننا چاہتی ہوں۔ کاش تم بول سکتے۔ خداوند یسوع مسیح تمہاری مدد اور تم بولنے لگو!"

شعاعی کی ان پُر درد باتوں سے حاکم کا دل تڑپ اٹھا۔ اس کے سینے میں طوفان برپا ہو گیا۔ اس نے کہا: "ایسی ہی بے فکری سے گھومتے پھرتے نظر آتے تھے۔ پچھلی لڑائیوں کے شکست خوردہ سپاہی یاں کشت سے موجود تھے۔ شہر کا دروازہ جو قلعے کا بھی دروازہ تھا، رات دن کھلا رہتا اور اطراف سے تازہ دم افواج برابر چلی آ رہی تھیں۔

"شعاعی! میں تمہاری طرح بول سکتا ہوں۔ تم سے گفتگو کر سکتا ہوں۔... لیکن جو کچھ تم کہنا چاہتی ہو۔... کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا پیغام مجھے مل گیا۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ محبت الفاظ کا سہارا نہیں دے سکتی۔ یہ باتیں کہنے کی نہیں سمجھتی ہوتی ہیں۔" حاکم سب کچھ سوچنے کے بعد بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ مصیبت نے اس کا دامن پکڑ لیا اور وہ شعاعی کا منہ دیکھا۔ لیکن حاکم کی بے زبانی ہی اس کی زبان بن گئی۔ اس کی مجبور نظروں نے شعاعی کو وہ پیغام پہنچا دیا جس کی وہ منتظر تھی۔ شعاعی کو محسوس ہوا جیسے حاکم کی نظر بے کمرہ رہی ہیں:

"شعاعی! گھبراؤ نہیں۔ وہ وقت قریب ہے جب مصیبت میری زبان پر سے پابندی اٹھ لے گی۔ میں تمہاری باتیں کروں گا کہ تم گھر اجاڑو گے۔ میں اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھوں گا اور تم دیکھو گی کہ تمہارا دل کتنا بڑا ہے۔ تمہارا کس ہے۔ تمہارا قصور ہے۔ تمہارا خیال ہے۔ بس تمہیں چند روز اور صبر کرنا ہے۔ تم بھرا کرنا۔ میں تمہارے پاس واپس آؤں گا۔ تم سے ملوں گا۔"

شعاعی کا چہرہ جیل سے گنار ہو گیا۔ وہ شرمگاہی جیسے حاکم کی نظروں نے اس سے اپنے دل کی کوئی ڈھکی چھپی دی ہو۔ حاکم بھی مسکراتے لگا۔ اس کی آنکھوں کی چمک میں تیزی آ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ شعاعی کی طرف بڑھا دیا۔ دستِ سوال دراز کرے۔

شعاعی نے ایک بے خودی اور کین کے عالم میں اپنا ہاتھ حاکم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ حاکم کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ ان افواہوں سے سورتوں میں مسلمانوں کے خلاف بڑی نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

چلیسا ڈن کا عالم اس سے بھی بدتر تھا۔ عام دنوں میں عبادت کے ناکہ پر ان کنواریوں کی جو بے حسی تھی وہ رات کی تاریکی کا پردہ ڈال جاتا تھا لیکن اب یہ حرکتیں دن کے اجالے میں بھی ہونے لگی تھیں۔ اسی جا میں اسے فوج اور دستوں کے اہم مرداروں کو سب سے پہلے اسی جاکے اسقف کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اسقف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا اور دنیا کے تمام عیب مسلمانوں کے سر پر قرب دینا اس کے بعد انہیں کی میر کی دعوت یہ کہہ کر دی جاتی کہ وہ ایک مذہبی جنگ کے لیے اسی جا میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لیے اسی جا، انداز اور بے جان سب ان کی نذر ہیں۔۔۔۔۔ وہ جس جاندار یا بے جان کو جس طرح چاہیں اسے ہنس۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان معصوم لڑکیوں کو دن رات میں کئی کئی بار کرب کی منظریں ملے کہ نہ ٹپتپیں۔

پادری پر اسکا دل بجے میں بولا:

میرا دل کتنے ہے شہنشاہ زندہ میں اور وہ کسی وقت بھی سامنے آسکتے ہیں۔

”یہ میرا بھی خیال ہے پادری محترم: راڈمانے اس کی ہاں میں ہاں ملا کے اپنی گلوں کا ہی کر لیا۔
پادری خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

”تم پر لمبوع کی برکت ہو۔ تم میرے دوست ہو۔ میں خود تمہارا سر ہر ہمتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو اور زندگی
لذتوں سے لطف حاصل کرو۔“

یہ کہتے ہوئے پادری نے راڈما کا ہاتھ پکڑ لیا۔

راڈما ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا:

”میں کیا نہیں جاسکتا پادری محترم! میرے دوست کو بھی دعوت دیجیے۔
کیوں نہیں؟“ کہہ کر پادری نے حاکم کی طرف دیکھا۔

راڈمانے کہا:

”میرا دوست زبان سے نہیں بول سکتا۔ ایک ماونٹے میں اس کی قوت کو یا فرائی ہو گئی ہے۔ اب
اجازت دیدی بھی کافی ہے۔“

راڈمانے حاکم کو چلنے کا اشارہ کیا۔

پادری آگے آگے بیرو دونوں پیچھے پیچھے، شبتان کیسی کے نفا سے کو چلنے لگے۔ کیسی کے دائیں بائیں
قطاروں میں درجنوں کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمرے کے آگے کمرے تھے۔ ہر کمرے کا دروازہ نصف گھڑی اور نصف
شیشے کا تھا اور فائوس ناقہ قدیلوں اور یاں تھیں جن کی تیز روشنی سے کمرے جگمگ کر رہے تھے۔

پادری نے چلتے چلتے کہا:

”ان کنواری لڑکیوں نے اپنا تن من دھن اور زندگی ملک و قوم کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔ اس بات پر
بدلے انہیں یہاں ہر قسم کا سامان پیش کیا جاتا ہے۔ اگر لڑکی کا باپ غریب ہے تو کیسی سے اس کا خلیفہ بن
جاتا ہے۔“

راڈما کا خون کھول گیا۔ اس نے کہا:

”کیسی لڑکیاں عبادت و ریاضت کے لیے اپنی زندگی وقف کرتی ہیں۔ انہیں ملک و قوم سے کیا مطلب
کی دنیا تو کیسی کی چادر دیواری ہوتی ہے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے عزیز راڈما!“ پادری نے اسے انتہا میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:
”لیکن حکومت کے اراکین کی خدمت کو بھی تو مبالغہ ہے۔ مملکت کے اراکین کی جب طبیعت گجرات
دو چار راتیں یہاں آکر گزارتے ہیں پھر تازہ دم ہو کر عوام کے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔“

راڈمانے کوئی جواب نہ دیا مگر اس کا دل اندر ہی اندر کڑھتا رہا۔

جب برآمدے سے بہ لوگ گزر رہے تھے اس کے شروعات کے دس بارہ کمرے خالی پڑے تھے۔ پھر وہ ایک ایسے
کمرے کے سامنے پہنچے جس میں بے شمار پوشیدہ اشیاء بیٹھیں۔ یہی آپس میں اٹھکلیں کر رہی تھیں۔ ان سے مل کر اور
نظر بند لڑکیوں کے غم مریاں لباس سے شباب کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

راڈمانے کمرے کے سامنے کتے ہوئے پوچھا:

”یہ خواتین کون ہیں؟“

پادری نے مسکرا کر کہا:

”یہ خواتین نہیں، کلیسیا کی پاک دامن کنواریاں ہیں۔ ان کے دن رات عبادت و ریاضت میں گزارتے ہیں اور راتیں
آپ جیسے جوانوں کی خاطر عمارت میں بسر ہوتی ہیں۔“

راڈما کا دل کچھ ایسا کھٹا ہوا کہ اس کے قدم پوچھ ہو گئے۔ اس نے حاکم کی طرف دیکھا۔ حاکم نے نظروں ہی نظروں
بہ راڈما کو جواب دیا۔

راڈما بولا:

”معاذ پادری! ہم لوگ اس وقت بہت تنگ ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمیں آرام کی اجازت دیجیے۔ کل شب ہم پھر
آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔“

پادری نے اس کے کانڈھے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

”عزیز رفیق! آپ کو آرام کے لیے کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں۔ جس کمرے میں چاہیں آپ آرام کر سکتے
ہیں۔ یہ کمرے آپ جیسے معززین کے لیے وقف ہیں۔“

راڈما بے بس ہو گیا۔ اس نے کہا:

”میرا مطلب ہے کہ ہم یہاں نہیں۔۔۔۔۔“

پادری بات کاٹتے ہوئے بولا:

”آپ آگے تو بڑھیے۔ جو جگہ پسند ہو وہاں آپ کی شب باشی کا انتظام کر دیا جائے گا۔“

راڈما اور حاکم، زندہ بدست مردہ کے مصداق ہو جوں قدموں سے آگے بڑھنے لگے۔ اگلے کمرے عنبرت کہہ کے فورا نظر
سے اور زیادہ جاذب نظر تھا۔ اس کمرے میں موجود لڑکیاں اور زیادہ حسین اور زیادہ عریاں لباس میں تھیں۔ پورا کمرہ حسن
کی شعاعوں سے نور تھا اور دو شیرازوں کی بے باک نظریں دعوت نظر آ رہی تھیں۔

راڈما کی آنکھیں شرم اور مذمت سے جھکی جا رہی تھیں اور اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قدم پر گندگی کی دلال

”کوئی نہیں۔“ حاکم نے جواب دیا؛

”ابھی یہ طے نہیں ہو سکا کہ سپہ سالار کے فرائض کون انجام دے گا۔ ایسی جا دل سے اس غور میں کہ مسلمان اس قلعے کا رخ نہ کریں گے۔“

طارق دیر تک سرداروں سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔ پھر انھوں نے حاکم سے کہا؛

”حاکم! تمہیں پانچ سو اور دیے جاتے ہیں۔ تم اپنے دستے کو لے کر ایسی جا کے اور قریب حملہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہم بہت جلد آ کر تم سے مل جائیں گے۔ تم ہم سے برابر رابطہ رکھو۔“

حاکم مزید سردار اپنے ساتھ لے کر چلا گیا تو طارق نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اور پھر یوں ساتھ شکر اسلام کا یہ مجاہد ایسی جا کی تیسری کے لیے روانہ ہوا۔

حاکم نے اپنے ڈیڑھ ہزار کے سرداروں دستے کے ساتھ قدم اگے بڑھائے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھے دلی کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کا رخ اس خانقاہ کی طرف تھا جہاں اس کی جان بابر شعیانی ہوتی تھی۔ فیصلہ کیا تھا کہ خانقاہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے شعیانی سے گفتگو کر کے اسے حیرت میں ڈال دے گا۔

حکیم کا نائب راڈسا اس کے ساتھ تھا۔ ایسی جا سے واپسی پر حاکم نے راڈسا کو اپنے دستے میں بھرتی کر دیا۔ طارق کے پاس گیا تھا۔

راڈسا، حاکم کے طارق کے پاس چلے جانے سے اب تک ایک ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا۔ اس نے کچھ دیکھا تھا اس نے اس کے خیالات کو سمجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے گلیساؤں اور پادریوں سے نفرت ہونے لگی۔ مسلمانوں کے اخلاق اور کردار سے وہ بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ راڈسا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حاکم سپہ سالار جا رہا ہے۔ پھر جب اسے در سے خانقاہ بھی نظر آنے لگی تو اس نے اپنا گھوڑا روک لیا۔

حاکم نے حیرت سے پوچھا؛

”کیا ہمارا راڈسا تم رک کیوں گئے؟“

راڈسا پتھر دگی سے بولا؛

”محترم سردار! میں خانقاہ میں عیسائی کی حیثیت سے داخل ہونا نہیں چاہتا تھا؛

”کیوں راڈسا۔ تمہیں ڈر کس بات کا ہے؟“ حاکم کا دیر چرائی ہوئی۔

راڈسا استغفال سے بولا؛

”سردار! میں چاہتا ہوں کہ جب میں خانقاہ یا ایسی جا کے قلعے میں داخل ہوں تو مجھے بدکار عیسائی نہ سمجھا جائے۔“

ایک باخلاق مسلمان سمجھا جائے۔

حاکم یں کہ بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا؛

”راڈسا! اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ یوں ہی میں تمہیں بدکار عیسائی نہیں سمجھتا لیکن اگر تم

و قیاد سے اسلام قبول کر رہے ہو تو تمہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

حاکم نے اپنے دستے کو رک جاتے کا حکم دیا اور پھر اعلان کیا؛

”راڈسا نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔“

لوگوں نے بھی اس پر اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

ہرادل دستے میں ایک بزرگ پیش نما تھا۔ انھوں نے راڈسا کو باقاعدہ کھمبہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیا اور راڈسا کا اسلامی نام حکیم رکھا گیا۔

راڈسا کا اس طرح حدود و ایسی جا میں داخلہ سے پہلے اسلام قبول کرنا ایک نیک فال تصور کیا گیا۔ بعض لوگوں نے ایسا بات کا اظہار کیا کہ جس طرح اسلام کے نور نے راڈسا کے دل کو منور کیا ہے اسی طرح قلعہ ایسی جا میں بھی یہ نور اپنا جلوہ دکھائے گا اور مسلمانوں کو فتح ہوگی۔

دن ڈھل چکا تھا۔ شام ہو رہی تھی اور سورج سنہری کرنوں کا تاج اتار کر سیاہ جامہ ڈھونڈنے کے لیے بے چین تھا۔ حاکم نے اعلان کیا کہ راڈسا کے اسلام لانے کی یادگار کے طور پر خیمے لگا دیے جائیں۔ حکم کی دیر تھی، کچھ ہی دیر میں پریٹل میدان خیر کی ایک چھوٹی سی بستی میں تبدیل ہو گیا۔



ہرادل دستے کے خیمہ زن ہوتے ہی یہ خبر نہ معلوم کس طرح پھیل گئی کہ اسلامی لشکر مارا مار کر رہا تھا یہاں تک کہ اپنی جا سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ گھر بار چھوڑ کر قلعہ ایسی جا کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ شعیانی کا باپ بھی انہیں خبر سے پریشان ہو گیا۔

خانقاہ میں شعیانی اور اس کے باپ کے علاوہ جو لوگ تھے وہ بھی خانقاہ چھوڑ کر جس کا بھر منہ اٹھا ادھر چلا گیا۔ جب یہ خبر دشمنوں کو ہوئی تو اس خانقاہ میں سوائے شعیانی اور اس کے باپ کے اور کوئی نہ تھا۔

پادری جس قدر پریشان تھا اتنا ہی شعیانی مطمئن نظر آتی تھی۔ پادری نے اسے اسی قدر پرسکون اور مطمئن دیکھا

تو بالکل مطمئن دکھائی دے رہی ہے۔ کیا تجھے مسلمانوں کا خوف نہیں؟

شعاعی اطمینان سے بولی :

"پاپا۔ پریشان ہونے سے پریشانی کم تو نہیں ہو جاتی۔ تھکدیر میں جو کچھ کھلے ہے وہ تو برا ہو گیا ہے۔ پریشان ہونے سے کیا حاصل ؟"

پادری نے شفقت بھرے لہجے میں کہا :

"بیٹی ! یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھنا چاہیے۔ تو آخری کمرے میں چلی جا۔ دروازہ مضبوطی سے بند کر لے۔ کمرے کی کھڑکی پائین باغ میں کھلتی ہے۔ اس باغ کے بالکل سرے پر ایک بڑا ہے جس میں ایک رنگ آؤد قفل لٹک رہا ہے۔ اس تالے کو ضرورت کے وقت ایک جھٹکے سے کھولنا چاہئے۔ مطلب سمجھ گئی ہے نا ؟"

پاپا۔ میں سب کچھ سمجھ گئی۔ شعاعی نے استقلال سے کہا :

"لیکن میں آپ کو کیسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ جو مصیبت آئے گی اسے ہم مل کر برداشت کریں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔"

پادری افسوگی سے بولا :

"شعاعی ! تو لڑکی ہے اور لڑکیاں ماں باپ سے ایک نہ ایک دن تو جدا ہو جاتی ہیں۔ میری عزیز بچی۔ اب مجھے جیسے کی کوٹھارے نہیں۔ اگر نوجوان بچا کر نکلی گئی تو میری روح کو سکون حاصل ہوگا۔"

پاپا "بیٹی" اندھیرے برآمدے میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ پوری خانقاہ میں صوف ایک چراغ پادری۔ میرا جیل رہا تھا۔ برآمدہ میدان، سرد دروازہ ہر جگہ تاریکی جھیلی ہوئی تھی اور ایک عجب مٹو کا عالم تھا۔

پادری کا جملہ پورا ہوا ہی تھا کہ خانقاہ کے دروازے پر دستک ہوئی اور باہر سے آواز آئی :

"دروازہ کھول لے پادری صاحب۔"

پادری کے پیر تنے سے زمین نکل گئی۔ اس نے اس منہ سے شعاعی سے کہا :

"بیٹی ! موت کا فرشتہ آئے ہیں۔ اب تو اپنی جان کی فکر کر۔ میں نے جو کہا ہے اس پر عمل کر۔"

شعاعی نے ہستکی سے جواب دیا :

"پاپا کچھ بھی ہو جائے میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

پادری نے عبور ہو کر کہا :

"جیسے تیری مہنی جا کے چراغ اٹھال۔ میں دیکھوں تو اس وقت کون کیا ہے ؟"

شعاعی چراغ اٹھا لائی۔ پادری بولا :

"بیٹی شعاعی۔ کمرے میں چلی جا۔"

شعاعی نے باپ کی تاکید پر سی مرتبہ حکم عدولی کی نفی نہیں وہ عبور تھی۔ باپ کو مصیبت میں ایک چھوڑ کر جاں ہاس کی حجت اور محبت نے گوارا نہ کیا۔ وہ برآمدے میں بڑی بے خوفی سے کھڑی رہی۔

پادری چراغ لیے ہوئے دروازے کے پاس گیا اور پوچھا :

"کون ہے بھائی ! اس وقت خانقاہ میں کیا لینے آئے ہو۔"

باہر سے آواز آئی :

"پادری صاحب دروازہ کھول لے۔ میں ہوں آپ کا راڈسا، ہسپانوی سپاہی۔"

"راڈسا" پادری زیر لب بڑبڑایا۔ پھر خوش ہو کر کہا :

"راڈسا، تو تم ہو۔ وہی ہونا تم ؟"

"جی ہاں، بالکل وہی جو کچھ دن پہلے آپ کا مکان رہ چکا ہے۔ راڈسا نے کہا۔"

"تو تم وہی ہو۔"

پادری، راڈسا کی آواز اچھی طرح پہچان لی تھی کہ اس کا دامان یہ سمجھنے سے تھر تھکا کہ آخر راڈسا اس وقت یہاں کیا لینے آیا ہے۔ پھر اسے ایک دم خیال آیا کہ یہ سب اس کا دام ہے۔ اس نے سننے میں غور غلطی کیا ہے۔ اس کے

ایک منٹ میں لائین نما چراغ اٹھا اور دوسرا ہاتھ بھاری دروازے کی زنجیر کھولنے کے لیے اٹھا ہوا تھا۔

خانقاہ کے تمام کمان اپنی جانبیں لے کر بھاگ گئے تھے۔ پادری کا اٹھا ہوا ہاتھ جیسے ہوا میں متعلق ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کی نظروں کے سامنے امید و بیم کے ساٹھے لہ رہے تھے اور وہ خیالات میں غرق تھا۔

باہر سے پھر آواز آئی :

"پادری صاحب دروازہ کھول لے۔ میں دشمن نہیں دوست ہوں۔ امن، دوستی اور محبت کا پیام لایا ہوں آپ

کے لیے۔ شعاعی کے لیے۔"

پادری جیسے خواب سے جھٹکا۔ اس نے کہا :

"ہاں ہاں تم راڈسا ہو۔ تم ہی راڈسا ہو۔۔۔۔۔ راڈسا !"

خانقاہ کا دروازہ کھل گیا۔

راڈسا اور حکام اندر آ گئے۔ پادری نے چراغ اوپر اٹھا کر راڈسا کا چہرہ دیکھا اور پھر اطمینان کا ایک گہرا سانس

لیا۔ راڈسا نے پادری کو ادب سے سلام کیا۔

حاکم چپ چاپ راڈسا (حکیم) کے پیچھے کھڑا تھا۔ پادری نے پوچھا:
"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

راڈسا نے جواب دیا:

"اپ خود دیکھ لیجیے۔"

پادری نے چراغا اٹھایا اور حاکم کو پہچانتے ہوئے بولا:

"تمہارا دوست مکاح ہے۔"

راڈسا مسکرا کر رہ گیا۔ پادری کو جانے کیا خیال آیا اس نے جلدی سے خانقاہ کا دروازہ بند کر لیا اور مکاح میرے بچہ۔ اندر چلو۔ باہر خطرہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج سامنے خیمے ڈالے پڑی ہے۔

راڈسا نے کہا:

"پادری صاحب دروازہ کھلا رہتے دیجیے۔ یہ محبت اور دوستی کا دروازہ ہے۔ اسے اب کھلا ہی رہے۔ حاکم بڑی دلچسپی سے اسے ادھر آنا دیکھ رہا تھا۔

پادری نے گھبراتے ہوئے کہا:
"نہیں میرے بچہ۔ فاتح فوج کا کیا اعتبار کیا پتہ۔ کب بگڑ جائے۔ اسے کون سنبھال سکتا ہے۔"

راڈسا بولا:
"فوج کیا کرے گی پادری صاحب! فوج سنبھالنے والا تو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔"

پادری کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس نے حیران نظروں سے راڈسا کو دیکھا۔

راڈسا نے حاکم کو اشارہ کیا۔ حاکم دو قدم آگے بڑھا اور بولا:

"مقدس مریم اور مقدس ماب ابن مریم کے پرستار کو مسلمان فوج کا ایک ادنیٰ سردار حاکم بن نہ دے۔"

پیش کرتا ہے۔

پادری کا منہ کمال حیرت و استعجاب سے کھل گیا۔ کبھی وہ راڈسا کو دیکھتا اور کبھی حاکم کو۔ اس کے

میں چراغ لگنے لگا۔ وہ بار بار چراغا اٹھا کر حاکم کا چہرہ دیکھتا۔ اسے اعتبار نہ آ رہا تھا کہ مکاح حاکم ہے۔

اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ مکاح بولنے کیسے لگا۔

راڈسا نے کہا:

"قابل احترام پادری صاحب! آپ نے اس وقت جوشنا اور دیکھا ہے یہ خواب نہیں ہے بلکہ ایک

حقیقت ہے۔ مکاح اور حاکم، ایک ہی شخصیت کے دو ناوا ہیں۔ حاکم کے حروف الٹ کر ترتیب دیے تو

ہیں جائے گا۔"

اس وقت دوبرآمدے میں کھڑی شعاعی کی آواز آئی:

"پاپا بیٹے! یہ کون لکے گا۔ میں؟"

حاکم نے آہستہ سے کہا:

پادری صاحب! میری درخواست ہے کہ ابھی آپ میرے بارے میں شعاعی کو کچھ نہ بتائیں۔ میں خود ہی اسے

کچھ بتا دوں گا۔

پادری مسکرایا اور برآمدے کی طرف منہ کر کے بولا:

"نہراؤ نہیں بیٹی! یہ اپنے دوست ہی ہیں، راڈسا اور مکاح۔"

مکاح کا نام سننا تھا کہ شعاعی نے برآمدے سے جست لگائی اور برآمدے اور دروازے کے درمیان میں واقع

شعاعی جھانکتے ہوئے دکان پہنچی تو اس کا سانس بری طرح ٹھہل رہا تھا اور سینے کے زیر و بم پر اسے قابو

ملنا مشکل ہو رہا تھا۔

چراغ زمین پر رکھا تھا اس لیے ان کے چہرے صاف نظر نہ آ رہے تھے۔ شعاعی نے بڑی بے تابی سے چراغ اٹھایا

دیکھا ایک کامنڈو دیکھنے لگی۔ جب روشنی حاکم کے چہرے پر پڑی تو شعاعی کا اٹھا ہوا ہاتھ ذرا دیر کے لیے ٹھہر گیا۔

لے لی جذبات کو ڈبالتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"مکاح؟"

"اے شعاعی! میں مکاح ہوں۔"

حاکم نے منہ سے نکالا کہ شعاعی کا ہاتھ تھرتھرایا اور چراغ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اگر پادری اسے بڑھ کر

چراغ لے کر لے گئے۔ اذہیر پھیل گیا۔ حاکم اور شعاعی کے چہرے پر اس وقت کی تراتر پیدا ہوئے۔ انہیں

خون اور غصے کی عجیب فضا جو خانقاہ پر چھائی ہوئی تھی اب صاف ہو چکی تھی۔ سب لوگ آہستہ آہستہ کمرے میں آ

گئے۔ دوبرآمدے روشن کیا گیا۔ پوچھی چراغ جن اسٹھے اور خانقاہ کی تاریکی مدھ مدھ روشنیوں میں بدل گئی۔

شعاعی نے جلدی جلدی کھڑکی کے برتنوں میں کھانا نکال کر ممانوں کے سامنے رکھ دیا۔ یہ کھانا دوپہر کا پکا ہوا

تھی۔ شعاعی کھانا نہ چکا سکی تھی کیونکہ خانقاہ کے کونٹے پر سے مسلمانوں کے خیمے صاف نظر آ رہے تھے اور باپ

جو مسلمانوں کے خیال سے پریشان ہو گئے تھے۔ حاکم اور راڈسا (حکیم) کھانا کھا کر گئے تھے لیکن انہوں نے انکار نہ کیا۔

حاکم کھانے کے دوران شہری کیساؤں اور اس خانقاہ کے تضاد پر غور کرتا رہا۔ اسی سبب شہر کے کھاساؤں نے اسے "حاکم" اور "طرح" کے ساتھ ہی تعیش سے بھرے پڑے تھے۔ لیکن اس خانقاہ میں کھانا کھانے کے لیے کسی قسم کے برتن سامنے رکھے تھے۔

راڈ سا خوش دلی سے بولا:

"پادری صاحب! میں نے آپ اور خانقاہ کی صلاحیت کی ضمانت دی تھی۔ وہ میرے پوری کوششوں پر مبنی ہے۔"

"ہاں راڈسا! پادری نے محبت سے کہا،

"مجھے اس وقت بھی حیرت ہوئی تھی اور آج بھی تمہارے اس طرح بھانسنے سے کچھ حیران نہیں ہوں۔ راڈسا نے ہنس کر کہا:

"آپ کو اس بات پر شاید اور حیرانی ہوگی کہ اب میرا نام حکیم ہے!"

پادری کے ہاتھ میں نواہ تھا اور اس کا ہاتھ منہ تک پہنچ چکا تھا لیکن راڈسا کے اس اعلان پر ہوا کہ اس کے ہاتھ سے نواہ اس طرح نکل گیا جیسے شعاعی کے ہاتھ سے چراغ گرنا تھا۔

"تو مکاح کی طرح تم بھی مسلمان ہو؟" پادری نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"الحمد للہ۔ اب میں مسلمان ہوں۔" راڈسا د حکیم نے کہا:

"لیکن جب پہلے یہاں آیا تھا اس وقت عیسائی تھا۔ میری عیسائیت سے یہ بناوٹ کی چیز ہے۔" پادری نے کہا۔

مجھے اسی نام سے غائب کیا کیجیے۔"

پادری کچھ سوچنے لگا۔ حکیم نے دیکھا کہ شعاعی اور حاکم کچھ بے چینی سے ہیں۔ اس نے "مردار" آپ نے اس خانقاہ کی پوری طرح میری نہیں کی ہے۔ آپ ایک چکر لگا کیے اس وقت اسقف سے باتیں کر رہا ہوں۔

شعاعی نے باپ کی طرف دیکھا۔ پادری نے کہا:

"ہاں بیٹی! تم مسلم مردار کو خانقاہ کی سیر کرادو۔"

وہ دونوں تودل ہی سے یہ چاہتے تھے۔ شعاعی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حاکم کو بھی حکیم کا اشارہ تھا۔

شعاعی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

شعاعی، حاکم کے ساتھ چلتی ہوئی بولی: "آپ نے گونگے کا کردار بڑی خوبی سے ادا کیا۔" مجھے ادا کیا۔

حاکم نے جواب دیا: "شعاعی! یہ ایک وقتی مصلحت تھی۔ میں ہسپانوی زبان سے واقف نہیں ہوں۔ میں نے ہسپانوی سپاہی کا لباس پہن لیا۔ لیکن اگر میں لوگوں سے بات کرتا تو راز کھل جانے کا اندیشہ تھا۔"

شعاعی شے انداز سے بولی:

"پیراب وہ روپ کیوں ختم کر دیا؟"

لیونکہ یہ تمہاری خواہش تھی! حاکم نے کہا:

"اور اب وہ مصلحت بھی ختم ہو چکی ہے۔"

شعاعی اٹھا کر بولی:

"لیکن آپ تو ابھی خامی ہماری زبان بول رہے ہیں۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے خانقاہ کے گرجا گھر کی میز پٹھوں پر آ گئے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور آخری دنوں کا چاند لہجے کے نیچے سے اپنا منور چہرہ دکھا رہا تھا۔

یہ ایک چوڑا سا گرجا تھا۔ چھوٹے سے مال میں چالیس پچاس آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ کرسیوں کے اختتام پر ایک چوڑا سا ایسیج بنا تھا اور ایک میز رکھی تھی جہاں کھڑے ہو کر پادری وخط یا نماز کا فزین ادا کرتا ہوگا۔ اس کی پشت

کا دیوار پر دو قد آور تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک میں حضرت عیسیٰ کو مصلوب دکھایا گیا تھا اور دوسری تصویر حضرت

شعاعی نے کہا:

"ہم لوگ یہاں عبادت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔"

مجھے معلوم ہے شعاعی! حاکم نے جواب دیا۔

شعاعی بڑی حیران ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"کیا مسلمان بھی نماز پڑھتے ہیں؟"

نہیں نہیں، حاکم نے کہا:

میں نے ہفتے میں صرف ایک بار نماز ادا کرتے ہیں اور ہر رات دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں۔

حاکم نے شعاعی کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا:

"نماز یہ کسی حیران ہوگی کہ مسلمان تقدس میں اور حضرت عیسیٰ کو اسی طرح برگزیدہ سمجھتے ہیں جس طرح عیسائی۔"

اس کے باوجود اسلام اور عیسائیت میں ایک بڑا فرق ہے۔

شعاعی خوش ہو کر بولی:

وہ جیسے خاموش ہو گیا کہ کہیں اس کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔

وہ جیسے خاموش ہو کر بولی:

"یہ تو بہت اچھی بات بتائی آپ نے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور آپ بھی نماز پڑھتے ہیں اور ہم سے زبان پر یہی حضرت مریم اور روح القدس خداوند یسوع مسیح کو بھی آپ کہتے ہیں پھر فرق کہاں رہا ہم میں اور آپ میں؟"

حاکم بات لے لے ہوئے بولا:

"یہ بات میں تمہیں کسی اور وقت تفصیل سے بتاؤں گا۔ ان شعاعی اچھے تمہاری ایک بات اچھی نہیں۔"

شعاعی گھبرا گئی:

"کوئی بات بری ملے گی؟ میں نے کیا کہا ہے آپ کو؟"

حاکم نے ہنسی کر کہا:

"میں یہی آپ جناب! اچھا نہیں لگتا۔ میں تم سے بے تکلفی سے باتیں کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے اس پر مجبور سے بولا:

کرتی ہو جیسے ایک غلام اپنے آقا سے بولتا ہے۔"

شعاعی نے شرانے ہوئے کہا:

"آپ فاتح قوم کے سردار ہیں۔ آپ فتح حاصل کرتے کرتے یہاں تک آپ پہنچے ہیں اور نہ جانے کیا کریں گے پھر میں آپ کی عزت کیوں نہ کروں؟"

شعاعی: "حاکم نے ہزیمت سے پڑ بے میں کہا:

"نہم بھی تو فاتح ہو۔ کیا تم نے ایک سردار کا دل فتح نہیں کر لیا؟"

شعاعی نے اور زیادہ شرم کرناظر میں نہی کر لیں۔

ماہتاب بلند ہونا جا رہا تھا۔ شعاعی اور حاکم گر جا کر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

خنگ چاندنی پورے میدان میں بکھری ہوئی تھی۔ سامنے دراندہ کے اندر وہ کمرہ اور اس میں جلتا ہوا چراغ نظر آیا۔

حکیم پادری سے باتیں کر رہا تھا یا اسے باتوں میں الجھائے ہوئے تھا۔

حاکم نے کہا:

"شعاعی! جب میں گونگا تھا تو تم نے مجھ سے باتیں کرنے کی خواہش کی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تمہارے دل میں سہی باتیں ہیں جو تم مجھ سے کہنا چاہتی ہو اور ان کا جواب چاہتی ہو۔ اب تم کیوں خاموش ہو؟ بولتی کیوں نہیں؟"

حاکم کی گفتگو جذبات کے دھارے میں آہستہ آہستہ بے ربط سی ہوتی جا رہی تھی۔ حاکم کو شاید اس کا

طریقہ بن زیادہ سے مضبوط علاقوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو قلعے اور شہر فتح ہوتے اس کا انتظام عام طور پر ان کی لوگوں کے سپرد کر دیتے اور استیلاط کے طور پر ایک مجلس مشاورت بناتے جس میں عیسائیوں اور یہودیوں کے نمائندوں کے ساتھ کچھ مسلمان بھی شامل ہوتے۔ یہودی ہمیشہ سے اپنی فطری بد طبیعت اور خباثت کی وجہ سے حکومت کی نگاہوں

میں مشکوک دہتے تھے۔ ان پر کوئی حکومت اعتبار نہ کرے۔ ہسپانوی معاشرے میں ان کی حالت اور عوام ان کے ساتھ انسانیت سے گرا ہوا سلوک کیا جانا اور لوگ انہیں نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

مسلمان خود بھی یہودیوں کو پھرنے نہ دیتے تھے، ہسپانیہ میں ان کی زبانوں عالی دیکھ کر مسلمانوں کو ہوتا تھا وہ ان کی کوشش تھی کہ ہسپانیہ کے عوام پر جو غلظ و تم ہو رہے ہیں ان کے خاتمے کے ساتھ ساتھ بھی حکومت کے تشدد سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں معاشرے میں باعزت تھا ادا یا جملے مار کر ملکی بین وہ نھریوں کے دوش بدوش کام کر سکیں۔

قلعہ قزومند کے حاکم نے طارق کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے تھے اس لیے طارق نے اسے سابقہ عہد سے پر بحال رکھا اور ایک ایسی مجلس مشاورت ترتیب دی جس میں عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں برابر برابری تھی۔ فوجی گورنری حیثیت سے ایک مسلمان کا تقرر کیا گیا۔ یہ تقرر فوجی نقطہ نظر سے ضروری تھا تاکہ انتظام کو حاکم اپنے مشیروں کی مدد سے کرے لیکن فوج مسلمانوں کے قبضہ میں رہے۔

طارق نے فوجوں کو تیسری کا حکم دے دیا تھا۔ انہوں نے اسی جاک طرین کوچ کرنے میں اس لیے جو کہ ہسپانوی جو صیب قیزی سے لکھا ہو رہی تھیں اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

طارق نے چند سواروں کا ایک دستہ قزومند میں چھوڑا اور اپنے حلیف ثواب جو بلوین اور یہودی سرداروں کو ساتھ لے کر اسی جاک طرین چلے۔

طارق کو راستے میں اطلاع ملی کہ قلعہ ایسی جاوائے مسلمانوں کے ہراول دینے کو پریشان کر رہے ہیں ان پر شب خون مارتے ہیں اور کبھی انہیں گھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طارق کے حکم پر حاکم ان سے مدد طلب معروض تھا اس کا مقصد قلعے والوں کو اس وقت تک الجھائے رکھنا تھا جب تک اسلامی لشکر وہاں نہیں پہنچا۔

ادھر دو چار دن سے حاکم پر قلعے والوں کا دباؤ کچھ زیادہ بڑھ گیا تھا۔ حاکم کا پڑاؤ ایسی جاک کے قریب تھا کہ کاحیال تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے بجائے ان کی سرحد کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ جائیں گے۔ ان کے اس خیال

تھی کہ ایسی جاک مذہبی شہر ہے اور مسلمان مذہبی مقامات پر حملے سے عام طور پر گریز کرتے تھے۔ ان کے ذہن میں اسی بات سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ مسلمانوں کو عیسائیت کا سخت دشمن سمجھتے تھے۔ دوسری طرف یہ سوچنا کہ مذہبی تقدیر کی وجہ سے مسلمان ایسی جا پر حملہ نہ کریں گے۔

ایسی جا والوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان لشکر جو کہ دراصل ہراول دستہ تھا آگے بڑھنے کے بجائے سرحد پر بیٹھا ہے تو انہوں نے بھیڑ بھاڑ شروع کر دی۔ وہ دو دو چار سو کی ٹولہوں میں قلعے سے باہر نکلے اور مسلمانوں کے ارد گرد گھومتے بہتے یا گھات لگا کر بیٹھ جاتے۔ حاکم نے اپنے دستوں کو دور دور تک اس طرح پھیلایا تھا کہ

جمعہ تعداد کسی کو اندازہ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے قلعے والوں کو خود بھی کھلم میدان میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ہمت نہ ملتی تھی۔ ان انہیں کوئی اتحاد سوار نظر نہ آتا تو اسے گھیرنے کی کوشش کرتے۔ عام طور پر وہ سوار زیادہ پریشان کیے جاتے جس کے سپرد سامان خورد و نوش کی ذمہ داری تھی۔

حاکم اس صورت حال کا بڑا شکر اور درد اندیشی سے مقابلہ کر رہا تھا۔ ایک بار اس پر شب خون مارا گیا۔ مسلمان بڑے بڑے پڑاؤ پر تھے اس لیے دشمن کو ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی اور وہ دس دس بارہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حاکم نے ایک احتیاط یہ بھی کر دیا کہ جس جگہ پر اڑاؤ لے گا اس سے چار میل پیچھے ہٹ آیا۔ اس سے مسلمانوں کا لشکر حاکم نے ایک احتیاط یہ بھی کر دیا کہ جس جگہ پر اڑاؤ لے گا اس سے چار میل پیچھے ہٹ آیا۔ اس سے مسلمانوں کا لشکر

حاکم دن رات ان کی گھڑی دو گھڑی کے لیے خانقاہ ضرور جایا کرتا تھا۔ جب وہ جاتا تو شعاعی اس کا پڑ جو شش استقبال کرتی اور سرانگھوں پر بیٹھاتی لیکن اب یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ نھریوں کو کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان اس خانقاہ میں اکٹھے جاتے رہتے ہیں اس لیے انہوں نے خانقاہ کے چاروں طرف پھر لگا دیا تھا اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

شعاعی کا باپ بہتہ نہیں اس بات سے خوش تھا یا نہیں لیکن اس نے شعاعی کو تاکید کر دی کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلے کہ کسی کو یہ علم نہ ہو سکے کہ خانقاہ میں پادری کے علاوہ بھی کوئی اور رہتا ہے۔

ادھر ایک دن ایسی جا کے خبر سواروں نے دیکھا کہ گرد و غبار کا ایک طوفان سامنے سے اٹھ رہا ہے۔ پہلے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید یہ کوئی بڑا نھری لشکر ہے جو ان کی مدد کو آیا ہے کیونکہ ایسی جا کو بچانے کے لیے چھوٹی بڑی فوجیں روز کسی نہ کسی جگہ سے آتی رہتی تھیں لیکن جب گرد کا دامن چاک ہوا تو انہیں برقی رفتار گھوڑے نظر پڑے۔ اور اسلامی پرچم ہوا میں لہراتا دکھائی دیا۔

اسلامی لشکر جس میں بربر قوم کی اکثریت تھی ان کے سوار گھٹنوں سے بچی تباؤں میں بلبوں تھے۔ چہرے دارھیوں سے مڑتے اور پریشانیاں جو شش جادے دمک رہی تھیں۔

خیزد کے حواس جلتے رہے۔ وہ تو اس ہراول دستے کو ہی اسلامی لشکر سمجھے بیٹھے تھے جو کئی میل کے دارے میں ایسی جا پہنچا ہوا تھا کہ دور سے ہر طرف غیہ غیہ نظر آتے تھے۔ پورے لشکر اسلام کو دیکھ کر ان کی روج من ہوئی۔

خیزد نے آڑ میں کھڑے ہو کر لشکر اسلام کی تعداد کا اندازہ کرنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مسلم فوج کے کچھ بڑے دستوں میں ذرا ذرا وقفے سے خودا رہی تھی۔ ایک دستہ مع ساز و سامان کے ان کے سامنے سے گزرتا خود راہنمائی رہتی۔ پھر اس کے بعد دوسرا دستہ آؤ دکھائی دیتا۔ یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔

بھرتیوں نے دیکھا کہ اسلامی فوج بھاگے گئے پیچھے سے پہنچنے کے چاروں طرف سے اٹھ پڑی ہے۔
 تھا جیسے فوجوں کا ایک جنگل ہے جو ہر طرف سے اٹھتا ہوا ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ انہیں اپنے گھر کاٹنے
 ہو گیا اور وہ سرسبز رہ کر گھوڑے سرپٹ دوڑاتے قلعہ اسی جا کی طرف بھاگ اٹھے۔
 قلعہ میں پہنچ کر بھرتیوں نے فوجی سرداروں کو اس لشکر کی آمد کی اطلاع دی۔ انہوں نے کچھ تو جھگڑ
 سے کام لیا۔ مسلمانوں کے خطرے کے پیش نظر انہوں نے پہلے اپنا ایک سپہ سالار منتخب کیا۔ یہ سردار مدینہ
 میں شریک تھا۔

سپہ سالار نے تمام سرداروں اور قلعہ کے گورنر کو مشورے کے لیے طلب کر لیا۔ اس مشورے میں ان
 اسقف اعظم (لاٹو بادی) کو بھی شریک کیا گیا۔
 اس وقت تک قلعہ میں ایک لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اس کے پیش نظر اس نے قلعہ سے باہر نکل کر
 فیصلہ کیا۔ اسقف نے قلعہ بند ہو کر لڑنے کا مشورہ دیا۔ بحث و مباحثہ نے بہت طویل کیجی اور کوئی فیصلہ نہ
 طے ہوا کہ مسلمانوں کے لشکر کو قلعہ کے سامنے آنے دیا جائے تاکہ ایک توان کی صفحہ تعداد کا اندازہ ہو سکے اور
 یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اس مذہبی شہر کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مسلمان لشکر ان پر
 ہی اگے نکل جائے گا۔
 تمام ہوتے ہوئے قلعہ کے باہر کی تمام آبادی قلعہ میں آگئی۔ سپہ سالار نے فضیلیوں پر فوج لگادی
 انتقامات لیے۔ اسقف کے حکم پر لوگ گرجوں اور خانقاہوں میں خاص دعا کے واسطے اکٹھے
 لیکن گرجوں کے تقدس کو تو انہوں نے پیسے ہی پامال کر دیا تھا۔ تمام پاک مقامات عبادت گاہوں کے
 اور مشرت کہے بن چکے تھے۔ خانقاہیں خود ان کے افعال کی وجہ سے ناپاک ہو گئی تھیں۔ پھر ان کی دعا
 تمام رات خاص خاص نمازیں پڑھی گئیں گھنٹے اور گھنٹیوں کے شور سے کان چڑی آواز نہ سنا دیا
 نے ایک بار پھر راہبوں، راہبات اور کونواری لڑکیوں (جو صرف نام کی کونواری تھیں) کے سامنے مسلمانوں کے
 اگلا۔ انہیں وحشی اور مذہم صفت لالچی اور پرلے درجے کا عیاش بننے کا پتہ چلا۔ اس نے عورتوں کو
 تم ان وحشیوں کے ہاتھ لگ گئیں تو یہ تمہارے قیمتی کپڑے اتار لیں گے۔ تمہیں کھر دے خرش پر گھسیٹیں
 بے عزت کرنے کے بعد قتل کر دیں گے۔

راہبائیں، انہیں اور لڑکیاں اپنے انجام سے کانپ اٹھیں۔ انہوں نے بیک زبان فیصلہ کیا کہ اس
 حکم کی تعمیل کر بیگی اور صحن بگاڑ کر، چہرے مسخ کر کے مسلمانوں کے سامنے جائیں گی۔
 قلعہ اسی ہی جا میں رات بھر یہ ہنگامہ ہوتا رہا۔

حاکم نے طارق بن زیاد کے احکامات کو ذہن میں ترتیب دیا اور بولا:
 اے سپہ سالار۔ ہمارے سالار اٹھانے آپ کو پیغام دیا ہے کہ جنگ حصول مقصد کا آخری قدم ہے۔ مسلمان
 سپہ سالار نے غم و ستم اور فتنہ و فساد کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے کہے ہیں۔ اس نیک مقصد اور اعلیٰ کام میں آپ ہم را
 مشورہ ہیں۔ یہ نہیں تو ایک معمولی قدم ہے کہ ہمیں اپنا مخالف بنا لیں لیکن اگر آپ نے جنگ کی غلطی کی تو پھر آپ کا وہی
 عمر ہو گا جو شاہ راؤ لوک کا ہوا۔

دوسرے دن پھر حملہ شروع ہوا اور شاہی ہوتار بوجھا ہوا تھا۔ اٹھائی نو بیس آگے بڑھتے تھے۔ ان پر دباؤ تھا اور رانیں پورے چاڑھنا پڑتا تھا۔ اس ۲۱ ازمی نے بہتر تھا کہ اسلامی لشکر میں سستی پیدا ہو گئی اور نصرانی لشکر کے حملے سے ڈھکے۔

طارق بن زیاد عمار سے کوٹل دے کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تین دن کے بعد انھوں نے اعلان کر دیا کہ قلعہ پر جس طرح بھی قبضہ کر لیا جائے۔ سمان رات بھر دعا مانگتے رہے اور فتح و نصرت کی دعا میں لگتے رہے۔

طارق بن زیاد عمار سے کوٹل دے کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تین دن کے بعد انھوں نے اعلان کر دیا کہ قلعہ پر جس طرح بھی قبضہ کر لیا جائے۔ سمان رات بھر دعا مانگتے رہے اور فتح و نصرت کی دعا میں لگتے رہے۔

اس فسطح کی خوشی میں رات کو قلعہ میں ایک بڑا جشن منایا گیا۔ ساغر گردش میں آگئے عشرت کا بازار گرم ہو گیا۔ نصرانی سپاہی خاتقاہوں اور کلیساؤں میں گھس گئے۔ عبادت گاہوں میں معصیت کی دیوی کا راج ہو گیا۔ قریب خورن لڑکوں نے اپنی بائیں سپاہیوں کے لیے پھیلا دیں۔ تمام آکرات ہوس اور عشرت کے شادمانے بختے رہے۔ تہذیب و تمدن کا رقص کرتی رہی اور شیعان قلعہ لگا رہا۔

فجر کی اذان ہوتے ہی مسلمان قلعہ کے سامنے جمع ہونے لگے۔ انھوں نے بڑے ضغوت و مشغوع کے ساتھ نماز ادا کی اور دعا کی۔ پھر تیار ہو کے صف بستہ ہوئے۔ طارق بن زیاد کا گھوڑا سب سے آگے تھا ان کے دائیں بائیں فوجیوں اور غنیمت الروی تھے اور پشت پر حاکم بن منذر اپنے ہراول دستوں کے ساتھ موجود تھا۔ مسلمانوں میں اشدت بڑا جوش و خروش تھا اور وہ آج ہر قیمت پر قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

طارق بن زیاد نے اللہ اکبر کا غلگ شکرانہ نعرہ بلند کیا۔ ان کے نعرے کے جواب میں پورے لشکر اسلام نے اس نعرے کو دہرایا۔

اسی وقت قلعہ کے تمام کلیساؤں اور خانقاہوں کے گھنٹے بجنا شروع ہو گئے۔ طارق نے حیرت سے قلعہ پر

نصرانی سپہ سالار نے بڑی نکت سے کہا،

”شاید تمہیں ہماری طاقت کا اندازہ نہیں ورنہ اس قسم کا پیغام لے کر تمہیں آنے کی جرات نہ ہوتی۔
اتنا لشکر موجود ہے جو تمہیں چوبیسوں کی طرح پس کر رکھ دے گا۔“

حاکم کو سپہ سالار کے اس زور پر غصہ تو بہت آیا مگر وہ تحمل سے بولا:

”مجھے آپ سے بحث کرنے کی اجازت نہیں۔ پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمان فوج کی کڑی

پراپاں نہیں رکھتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ایک بڑا لشکر چھوٹے لشکر کو شکست دیدے۔ اگر ایسا ہوتا تو

شہنشاہ بھی لاکھ جندہ پر شکست نہ کھاتا نہ ہاں کہ ہمارے پاس اس سے بڑا لشکر نہیں ہو سکتا۔“

”تم غلطی پر ہو سمان سفارت کار“ سپہ سالار بڑے رعب سے بولا:

”شہنشاہ کی شکست کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض سرداروں نے انہیں جنگ کے دوران دھوکا دیا۔

علاوہ شاہی لشکر، شہنشاہ کے لیے لڑ رہا تھا لیکن ایسی جا کا شکر اپنے وطن کے لیے لڑے گا۔ خدا کا

کے لیے لڑے گا۔“

حاکم سمجھ گیا کہ سپہ سالار معلومت کے لیے ہاتھ نہیں۔ اس نے کہا:

”آپ کا جواب مسلم سپہ سالار کو پہنچا دیا جائے گا۔ ہمیں جانے کی اجازت دی جائے۔“

”تم جاسکتے ہو۔ وہ ضرور بے یمن ہوگا۔“

اپنے سپہ سالار سے یہ بھی کہ دینا کہ اگر اسے دینا کے مال و دولت کی حاجت ہو تو وہ حسبِ خواہش

دی جاسکتی ہے۔“

حاکم کی سفارت ناکام ہو گئی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر قلعہ سے نکلا اور اسلامی لشکر میں پہنچا۔

سالار کا جواب طارق بن زیاد کو پہنچا دیا۔

طارق نے فوراً قلعے کا حاکم دیا۔ شہر کی تفصیل زیادہ اونچی تھی۔ طارق بن زیاد کا خیال تھا کہ نصرانی فوج

سے زیادہ مدافعت نہ کر سکیں گے لیکن نصرانیوں نے اس قدر بے جگری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ سالار

قلعہ کی تفصیل تک پہنچنے میں ناکام رہا۔

مسلمان بار بار حملہ کرتے اور قلعہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے مگر قلعہ سے اس قدر شدید مدافعت

مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑتا۔ یہ آٹھ بجی دن بھر ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رات ہوئی تو تمام سردار

ہو گیا۔

رات بھر دونوں لشکر جاگتے رہے۔ دونوں طرف شب خون کا خطرہ تھا۔

نظر ڈالی اور پھر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب انہوں نے دیکھا کہ قلعہ ایسے جگہ کا دروازہ ایک کھل گیا اور نھرائی لشکر بڑی سرعت سے باہر نکل کر اپنی صف بندی میں مصروف ہو گیا۔ یہ منظر بڑا حیرت انگیز اور کسی حد تک خوفناک تھا۔ وہ نھرائی لشکر جو چاروں طرف سے چھوٹ رہا تھا، اچانک لڑائی لڑ رہا تھا، وہ اس وقت مسلمانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا تھا۔ طارق بن زیاد نے کسی کو کچھ سوچنے کھینے کا موقع ہی نہ دیا اور انہوں نے عام حملے کا حکم دے کر اپنے گھوڑوں پر اڑ لگادی۔

دونوں لشکروں میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ تیرہ راستے اپنے مقابل کی طرف بڑھنے لگے۔ چاروں طرف سے بڑا دھواں اُٹھ رہا تھا۔

جنگ، شدید جنگ۔ ایسی خونخوار جنگ شروع ہوئی جس کی مثال ہسپانیہ کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ زیاد نے افریقہ میں نئی جنگیں لڑی تھیں۔ ہسپانیہ میں انہوں نے ہسپانوی شاہ راڈرک سے بھی جنگ کی۔ ان سب سے زیادہ عظیم اور خونخوار جنگ تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دو لشکر نہیں بلکہ شہروں کے دو گروہ ہیں جو آپس میں لڑ رہے ہیں۔ زخمی کر رہے ہیں۔ زخمی ہو رہے ہیں۔ مار رہے ہیں اور مارے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے میں گھم کر رہ گئے۔ الجھ کر رہ گئے۔ پیوست ہو گئے ہر سپاہی اور ہر سردار اور ہر سوار اپنی کھڑا تھا۔ پتھر کی دیوار کی طرح وہ کٹ کر رہے تھے لہذا ان کے قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

طارق حیران اور ان کے سردار پریشان تھے کہ نھرائیوں میں اتنی شجاعت اور بہادری کہاں سے آگئی۔ میدان سے کیوں نہیں اکھڑتے۔ مردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ دھڑوں کے انبار ہو گئے۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ اس قدر بے جگری سے لڑے کہ طاری کو بھی ان کی بہادری کی داد دینا پڑی۔

دراصل یہ نھرائیوں کی گزشتہ شکستوں کا رد عمل تھا۔ وہ اپنی جانوں سے ہیزا کرتے تھے۔ انہوں نے اتنی دلی تھی اور ”مارو یا مرو“ کے اصول کے تحت لڑ رہے تھے۔

دو پہر تک مسلمانوں نے لاشوں کے پستے لگا دیے اور نھرائیوں کا زور توڑ دیا۔ مسلمانوں نے ان سے زیادہ لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر ہمہ پہر کے وقت نھرائیوں کو شکست ہو گئی۔ ان کا تقریباً پورا لشکر ہلاک ہو گیا۔ مسلمانوں کو بھی یہ فتح بڑی مہنگی پڑی۔ بے شمار مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ طارق نے اس وقت تک جتنی لڑائیاں لڑی تھیں ان سب میں جتنے مسلمان ہلاک ہوئے ان کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ طارق کو صرف ایسی ہی جنگیں مل گئیں جن میں مسلمانوں سے ہلاکت ہوئی۔ دشمن تو تباہ ہو گیا مگر اس نے مسلمانوں کا بھی کافی نقصان کیا۔



قلعہ پر قبضہ ہونے ہی طاری بن زیاد نے عام حفا کا اعلان کرایا۔ انہوں نے حاکم بن منذر کو حکم دیا کہ کھیناؤ اور نھرائیوں میں خواتین کی عزت و تحفظ کا خاص طور سے اعلان کیا جائے اور انہیں اپنی جان بچانے کے لئے یا پھر سے ہلاکت سے روکا جائے۔

مسلمان قلعے کے بچوں پر چڑھ گئے اور پیچ پیچ کر آوازیں دینے لگے۔

”بڑے بچوں، بچوں اور عورتوں کو امان دی جاتی ہے۔“

”جو ہتھیار ڈال دے انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔“

”کھیناؤ کا احترام برقرار رہے گا۔“

”کسی پادری یا راہب یا راہبہ کو نہیں مارا جائے گا۔“

”عورتوں کی عزت کی حفاظت کی جائے گی۔“

مسلمان سپاہی چاروں طرف پھیل گئے اور امن و امان کا بیٹا کر جگہ پہنچنے لگے لیکن بد طبیعت بلورہوں نے مسلمانوں کے خلاف اس قدر زہر لگایا تھا کہ حاکم کی تمام کوششوں کے باوجود کئی سو عورتیں اپنی موت میں بگاڑ بیٹھیں۔ لاشوں کی تعداد کے سامنے سب انہیں پیش کیا گیا تو انہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں اٹک رہیں۔ کسی نے کان کاٹ لیے تو کوئی ناک سے عروم غمی۔ کسی نے پیشانی زخمی کیا تو کسی کے خضار ہوا نہ تھے۔ کئی عورتیں ایسی دکھائی دین جن کے سینے زخمی تھے۔ انہوں نے اپنی چھاتیں تراش ڈالی تھیں۔ حد یہ تھی کہ کچھ عورتوں نے جسم کے نازک حصوں کو بھی ڈال دیا تھا۔

طارق بن زیاد نے ڈیڑھائی ہفتی انہوں سے آسمان کو دیکھا اور کہا:

”اے اللہ! تو سمیع و اعلم ہے۔ میں اور میرا لشکر بے گناہ ہیں۔“

یہ روز فرما منظر ایسا تھا کہ انسان اور انسانیت نہ روتی خواتین کے بچے کچھ چہرے اور ہوا ہوا بدن کچھ کچھ ایسا کہ مدیدہ ہو گیا۔ ہر دل سے ٹھنڈی آہیں نکلیں۔ اس اخوس ناک واقعے کی وجہ سے مسلمانوں کو فحش کی وہ لاشیں مل رہی تھیں جو ہونا چاہیے تھی۔ ہر مسلمان کا چہرہ رنج و غم سے بھر رہا تھا۔ دکھائی دیتا تھا۔

تیمپوں کو طاری کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان میں بڑے کھیناؤ کا لارڈ پادری بھی تھا۔ طارق کو بتایا گیا کہ لارڈ پادری نے مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ پراہینہ کیا تھا اور عورتوں کو چہرے بگاڑنے کے لیے ایسا کیا

تھا۔

ہاں نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا:
 شعی! تمہیں کیا ہوا تھا اسے پایا کیسے ہیں؟
 شعی حاکم کے شانے سے لگ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی،
 بابا میں ہیں حاکم لیکن۔ آواز اس کے حق میں اٹک گئی۔

حاکم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:
 شعی! گھبراؤ نہیں۔ اب تمہیں کسی بات کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کامیاب ہو کر آیا ہوں۔ انتظار کی
 کوئی غم ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں اپنے سپہ سالار سے مانگوں گا۔ بابا سے درخواست کروں گا۔ پھر ہم..... ہم۔
 حاکم کے جذبات میں جو طوفان برپا تھا اس نے شعی کو اپنے سے الگ کیا اور اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے

ہوئے ہوا:

شعی! خدا کے لیے اب آنسو پونچھ ڈالو میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا!

حاکم۔ یہ آنسو تواب میری قسمت میری تقدیر ہیں!

شعی پھرونے لگی:

مجھے ان آنسوؤں کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔ حاکم میں مجبور تھی۔ مجھے معاف کر دو حاکم۔

بابا بول کیا کہہ رہی ہو شعی! حاکم گھبرا گیا۔

میں تمہاری نہیں ہو سکی حاکم مجھے معاف کر دو۔ مجھے بھول جاؤ۔ شعی پھر اس کے شانے سے لگ گئی اور
 ہلکے لڑجھک کر رونے لگی۔

کیوں؟ کیوں؟ حاکم نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

حاکم! شعی نے بتایا:

میرے بابا ایک مذہبی آدمی ہیں۔ انہیں پسند نہیں کہ میں کسی مسلمان سے شادی کروں۔ وہ تمہیں پسند تو
 کرتے ہیں لیکن شادی کے لیے تیار نہیں۔ انہوں نے مجھے میریس کے ساتھ شادی کرنے کا حکم دیا اور میں انکار
 کیا۔ میں ان کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھی حاکم! مجھے معاف کر دو۔ اپنے خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔
 حاکم کو جیسے سکھ ہو گیا۔

یہ خانی خانی نظروں سے شعی کو دیکھ رہا تھا۔ جب ذرا اس کا دل ٹھہرا تو اس نے دم آواز میں پوچھا:

میرا میریس کون ہے؟

میرا زانا زبانی! شعی نے کہا: بابا کہتے ہیں وہ بچپن سے میرا منگیت رہے۔ درودن پہلے وہ نہ جانے

طارق بن زیاد کا اسے دیکھ کر خون کھولنے لگا۔ ان کا ہاتھ فوراً شمشیر پر گیا لیکن ان کو زخمیال نہ
 نکل سکا بولے:

"لارڈ پادری! کاش میں تمہیں قتل کر کے اپنے دل میں لگی ہوئی آگ ٹھنڈا کر سکتا۔ ان معصوم
 مجرم تمہو ان کی صورتیں تم نے بگاڑ دی ہیں۔ تم نے انہیں زرب دیا ہے۔ تمہارا یہ ظلم تاریخ میں کھا جائے گا۔
 لارڈ پادری! کاش مجھ کا ہوا تھا۔ اس نے ذرا گردن اٹھائی اور کہا:

"خاتجہ سرودار۔ میں مجرم ہوں۔ میں نفرت کے دھارے میں بہ گیا۔ سپاہیوں نے مجھے
 تمہیں باپ مجھے سزا دیکھی تو بائز اور معاف کر دیں تی...."

طارق نے نفرت سے پادری کو دیکھا اور بولا:

"میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا پادری! میرا آقا موسیٰ بن نعیر بھی تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں اس

خادم ہوں۔ اسلام نہ عبادت کا ہوں کوٹھانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ موبدوں اور پادریوں کی بے مروتی

جائیے میں نے آپ کو معاف کیا!"

لارڈ پادری سر جھکائے ہوئے چلا گیا۔

قلعہ ایسی جا پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ شہیدوں کی لاشیں اکٹھا کر کے ان کی گنتی لگ گئی۔ پھر اتریں

دفن کر دیا گیا۔

اب ہر جگہ سکون تھا۔ سناٹا تھا:



سورج کی آنکھیں دن بھر کی خورنری دیکھ دیکھ کے تھک گئی تھیں اور اب وہ مغرب کی طرف تیز
 جا رہا تھا۔ اسی تیزی سے حاکم کا گھوڑا اٹانقاہ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا اور شعی سفید ریشمی چٹائی

تھی۔ اس کے سر پر سفید ہیڈ کپڑے کا ایک گول تاج سا رکھا تھا۔

شعی نے حاکم کو گھوڑے سے اترتے دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپایا اور جھوٹ جھوٹ

لگی۔ حاکم کو کچھ تعجب اور اس سے زیادہ پریشانی ہوئی۔ اسے فوراً شعی کے باپ کا خیال آیا۔

کہاں سے آگیا۔ بابا نجے اس کے حوالے کر رہے ہیں۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتی۔ باب کی ناراضگی فلاحی
صبح کی ناراضگی ہے۔ میں اپنی محنت فرض پر قربان کرنے کے لیے مجبور ہو گئی تھی۔

حاکم نے ایک جھجھریالی اور پتھر سے ٹھٹھے لہجے میں بولا:

”شعاعی! نجے خوشی ہے کہ تم نے فرض پر محبت قربان کر دی۔ میں بھی تمہاری نرم بائیں جھٹک رہا ہوں
میں اپنا فرض ادا کرنے گیا تھا۔ فرض کی جیت ہونا ہی تھی۔ خوش رہو شعاعی! میں تمہارے لیے بیٹھ رہا
رہوں گا۔ بابا کو میرا سلام کہنا۔ اچھا۔ خدا حافظ شعاعی!“

حاکم تیزی سے گھوڑے کی طرف مڑا اور جیت کر کے اس پر بیٹھ گیا۔

شعاعی کا دل بیٹھنے لگا۔

اسی وقت شعاعی کا باب اور اس کا منگیترو دروازے کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیے۔

پادری نے شعاعی کے پاس پیسج کو پوچھا:

”کون آیا تھا بیٹی؟“

”حاکم۔“ شعاعی کی زبان سے نکلا اور وہ چہچہ مار کر باب کے سینے سے چٹ گئی۔

شعاعی اور ہیریس کی شادی اسی شب ہو گئی۔ طارق بن زیاد نے حاکم کو ایسی جا کا گورنر مقرر
وہیں قیام کا حکم دیا۔

(5)

قرطبہ کا شہزادہ

بیچ دریا میں کوئی چیرہ پتی ہوئی آ رہی تھی۔

الفانسو نے گھبرا کر دیکھا۔ ایک لٹے کو کچھ سوچا۔ پھر دریا میں پھلانگ لگا دی۔ وہ بلا کا تیراک تھارتیری
تیرتا ہوا اس کے پاس پیسج گیا۔

وہ ایک انسانی جسم تھا۔ زندہ یا مردہ۔ اس کا فیصلہ ابھی اس کے لیے مشکل تھا۔ الفانسو نے بتتے ہوئے
مگ کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ یہاں دریا کا موڑ تھا اور دھاروں میں تیزی آگئی تھی۔ جسم تیزی سے
اٹ بٹ اور ادھر پر بیچے ہو رہا تھا اور الفانسو کی پکڑ میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ بالوں سے الجھا۔ اس نے
بال مٹھولی سے پکڑ لیے۔ لہنے لہنے سہرے سہرے بال۔

یقیناً یہ کوئی عورت ہے۔ الفانسو نے سوچا۔

دریا کا تیز دھارا کلاٹے میں الفانسو کو ذرا وقت محسوس ہوئی لیکن تھوڑی ہی کوشش کے بعد وہ اس
موجودت کو کھینچ کر کنارے پر آ گیا۔

الفانسو نے آنکھیں بند کر کے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا سینہ اور جسم کے دوسرے حصے تقریباً
سے لٹے۔ کلاٹے کے پاس ڈوریاں کسی ہوئی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کھلی آستینوں کی قمیض کو دروہوں سے
بلاؤں پر لگا جسم کے نیچے حصے پر صرف ریشمی زیر جامہ چپک کر رہ گیا تھا۔

الفانسو جوان تھا لیکن اسے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دل کی دھڑکن
دکھ رہا تھا۔ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اسکے ان کا انتقال پانچ سال پہلے ہوا تھا۔ افسانہ نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا تھا مرنے سے پہلے اس نے

افغانوں نے پریشانی کے عالم میں مغرب کی طرف دیکھا۔ سو سو کی آخری سہنری کہ نہیں دریا کے پار تھیں۔ ان کے مرنے کے بعد وہ اس کی بانوں پر غور کر کے تالیاں گھبراتے ہوئے نکلتے تھے اور وہ یہ سوچ کر کہ وہ رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی بیٹی کو بچا کر لے کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

اسخرا سے کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔ وہ جہانزادوں کو لے کر جہان تو لڑکی کے سر جلانے کا خطرہ تھا۔ یہاں آئے رہتے تھے یہ بہترین اور ایک چوٹی بیٹی ہی ان کی کل کائنات تھی۔

افانسونے لڑکی کو کندھے پر لا دیا۔ آدھا جسم اس کی پشت پر اور آدھا اس کے سینے پر مل گیا۔
 افانسونے لڑکی کو کندھے پر لا دیا۔ آدھا جسم اس کی پشت پر اور آدھا اس کے سینے پر مل گیا۔
 لائے بال افانسونے کے گھٹنوں سے نیچے ایک لٹک رہے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ لڑکی کی پیٹھ کو سہارا دیا۔
 افانسونے لڑکی کو کندھے پر لا دیا۔ آدھا جسم اس کی پشت پر اور آدھا اس کے سینے پر مل گیا۔
 لائے بال افانسونے کے گھٹنوں سے نیچے ایک لٹک رہے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ لڑکی کی پیٹھ کو سہارا دیا۔
 افانسونے لڑکی کو کندھے پر لا دیا۔ آدھا جسم اس کی پشت پر اور آدھا اس کے سینے پر مل گیا۔
 لائے بال افانسونے کے گھٹنوں سے نیچے ایک لٹک رہے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ لڑکی کی پیٹھ کو سہارا دیا۔

لوٹنے کے بعد سب سے اس کا رفقہ رفقہ رہ گئی تھی۔ پانچ میل کا سفر اس کے لیے دس میل بن گیا اس کو۔ "ایک لوٹنے سے ماں۔"

یہ لڑکی کون ہے؟

[illegible]

وہ اس کہاں کی طرح عزت کرتا تھا۔

تھے ہوش ہے۔ بولے کیسے؟
 الفانسو نے پتھر گر کر شعلہ پیدا کیا اور تڑکا جلا کر چراغ روشن کر دیا۔ پہلی پہلی روشنی چھوڑ کر بڑھیا نے لڑکی کے جسم کا جائزہ لینا شروع کیا۔

بڑھیا نے اپنا رد مال اس پر ڈال دیا۔ پھر اس نے لڑکی کے جسم پر اپنا متحرک ہاتھ رکھ کر الفانسو کو تباہ کیا:
 "یہ زندہ ہے۔"
 "مجھے معلوم ہے۔" الفانسو نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
 "یہ جوان ہے الفانسو، بڑھیا کا ہاتھ کسی اور جگہ جا کر رک گیا۔
 اس سے کیا فرق پڑتا ہے ماں! الفانسو کا انداز اکھڑا اکھڑا تھا۔
 "یہ کسی رئیس کی لڑکی ہے۔" بڑھیا بولی۔

کیا پتہ۔ ہوگی کوئی۔ ابھی تو یہ بے ہوش ہے۔ اس کو ہوش میں لاؤں گا۔" الفانسو اتنا کر بولا۔
 بڑھیا نے الفانسو کی بات سن کر سنی کر دی۔ اس کا ہاتھ لڑکی کے جسم پر اس طرح متحرک رہا جسے
 ہاتھ نہیں بلکہ آنکھیں میں جو لڑکی کے ہر عضو کا بغور مشاہدہ اور محالہ کر رہی تھیں۔
 "یہ شہزادی ہے الفانسو۔" بڑھیا بیچ کر بولی۔
 الفانسو گھبرا گیا۔ اس نے حیرت سے بڑھیا کو دیکھا:
 "کیا کہہ رہی ہوں؟"

الفانسو کی نظر میں بڑھیا کے چہرے سے پچھلے اس جگہ کہ لڑکی گئیں جہاں اس کا ہاتھ رکھا تھا۔ لڑکی
 چھینکیاں ایک اہم شہزادی چھ رہی تھی۔ ہیرے کی انگوٹھی۔ لڑکی کے ہاتھ پر آستین کے چھترے پٹائی
 شاید اسی وجہ سے وہ اس انگوٹھی کو پہلے نہ دیکھ سکا تھا۔
 بڑھیا کی انگلیاں انگوٹھی کے ابھرے ہوئے گینے پر گھوم رہی تھیں۔ الفانسو نے پوچھا:
 "ماں۔ تم نے یہ کیسے کہا کہ یہ شہزادی ہے۔ اس طرح کی انگوٹھیاں تو بڑے گھرانوں کی تمام عورتیں
 نہیں پہنتیں۔ معلوم نہیں؟" بڑھیا نے جواب دیا:
 "ہر شہزادی ہمارے ملک میں صرف شہزادے اور شہزادیاں ہی پہن سکتی ہیں کسی رئیس

پہننے کی اجازت نہیں ہے۔"
 الفانسو سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے شہزادی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ ماضور تھا کہ سپانیا کا ایک شہ

جوان سے ہزاروں میل دور رہتا ہے۔ یہ بات بھی اس نے بگماتش کے کتب میں سنی تھی۔ بگماتش، قریبہ کا مشہور
 شاعر تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک درس گاہ کھول رکھی تھی۔ لوگ دور دور سے اس کی باتیں سننے آتے تھے۔
 چٹے دن وہ بگماتش کے لیے مہربانی کا دودھ لے کر جاتا تھا
 بگماتش اس کا پرانا گاہک تھا شہزادہ شہزادہ میں الفانسو کو اس کے ہاں چھ میل شمال میں دودھ پہنچانا بہت مشکل
 تھا لیکن ایک اتوار کو جب اس نے اس دانشور کی باتیں سنیں تو اسے بڑی اچھی معلوم ہوئیں۔ اب تو وہ چھٹی کے دن دوا
 دینی چاہتا تھا اور دن بھر اس کی باتیں دور بیٹھا سنتا رہتا۔

اس دوران بڑھیا لڑکھڑاتی ہوئی لڑکی کے کپڑوں کے پاس گئی اور ایک بوتل نکال لائی۔ وہ بوتل الفانسو کی طرف
 بڑھاتے ہوئے بولی،
 "یہ الفانسو۔ اس میں سے ایک گھونٹ شہزادی کو پلا دے۔ ہوش آجائے گا۔"
 بوتل میں شراب تھی۔ یہ بوتل اس کے پاس کچھ بار چودہ سال سے رکھی تھی۔ اسے وہ دوا کے طور پر استعمال
 کرتی تھی۔ جب کسی کو تیز بخار یا زلزلہ کا ہوتا تو اس کے چند قطرے مریض کے حلق میں ڈلے جاتے۔ تیز براڈی فوراً
 اہل انداز کرتی۔ اب تو یہ دوا ہر مریض کے لیے اس کی بہترین کرہ گئی تھی۔
 الفانسو نے لڑکی کے چہرے کو کھول کر تھوڑی براڈی زبردستی اس کے حلق میں اندر دی۔ لڑکی کو واقعی ہوش
 آ گیا۔ اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے کی پڑھائی، تارکی میں بدلنے
 لگی۔ الفانسو جھکا ہوا اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔
 لڑکی نے نجیف آواز میں پوچھا:
 "میں کہاں ہوں۔ کیا میں زندہ ہوں؟"

ماں تم زندہ ہو۔" الفانسو نے جواب دیا۔ پھر اٹھ کر پوچھا:
 "کیا تم شہزادی ہو؟"
 "نہیں۔ لڑکی اس کے سوا کچھ اور نہ کہ سکی۔ اس کی طاقت نے جواب دے دیا اور اس کی آنکھیں بند
 ہو گئیں۔
 "تم نے سنا ماں؟" الفانسو نے ضعیفہ کو مخاطب کیا:
 "میں نہ کتنا تھا کہ یہ شہزادی نہیں ہے۔ اس طرح کی انگوٹھیاں سب ہی امیر گھرانے کی عورتیں پہنتی ہیں۔"
 ضعیفہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے غلط اندازہ لگایا۔
 لڑکی نے پھر آنکھیں کھولیں اور اپنے حلقے کی کوشش کی۔ الفانسو نے اسے ہمارا دے کر بٹھا دیا۔ اس پر

پڑا ہوا مال نیچے ڈھلک گیا۔ اس نے گھبرا کر فوراً اپنا جسم سیکنے اور چرنے کی کوشش کی۔ الفانسو نے اپنی اناکر لڑکی کو دے دی۔

لڑکی نے وہ چادر اپنے پورے جسم کے گرد لپیٹ لی۔ پورا الفانسو سے پوچھا:

"میں یہاں کیسے آگئی؟"

الفانسو نے جواب دیا،

"تم دریا میں ڈوب رہی تھیں۔ میں تمہیں پانی سے نکال کر یہاں لے آیا۔ میں چرواہا ہوں۔ اپنی انا کے ساتھ جھونپڑی میں رہتا ہوں اور کوئی سوال تو نہیں پوچھتا ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جو ان چرواہا بڑے اکھڑدماغ کلبے لیکن اسے اتفاقاً حسن کا نام پوچھنا پڑا۔

"الفانسو! اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ پھر کچھ خیال آیا تو پوچھا:

"تم دریا میں کیسے آ گئیں۔ کیا خود کشی کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔ خود کشی بزدل کرتے ہیں۔ لڑکی بڑے وقار سے بولی:

"مجھے تو معرفت اتنا یاد ہے کہ میرا گھوڑا بدمعہ بھاگتا تھا۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔"

"ہوں۔" کہہ کر الفانسو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو الفانسو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"میں..... میں دیکھ رہا ہوں کہ لیٹوں گا کہاں؟" الفانسو نے گھبراتے ہوئے کہا۔

ماں اب تک خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اب اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا:

"الفانسو بیٹے۔ تجھے کیا ہو گیا ہے ابھی سے بیٹھنے کی فکر کرنے لگا۔ کھانا نہیں کھائے گا؟ راکھی بھی ہو گی؟"

پتہ نہیں بچاری کب گرا تھی۔ چوہیں بھی آئی ہوں گی اسے۔ ذرا دیکھ کہاں کہاں چوٹ لگی ہے؟

الفانسو بدماغ نہ تھا کہ جھونپڑی میں لڑکی کی موجودگی نے اسے پریشان اور بدحواس کر دیا تھا۔ لڑکی

اب تک اس کے اتنے قریب نہ آئی تھی۔ وہ دراصل لڑکی سے راہِ مزار اختیار کر رہا تھا۔ ہمدردی کا وہ جذبہ جو اسے

دربار سے نکلنے وقت اس کے دل میں پیدا ہوا تھا، اس نے کوئی اور رخ اختیار کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاں تک

ہوسکے وہ لڑکی سے کم سے کم گفتگو کرے کیونکہ اسے دیکھنے اور اس سے باتیں کرتے وقت اسے اپنے دل میں ایک

نامعلوم سا اضطراب محسوس کرتا تھا۔ ایک عجیب سا جذبہ یہ بات اس کے لیے بالکل نئی تھی۔

ماں نے اسے لقمہ دیا تو اسے ہوش آیا۔ اس نے سوچا، واقعی آج مجھے یہ کیا ہو گیا ہے۔ نہ خود کھانا مانا

کچھ کھایا۔ لڑکی سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ زخمی تو نہیں ہے۔

الفانسو جلدی سے اٹھ دو دو گھوم گیا کہ باسی روٹی نکالی۔ وہ ہنسنے بھرنے کے لیے روٹی بازار سے لے آتا تھا۔ دو دو

اور روٹی ان کو واحد غذا تھی۔

پہلے اس نے ماں کو دو دو روٹی دی۔ پھر لڑکی کے سینے میں پھیریں رکھ کے بولا:

"لو دو دو پی لو۔ تم بھوکے ہو گی۔ کہاں کہاں چوٹ لگی ہے تمہیں؟"

"مجھے کیا پتہ کہاں چوٹ لگی ہے۔" یہ کہتے ہوئے لڑکی نے جسم کے گرد لپیٹ ہوئی چادر اتار دی:

"خود ہی دیکھ لو کہاں چوٹ لگی ہے۔"

"نہ نہ.... چادر نہ اتارو" الفانسو گھبرا گیا:

"تمہیں شرم نہیں آتی۔"

اس کے کہنے پر لڑکی نے چادر اپنے جسم پر لپیٹ لی۔ الفانسو کے دل میں ایک خیال کوئد سے کی طرح پکا جیسے

اس کے دل نے کہا ہو:

"یہ چادر نہ اڑھتی تو اچھا تھا۔"

دس منٹ میں وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ دو دو اور باسی روٹی ان دونوں کی روز کی غذا تھی لیکن لڑکی نے

یہ کسی طرح کھائی۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔

"یہ جھونپڑی نہیں کیسی لگتی ہے؟" الفانسو نے خواہ مخواہ سوال کیا۔ اب اس میں کچھ حوصلہ پیدا ہو گیا تھا اور

اس کا دل باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا۔

"بہت اچھی ہے یہ جگہ۔ لڑکی خوش ہو کر بولی:

"میرا دل چاہتا ہے میں زندگی بھر یہیں رہوں۔ تم لوگوں میں کتنا خلوص ہے، کیسی محبت ہے۔"

بادل گرے۔ بجلی چمکی اور پھوار پڑنے لگی۔

ماں ان کی باتوں میں دخل دیتے ہوئے بولی:

"الفانسو۔ اس سے پوچھو یہ کون ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ اس کے ماں باپ اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔"

اسے گھر چھوڑا۔

"اس وقت ماں۔ باہر بارش ہو رہی ہے۔" الفانسو نے جانے کیوں نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی اس وقت واپس

جائی ہو۔

ماں بڑک کر بولی: بارش میں جانے تجھے کیا ڈر لگتا ہے۔ دیکھا الفانسو! جس طرح تیرے آگے میں ذرا دیر ہو

جلستے تو میں پریشان ہو جاتی ہوں اسی طرح اس کے ماں باپ بھی پریشان ہوں گے۔

انفانو کا جذبہ سہری پھر نمودر آیا۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا:

”چلو۔ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔“

لڑکے نے انفانو کو کچھ اس طرح دیکھا کہ اس کا دل بے چین ہو گیا۔ رگیں پھر ملنے لگیں۔

لڑکی نے کہا:

”نہیں۔ میں اس وقت نہیں جاؤں گی۔“

انفانو کا دل خوشی سے جھمکا اٹھا لیکن وہ بہ نہ سمجھ سکا کہ لڑکی کے چلے جانے یا باں رہنے سے اسے کیا ہوا۔

پڑے گا۔ لڑکے نے جانے سے انکار کیا تو ان بھی چپ ہو گئی۔

پھٹی دری پر لڑکی بیٹھ تھی۔ اس کے برابر ماں لیٹ گئی۔ انفانو کھلے فرش پر لیٹنے کا عادی تھا لڑکی نے بولا:

تو دری پر ماں لیٹتی۔

نیز ہوا کے جھونکے جھونپڑی سے مگراتے اور جھوپڑی جیسے رزنے لگتی۔ چران بھڑکنے لگا۔ انفانو لڑکی ذرا ہٹ کے اور اس کی طرف پیٹھ کر کے لیٹا ہوا تھا۔

ایک بار چران اٹھی زور سے بھڑکا جیسے وہ بھڑک جائے گا۔ انفانو نے لڑکی کی طرف کرڈ لیتے ہوئے بولا:

”چران، بھڑکیا تو تم درد کی تو نہیں؟“

”نہیں۔“ لڑکی نے بیاد سے کہا:

”تم جو میرے پاس ہو۔“

انفانو نے پھر کرڈ لے لی لیکن اسے لڑکی کی یہ بات پسند آئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ یہ بات ایک بار

اور کہے۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اب اس کا دل چاہا کہ لڑکی سے باتیں کرے مگر کیا؟ یہ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

پھر اسے گفتگو کا ایک بہانہ ملا تھا۔ لڑکی کی طرف گھوم کر بولا:

”تم نے میرا نام پوچھا لیکن اپنا نام نہیں بتایا۔“

لڑکی کو پہلی بار انفانو کے لیے میں اپنی بات سنیں ہوئی۔ اس نے مسکرا کر کہا:

”شیبا۔“

انفانو کو شیبائی کی مسکراہٹ بڑی دلغزب محسوس ہوئی۔

”شیبا۔ بڑا پیارا نام ہے تمہارا۔ انفانو نے جیسے مرگوشی کی۔“ تم بڑی اچھی لڑکی ہو۔ انفانو نے

بے زاری طور پر نکل گیا۔

چران کی ہم روشی میں دونوں کی نظریں ملیں۔ شیبائی کی مسکراتی نظریں اس کے دل میں ایک طوفان برپا

کر رہی تھیں۔

شیبا نے پوچھا:

”میں تمہیں اچھی سمجھتی ہوں۔“

لیکن نہیں۔ میں چرانا ہوں مگر اچھے اور بُرے میں تمیز نہ کر سکتا ہوں۔ انفانو نے بڑے فلسفیانہ

تہذیب میں کہا۔

شیبا کہ ایک جاہل چرلہ سکر زبان سے یہ بات سنی کہ بڑا تعجب ہوا۔ اس نے انفانو کو آزمائے کے

لیے کہا:

”انفانو۔ ہر کچھنے والی چیز سونا تو نہیں ہوتی۔ نظریں دھوکا بھی کھا سکتی ہیں۔“

”نہیں شیبائی۔ انفانو سناٹ سے بولا:

”سونے کی رنگت میں جو چمک دمک ہے وہ پتیل کو کہاں نصیب۔ سونے اور پتیل میں وہ فرق ہے جو تم میں

اور مجھ میں۔“

شیبا رنگ رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انفانو چرلہ ہے۔ شیبائی انفانو کی احسان مند تھی۔ وہ چاہتی

تھی کہ اپنی دل خوش کن باتوں سے اس احسان کے لیے مجھ میں کچھ کمی کر دے۔

انفانو نے اسے محسوس کر لیا تھا اور بڑے خوبصورت الفاظ میں شیبائی کو یہ سمجھایا تھا کہ شیبائی شیبائی ہے۔

اور انفانو انفانو۔ سونا اور پتیل ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ نگاہ و بینا پتیل اور سونے میں تمیز کرنے کی اہلیت

رکھتی ہے۔ اس طرح اس نے اپنے اور شیبائی کے درمیان فاصلے بڑھالیے تھے تاکہ نہ تو خود کسی غلط فہمی کا شکار

بڑا نہ شیبائی اسے سمجھنے میں کوئی غلطی کرے۔

بکلی بکلی بھڑک رہی تھی۔ بادل گر جئے گا۔ شیبائی کچھ بے چینی پیدا ہوئی۔ انفانو نے ہنسی کر کہا:

”ڈر لگ رہا ہے تمہیں؟“

”نہیں انفانو۔“ شیبائی نے غار آؤد لہجے میں کہا:

”ایسے موسم میں ڈر کا احساس نہیں ہوتا مگر فرض کرو اگر مجھے ڈر لگ رہا ہے تو تم کیا کر گئے؟“

انفانو کو کوئی جواب نہ سوچا۔ اس نے یونہی بات بڑھانے کے لیے پوچھا:

”تم کہاں رہتی ہو؟“

قلعہ قزطیہ میں "شیبا نے مسکرا کر جواب دیا۔

قلعہ کے لفظ سے الفانسو کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا،
 "قلعے میں تو پورا شہر آباد ہے۔ تم کس جگہ رہتی ہو؟"

شیبا سوچ میں پڑ گئی۔ وہ اپنی شخصیت سے اس وقت پر وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے
 اس نے یہ بنایا کہ وہ کہاں رہتی ہے اور کون ہے تو الفانسو کے غلوں کا یہ جذبہ کسی اور جذبے پر
 جلنے لگا۔ لالچ، خوف یا حساس کمتری اس پر غالب آ سکتی تھی۔

الفانسو نے اسے خاموش دیکھا تو کہا:

"شیبا! میں جانتا ہوں کہ تم کسی رئیس کی لڑکی ہو۔ اس انگوٹھی، لاکہ اور گھوڑے پر سواری کرنے
 کوئی رئیس زادی ہی ہو سکتی ہے۔ پھر بھی اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ میں اپنے اس ملوک کا معادہ طلب کرنے
 غلط ہے جو کچھ میں نے کیا وہ ایک انسانی فرض ہے۔"

"میں اتنی تنگ نظر نہیں ہوں الفانسو۔" شیبا جڑ بڑھ کر بولی:

"تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ احسان کیلئے ہے۔ احسان کا بدلہ روپے سے نہیں دیا جاسکتا۔ میں
 میں حاکم قزطیہ کی بیٹی ہوں۔"

"شیبا۔۔۔۔۔ حاکم قزطیہ۔۔۔۔۔ تم حاکم قزطیہ کی لڑکی ہو۔" الفانسو کو جیسے بچپن کے دنک اور
 کھڑا ہو گیا اور بولا:

"شیبا اٹھو۔ میں ابھی تمہیں قلعہ پہنچاؤں گا۔"

الفانسو کا لہجہ ایک دم تلخ اور جارحانہ ہو گیا۔

شیبا سمجھی کہ الفانسو حاکم قزطیہ کا نام اس کے خود زدہ ہو گیا ہے اور باز پرس سے اپنا دامن بچانا چاہتا

اسے تسلی دیتے ہوئے بولی:

"الفانسو گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میرے لیے جھوٹی لڑائی اور عمل برابر ہیں؟"

"نہیں شیبا۔ اب تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔" الفانسو اس قدر ہرجے کر بولا کہ بڑے صاف صاف کی آنکھ کھل گئی۔

ماں بڑ بڑا کر اٹھ بیٹھ اس نے پوچھا:

"کیا ہوا الفانسو! اس قدر زور سے کہیں بول رہا ہے؟"

الفانسو کی حالت واقعی غیر ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک قسم کی وحشتانہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔

ماں کو کوئی جواب نہیں دیا۔

شیبا نے ماں سے کہا:

"ماں۔ الفانسو مجھے ابھی گھر پہنچانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ میں ابھی جانا نہیں چاہتی۔"

ماں نے کہا:

"الفانسو! تو آج کیسی ہلکی بکی باتیں کر رہا ہے۔ بادل گرج رہے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے۔ یہ وقت بہر

نکلے گا ہے۔ اس بے چاری نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ پہلے تو تو اس کی جان بچا کے لایا۔ اب اس کو اندھی طوفان

میں لے جا کر اسے مارنا چاہتا ہے۔"

ماں ٹھیک کہہ رہی تھی۔ باہر طوفان کا عالم تھا لیکن الفانسو کے دل میں اس وقت جو طوفان اٹھ رہا تھا وہ

ماں کو کیسے دکھاتا۔ کیسے بتاتا؟ یہ طوفان تھا نفرت، بغاوت اور انتقام کا۔ اسے حاکم قزطیہ سے نفرت تھی۔

وہ اس کا نام ایک سفنا پسند نہیں کرنا تھا اور شیبا اسی حاکم، اسی گورنر کی بیٹی تھی۔ کاش اسے یہ بات پہلے معلوم

ہو جاتی۔ لیکن اس میں شیبا کی کیا حریف تھی۔ اس کا کیا قصور تھا۔ اگر حاکم قزطیہ نے الفانسو کے ساتھ کوئی

زیادتی کی تھی تو شیبا مجرم کیسے ہوتی؟

الفانسو کے جذبات میں کچھ سکون پیدا ہوا تو اس نے کہا:

"ماں۔ تو سو جا۔ شیبا تم بھی سو جاؤ۔ صبح جلیں گے قزطیہ۔"

شیبا کو اس تغیر پر سخت پریشانی تھی لیکن اس سلسلے میں اس وقت الفانسو سے گفتگو کرنا کسی طرح

مناسب نہ تھا۔ وہ کروٹ لے کر لیٹ گئی اور بچانے پھر کب سو گئی۔



الفانسو کے تصور میں اپنی مردہ ماں کی تصویر بار بار ابھرتی۔

سارا عالم سو رہا تھا لیکن الفانسو کی آنکھوں سے نیند کو سوں دور تھی۔ جب سے اسے علم ہوا تھا کہ شیبا

گورنر قزطیہ کی بیٹی ہے، اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ آگ دم بہ دم بڑھتی رہی پھر اتنی بڑھی کہ اس کا

جی چاکا سو گئی ہوئی شیبا کا لگی دباو سے۔ حاکم قزطیہ سے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع تھا۔

اس نے انتقامی مزیات سے بے تاب ہو کر شیبا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک ہلکا سا جھٹکا شیبا کو ہمیشہ کے

لیس اس کے باپ سے جدا کر سکتا تھا لیکن اس کی ہمت جواب دے گئی شاید اس کا خمیر بیلار ہو گیا تھا۔ اس

نے ہر جھٹکے کی خیالات سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

افانسونے دیکھا کہ اس کی ماں اس کے سامنے کھڑی ہے۔ اس نے چاہا کہ دوڑ کے اس سے لڑے لیکن ماں نے پیچھے ہٹ گئی۔ پھر بولوں غمغموں ہوا۔ جیسے اس کی ماں کے جوتے پل رہے ہوتے اور وہ افانسو کے کچھ کہہ رہی ہے۔

افانسو کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ پھر ماں کے پیو نے کہا:

"افانسو! ذرا اور صبر کر۔ انتقام کا وقت آج نہیں آتا۔ استقلال سے کام لے۔ شہنشاہ سے دشمنی لیکن اس میں اس کی کیا خطا؟ خالق تو اس کا باپ ہے۔ تجھے اس کے باپ سے انتقام لینا ہے۔ غمغموں لڑکی کا دل نہ دکھانا۔"

ماں کا ہیرو اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

پھر اس نے دیکھا کہ قلعہ قریب آگ کی لپیٹ میں ہے۔ محاصرہ کو باغیوں نے گھیر لیا ہے۔ افانسو نے بچے کو سینے سے چمٹائے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگ رہی ہے۔ یہ ڈرا اور مہما ہوا اپنے خود افانسو اس کی ماں نے مرنے سے پہلے ہی بتایا تھا۔ پھر اس نے اپنی ماں کو محاصرے لگ کر فضا کی طرف بھاگے۔ پھر اس کی گود میں تھا۔ اس کا باپ تنہا باغیوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ یہ باغی غیرت سے بھرے تھے بلکہ اس کے دشمن بھاگے بیچھے ہوئے آدمی تھے۔ ایک ایکلا اتنے آدمیوں کا کلب تک مقابلہ کرتا۔ اس کے جسم پر زخم بڑھتے گئے پھر وہ بے دم ہو کر گر گیا۔ دشمنوں نے اس کے کمرے کو دیے لیکن افانسو اپنی ماں کے سینے سے چمٹا ہوا غمغموں تک پہنچ گیا۔

اس طرف دریا فصیل کے قریب سے گزرتا تھا۔ بادش کے موسم میں دریا میں سیلاب آتا تو فصیل ڈوب جاتا اور دریا کا پانی اندر داخل ہو جاتا۔ پھر پانی اتر جانے پر فصیل کی مرمت شروع ہوتی اور ٹوٹی ہوئی فصیل از سر نو ہو کر تیار ہو جاتی۔ فصیل اور سیلاب میں ہر سال یہ کشمکش ہوتی۔ دریا ہر موسم بہا رات میں فصیل کو مندم کرتا۔ پھر اس کی تعمیر نو شروع ہوتی۔

افانسو اور اس کی ماں کے قلعے سے بچ نکلنے میں سیلاب اور فصیل کی اس لڑائی نے مدد کی۔ دریا میں آج کا تھا اور فصیل ٹوٹ چکی تھی۔ اس وقت فصیل کی مرمت ہو رہی تھی۔

افانسو کی ماں اسے لے کر قلعے سے نکلے جاگی۔ قلعے سے نکل کر وہ دریا کے ساتھ ساتھ رات بھر جاگتی رہی۔ صبح ہوئی تو اس نے ایک چرواہے کی بھونچڑی میں پناہ لی۔

افانسو کی ماں قلعے سے نکلے وقت اپنی تمام شاہی نشانیوں میں چھوڑ آئی تھی تاکہ اگر وہ قسمت سے بچے کوئی اسے پہچان سکے۔

ان دنوں سپانیہ میں شہنشاہیت تھی۔ دارالخلافہ طلیطلہ تھا۔ طلیطلہ کا بادشاہ شہنشاہ ملانا تھا اور تمام سپانیہ اس کے زیر نگیں تھا لیکن ہر صوبے اور علاقے میں خود مختار بادشاہ ہوتے تھے جن کا مرکز شہنشاہیت ہے۔ ان تمام تعلق ہوتا تھا۔ ہر ایک اپنے مقام پر آزاد اور اپنی من مانی کرتا تھا۔ شہنشاہ کو ان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہ تھا۔ تمام علاقوں کے گورنر "حاکم" کہلاتے تھے کیوں حقیقت میں وہ بادشاہ تھے۔

قلعہ قریب کا اختیار نہ تھا۔ تمام علاقوں کے گورنر "حاکم" کہلاتے تھے کیوں حقیقت میں وہ بادشاہ تھے۔ قلعہ قریب کی حکمرانیں جس وقت آگ لگی اس وقت قلعہ قریب کا گورنر یا حاکم افانسو کا باپ تھا لیکن افانسو کا چچا اس کا سخت مخالف تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ طاقت حاصل کی اور امیروں و دیروں کو حاکم قریب کے قریب بنوایا۔ قتل کے لیے اس نے آگ کا ہتھیار استعمال کیا جو مر میں آگ لگائی گئی۔ حاکم قریب باہر نکل آیا۔ وہاں دشمن کے آدمی پیسے ہی موجود تھے۔ انہوں نے حاکم قریب کو گھیر لیا۔ حاکم قلعہ ایک شجاع جوان تھا۔ اس نے دشمنوں کا دیرینک مقابلہ کیا۔ وہ قویا گیا لیکن ان لمحات سے فائدہ اٹھا کر اس کی بیوی شہزادے افانسو کو لے کر نکل گئی۔

افانسو نے دس برس اپنی بھونچڑی میں پرورش پائی۔ والد کے مرنے تک اسے یہ معلوم تھا کہ اس کا باپ بڑا طاقتور اور جس کے ساتھ وہ رہ رہا ہے وہ اس کے چچا اور چچی ہیں۔ اس کی بقیہ زندگی بھی شاید اسی طرح گزر جاتی لیکن اس کی ماں نے مرتے وقت اس پر تمام واقعات کا انکشاف کیا۔ اس نے افانسو کو ہدایت کی کہ وہ وقت کا انتظار کرے اور اس وقت تک اپنی شخصیت ظاہر نہ کرے جب تک اسے پوری طاقت حاصل نہ ہو جائے۔

پچھلے پانچ سال سے وہ ماں کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ پہلے اس کی ماں مری۔ پھر منہ بولا چچا بھی چل بسا۔ اب وہ بچی جیسے اہل گناہ تھا، اس بھونچڑی میں صبر و قناعت کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہا تھا۔

قلعہ قریب میں جس رات یہ حادثہ پیش آیا۔ اس کی صبح کو حرم مرا کے دروازے پر افانسو کے باپ کی لاش ملی۔ لاش مل کر غاسنر ہو گئی تھی۔ حرم مرا کی بھیتیں اور دیواریں زمین بوس ہو گئی تھیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا کہ کلمہ اور شہزادہ افانسو بھی چل مرے ہیں۔

یہ تاثر افانسو کے چچانے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت دیا تھا۔ قلعے پر اس کا قبضہ ہو گیا اور طلیطلہ کو بڑی حکومت نے اسے باقاعدہ طور پر قلعے کا حاکم تسلیم کر لیا۔ اس وقت سے اب تک قریب پر افانسو کے چچا کا قبضہ تھا۔ شہنشاہ اس کی بیٹی تھی۔

الفاٹو نے وہ رات بڑے کرب میں گزاری۔
اس کا تیرا بار بار شبہا کا گلہ دبانے کو بڑھتا لیکن رگ جاتا۔ یہ شبہا کی مومن صورت تھی۔
اندر دبی ہوئی انسانیت کہ وہ باپ کے خون کا بدلہ شبہا سے نہ اور اس نے کو دھیں بدل بدل کے باپ
گزار دی۔

شبہا کہنے کو تو شہزادی تھی لیکن محل میں اسے کوئی اختیار نہ تھا۔ اس کی ماں مرچکی تھی اور سوتیلہ ماں
کیسے ہوئے تھی۔ شبہا کا باپ بوڑھا تھا اور نئی ملکہ جوان بلکہ ایک نوجوان عورت تھی۔ وہ شبہا سے محبت
بڑی تھی۔ اسے رنگ رلیوں ہی سے فرصت نہ تھی کہ شبہا پر توجہ دیتی۔ سوتیلے رشتے نے اسے شبہا کی
لا پرواہ کر دیا تھا۔ ملکہ نے محلی رنگیں فضا میں اپنے ساتھ شبہا کو بھی رکھنا چاہا مگر شبہا پر اس کا رنگ
اس طرح شبہا روز بروز تنہا ہوتی چلی گئی۔

شبہا نے علوم و فنون کی وادی میں پناہ حاصل کی۔ اس وقت وہ قرطبہ کی انتہائی ذہین عورتوں
کی جاتی تھی۔ علم کے علاوہ شبہا نے سپہ گری کے میدان میں بھی کئی مہارت حاصل کی تھی۔ وہ ایک
شہ سوار بھی تھی۔

شبہا صبح و شام اٹھوڑے پر سوار ہو کر صبر کو جاتی تھی۔
ایک دن وہ صبح میر کہنے گئی تو رات تک واپس نہ آئی۔ ملکہ اور حاکم قرطبہ کو اس کی گمشدگی کا
ملی جب محل میں بھی ہوئی محفل نشاط بہت رات گزرنے کے بعد برخواست ہوئی۔ شبہا کے باپ کو
ہوئی۔ اس نے چند سوار اس کی تلاش میں دوڑائے لیکن رات کو کیا پتہ لگتا۔
ملکہ نے حاکم کو یہ کہہ کر مطلع کر دیا کہ شہزادی کوئی بچی نہیں۔ کہیں ٹھہر گئی ہوگی۔ صبح ملکہ اس
بات صبح پر ٹل گئی۔

صبح ہوئی تو پھر سوار ہر طرف دوڑائے گئے۔ حاکم قرطبہ کو یہ خیال بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کب
مسلمان سپاہیوں کے ہاتھ نہ پڑ گئی ہو۔ اسے جاسوسوں نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں نے اسی صبح قرطبہ
مکمل ہے کہ وہ اب قرطبہ کا رخ کر لیں۔ حاکم نے قرطبہ میں فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور وہ مسلمانوں
کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

دوپہر کے وقت حاکم قرطبہ کو شہزادی کے واپس آنے کی اطلاع ملی حاکم قرطبہ اس وقت اپنے
ساتھ صلاح مشورے میں مصروف تھا خبر پڑتی ہے وہ سرداروں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ شبہا
کے سامنے آئی۔

باپ چادر میں لپیٹی ہوئی تھی۔ یہ چادر اسے الفاٹو نے دی تھی۔ الفاٹو خود بھی اس کے ساتھ تھا۔ باپ
شبہا کو گلے لگایا۔ اس نے پوچھا:
"میں تم کہاں رہ گئی تھیں؟ ہم لوگ رات بھر بہت پریشان رہے۔
شبہا کے آنسو جھک اُٹے اس نے کہا:
"پاپا میں قوت کے منہ میں چلی گئی تھی۔"

پاپا الفاٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی:
"یہ ایک جوان نہ ہوتا تو آپ آج مجھے یہاں نہ دیکھتے۔"
شبہا کی نظر میں الفاٹو کی طرف اٹھ گئیں۔
حاکم قرطبہ نے کہا:
"تم پر کیا گزری ہو؟ تمہارے کپڑے کہاں ہیں اور یہ سیلی غلیظ چادر...."

شبہا نے کہا:
"پاپا میرا گھوڑا بھروسہ کو دریا میں گر گیا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ میری آنکھ کھلی تو میں اس جوان کی بھرپوری
پاپا نے مجھے دریا سے نکالا تھا۔"

شبہا کی سوتیلی ماں اس کی واپسی کی اطلاع پا کر وہاں آگئی۔ وہ بڑی بے تابی سے شبہا سے لپٹ گئی۔ شبہا
کوئی نہ دکھاوا اور مکاری ہے۔
ملکہ رونے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا:
"شبہا! تم رات بھر کہاں رہیں؟ ہم لوگوں نے اس پریشانی میں کھانا بھی نہیں کھایا۔ یہ سفید جھوٹ تھا۔ ملکہ
نے محل عیش و نشاط میں شراب و کباب سے غفلت ہوتی رہی تھی۔
شبہا نے ملکہ کو کہا:

"شبہا! میں نے آپ میرے غم میں رات کو کھانا نہ کھا سکیں لیکن میں نے تو رات اس غریب چرواہے
کو کھانا کھا کر گرم دودھ پیا تھا۔"

ملکہ اس کا طنز کچھ گئی اور دل ہی دل میں تیرج و تاب کھا کر رہ گئی۔ شبہا اس نے پوچھا:
"شبہا! تم نے کیا اس آدمی کے ساتھ بھرپوری میں رات بسر کی ہے؟ یہ کہتے ہوئے اس نے حاکم قرطبہ
کو بلایا۔
شبہا کو چاہا کہ ملکہ کا منہ نوچ لے۔ وہ کوشش کر بولی: "جی ہاں جی! اس نے میری جان بچائی ہے۔ میرا

اپنے باپ کے قاتل کا سر۔ پھر وہ کیا انعام مانگتا۔

انسانو نے دل پر جبر کرتے ہوئے کہا:

اگر حاکم قرطبہ مجھے منہ مانگا انعام دینا چاہتے ہیں تو میرا انعام یہ ہے کہ مجھے با عزت طریقے سے اپنی

جھوٹی میں واپس جانے دیا جائے۔

حاکم قرطبہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

حاضرین بھی اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

اسی وقت شیبہ کی نرم و نازک آواز منفا میں ابھری:

”تم بہت عظیم ہو انسانو۔“

انسانو نے کہا کہ حاکم قرطبہ کو ایک کھجور سی آئی جیسے اسے کوئی بھول بھری بات یاد آگئی ہو۔

انسانو نے پیٹھ کھائی اور تیز تیز قدموں سے محل سے نکل گیا۔



تاریخ اسلام میں فتوحات کے سلسلے میں اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک سب سے زیادہ خوش قسمت ہے۔

یہی خلیفہ ہے جس کے دور خلافت میں حجاج بن یوسف جیسا ظالم اور جابر گورنر گزرا لیکن اس کے چار سپہ سالاروں

نے اسلامی حکومت کا دائرہ اس قدر وسیع کر دیا جس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکے گی۔

حجاج کا داماد محمد بن قاسم وادی ہند کو اسلام کے نور سے منور کر رہا تھا

قتیبہ بن مسلم شہنشاہ چین سے خراج وصول کر رہا تھا۔

افریقہ میں موسیٰ بن نصیر فتح و نصرت کے پرچم اڑا رہا تھا اور

ای کاغذ طارق بن زیاد ہسپانیہ میں شہنشاہ راڈرک کو شکست دینے کے بعد آگے ہی آگے بڑھتا

بارہ تھا۔

ہسپانیہ کا شہنشاہ جنگ لاکھوں جنگجووں میں مارا جا چکا تھا لیکن ہسپانیہ کے نصرانی اب تک یہ امید لگائے بیٹھے

تھے کہ شہنشاہ کیوں رولوش ہو گیا ہے اور فوجیں اکٹھا کر کے جلد ہی دوبارہ طارق بن زیاد کے مقابلے پر آئے گا۔

طارق بن زیاد نے مدینہ منورہ پر قبضہ کیا۔ پھر قزوین ہونا ہوا ای سی جا پہنچ گیا۔ یہ معرکہ بھی اس نے سر کر لیا۔

لیکن قرطبہ کیوں اب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ راڈرک کو نہ آنا تھا نہ آیا۔ وہ ٹولا گو جندہ کی جہنگ میں شکست کھا کر

محسن ہے۔ اس نے مجھے اپنی جھونپڑی میں پناہ دی۔ میں رات بھر وہیں رہی۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔

ملکہ نے دیکھا کہ اس وقت شہزادی کے منہ گنا ٹھیک نہیں۔ اس نے فوراً پیڑ بڑھ لیا اور بولی:

”تم پر تو کوئی اعتراض نہیں شیبہ۔ لیکن یہ آدمی کتنا تک حرام ہے۔ اس نے تمہیں عمل پہنچا

بجائے رات بھر اپنی جھونپڑی میں روکے رکھا۔ اسے اس گستاخی کی سزا ملنی چاہیے۔“

انسانو بڑے صبر و تحمل سے ان کی باتوں کو سن رہا تھا۔ محل میں آنے کا اس کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

روتے ہوئے کہا:

”پاپا۔ آپ دیکھ رہے ہیں مٹی میرے عمن کو تک حرام کہہ رہی ہیں۔“

حاکم قرطبہ دونوں کے جھگڑے سے ہنس ہی پریشان ہو رہا تھا۔ وہ بولا:

”شیبہ! نہ کرو۔ ہم اس آدمی کو انعام دیں گے۔“

ملکہ نے پانسے پٹتے دیکھا تو فوراً اعلان کیا:

”اس آدمی کو شیبہ کی سفارش پر دس طلائی سکے انعام دیے جائیں۔“

یہ کہہ کر وہ مسکرائی اور شیبہ کا طرف دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ میں شکست کھانے کے

سے افضل ہوں۔

انسانو کا بیانا صبر چھلک پڑا۔ اس نے کہا:

”میں ملکہ اور حاکم قرطبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن مجھے انسانو سے ہے کہ میں انعام قبول نہیں کر

تاں لوگ حیرت سے انسانو کو دیکھنے لگے۔“

ملکہ کو ناگوار تو گزرا لیکن اس نے بات بناتے ہوئے کہا:

”دس طلائی سکے تمہاری حیثیت سے کیوں زیادہ ہیں لیکن ہم ازراہ کرم، شیبہ کے عمن کو میرے

سکے انعام دیتے ہیں۔“

”مجھے انعام نہیں چاہیے۔“ انسانو نے تقریباً چھینٹے ہوئے کہا:

”میں نے صلے کے لیے شہزادی کی جان نہیں بچائی۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ انسانیت کا فرض۔“

حاکم قرطبہ نے کہا:

”ہم تمہاری فرض شناسی کی داد دیتے ہیں لیکن تم ہمارے دل سے خالی ہاتھ نہیں جا سکتے۔ تمہیں نہ

انعام دیا جائے گا۔ ہو تو تم کیا مانگتے ہو۔“

انسانو غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کے باپ کا قاتل اسے انعام دے رہا تھا۔ منہ مانگا انعام اس کا

ایسی جاکو تاریخ سپین میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہسپانیہ کی ایک بڑی جنگ لڑی گئی۔

ای سی جی ایم متبرک فغا فغا۔ اسلام مسلمانوں کو عبادت گاہوں اور معبودوں کے احترام کا سبق دیتا ہے۔ طارق بن زیاد اس قلعے کو بغیر جنگ کے حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ یہاں کے کلیساؤں اور خانقاہوں میں ہزاروں راہب اور راہبات بظاہر عروج عبادت دہستے تھے لیکن حقیقتاً ہر خانقاہ اور کلیسا ایک عشرت گاہ تھی۔ طارق نے انتہائی کوشش کی کہ قلعہ بغیر لڑائی کے حاصل ہو جائے۔ انہوں نے اپنی طرف سے انتہائی نرم شرٹ لکھیں مگر ای سی جی جی اے مذہبی جنگ پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے راہبات میں یہ افواہ پھیلانی کہ مسلمان وحشی و درندہ ہیں۔ یہ عورتوں کی عزت کو ٹوٹے ہیں پھر انھیں نہ تیغ نہ دیتے ہیں۔

ایسی جا کی راہیات اس فزیب میں آگئیں اور جب قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو طلاق بن زیاد کی ہمت کو کشش کے باوجود کئی سو راہلت نے اپنے جسم و انداز کا ہر چہرے مسخ کر لیے۔

ایسی جا کی اہمیت اور ثمرت کی دو مری طبع یہ تھی کہ اسی مقام پر طارق بن زیاد کو قبرواں (انقریہ) اپنے اقا موسیٰ بن نعیر کا بیغا مل گیا۔ طارق بن زیاد اپنے اقا سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ وہ ہر فتح کی خبر ترزاں سواروں کے ذریعے براہر قبرواں بھیج رہے تھے۔ اسی خلیفہ ولید بن عبدالملک ہسپانیہ پر فوج کشی کو مامور نہیں سمجھتا تھا لیکن موسیٰ بن نعیر کے زور دینے پر اس نے اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ موسیٰ بن نعیر طارق بن زیاد پر پیش قدمی اور فتوحات کی خبریں فراد براہر خلافت میں بھیج دیتا۔

ہمسایہ پر حملہ کی تحریک موسیٰ بن نصیر کی تھی اور اس کا سہرا بھی اسی کے سر ہے لیکن طارق بن زیاد کو یہ مسئلہ فتوحات حاصل ہوئیں اور افریقہ سے کئی ہزار بربر بھی قسمت آزمائی کے لیے طارق بن زیاد کے پاس پہنچ گئے تو موسیٰ کو طارق کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔

طارق کے پاس برہمنوں کا ایک بڑا لشکر ہو گیا اور ان کے قدم ہسپانیہ میں آگے ہی بڑھتے مارے تھے اس سے موسیٰ بن نصیر کے دل میں رشک اور کدی حد تک حسد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ وہ دراصل ہسپانیہ کا تہ فتوحات کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے تھے۔ حسد اور رشک کے اس جذبہ سے مجبور ہو کر موسیٰ بن نصیر نے ان کو ایک حکم نامہ روانہ کیا :

”جہاں تک بڑھ چکے ہو وہیں رک جاؤ یہ حالات کی نزاکت

بنیادی شکر اسلام کے خوف سے لرز رہی ہیں۔ انہیں جتنا وقت ملے گا وہ اتنا ہی مضبوط ہو جائیں گے۔
ایک بربر سردار کچھ زیادہ ہی جوشیلا تھا اس نے کہا:

"موسلی بن نعیر نے ہمارے سالار کا توڑ نہیں کیا ہے۔ ہم ان کا کٹنا نہیں مانتے۔ موسلی بن نعیر کے کھانے کی جانے اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے۔"

طارق بن زیاد نے اس کو ڈانٹ دیا اور کہا:
"میں اپنے آقا کے حکم مددوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے امیر ہیں اور امیر کی حکم مددوں

تعلیمات کے خلاف ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہاں کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے قدم آگے بڑھائیں۔ اب چاہتے ہیں کہ میں آگے بڑھوں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ یہی حالات کا تقاضا ہے اور اسی میں ہمارا مدد ملے گا۔

اور خلیفہ عظیم کا مفاد پوشیدہ ہے۔ رہا میرے آقا کی ناراضگی کا معاملہ تو اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں مزاج سے پوری طرح واقف ہوں۔ انہیں کسی نہ کسی طرح سمجھا اور منانوں گا۔

مغیث الروی نے کہا:
"قابل احترام سپہ سالار ہسپانیہ میں اس وقت تک جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں وہ سب آپ

حکمت عملی، دور اندیشی اور شجاعت کا نتیجہ ہیں۔ پھر بھی ہماری یہ خواہش نہیں کہ آپ اور موسلی بن نعیر کے اختلاف پیدا ہو۔ میری ناپسندیدہ رائے یہ ہے کہ آپ کسی با اعتماد اور قابل بھروسہ آدمی کو موسلی بن نعیر کے

روانہ کریں۔ سب سے موسلی بن نعیر کو یہاں کے حالات سے پوری طرح آگاہ کرے اور اس دوران پیدا ہونے والے جملہ شکوک و شبہات دور کرنے کی کوشش کرے۔"

طارق بن زیاد اس رائے سے بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا:
"یہ مشورہ نہایت مناسب ہے اس پر ضرور عمل کیا جائے گا۔ ہمارے ساتھ اس وقت نواب جو لیں

ان سے زیادہ یہاں کے حالات سے اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نواب جو لیں ہمارے ساتھ بار ملاقات کر چکے ہیں۔ کیوں نہ ہم انہیں قیرواں بھیجیں تاکہ آگے بڑھنے کے دل میں اگر میری طرف سے کوئی

پیدا ہو گئی ہو تو دور ہو جائے۔"

مغیث الروی نے تائید کرتے ہوئے کہا:
"سپہ سالار کے اس انتخاب سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میرا خیال ہے کہ سب ہی سرداران فوج اس سے اتفاق کریں گے۔"

نما سرداران فوج نے نواب جو لیں کے انتخاب کو پسند کیا۔ نواب جو لیں کو کیا اعزاز مل سکتا تھا۔

بنا دیں شکر اسلام کے خوف سے لرز رہی ہیں۔ انہیں جتنا وقت ملے گا وہ اتنا ہی مضبوط ہو جائیں گے۔
ایک بربر سردار کچھ زیادہ ہی جوشیلا تھا اس نے کہا:

"موسلی بن نعیر نے ہمارے سالار کا توڑ نہیں کیا ہے۔ ہم ان کا کٹنا نہیں مانتے۔ موسلی بن نعیر کے کھانے کی جانے اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے۔"

طارق بن زیاد نے اس کو ڈانٹ دیا اور کہا:
"میں اپنے آقا کے حکم مددوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے امیر ہیں اور امیر کی حکم مددوں

تعلیمات کے خلاف ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہاں کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے قدم آگے بڑھائیں۔ اب چاہتے ہیں کہ میں آگے بڑھوں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ یہی حالات کا تقاضا ہے اور اسی میں ہمارا مدد ملے گا۔

اور خلیفہ عظیم کا مفاد پوشیدہ ہے۔ رہا میرے آقا کی ناراضگی کا معاملہ تو اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں مزاج سے پوری طرح واقف ہوں۔ انہیں کسی نہ کسی طرح سمجھا اور منانوں گا۔

مغیث الروی نے کہا:
"قابل احترام سپہ سالار ہسپانیہ میں اس وقت تک جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں وہ سب آپ

حکمت عملی، دور اندیشی اور شجاعت کا نتیجہ ہیں۔ پھر بھی ہماری یہ خواہش نہیں کہ آپ اور موسلی بن نعیر کے اختلاف پیدا ہو۔ میری ناپسندیدہ رائے یہ ہے کہ آپ کسی با اعتماد اور قابل بھروسہ آدمی کو موسلی بن نعیر کے

روانہ کریں۔ سب سے موسلی بن نعیر کو یہاں کے حالات سے پوری طرح آگاہ کرے اور اس دوران پیدا ہونے والے جملہ شکوک و شبہات دور کرنے کی کوشش کرے۔"

طارق بن زیاد اس رائے سے بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا:
"یہ مشورہ نہایت مناسب ہے اس پر ضرور عمل کیا جائے گا۔ ہمارے ساتھ اس وقت نواب جو لیں

ان سے زیادہ یہاں کے حالات سے اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نواب جو لیں ہمارے ساتھ بار ملاقات کر چکے ہیں۔ کیوں نہ ہم انہیں قیرواں بھیجیں تاکہ آگے بڑھنے کے دل میں اگر میری طرف سے کوئی

پیدا ہو گئی ہو تو دور ہو جائے۔"

مغیث الروی نے تائید کرتے ہوئے کہا:
"سپہ سالار کے اس انتخاب سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میرا خیال ہے کہ سب ہی سرداران فوج اس سے اتفاق کریں گے۔"

نما سرداران فوج نے نواب جو لیں کے انتخاب کو پسند کیا۔ نواب جو لیں کو کیا اعزاز مل سکتا تھا۔

یا اس پر پہنچنا جسے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

حاکم قرطبہ نے ایک سال کا راشن پانی قلعے میں جمع کر لیا تھا تاکہ طویل محاصرے کے دوران اس کی پریشانی نہ ہو۔ اس قلعے میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں ایک قدرتی چشمہ موجود تھا جس کی دھڑکی فراوانی تھی اور اس کے ختم ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

حاکم قرطبہ نے ایک سال کا راشن پانی قلعے میں جمع کر لیا تھا تاکہ طویل محاصرے کے دوران اس کی پریشانی نہ ہو۔ اس قلعے میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں ایک قدرتی چشمہ موجود تھا جس کی دھڑکی فراوانی تھی اور اس کے ختم ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔



قرطبہ کے اندر اور باہر انسانی زندگی کے معمولات میں فرق پڑ گیا تھا۔ ہر شخص دہشت زدہ نظر کرنے کی تمام آبادی سمٹ کر قلعے کے اندر آ گئی تھی لیکن الفاسوق اور شیبہ کے معمول میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

صحبہ معمول جانوروں کا ریوڑ لے کر صبح نکل جاتا اور شام کو واپس آتا۔ شیبہ سے ملاقات کے بعد اس پر تبدیلی ضرور آتی تھی کہ اب وہ اپنے ریوڑ کو دوسری طرف لے جانے کے بجائے قلعے کی سمت ہٹا کر لے آتا۔ چرتے رہتے اور وہ قلعے کی فصیل کے بالکل مقابل ایک جگہ بیٹھ جاتا۔ اس کی نظریں فصیل پر جم جاتیں اور وہ میں گم ہو جاتا۔

اگر تو ایسا ہوتا کہ صبح سے تمام ایک ایک ہی جگہ بیٹھا فصیل کو ٹکراتا رہتا فصیل اور اس کے درمیان دریا جاسکتا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کے دل میں ایسی ہوک اٹھتی کہ اس کا دل چاہتا کہ وہ دریا پار کر کے فصیل پر چلے اور پھر قلعے والوں کو آواز دے کہ کہہ کہ یہ قلعہ اس کا ہے۔ حاکم قلعہ کا صاحب ہے۔ قلعہ اس کا ہے۔

ایک دن تو الفاسوق ایسا جنوں ہوا کہ اس نے دریا میں پھلانگ لگائی اور نیزہ کر دو مری طرف پہنچا۔ عام آدمیوں میں دریا اور فصیل کے درمیان بیس فٹ کا راستہ رہتا تھا لیکن بارش کے دنوں میں دریا بڑھتا پانی فصیل کو چھوٹے مگتا۔ اب بارشیں شروع ہو چکی تھیں اور یہ راستہ پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ دوڑ تک انجیر کا باغ لگا تھا۔ الفاسوق فصیل کے قریب پہنچا تو اس کا دل نامعلوم جذبات سے دھڑکنے لگا اور اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے قلعے میں علی سرائی کی لپیٹ میں ہے اور اس کی ماں اسے سینے سے پٹٹے سے فصیل کی طرف بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس کی زبان سے آہستہ سے نکلا: "ماں!"

ایک دن تو الفاسوق ایسا جنوں ہوا کہ اس نے دریا میں پھلانگ لگائی اور نیزہ کر دو مری طرف پہنچا۔ عام آدمیوں میں دریا اور فصیل کے درمیان بیس فٹ کا راستہ رہتا تھا لیکن بارش کے دنوں میں دریا بڑھتا پانی فصیل کو چھوٹے مگتا۔ اب بارشیں شروع ہو چکی تھیں اور یہ راستہ پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ دوڑ تک انجیر کا باغ لگا تھا۔ الفاسوق فصیل کے قریب پہنچا تو اس کا دل نامعلوم جذبات سے دھڑکنے لگا اور اس کی ماں اسے سینے سے پٹٹے سے فصیل کی طرف بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس کی زبان سے آہستہ سے نکلا: "ماں!"

ایک دن تو الفاسوق ایسا جنوں ہوا کہ اس نے دریا میں پھلانگ لگائی اور نیزہ کر دو مری طرف پہنچا۔ عام آدمیوں میں دریا اور فصیل کے درمیان بیس فٹ کا راستہ رہتا تھا لیکن بارش کے دنوں میں دریا بڑھتا پانی فصیل کو چھوٹے مگتا۔ اب بارشیں شروع ہو چکی تھیں اور یہ راستہ پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ دوڑ تک انجیر کا باغ لگا تھا۔ الفاسوق فصیل کے قریب پہنچا تو اس کا دل نامعلوم جذبات سے دھڑکنے لگا اور اس کی ماں اسے سینے سے پٹٹے سے فصیل کی طرف بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس کی زبان سے آہستہ سے نکلا: "ماں!"

ایک دن تو الفاسوق ایسا جنوں ہوا کہ اس نے دریا میں پھلانگ لگائی اور نیزہ کر دو مری طرف پہنچا۔ عام آدمیوں میں دریا اور فصیل کے درمیان بیس فٹ کا راستہ رہتا تھا لیکن بارش کے دنوں میں دریا بڑھتا پانی فصیل کو چھوٹے مگتا۔ اب بارشیں شروع ہو چکی تھیں اور یہ راستہ پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ دوڑ تک انجیر کا باغ لگا تھا۔ الفاسوق فصیل کے قریب پہنچا تو اس کا دل نامعلوم جذبات سے دھڑکنے لگا اور اس کی ماں اسے سینے سے پٹٹے سے فصیل کی طرف بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس کی زبان سے آہستہ سے نکلا: "ماں!"

ایک دن تو الفاسوق ایسا جنوں ہوا کہ اس نے دریا میں پھلانگ لگائی اور نیزہ کر دو مری طرف پہنچا۔ عام آدمیوں میں دریا اور فصیل کے درمیان بیس فٹ کا راستہ رہتا تھا لیکن بارش کے دنوں میں دریا بڑھتا پانی فصیل کو چھوٹے مگتا۔ اب بارشیں شروع ہو چکی تھیں اور یہ راستہ پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ دوڑ تک انجیر کا باغ لگا تھا۔ الفاسوق فصیل کے قریب پہنچا تو اس کا دل نامعلوم جذبات سے دھڑکنے لگا اور اس کی ماں اسے سینے سے پٹٹے سے فصیل کی طرف بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس کی زبان سے آہستہ سے نکلا: "ماں!"

جاتی ہو۔ اور میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا ہے۔

"اس دل کے جھوم اٹھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی انساؤ؟" شیبہ نے ہنس کر پوچھا۔
انساؤ نے ذرا اس گھبراہٹ پیدا ہونے لکھیں وہ سنبھل کر بولا:

"شیبا۔ اچھی باتوں کو سن کر اور اچھی چیزوں کو دیکھ کر کسی کا دل خوشی سے نہیں جھومتا۔ کیا تم نے انہیں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں؟"

شیبا سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی:

انساؤ نے بڑی خوبصورتی سے شیبہ کے سوال کو ٹال دیا۔ شیبہ، انساؤ کی ہر بات بڑے فہم سے
اسے تعجب تھا کہ ایک اُن پڑھ چرواہا جسے جانوروں کے دیوٹو چرانے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا اس قدر
باتیں کیسے کرتا ہے۔

شیبا بھی بڑی عقلمند لڑکی تھی۔ وہ تعلیم یافتہ بھی تھی اور قدرت نے اسے شعوری فیاضیوں سے
وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی:

"انساؤ! تمہیں دریل سے محبت ہے اس کی وجہ تو کچھ سمجھ میں آتی ہے لیکن تمہیں فضیل سے
ہے بظاہر مجھے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

انساؤ اس سوال پر چونک پڑا۔ اس نے دریا کے ساتھ فضیل کا نام لے کر خود ہی یہ سوال پیدا کیا۔
اس کی فطری ذہانت نے اس کا ساتھ دیا اور وہ ہنس کر بولا:

"اس کی وجہ بھی شاید تم ہی ہو۔ کیا تم اس فضیل میں قید نہیں رہتی ہو؟"
شیبا ہلکا جواب سی ہو گئی۔

اس کی نظر اس کے بھیکے ہوئے کپڑے پر پڑی جسے ہانڈھ کر وہ دریا پار گیا تھا۔ اس نے پوچھا:
"کیا تم نارہے تھے؟"

"ہاں!۔ انساؤ بولا:

"دور یا میں نہانا یا دریا پار جانا تھا۔ اسے قانون میں کہیں جرم تو نہیں؟"
شیبا کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا:

انساؤ تم قانون اور جرم کا ذکر میرے سامنے کیوں کرتے ہو۔ میں نہ کسی کو مجرم سمجھتی ہوں نہ نہ
میرے دی کرتی ہوں۔ انسان خود اپنا جرم ہوتا ہے۔ اپنے ضمیر کا اور ضمیر کی آواز سب سے بڑا قانون ہے۔"
انساؤ نے بہت دماغ لٹایا مگر اسے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ ہفتے میں ایک بار
کی صحبت میں ضرور میٹتا تھا۔ اس کا اثر تھا کہ وہ کبھی کبھی فلسفیانہ گفتگو کر لیتا تھا یا ایسی باتوں کو سمجھ لیتا تھا۔

میں مشکل ہی سے آتی ہیں۔

نہو نے بات ملتے ہوئے کہا:

نیز چھڑوان باتوں کو۔ یہ تاؤ تم قلعے سے کیسے نکلیں۔ سنا ہے کہ کوئی لشکر قطیف پر حملہ کرنے کے لیے
بگ بگ بھاگ بھاگ کر قلعے میں پناہ لے رہے ہیں اور تم قلعے سے باہر میکر رہی ہو۔

شیبا سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی:

انساؤ میں اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں کہ تمہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کروں۔ افریقہ کی کوئی
سین قوم سندر پار کر کے ہسپانیہ آ گئی ہے۔ اس نے ہمارے شہنشاہ کو بھی شکست دے دی ہے۔ اب وہ قطیف
نہو نے ادھر آ رہی ہے۔

انساؤ جب کچھ ہفتے دانشور کے گھر گیا تھا تو اس نے کچھ باتیں مسلمانوں کے بارے میں سنی تھیں۔
دانشور لوگوں کو بتاتا تھا کہ ہسپانیہ پر حملہ کرنے والی قوم بڑی جنگجو ہے۔ وہ موت سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں
جتنی زندگی سے محبت کرتے ہیں۔

دانشور نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جو قوم موت کو زندگی پر ترجیح دیتی ہے اسے شکست دینا ناممکن نہیں
ہوتا۔ مشکل مزور ہوتا ہے۔

انساؤ نے کہا:

"مجھے اس کی خبر ہے شیبہ! لیکن ان کے آنے نہ آنے سے ہم جیسے غریب لوگوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ ڈر تو
قطیف والوں کو ہونا چاہیے غریب تو سدا سے غریب ہے اور سدا غریب ہی رہے گا۔"

شیبا نے انساؤ کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"انساؤ! جان سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی اور قیمتی چیز نہیں۔ اسے خواہ مخواہ خالص کرنا گناہ ہے۔ میں
نہو لوگوں کو ایسے آتی ہوں۔ قلعے میں تم لوگ زیادہ محفوظ رہو گے۔"

انساؤ نے ہنس کر کہا:

"شیبا! میں ایک جاہل اور اُن پڑھ چرواہا ہوں مگر میں تو یہ جانتا ہوں کہ جب ہسپانیہ کا شہنشاہ اس خطہ اور
قطیف کے نزدیک سے سکا تو قطیف کا قلعہ ان کے ہاتھوں سے کیسے محفوظ رہے گا؟"

شیبا اس کی یہ بات سن کر دنگ رہ گئی۔ اس نے پوچھا:

انساؤ: تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔ کیا تم دروغ کہتے ہو؟"

نہو شیبہ! انساؤ نے اسے بتانا شروع کیا: "بلکہ دانشور میرا پرانا گانا کہہ رہے ہیں ہفتے میں ایک"

اس کے گھر جاتا ہوں۔ وہ لوگوں کو جو جاتا ہے اور سمجھتا ہے وہ میں سنا رہتا ہوں۔ اس نے اسے کہہ دیا ہے کہ قلعہ قرطبہ سے زیادہ محفوظ مقامات قلعے سے باہر کی آبادیاں ہیں۔ اس نے اسے نہیں بھڑکارا۔ پھر میں اپنی چھوڑی چھوڑ کر قلعے میں کیسے جا سکتا ہوں؟
 ”الفاٹسو“ شیبانے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا:
 ”میں تم سے بحث نہیں کرتی۔ تم نہیں جانتے تمہاری زندگی مجھے کتنی عزیز نہیں ہے شاید یہ“

بھی زیادہ۔“

الفاٹسو اس کی بات سے بہت متاثر ہوا۔ شیبانے جو کہا وہ کسی عقیدت یا احسانندی کا رد عمل نہیں اس کے دل کی آواز تھی۔ یہ وہ جذبہ تھا جو ایک لڑکی میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ کسی سے محبت وہ سوچ میں پڑ گیا۔
 شیبانہ اگر اس سے محبت کرتی ہے تو کیوں؟
 وہ ایک معمولی چرواہا اور شیبانہ اس حاکم قرطبہ کی بیٹی جسے بادشاہ کے اختیارات حاصل تھے۔
 اور انملکیات تھی۔

اس نے سوچا کہ میں شیبانہ کو اس کی اصلیت تو نہیں معلوم ہو گئی۔ اسے کسی طرح یہ پتہ تو نہیں ہو سکتا۔ اصل حق دار میں ہوں۔ لیکن یہ ناممکن تھا۔ اس راز کی خبر تو اس نا بیباک بڑھیا کو بھی نہ تھی۔
 کے ساتھ بھونچڑی میں رہتی تھی۔ الفاٹسو کی ماں نے اس راز سے صرف اسے ہی آگاہ کیا تھا اور اس کے ساتھ کہ اس راز کو تب تک نہ کھولا جائے جب تک الفاٹسو کو طاقت نہ حاصل ہو جائے۔
 شیبانہ گھوڑے سے اتر کر الفاٹسو کے سامنے کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ اب وہ آگے بڑھ کر برابر بیٹھ گئی۔

الفاٹسو پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس سے وہ پہلے واقف نہ تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ قلعہ کا حاکم ہے۔ بادشاہ ہے۔ تخت نشاہی پر بیٹھا ہے اور شیبانہ قلعہ کے روپ میں اس کے جلوہ فگن ہے۔ درباری سر جھکاٹے اس کے حکم کے منتظر ہیں، لیکن یہ کیف، یہ تصویر یہ منتظر زیادہ ہیں۔
 میں نظر نہ رکھ سکتا شیبانہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔
 شیبانے کہا:

”الفاٹسو۔ اپنی خاطر نہیں تو تم میری خاطر قلعے میں چلو۔ میں تمہیں زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ شیبانے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ الفاٹسو کے شانے پر رکھ دیا۔

الفاٹسو کی اپنی مجوریاں نہ ہوتیں تو شاید وہ کہہ بیٹھا کہ شیبانہ مجھے بھی تمہارا اتنا ہی خیال ہے۔ تم سے اتنی جتنی تمہیں مجھ سے ہے لیکن وہ یہ نہ کہہ سکا۔
 الفاٹسو نے شیبانہ کو غور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا:
 ”شیبانہ میں قلعے میں آؤں گا ضرور آؤں گا لیکن ابھی نہیں۔ انتظار کر سکتی ہو تو میرا انتظار کرنا۔ میں“

معلت نے اس کی زبان روک لی۔ الفاٹسو خاموش ہو گیا۔ شیبانے سمجھ لیا کہ الفاٹسو کو قائل کرنا ممکن ہے۔ اس نے بھی کچھ نہ کہا۔

دونوں دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

دونوں کی دھڑکنیں سننے رہے۔

شیبانہ ایک ہاتھ الفاٹسو کے شانے پر تھا اور الفاٹسو کیوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شیبانہ روح بن کر اس کے جسم میں سیر کر رہی ہو جا رہی ہے۔



طارق بن زیاد کی فوج چار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ہر حصے پر ایک سردار مقرر کر کے طلاق نے اسے ایک سمت روانہ کیا۔ اس طرح اسلامی لشکر ہسپانیہ میں چاروں طرف پھیل گیا۔ طارق نے اپنے حصے کی فوج کے سربراہ کے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔

قرطبہ ہسپانیہ کا دل سمجھا جاتا تھا۔ مرمر و شاداب مہرہ زار۔ جگہ جگہ قدرتی چشے، پھولوں اور پھلوں کی آمد و رفت تھی کہ اگر غذا ملیر نہ آئے تو ہفتوں پھلوں پر گزارا کیا جا سکتا تھا۔

قرطبہ کے گرد و نواح کے قدرتی مناظر نے طارق کو مسحور کر دیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اگر انھیں ہسپانیہ پر قبضہ کرنا ہے تو وہ قرطبہ کو اپنا مستقر بنائیں گے۔ اتنا دلکشی اور خوبصورت قطعہ زمین انہیں اب تک ہسپانیہ پر نظر نہ آیا تھا۔ انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہسپانیہ کے امیر ترین شہروں میں سے ایک یہ شہر قرطبہ ہے۔

اس قدر قرطبہ جس قدر دلچسپ تھی اس کا قلعہ اتنا ہی مضبوط تھا۔ اس کی دیواریں اس قدر بلند اور چوڑی تھیں کہ اگرچہ ان کے دروازے پر چڑھنا ناممکن نظر آتا تھا۔

طارق نے معینہ لاروی کو ساتھ لیا اور قلعے کے گرد چکر لگانے لگے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قلعے پر کس طرف

سے حملہ بہتر رہے گا۔

طارق اور مغیث نے قلعہ کے تین اطراف میں چکر لگائے اور قلعہ کی تفصیل کو خوب اچھی طرح دیکھا۔ انہیں کسی جگہ تفصیل میں کوئی کمی نظر آئے جو ان کے لیے مفید مطلب ہو۔ چوتھی طرف وہ اسی لیے نہ جا سکے۔

دریا بہتا تھا اور دریا بہور کر کے قلعہ پر حملہ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

طارق کو بڑی مایوسی ہوئی۔ انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ پھر نہ جانے انہیں کیا خیال آیا کہ گورنر طرف موڑ دیا۔

دریا کو پار کرنے کے دو پہل تھے لیکن یہ دونوں پہل قلعہ سے کافی دور تھے۔ انہیں شاید مصلحتاً قلعہ دور بنایا گیا تھا۔ طارق اور مغیث نے بجائے پہل پر جانے کے گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور تازی گویوں نے دم کے دم میں دریا پار کر لیا۔

دوسری طرف پہنچ کے انہوں نے گھوڑے قلعہ کی پشت کی طرف موڑ دیے اور ایک لمبا چکر لگایا۔ جگہ پہنچ گئے جہاں دریا، تفصیل کے ساتھ ساتھ بہتا تھا۔ طارق اور مغیث کو بڑی مایوسی ہوئی۔ دریائے نیل اور زیادہ محفوظ بنا دیا تھا اور اس سمت سے حملہ قطعی ناممکن تھا۔

طارق واپس آ رہے تھے کہ ان کی نظر بھیڑ بکریوں کے ایک ریوڑ پر پڑی۔ انہیں بڑا تعجب ہوا۔ ان کی تمام آبادی ڈر کر قلعہ میں پناہ گزین ہو چکی تھی لیکن ایک چرواہا ان بھیڑ بکریوں کو یوں ہانک رہا تھا جیسے مسلمانوں کی آمد کی کوئی خبر نہیں۔

طارق گھوڑا بٹھا کر چرواہے کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ہسپانوی زبان میں معمولی تندہ پیدا کر دی۔ اور وہ اب اس زبان کو سمجھنے کے علاوہ بول بھی سیکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت وہ یہودی سردار مغیث کی مدد لیتے تھے۔

طارق نے چرواہے سے پوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ قرطبہ کو دشمن کی فوجوں نے گھیر لیا ہے اور قلعہ کے باہر کی تمام آبادی بولنے کے اندر چلی گئی ہے۔"

الفا نسو انہیں اتنا دیکھ کر رک گیا تھا اور اس کے جانور ادھر ادھر پھیل کر چرنے لگے تھے۔ طارق پراٹھا سو نے ایک لمحے کو سوچا پھر کہا:

"جب غلام مدد سے بڑھ جائے تو غلام کو سزا دینے کوئی مذکور ضرور آتا ہے۔"

طارق اور مغیث ایک چرواہے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بے حد حیران ہوئے۔ مغیث ان کی

بڑا کہ وہ گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس آیا اور بڑے نرم لہجے میں پوچھا:

"میں نے تجھ کو جان، تیرا نام کیا ہے؟"

الفا نسو اس نے جواب دیا۔

کس خاندان سے تعلق ہے تیرا؟" مغیث نے دریافت کیا۔

الفا نسو لاپرواہی سے مسکرایا اور کہا:

"غریب کا کوئی خاندان نہیں ہوتا۔ غربت ہی سب سے بڑا خاندان ہے۔"

طارق کی نظر اس الفا نسو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ دنیا دشمنی اور انسان کی خفہ اور لاشعوری صلاحیتوں کا انہیں بڑا تجربہ تھا۔ ان کے آقا موسیٰ بن نصیر نے انہیں سچا یا تھا کہ جہاں جاؤ، جو ہر قابل تلاش کردہ ایک چور، کمزور، پیشتر گذریوں میں چھپے ہوتے ہیں۔ طارق خود ایک غلام تھے جنہیں موسیٰ بن نصیر کی چور شناساں نے ملنے کے درجے سے بلند کر کے فاتح ہسپانیہ بنادیا تھا۔

طارق نے جیسے الفا نسو کے چہرے کے خطوط پر نظر لیے یا اپنی فطری ذہانت سے الفا نسو میں کچھ ہی ہوئی چیزوں کا اندازہ لگایا۔

انہوں نے الفا نسو سے کہا:

"اگر میں یہ کہوں کہ تمہارا تعلق کسی شاہی خاندان سے ہے تو تم کیا جواب دو گے؟"

الفا نسو گھبرا گیا۔ وہ اپنی ماری ذہانت بھول گیا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے اس کا غائب بگٹاش وانشور سے ہی زیادہ خطرہ ہے۔ اسے بہ حال اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھنا تھا۔

الفا نسو نے کہا:

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا اندازہ غلط ہے لیکن میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ جس دن سے میں نے ہوش منہ صلا ہے خود کو چرواہا دیکھا اور پایا ہے۔"

مغیث نے سوال کیا:

"تم نصرانی ہو؟"

الفا نسو اس سے بولا:

"جی ہاں لیکن آپ نصرانی نہیں معلوم ہوتے۔"

نیرتم نے کیسے اندازہ لگایا؟" مغیث نے گھبرا کر پوچھا۔

الفا نسو نے کہا: "میں ایک جاہل چرواہا ہوں لیکن یہ جانتا ہوں کہ کم از کم قرطبہ کا کوئی نصرانی دوسرے

سے یہ نہیں پوچھنا کہ تم نعرانی ہو۔

حضرت نے طارق بن زیاد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ الفاسو سے کچھ فاصلے پر گھوڑے پر سوار ہو کر
 الفاسو نے پوچھا:

"ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ یہ کون ہو سکتے ہیں؟"

الفاسو نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا:

"یہ وہ ہیں جن کے نام سے آج پورا قرطبہ کانپ رہا ہے۔ ان کے آنے کا تو بعض لوگ کرا رہے ہیں۔"

انتظار تھا:

طارق کو الفاسو کی باتوں میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا:

"تمہیں ہمارا نام معلوم ہے۔"

"نہیں۔" الفاسو نے جواب دیا:

"آپ کے نام کا شاید بہت کم لوگوں کو علم ہے لیکن سرخ بال اور سرخ چہرے والے اس پر ہمارے

چرچا ہے جس نے ہسپانیہ کے شہنشاہ کو شکست دی ہے۔"

طارق بن زیاد ہسپانیہ میں روزِ اوّل ہی سے اپنے نام سے زیادہ سرخ بال اور سرخ چہرے والے

کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

طارق نے پوچھا:

"کیا قرطبہ والے یہ چاہتے تھے کہ مسلمان قرطبہ پر حملہ کریں؟"

"ہاں۔" الفاسو نے جواب دیا:

"کم از کم میرے استاد کی خواہش تو یہی تھی۔"

"تمہارا استاد؟" طارق نے پوچھا:

"کہاں ہے تمہارا استاد؟ کیا نام ہے اس کا؟"

الفاسو نے بتایا:

"ان کا نام گمشاد النور ہے۔ وہ قلعے کا باہر رہتے تھے۔ انہوں نے بہت باتھ پیرا ہے۔"

انہیں زبردستی پکڑ کر اندر لے گئے۔

طارق بن زیاد نے ایک اور سوال پوچھا:

"جاکم قرطبہ سے تمہیں کیا پر خاش ہے جو تم چاہتے ہو کہ مسلمان قلعہ قرطبہ پر حملہ کریں؟"

الفاسو ٹھکڑا ہو گیا اور اپنی بکریوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"اے فاج سپہ سالار! اگر آپ میری بکریوں پر زبردستی قبضہ کر لیں تو میں یہی خواہش کروں گا کہ آپ
 آپ کا شکر تباہ ہو جائیں۔"

طارق نے کہا:

"اے فوجان! اگر تم خواہش کرو تو میں تمہیں اپنے لشکر میں شامل کر سکتا ہوں۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ
 تم ہی اپنے استاد کے شاگرد ہو۔"

الفاسو نے کہا:

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہسپانیہ کے ایک ادنیٰ چرواہے کی اتنی عزت افزائی کی۔ میں فوجی
 فوج کا کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی نہیں۔ جب بھی ضرورت پڑی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

الفاسو نے منہ سے مخصوص میٹھی بھائی۔

میٹھی کی ادا نہ سننے ہی بیڑ بکریاں اس کی طرف ایک ایک کر کے آنے لگیں۔ ذرا دیر میں اس کے تمام جانور
 اس کے ارد گرد گھومتے ہوئے۔ طارق اور غیث یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

الفاسو نے کہا:

"سپہ سالار! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے ریوڑ کو لے کر واپس جاؤں۔ میری تابیناں، میرا انتظار
 لڑائی ہوگی۔"

غیث الرئی نے کہا:

"تم ہمارے ہو لیکن وعدہ کر دو کہ قرطبہ کی فتح کے بعد تم ہم سے ملنے ضرور آؤ گے۔"

طارق بن زیاد نے کہا:

"غیث! تم نے ہمارے منہ کی بات چھین لی۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب ہم قلعے میں داخل ہوں تو الفاسو
 اسے ساتھ جو ہم اس کے استاد گمشاد سے بھی ضرور ملاقات کریں گے۔"

الفاسو نے کہا:

"میں آپ کی خدمت کو ہی کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ آپ نے میرے استاد کا نام لیا ہے تو اس کا ایک قول بیان
 کرنا مجھے اجازت دیجیے۔ اجازت اسی لیے مانگ رہا ہوں کہ شاید میرے استاد کی بات آپ کو ناگوار نہ لگے۔"

الفاسو نے کہا:

"میں اس کی خدمت کو ہی کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ آپ نے میرے استاد کا نام لیا ہے تو اس کا ایک قول بیان
 کرنا مجھے اجازت دیجیے۔ اجازت اسی لیے مانگ رہا ہوں کہ شاید میرے استاد کی بات آپ کو ناگوار نہ لگے۔"

الفاسو نے کہا:

"میں اس کی خدمت کو ہی کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ آپ نے میرے استاد کا نام لیا ہے تو اس کا ایک قول بیان
 کرنا مجھے اجازت دیجیے۔ اجازت اسی لیے مانگ رہا ہوں کہ شاید میرے استاد کی بات آپ کو ناگوار نہ لگے۔"

الفاسو نے کہا:

"میں اس کی خدمت کو ہی کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ آپ نے میرے استاد کا نام لیا ہے تو اس کا ایک قول بیان
 کرنا مجھے اجازت دیجیے۔ اجازت اسی لیے مانگ رہا ہوں کہ شاید میرے استاد کی بات آپ کو ناگوار نہ لگے۔"

الفاسو نے کہا:

"میں اس کی خدمت کو ہی کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ آپ نے میرے استاد کا نام لیا ہے تو اس کا ایک قول بیان
 کرنا مجھے اجازت دیجیے۔ اجازت اسی لیے مانگ رہا ہوں کہ شاید میرے استاد کی بات آپ کو ناگوار نہ لگے۔"

پر مبنی ہوتے ہیں۔ بے خوف ہو کر استاد کا قول بیان کرو۔

انسانسو نے غیث الروی کو دیکھتے ہوئے کہا

”سید سالار! آپ کے یہ سپاہی سردار بگٹاؤں و انشور کا یہ قول ضرور جانتے ہوں گے کہ باہر سے قلعہ کو بھی اس شرط کے ساتھ بحال رکھنے کا اعلان کیا کہ قلعہ پر اسلامی پرچم لہرایا جائے اور مثال ایک چرواہے جیسی ہوتی ہے اور رعیت اس کا ریوڑ ہے جس کی حفاظت کی ذمے داری چرواہے پر ہے۔“

غیث الروی نے بگٹاؤں کا یہ قول نہ سنا تھا۔ اس نے ذرا حیرانی سے پہلے الفانسو کو اور پھر طارق

کو دیکھا۔

طارق مسکراتے ہوئے کہے

”الفانسو! تم نے جو قول بیان کیا ہے وہ ہم مسلمانوں کے لیے نیا نہیں۔ یہ تو ہمارے اہل انبار کے لیے ہے۔“

مذہب نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔

الفانسو ابھی بھڑکے ہوئے کہ اپنی جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ غیث الروی بڑی الجھن میں پڑا۔

الفانسو کے استاد کے قول پر غور کرنا اور کبھی طارق بن زیاد کے بارے میں سوچنا۔

طارق بن زیاد نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔

انھوں نے غیث الروی کے پاس تھوڑی سی فوج چھوڑی اور اسے حکم دیا کہ قرطبہ کا نہ صرف محاصرہ جاری رکھا جائے

بلکہ مزید محاصرہ کر کے قلعہ والوں کو ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے۔ طارق نے قرطبہ کا محاصرہ کرنے والے دستوں کی

لڑائی غیث الروی کو دکھائی۔ غیث یہودی تھے لیکن بڑے وفادار اور شہنشاہ تھے۔ طارق نے انہیں صلح و جنگ کے

طارق بن زیاد کو فیصل کا کوئی حصہ کمزور نظر نہ آیا۔ فیصل کی ادنیٰ جاتی اور مضبوطی ان کے مددگار تھی۔

ابھی نہ جانے ایسے ایسے کتنے قلعوں کو فتح کرنا تھا۔

طارق نے حملے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے بڑے ہوش و خروش سے حملہ کیا لیکن قلعہ والوں کا

مدافعت کی دھم سے انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ قلعہ کے اوپر سے اس قدر تیربرعلے کے خندق

ہو گیا۔

طارق کے لیے یہ صورتحال بڑی پریشان کن تھی۔ ابھی اتنا بڑا ملک فتح کرنے کو باقی تھا۔

اسلامی فوجیں فیصل تک پہنچ گئیں لیکن اس کی بلندی اتنی زیادہ تھی کہ اس پر نہ پہنچا جاسکا۔

ایسی جگہ کے معرکے میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا تھا۔ طارق محتاط ہو گئے۔ وہ خواہ مخواہ

نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کا حساب انہیں اپنے اتفاق موٹی بن لیس اور روزِ مشر آقاؤں کے آقا کو دینا

نقلے پر حملے جاری رکھے لیکن اس طرح کہ مسلمانوں کا جانی نقصان نہ ہو۔ قلعہ والے ان

پریشان ضرور تھے لیکن ان کا نقصان نہیں ہو رہا تھا۔

طارق نے مصلحت کا دامن تھام اور قلعہ والوں کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ ان کی جان و مال کی حفاظت

کے لیے یہ حکم قلعہ کو بھی اس شرط کے ساتھ بحال رکھنے کا اعلان کیا کہ قلعہ پر اسلامی پرچم لہرایا جائے اور

مثال ایک چرواہے جیسی ہوتی ہے اور رعیت اس کا ریوڑ ہے جس کی حفاظت کی ذمے داری چرواہے پر ہے۔

غیث الروی نے بگٹاؤں کا یہ قول نہ سنا تھا۔ اس نے ذرا حیرانی سے پہلے الفانسو کو اور پھر طارق

کو دیکھا۔

طارق مسکراتے ہوئے کہے

”الفانسو! تم نے جو قول بیان کیا ہے وہ ہم مسلمانوں کے لیے نیا نہیں۔ یہ تو ہمارے اہل انبار کے لیے ہے۔“

مذہب نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔

الفانسو ابھی بھڑکے ہوئے کہ اپنی جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ غیث الروی بڑی الجھن میں پڑا۔

الفانسو کے استاد کے قول پر غور کرنا اور کبھی طارق بن زیاد کے بارے میں سوچنا۔

طارق بن زیاد نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔

انھوں نے غیث الروی کے پاس تھوڑی سی فوج چھوڑی اور اسے حکم دیا کہ قرطبہ کا نہ صرف محاصرہ جاری رکھا جائے

بلکہ مزید محاصرہ کر کے قلعہ والوں کو ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے۔ طارق نے قرطبہ کا محاصرہ کرنے والے دستوں کی

لڑائی غیث الروی کو دکھائی۔ غیث یہودی تھے لیکن بڑے وفادار اور شہنشاہ تھے۔ طارق نے انہیں صلح و جنگ کے

طارق بن زیاد کو فیصل کا کوئی حصہ کمزور نظر نہ آیا۔ فیصل کی ادنیٰ جاتی اور مضبوطی ان کے مددگار تھی۔

ابھی نہ جانے ایسے ایسے کتنے قلعوں کو فتح کرنا تھا۔

طارق نے حملے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے بڑے ہوش و خروش سے حملہ کیا لیکن قلعہ والوں کا

مدافعت کی دھم سے انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ قلعہ کے اوپر سے اس قدر تیربرعلے کے خندق

ہو گیا۔

طارق کے لیے یہ صورتحال بڑی پریشان کن تھی۔ ابھی اتنا بڑا ملک فتح کرنے کو باقی تھا۔

اسلامی فوجیں فیصل تک پہنچ گئیں لیکن اس کی بلندی اتنی زیادہ تھی کہ اس پر نہ پہنچا جاسکا۔

ایسی جگہ کے معرکے میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا تھا۔ طارق محتاط ہو گئے۔ وہ خواہ مخواہ

نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کا حساب انہیں اپنے اتفاق موٹی بن لیس اور روزِ مشر آقاؤں کے آقا کو دینا

نقلے پر حملے جاری رکھے لیکن اس طرح کہ مسلمانوں کا جانی نقصان نہ ہو۔ قلعہ والے ان

مسلمانوں کے ہاتھوں قلعہ فتح نہ ہونے کا اسے بھی افسوس تھا۔ امید کی ایک شمع جو اس کے دل میں روشن تھی وہ ٹھٹھانے لگی۔ وہ خود بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ جب طارق پور سے لشکر کے ہاتھ قلعہ پر قبضہ نہ کر سکا تو سردار مغیث، چند دستوں کے ساتھ قلعہ کا کیا بگاڑ لے گا۔
 "قلعہ فتح ہونا چاہیے۔"

یہ افسانہ کے دل کی آواز تھی۔ فتح ہی اس کے دن بھر سکتی تھی لیکن یہ فتح کیسے حاصل ہو اس کا کچھ نہ آتا تھا۔

بارش شروع ہونے کی وجہ سے وہ جانوروں کو باڑے سے کہیں نکالتا لیکن خود اس جگہ کاروز چکر لگاتا اس کی ملاقات مغیث اور طارق بن زیاد سے ہوتی تھی۔ یہ جگہ قلعہ کی پشت پر تھی جہاں دریا نصیب کے بہتا تھا۔

آہستہ آہستہ اس جگہ کا طوفان کرنا افسانہ کا ایک معمول سا بن گیا۔ وہ وہاں شام کو جاتا تھا۔ نصیب پور تھوڑے فاصلے پر بڑھ جاتا تھا اور ان پر سپاہی فوج تعینات تھی۔ وہ ان کی نظروں سے بچنا چاہتا تھا اس نے شام کے بجائے رات کو وہاں جانا شروع کر دیا۔ اسے نہ بارش کی پردہ آہ تھی نہ رات کے اندھیرے کی آدھر جانا اور صبح ہوتے ہوئے واپس آنا تھا۔ اس کی نایابیاں اس سے پوچھتی تو وہ بہانہ کر دیتا۔

طارق بن زیاد کے چلے جانے سے قلعہ والے مطمئن ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اب انھوں نے یہ طے کیا تھا کہ رکتے ہی وہ قلعہ کا دروازہ کھول کے مسلمانوں پر بھر پور حملہ کریں گے۔ مسلمان فوج کی تعداد نصف سے بھی کم ان کے لیے یہ ایک اچھا موقع تھا لیکن بارش تھی کہ رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ کبھی دن کو بارش ہوتی تو کبھی رات۔ حاکم قلعہ نہایت دور اندیش انسان تھا۔ وہ کسی طرح کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کی فوج نے اسے اس کا کیا کہہ کر ان کی رائے کو مستحکم نہیں کر دیا تھا۔ لیکن حاکم قلعہ نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بارش رک جائے اور زمین خشک ہو جائے۔ اسے معلوم تھا کہ کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ مشکل ہی نہیں ہے۔ وہ بارش کے رکے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

ایک صبح افسانہ بھاگ بھاگا اپنی جھونپڑی میں آیا۔ اس کی ماں اس کے روزنامے کو غائب ہونے سے براہ اور اس کے واپس آنے پر بڑبڑاتی تھی لیکن اس دن اس کے صبر کا بیجا نہ اس وقت چھک پڑا جب افسانہ بتایا کہ وہ دو چار دن کے لیے باہر جا رہا ہے۔

ماں بہت روٹی پیٹی۔ ڈانٹ بھڑکائی۔ محبت کا واسطہ بھی دیا لیکن افسانہ اپنے فیصلے پر پختہ چار دن کے لیے ماں کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ باڑے کے جانوروں کے چارے کا بھی کچھ بندوبست

فریاد تھا اور اسے رام کر کے جھونپڑی سے نکل گیا۔



ہونا باندی رات بھر ہوتی رہی تھی۔ اب نیزہ بارش شروع ہو گئی۔ افسانہ کی چادر بھیک گئی تھی۔ وہ چھپ چھپا کر پیچھے ہٹ گیا اور کھانیاں پھینک کر بھاگتا ہوا چلا گیا۔ اس کے دل میں امید و بیم کے جذبات تھے۔ اس کا دل کتنا کہ قلعہ فتح ہوگا اور وہ اسلامی لشکر کے ساتھ خانہ انداز میں داخل ہوگا لیکن کبھی دل دھڑکنے کا یہاں مسلمان اس کی بات کا یقین نہ کریں۔ اسے فریبی سمجھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ افسانہ کی شرط نہ مانیں۔

وہ گراں بھی نہیں اور بعد میں انکار کر دیں تو وہ ان کا کیا بگاڑ لے گا۔ یہ سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگا۔ افسانہ کو دریا کے پل کا کچھ کاٹ کر قلعہ کے سامنے جانا چاہتا تھا۔ اسے اسلامی لشکر کے سردار سے ملنا تھا۔

پل پار کر کے اس کی رفتار میں اور تیزی آگئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ اپنی منزل کی طرف بھاگ رہا ہے۔ اس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔ راستے میں کبھی ٹھٹھا اور جگہ جگہ پانی بھرا تھا۔ کبھی جگہ تو اسے لکڑیاں سے گزرنا پڑا۔ قلعہ کے سامنے اسلامی فوج کے خیمے بدستور لگے ہوئے تھے۔ ہر طرف جل جلت تھا۔ پانی خیموں کے اندر پہنچا تھا اور سیاہی پانی اچالچ کر باہر پھینک رہے تھے۔

ایک اسپاہی کو خیموں کی طرف آتے دیکھ کر کچھ سپاہی پانی میں بیٹھتے ہوئے اس کے پاس آگئے۔ افسانہ نے انہیں جاکر وہ اسلامی فوج کے سردار اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہے۔ مسلم سپاہیوں نے افسانہ کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

وہ ایک سی بیگی چادر میں لپیٹا ہوا تھا اور اس کے پیر کیچڑ میں گھڑے ہوئے تھے۔ افسانہ نے انہیں ہچکچاتے دیکھا تو کہا:

"اسلامی لشکر کے سپہ سالار طارق بن زیاد اور نائب مغیث الروی نے اسے خود ملاقات کے لیے بلایا ہے۔ مغیث الروی کا نام اس کے سپاہیوں کا شک و دوہو گیا کیونکہ طاق بن زیاد کے جانے کے بعد وہی اس وقت مسلم لشکر کے سردار تھے۔"

ایک سپاہی مغیث کو اطلاع دینے جانے لگا تو افسانہ نے اسے سمجھایا کہ اگر مغیث الروی اس کے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتایا جائے کہ افسانہ چرچا اٹھانے آیا ہے۔ بارش اور تیز ہو گئی۔ چھپچھپ بھڑ بھڑنے لگا۔ جوں جوں بارش تیز ہوتی جاتی تھی۔ افسانہ کا دل خوشی سے

بہنیں نہیں۔
 میری نے جواب تو دے دیا لیکن اس کی طبیعت کچھ بھیگی سی پڑ گئی۔ اسے امید تھی کہ افانسو کچھ
 باتیں کرے گا جس سے اس کا تھکا ہوا اور متفکر دماغ فرحت حاصل کرے گا لیکن یہ تو ناست ہی
 نہ تھی کہ وہ اس کا تھکا ہوا اور متفکر دماغ فرحت حاصل کرے گا لیکن یہ تو ناست ہی
 نہ تھی کہ وہ اس کا تھکا ہوا اور متفکر دماغ فرحت حاصل کرے گا لیکن یہ تو ناست ہی

افانسو سپاہیوں کے ساتھ بارش میں کھڑا ایک رہا تھا کہ وہ آدمی واپس آیا جو مغیث الرودی کے
 کے آنے کی خبر لے کر گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ سردار اعلیٰ نے اس چرواہے کو فوراً اپنے نیچے میں بلایا ہے۔
 اس کا شکر یہ ادا کیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

تمام نیچے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے نیچے پانی میں تیر رہے ہیں۔
 اپنے نیچے کے سامنے پانی میں کھڑے افانسو کا انتظار کر رہا تھا۔ افانسو نے اپنی پہلی ملاقات میں مغیث

متاثر کیا تھا کہ وہ نیچے کے اندر اس کا انتظار نہ کر سکا اور فوراً ہٹ گیا۔
 اس آندھی اور طوفان میں افانسو کے آنے پر وہ خوش بھی تھا اور متحیر بھی۔ وہ خوش تھا کہ اس موقع پر
 کی باتیں سنے گا۔ ممکن ہے کہ افانسو کوئی ایسی علی کی بات بتائے کہ ان کا ٹکڑا اور فکر بالکل دور ہو جائے۔

افانسو بھیک کر بالکل چوہا بنا ہوا تھا۔ اس نے مغیث کو ادب سے سلام کیا۔ مغیث اسے ساتھ لے کر
 نیچے میں پہنچی۔ وہاں ہر چیز بھیگی ہوئی تھی یا تیر رہی تھی۔ درخت کی شاخیں کاٹ کر نیچے میں ڈالی گئی تھیں اور
 اس نیچے کا فرش تھا۔

مغیث نے پوچھا:
 "افانسو! تم قرطبہ کی فتح کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"
 "جی ہاں سردار۔ قلعہ فتح ہو سکتا ہے لیکن" افانسو کہنے لگا۔

مغیث الرودی نے کہا:
 "افانسو! تم جانتے ہو کہ قرطبہ تو بہ حال فتح ہو نہ ہے۔ آج نہیں تو کل۔ لیکن اگر تم اس سلسلے میں کوئی مشورہ
 سناؤ تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے اور اگر تم اس کا کوئی صلہ چاہو گے تو ہم وہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔"

افانسو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:
 "سردار۔ مجھے کسی صلی کی ضرورت نہیں لیکن ایک خواہش ضرور ہے۔ اگر آپ فتح کے بعد میری یہ خواہش
 پوری کر دیں تو مجھے اس کی اتنی ہی خوشی ہوگی جتنی آپ کو قلعہ فتح ہونے کی۔"

پھر افانسو اور مغیث الرودی میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔
 جب وہ باتیں کر کے کھڑے ہوئے تو مغیث کا چہرہ ہلکا ہوا تھا۔ افانسو نے انہیں جو باتیں بتائی تھیں وہ ان
 کے لیے بالکل نئی تھیں۔

بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ بارش اسی طرح ہوتی رہے۔ ہر طرف دریا سے بہ جائیں اور باغات
 آسائے کیونکہ ایسے ہی خواب موسم میں اس کا منصوبہ تکمیل پا سکتا تھا۔ اس کی امید پوری ہو سکتی تھی اور وہ
 پاس تھا۔

افانسو سپاہیوں کے ساتھ بارش میں کھڑا ایک رہا تھا کہ وہ آدمی واپس آیا جو مغیث الرودی کے
 کے آنے کی خبر لے کر گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ سردار اعلیٰ نے اس چرواہے کو فوراً اپنے نیچے میں بلایا ہے۔
 اس کا شکر یہ ادا کیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

تمام نیچے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے نیچے پانی میں تیر رہے ہیں۔
 اپنے نیچے کے سامنے پانی میں کھڑے افانسو کا انتظار کر رہا تھا۔ افانسو نے اپنی پہلی ملاقات میں مغیث
 متاثر کیا تھا کہ وہ نیچے کے اندر اس کا انتظار نہ کر سکا اور فوراً ہٹ گیا۔

افانسو بھیک کر بالکل چوہا بنا ہوا تھا۔ اس نے مغیث کو ادب سے سلام کیا۔ مغیث اسے ساتھ لے کر
 نیچے میں پہنچی۔ وہاں ہر چیز بھیگی ہوئی تھی یا تیر رہی تھی۔ درخت کی شاخیں کاٹ کر نیچے میں ڈالی گئی تھیں اور
 اس نیچے کا فرش تھا۔

مغیث نے پوچھا:
 "افانسو! تم قرطبہ کی فتح کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"
 "جی ہاں سردار۔ قلعہ فتح ہو سکتا ہے لیکن" افانسو کہنے لگا۔

مغیث الرودی نے کہا:
 "افانسو! تم جانتے ہو کہ قرطبہ تو بہ حال فتح ہو نہ ہے۔ آج نہیں تو کل۔ لیکن اگر تم اس سلسلے میں کوئی مشورہ
 سناؤ تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے اور اگر تم اس کا کوئی صلہ چاہو گے تو ہم وہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔"

افانسو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:
 "سردار۔ مجھے کسی صلی کی ضرورت نہیں لیکن ایک خواہش ضرور ہے۔ اگر آپ فتح کے بعد میری یہ خواہش
 پوری کر دیں تو مجھے اس کی اتنی ہی خوشی ہوگی جتنی آپ کو قلعہ فتح ہونے کی۔"

پھر افانسو اور مغیث الرودی میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔
 جب وہ باتیں کر کے کھڑے ہوئے تو مغیث کا چہرہ ہلکا ہوا تھا۔ افانسو نے انہیں جو باتیں بتائی تھیں وہ ان
 کے لیے بالکل نئی تھیں۔

بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ بارش اسی طرح ہوتی رہے۔ ہر طرف دریا سے بہ جائیں اور باغات
 آسائے کیونکہ ایسے ہی خواب موسم میں اس کا منصوبہ تکمیل پا سکتا تھا۔ اس کی امید پوری ہو سکتی تھی اور وہ
 پاس تھا۔

افانسو سپاہیوں کے ساتھ بارش میں کھڑا ایک رہا تھا کہ وہ آدمی واپس آیا جو مغیث الرودی کے
 کے آنے کی خبر لے کر گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ سردار اعلیٰ نے اس چرواہے کو فوراً اپنے نیچے میں بلایا ہے۔
 اس کا شکر یہ ادا کیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

تمام نیچے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے نیچے پانی میں تیر رہے ہیں۔
 اپنے نیچے کے سامنے پانی میں کھڑے افانسو کا انتظار کر رہا تھا۔ افانسو نے اپنی پہلی ملاقات میں مغیث
 متاثر کیا تھا کہ وہ نیچے کے اندر اس کا انتظار نہ کر سکا اور فوراً ہٹ گیا۔

افانسو بھیک کر بالکل چوہا بنا ہوا تھا۔ اس نے مغیث کو ادب سے سلام کیا۔ مغیث اسے ساتھ لے کر
 نیچے میں پہنچی۔ وہاں ہر چیز بھیگی ہوئی تھی یا تیر رہی تھی۔ درخت کی شاخیں کاٹ کر نیچے میں ڈالی گئی تھیں اور
 اس نیچے کا فرش تھا۔

مغیث نے پوچھا:
 "افانسو! تم قرطبہ کی فتح کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"
 "جی ہاں سردار۔ قلعہ فتح ہو سکتا ہے لیکن" افانسو کہنے لگا۔

مغیث الرودی نے کہا:
 "افانسو! تم جانتے ہو کہ قرطبہ تو بہ حال فتح ہو نہ ہے۔ آج نہیں تو کل۔ لیکن اگر تم اس سلسلے میں کوئی مشورہ
 سناؤ تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے اور اگر تم اس کا کوئی صلہ چاہو گے تو ہم وہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔"

افانسو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:
 "سردار۔ مجھے کسی صلی کی ضرورت نہیں لیکن ایک خواہش ضرور ہے۔ اگر آپ فتح کے بعد میری یہ خواہش
 پوری کر دیں تو مجھے اس کی اتنی ہی خوشی ہوگی جتنی آپ کو قلعہ فتح ہونے کی۔"

پھر افانسو اور مغیث الرودی میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔
 جب وہ باتیں کر کے کھڑے ہوئے تو مغیث کا چہرہ ہلکا ہوا تھا۔ افانسو نے انہیں جو باتیں بتائی تھیں وہ ان
 کے لیے بالکل نئی تھیں۔

نیل کے ساتھ ساتھ انگریز کا باغ تھا جس کے آدھے درخت تو پانی میں ڈوب گئے تھے اور جو باقی تھے ان کی پتیاں بڑی تھیں۔ جہاں یہ لوگ پہنچے تھے وہاں پانی تقریباً نصف میل تک پہنچ گیا تھا۔ مشکل سے کہیں کہیں پانی بند باقی تھا۔

بڑے بڑے انڈیا نسیوں کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے منہ اٹھا کر نفیس کی بلندی دیکھی۔ اسی وقت ان کو نفیس کا اوپری حصہ شکستہ نظر آیا۔ تیز بارش کی وجہ سے نفیس کا تھوڑا اور حصہ گر گیا تھا۔ یہی وہ جہاں کے ساتھ انڈیا نسیوں کی تمام امیدیں وابستہ تھیں۔ نفیس کے اس حصے کو وہ کئی بار دن میں اور کتنی ہی مرتبہ نے دیکھا۔ اس کے اچھے طرح دیکھ چکا تھا۔

غیت الروی، الفانسو کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ الفانسو نے انگریز کے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ درخت بڑی شاخ نفیس کے ٹوٹے ہوئے حصے تک پہنچتی تھی۔

غیت الروی نے درخت کو غور سے دیکھا۔ پھر تلوار منہ میں دبا کر اوپر چڑھنے لگا۔ درخت کی شاخ بڑی مشکل سے ہم کا ہوجہ سمجھا رہی تھی لیکن اس کے جھکنے سے وہ نفیس کے بالکل قریب ہو گیا۔ اس نے اپنا توازن نہ بڑے ایک پیر نفیس کے ٹوٹے ہوئے حصے پر جمایا اور پھر آہستہ سے اس پر پہنچ گیا۔ الفانسو کا دل خوش پایا۔ یہ اس کی ادھی کا میابی تھی۔

بقیہ باد کے طوفان کی وجہ سے نفیس کے محافظ سپاہی کوئے کھدروں میں دیکے ہوئے تھے۔ وہ تصور بھی نہ کرتے تھے کہ اس طوفان بلاخیز میں چند مرتبہ دریا بھر کر کے نفیس پر قدم چار ہے ہیں۔ غیت الروی الفانسو اوپر پہنچا۔ پھر وہ تمام اہل کار اوپر آگئے جنہیں غیت نے اس اہم کام کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ زبانت پھر پیلے اور جہالت کے لحاظ سے پکے پھلے تھے۔

غیت الروی اور تمام لوگوں کے جھموں پر سیاہ کپڑے تھے تاکہ کسی کو نظر نہ آسکیں۔ غیت کے میاہ عامے سپاہیوں کو نفیس پر چڑھانے اور پھر انہیں اندر اتارنے میں بڑا کام کیا۔

لٹکے اندر سنسٹاٹا عاری تھا۔ بازار اور گلیوں ویران و سناں تھیں۔ گلیاں بلبو کرتے قلعے کے مددگار آئے۔ جب تک یہ لوگ دروازے پر نہیں پہنچے، کسی کو بھی خبر نہ ہوئی لیکن جب ان لوگوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو سپاہی جاگ پڑے۔ پہلے تو وہ بیٹھی بیٹھی نظروں سے کالے کپڑوں میں لمبوس لوگوں کو دیکھتے رہے۔ لیکن جب ان کو اندازہ ہوا کہ یہ سب ان کی یا بھوت جو اس طوفان میں قلعے کے اندر آگئے ہیں لیکن جب انھوں نے غیت الروی اپنے ساتھ منتخب شمشیر زن لائے تھے۔ انھوں نے سپانوی محافظوں کو تلوار کی دھار پر



وہ رات بڑی بھی تک اور خوفناک تھی۔

بارش میں شامی سے تیزی آگئی تھی۔ بجلی چمکتی تو بڑوں معلوم ہوتا جیسے ہوا میں جگمگا رہی۔ باد کی گرج سے دشت و جبل میں لرزہ مایا ہوا جانا۔ مسلمانوں کے خیمے آدھے آدھے پانی میں پانی میں سیدنی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے خیمے پانی کے ریلے میں بہ گئے تھے لیکن مسلمان استقلال سے محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ یہ کیفیت محاصرہ کرنے والوں کی تھی۔ قلعے والے یقیناً اندازہ کر کے ضرور ہنس رہے ہوں گے۔

قلعے کی پشت پر دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ باد و باران کا طوفان ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا لیکن کچھ کے اس غصے کا مضحکہ اڑانے پر تھکے ہوئے تھے۔ وہ دریا کے دوسرے سرے پر غوردار ہوئے۔ تلواریں اور ایک کے بعد ایک دریا کی طوفانی لہروں کا سینہ چیرنے لگے۔ ان کا رخ دوسرے کنارے کا ٹرن تیز موجیں انھیں بار بار دھارے میں بہا لے جاتیں۔ اوپر سے تیز بارش۔ بجلی کی چمک، بادل گرج میں کمزور دل تو آنکھیں کھولتے ہوئے گھبراتے ہیں مگر یہ جال باز طوفان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سے لڑتے بھڑتے آخر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

بجلی چمکی تو معلوم ہوا کہ دوسرے کنارے پر پہنچنے والا جال باز الفانسو تھا۔ اس کے ساتھ کامرواد غیت الروی، ان کے پیچھے چند اہل کار اور شجاع جوان تھے جو لہروں کو زیر کر کے اور طوفان کو اس کا رے پر آگئے تھے۔

دریا چڑھا ہوا تھا اور نفیس اور دریا کے درمیان صرف تین چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ دریا سے لے کر لوگ پیٹ کے بل رہ گئے ہوئے نفیس کے پاس پہنچے۔ پھر نفیس کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت بھی الفانسو آگے آگے ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ نفیس اور بڑوں پر سپانوی سپاہی قید کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آسکتا تھا۔

اسلام دنیائے سنت و فساد کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے آیا ہے اس لیے تاہم ایندی تہمت ساتھ تھی۔ الفانسو کی اطلاع اور رہنمائی ہی تاہم ایندی کا کھلا ثبوت تھا۔ ورنہ نفیس کے اس حصے کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔

پر رکھ لیا۔ اور ان کی سخت مداخلت کے وجود قلعے کا دلاڑی کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعے کے سامنے پہلے ہی تیار کھڑے تھے وہ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے قلعے میں داخل ہو گئے۔ اب قلعے کے رٹائی شروع ہو گئی۔ قریب کے کئی کوچے میدان جنگ بن گئے۔

ہسپانوی دستے مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری کے قصے سن کر پہلے ہی ہرجاس ہو گئے۔ مسلمانوں کا اس طوفان میں قلعے کے اندر کسی نامعلوم سمت سے داخل ہونا ان کے لیے دہشت کا ایک بن گیا۔ انہوں نے اپنی انفرادی قوت کے زور پر مقابلہ تو کیا لیکن بے دلی سے، یہاں تک کہ صبح ہوئے تو قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

میث الردی نے عام معافی اور ہر ایک کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ جن لوگوں نے ہتھیار نہیں اٹان دی گئی جو مقابلے پر ڈٹے رہے وہ اس وقت قتل ہو کر داخل جہنم ہوئے۔

جب جنگ رک گئی اور قلعے پر مسلمانوں کا پورا قبضہ ہو گیا تو حاکم قلعہ اور اس کے اہل خانہ (اور قلعے کے چاروں طرف) قلعے کے بعد میث الردی کو بتایا کہ حاکم قریب کے گرجا گھر میں پناہ لے رکھی ہے۔

اس خبر سے میث کو جو افسوس ہوا ہو گا وہ ایک ایک بات ہے لیکن افسوس کو اس اعلان سے تکلیف اور صدمہ پہنچا۔ اس کا دل جیسے ٹوٹ گیا۔

میث الردی نے افسوس کو پریشان دیکھا تو پوچھا: "افسوس تم پریشان کیوں ہو۔ تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں۔ قلعے پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ ہم اپنے قائم ہیں۔ اب تمہاری ہرجا ہمیشہ پوری کی جا سکتی ہے۔"

افسانو نے مردہ دلی سے کہا: "مردار مجرم میری خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ حاکم قریب کا گرفتار ہونا ضروری ہے۔ وہ گرفتار ہو کر کوشش بیکار ہو جائے گی۔ میری زندگی کا مقصد ہی ختم ہو جائے گا۔"

میث الردی نے افسوس کو کوئی جواب نہ دیا لیکن اس نے میث جان کا محاصرہ سخت کر دیا۔ قلعے کی مانند تھا۔ اس کی دیواریں قلعے کی فصیل جیسی تھیں۔ اندر کھلنے والے پینے کا سامان افراط سے تھا۔ عرصہ تک زندہ رہ سکتے تھے۔

میث کو طارق بن زیاد نے نائیک کی کئی عبادت گاہوں کی کسی صورت میں بھی بے رحمی نہ کی۔ نہ تو وہ گرجا پر حملہ کر سکتے تھے اور نہ لگ سکتے تھے۔

میث الردی نے معصومین کو امان دینے کا وعدہ کیا اور باہر نکلے کو کہا لیکن حاکم قریب کو مسلمانوں کی اس کوشش کے کان پر جوں تک نہ رہی غذا اور پانی کی تکلیف نہ تھا۔ وہ چپ سا دمے بیٹھا رہا۔

مردہ جوں جوں طوالت پکڑتا جا رہا تھا مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ بھرتا جا رہا تھا۔ انہوں نے میث سے درخواست کی لیکن میث نے طارق بن زیاد کے احکامات سے انحراف کی کوشش نہ کی اور مسلمانوں کی توقعیں کی۔

میث نے گرجا گھر کی اسی طرح ناکہ بندی کر دی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گرجا میں پانی کا کتنا ذخیرہ ہے۔ یہ ختم نہیں ہوا۔ قریب والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قلعے کے اندر پانی اس چشمے سے جاتا ہے جسے باہر باغ میں موجود ہے۔

میث نے غلط فہمی کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ گرجا کے اندر پانی جانے کا راستہ معلوم کریں۔ غلط فہمی نے لگا لگا کر شک گئے لیکن انہیں کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

کوششیں کی اور ایگلاں نہیں جاتی اور قیاس ایک ایک دن کامیابی سے ہم کنار ہوتی ہے۔ گرجا کے اندر کے راستہ غلط فہمی نے تلاش کر لیا۔ چشمہ کا جو کنواں گرجا کی سمت تھا تلاش کا تمام انداز اس سمت تھا، نہ نہ والے نہایت چلاک تھے۔ انہوں نے یہ راستہ اس کنارے کی سمت بنایا تھا جو گرجا سے بہت دور تھا۔ اسے ایک پائپ پورے چشمے کے گرد گھومتا ہوا اندر جاتا تھا۔ میث الردی نے فوراً اس پائپ کو بند کر دیا۔

پائپ کا بند ہونا تھا کہ تیسرے دن حاکم قلعے نے صبح کی درخواست کی اور جہان کی امان چاہی۔ میث نے منہ زور کی اور غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔

گرجا کا پائپ کھل گیا۔

پائپ کھلنے سے سب سے پہلے باہر نکلا۔ اس کے دائیں جانب اس کی فوجاں بیوی اور ماہیں سمیت اس کے پیچھے پیچھے دوسرے لوگ بغیر ہتھیار کے آ رہے تھے۔

میث کے سامنے میث اپنے مرداروں کے ساتھ کھڑے تھے۔ افسانہ اپنی پانی چادر اوڑھے میث کے قریب تھا۔ افسانہ کے برابر قریب کا دستور بکثرت تھا جسے افسانہ صوبہ لایا تھا۔

میث نے اپنے والے تمام لوگ میث کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں صرف افسانہ کے افسانہ کو میث کے برابر کھڑا دیکھ کر جبران ہو رہی تھی۔ حاکم قریب کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور اس کے کان پر رچی تھی۔

ایک الفانسو کے پیروں میں حرکت ہوئی۔ وہ چار قدم آگے بڑھ کر مغیث الروی کے سر پر سے گایا۔
ادب سے بولا: "مردار مجرم! آپ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے۔"

مغیث مسکرایا اور بولا: "کیوں نہیں الفانسو! ہم وعدہ پورا کر رہے ہیں۔ تم اپنی خواہش بیان کر دو۔"
الفانسو کا تمام جسم شدت جذبات سے لرزنے لگا۔ اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔
بڑی گرجا دار اور زمین کا:

اے سردار۔ یہ شخص جو آپ کے ہنسنے کھڑا ہے، حاکم قریب نہیں ایک خوفی ہے۔ قاتل ہے۔ اس سال سے بھی ایک شب ایسی طوفان آیا تھا جیسا طوفان گزشتہ شب اٹھا تھا۔ اس شب اس ظالم نے اصل حاکم کی محسوس میں آگ لگادی اور وہ آگ کے شعور میں سسک سسک کر مر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ خاندان آگ میں بھسک ہو گیا۔ لیکن حاکم قریب کی بیوی اپنے شیرخوار بیٹے کو سینے سے لگائے غلغلے سے جاگ اٹھی۔ اس خوف نے اسے ایک اتفاق حادثہ قرار دے کر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اصل حاکم تو اس کے ظالم کی طرح گھٹ گیا لیکن معصوم شہزادہ اپنی ماں کے ساتھ ایک چرواہے کے گھر جانوروں کی طرح پرورش پانے لگا اور شہزادہ آپ کے سامنے الفانسو چرواہے کے روپ میں کھڑا ہے۔
سب کی نظر میں الفانسو پر ہنسے ہی لگی تھیں۔ اس آخری انکشاف پر ان کی حیرت کی حد نہ رہی۔ مغیث بڑی دلچسپی سے الفانسو کو دیکھ رہا تھا۔
الفانسو نے ذرا دم لے کر پھر کہنا شروع کیا:

"معزز سردار۔ اس سے پوچھیے کیا اسے اپنے جرم سے انکار ہے۔ کیا اس نے میرے باپ کو قتل کیا۔ کیا اس نے میری ماں کو بھاگنے پر مجبور نہیں کیا اور مجھے اس حال پر نہیں پہنچایا۔ مجھے چرواہا بنانے کا کام ہے۔ اسے میں اپنے ہاتھ سے سزا دوں گا۔ یہ میری خواہش ہے۔ یہ میری تمنا ہے۔"

شہزادہ الفانسو جذبات سے بے دم ہو گیا۔
قریب کے تمام ہسپانوی معززین اور امرامو و وزیرا جہیں مغیث الروی نے معافی دے دی تھی، مغیث کے ساتھ تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ قریب کا اصل حاکم شہزادہ الفانسو ہے تو انہوں نے شہزادہ کو فخر لگایا اور ایک ایک نے اس کے ہاتھ تعقیدت سے چومنا شروع کر دیے۔
مغیث الروی جو اس تقریر سے کافی متاثر ہوا تھا، اس نے شہزادے الفانسو کو دیکھا پھر پھر کر:

الفانسو نے مغیث الروی کو دیکھتے ہوئے مردہ آواز میں کہا: "سردار۔ میں اپنے عزم کو معاف کرتا ہوں۔"

شہزادہ آہستہ آہستہ قدم اٹھائی الفانسو کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی!

بدلتا ہے جب تک قلعہ کے سامنے مسلمانوں کے نیزے چمکتے دکھائی نہیں دیتے۔ خداوند مسیح ہمیں ایسے
موتیرے سے محروم کرے۔ یاد رکھو نکولس! اگر حملہ آور ظلیطہ کی فسیلوں تک پہنچ گئے تو یہ فسیلیں موسم ہونکران
کے درمیان میں مرگوں ہو جائیں گے اور تمہارے جیسے تمام جوشیلے لشکری ہمیں ایک دم چھوڑ کر بھاگ چکے ہوں

⑥

اوری ہیولا کا شاطر

نکولس گھبرا گیا۔ اس نے پوچھا:
”شہزادی لیڈیا۔ تو کیا ہیں بغیر جنگ کے قلعہ ان کے حوالے کرنا پڑے گا۔
وہ تو وقت ہی تنہا ہے گا“ شہزادی لیڈیا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:
”لیکن ہم قلعے کے بدلے میں مسلمانوں سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“
نکولس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے کہا:
”شہزادی لیڈیا! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔۔۔۔۔ اگر سپاہیوں کو اس کی بھنگ پڑ گئی تو ان کے حوصلے
بت ہو جائیں گے۔“

شہزادی زہرہ خند کرتے ہوئے بولی:
”نکولس! ہمارے لشکر کی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس سینکڑوں کو ہمارے شہنشاہ راڈرک ڈیڑھ لکھ فوج سے
دال سکے۔ اسے یہ منہ می بھر فوج کیا روک سکے گی۔“
شہزادی غلام گردش کی طرف بڑی۔ نکولس بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔
نکولس نے چلتے چلتے پوچھا:
”کیا عملہ لکھو بھی یہی چاہتی ہیں کہ قلعہ مسلمانوں کو بغیر لڑنے ہوئے حوالے کر دیا جائے۔“
غلہ کیا چاہتی ہیں، اس کا مجھے علم نہیں۔“ شہزادی نے بے دلی سے کہا:
”میں ان سے کئی بار اس سلسلے میں گفتگو کرنے کی کوشش کر چکی ہوں لیکن وہ ہوں۔ ان کے کسے ٹال گئی
جدا۔ انہیں اپنے جس کی آرائش سے فرصت ملے تو کچھ اور سوچیں۔“
نکولس نے چلتے چلتے مہنت سے اس کا ماتھ پکڑ لیا اور بڑی محبت سے بولا:
”غلہ کو نابے شک حسین ہیں لیکن میری نظروں میں شہزادی لیڈیا سے زیادہ کوئی حسین نہیں۔“
شہزادی رک گئی۔

اس نے نکولس کا ماتھ تھپک دیا اور تنک کر بولی:
”نکولس! مجھے تمہاری یہ سچو سچو ری باتیں پسند نہیں۔ دیکھتے نہیں یہ غلام گردش ہے۔ کئی نیزہ باغلا کی نظر

پانچوں سوار زخموں سے چھوٹے۔

شہزادی لیڈیا نے پوچھا:

”یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں کہاں سے گرفتار کیا گیا؟“

نکولس نے سواروں کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا:

”یہ ہمارے دشمن ہیں۔۔۔۔۔ مسلمان۔“

زخمی سواہد میں سے ایک دخل دیتے ہوئے بولا:

”میں مسلمان نہیں۔ یہودی ہوں۔“

ہسپانوی سوار نکولس نے یہودی کو گھورا اور کہا:

”خداوند یسوع مسیح کی تجھ پر لعنت ہو۔ تو ان سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے۔“

شہزادی لیڈیا کو نکولس کا سنت لہجہ ناگوار گزارا وہ بولی:

”نکولس! بھل اور بدباری سے کام لو۔ تم نے مسلمانوں کو زخمی کر کے آگ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ ایسا ہوا

یہ ہم گ ظلیطہ کو جلا کر خاک کر دے۔“

نکولس بڑا جوشیلا جوان تھا۔ اس نے نفرت سے کہا:

”شہزادی صاحبہ! مسلمانوں نے ہماری بستیاں اجاڑی ہیں۔ ہمارا خون بہا یا ہے۔ ہم ان سے انتقام

لے کر رہیں گے۔“

شہزادی نے نکولس کو جھڑک دیا۔ پھر بولی:

”نکولس! انتقام میدان جنگ میں لیا جاتا ہے۔ پانچ آدمیوں کو گھیر کر زخمی کر دینا کون سی بہادر بیٹی تمہیں ان سے پوچھنا چاہیے تھا کہ یہ کون ہیں۔ یہاں کیوں آئے ہیں۔ رطاب سے کہ یہ پانچ سوار طویلہ کو فتح کرنے آئے ہوں گے۔“

”یہ سب جاسوس ہیں۔ نکولس نے حقارت سے کہا۔

”عین ممکن ہے کہ یہ جاسوس ہوں۔“ شہزادی نے نرمی سے کہا:

”انہیں زخمی کرنے کے بجائے اگر تم ان سے اچھا سلوک کرتے تو شاید ہمیں ان سے مفید معلومات مل سکتی۔“ شہزادی نے سواروں کو غور سے دیکھا تو اسے بہت افسوس ہوا۔ زخمی سواروں کے ہاتھ اور پیر زخمی و زبردست جکڑے ہوئے تھے۔ ایک سوار کے شانے میں تو ایک تیراب تک آویزاں تھا۔

شہزادی لیڈیٹانے حکم دیا:

”انہیں فوراً آزاد کیا جائے اور زخموں کی مرہم پٹی کے لیے شاہی طبیب کے پاس بھیجا جائے۔“ نکولس گہرے پڑا۔

اس نے فرماتے ہوئے کہا:

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آزاد ہوتے ہی یہ بھاگ جائیں گے۔“

شہزادی کو ہنسی آگئی۔ اس نے کہا:

”ہسپانوی سالار.... اگر تم پانچ زخموں کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تو پھر قطعہ طویلہ کی حفاظت کا منہ سے دعویٰ کرتے ہو؟“

نکولس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ وہ اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

زخموں کی زنجیریں کھول دی گئیں اور انہیں محافظ سواروں کے ساتھ شاہی طبیب کے پاس بھیج دیا گیا۔ شہزادی نے نکولس سے کہا:

”نکولس! میں تمہارے قوی اور قابل عزت کی قدر کرتی ہوں لیکن مصلحت بھی ایک چیز ہے۔ تم ابھی طرہ ہو کہ ہم آگے آؤں گا مقابلہ کھلے میدان میں نہیں کر سکتے۔“

”ہمیں نہیں کر سکتے۔ ہم طویلہ کے میدان میں مسلمانوں سے انتقام لیں گے۔“ نکولس نے بڑے جوش و خروش سے کہا۔ یہ کہتے وقت اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

شہزادی کو نکولس کی ناعاقبت اندیشی پر افسوس ہونے لگا۔ اس نے کہا: ”نکولس! تمہارا یہ جوش صرف

بڑی بیٹی سوچے گا؟“

نکولس نے رشتائی سے کہا:

”سوچے گا کیا۔ پورا قطعہ جانتا ہے کہ آپ میری منگیتر ہیں۔“

شہزادی لیڈیٹانے چٹکائی۔

وہ بڑھ کر بولی: ”میں نے بار بار کہا ہے کہ میں نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تمہیں اس بارے

میں ناخیزہ نہیں ہونا چاہیے۔“

نکولس نے کہا:

”شہزادی! فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ مکہ لونا اس کا اعلان کر چکی ہیں اور شہنشاہ راڈرک نے اپنی گمشدگی

سے پس اس کی تصدیق بھی کر دی تھی۔“

شہزادی لیڈیٹانے کو اور غصہ آگیا۔ وہ جھٹکا کر بولی:

”مکہ اور شہنشاہ کا مکنا کوئی خدائی حکم تو نہیں جو انہیں جاسکتا۔ میں تمہیں صرف ایک اچھا دوست

منجی ہوں۔ صرف دوست۔“

نکولس حیرت سے شہزادی کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

شہزادی یہ کہہ کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

نکولس اور شہزادی لیڈیٹانے باہمی منگنی، شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک اور مکہ جی۔ لونانے اپنے طور پر طے کر لی تھی۔ شہزادی کو نکولس دل سے پسند نہ تھا۔

نکولس خود دہند، جلد باز اور ضدی نوجوان تھا۔ وہ ہسپانیہ کے سپہ سالار کا بیٹا تھا اس وجہ سے اس میں غرور کا مادہ بھی پیدا ہو گیا تھا لیکن اب نہ سپہ سالار ہسپانیہ تھا اور نہ شہنشاہ ہسپانیہ۔ دونوں کا خاتمہ مملاتوں کے بادشاہ کیرطاردن بن زیاد کے ہاتھوں لاگو جندہ کے میدان میں ہو چکا تھا۔ نکولس اس کے باوجود خود کو اب تک اہم سمجھتا تھا۔

نکولس پہلے تو چپ چاپ کھڑا سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ اس طرف چلنے لگا جہر شہزادی لیڈیٹانے کی منگنی۔

شہزادی نے اس کی بارگاہی عشق کو چکا تھا۔ اسے شہزادی کا منگیتر ہونے کا نظم تھا اس لیے جب بھی شہزادی اسے

دیکھتی تھی وہ محبت کے دفتر کھول دیتا۔ شہزادی کو اس کی باتوں سے کوفت ہوتی لیکن وہ مکہ اور شہنشاہ کے

دو دیکھنے سے خاموش ہو جاتی یا ادھر ادھر کی باتیں کر کے ٹال جاتی۔ اس سے نکولس کا حوصلہ اور بڑھ گیا تھا لیکن

وہ اپنے اسے گھری گھری سادی نہیں جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی چاہیے تھیں لیکن خود سوار ضدی آدمی کا

یوں کہ شہزادی کے محل میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شہزادی اب تک وہاں نہیں پہنچی۔

اب اسے نگر ہوئی۔

پھر اسے خیال آیا کہ شہزادی کہیں مسلمان زنجیوں کو نہ دیکھنے لگی ہو کیونکہ شہزادی نے ان میں بہت زیادہ

علاقہ کی تھی۔

نکولس کا خیال درست نکلا۔

جب وہ شاہی طبیب کے جراح کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ شہزادی لیڈیا کی سیاہ زلفیں ایک
سلمان زنجی کے چہرے پر لہرا رہی ہیں اور وہ اس پر بھکی ہوئی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔ نکولس کو اسے
پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ وہی مسلمان تھا جس کے شانے میں تیر چھبوا ہوا تھا۔ اس وقت تک تیر نکالا جا
چکا تھا اور تمام زنجیوں کی مرہم بھی ہو چکی تھی۔

نکولس یہ منظر دیکھ کر دل میں حسد سے جل اٹھا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔ شہزادی سے کچھ دور ایک سٹول
پر غاضبی سے بیٹھ گیا۔ اس کے دل میں رقابت کا لاوا سا ابھرنے لگا۔ وہ جلد باز طبیعت کا مالک تھا اس لیے فوراً
ایک فیصلہ کر لیا۔

اس مسلمان جوان کا فوری خاتمہ اس نے دل میں سوچا اور اس کی مٹھیاں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔
شہزادی کی پشت نکولس کی طرف تھی۔ وہ نکولس کو کمرے میں داخل ہوتے نہ دیکھ سکی لیکن بستر پر لیٹے ہوئے
تھی جو انہوں نے اسے دیکھ لیا اور شہزادی کو کچھ اٹانہ کیا۔

شہزادی نے پیش نکولس کو دیکھا مسکرائی اور فوراً ہی منہ گھما کر پیر مسلم جوان سے باتیں کرنے لگی بالکل اس طرح
جیسے نکولس کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

شہزادی زنجی جوان سے ہسپانوی میں باتیں کر رہی تھی۔ مسلمان جوان یہ زبان نہ جانتا تھا۔ اس کے بستر کے
بالکل سامنے بیٹھا ہوا یہودی دونوں کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ زبان ذریعہ اٹھا ہے۔ جب تک دو
زبانیں ایک دوسرے کی زبان سے واقف نہ ہوں وہ اپنا دعا اور مقوم سمجھانے سے قاصر رہتے ہیں لیکن دنیا کی تمام
زبانوں سے ایک الگ زبان بھی ہے جو ضرورت کے وقت وجود میں آتی ہے اور پھر خود ہی روپوش ہو
جاتی ہے۔ شاعر اور شائق اسے دل کی زبان یا محبت کی زبان کہتے ہیں۔

یہودی ترجمان کی موجودگی کے باوجود شہزادی لیڈیا اور مسلم جوان میں اسی محبت کی زبان میں گفتگو ہو رہی
تھی۔ شہزادی کے منہ سے نکولس کے بعد مسلم جوان کا نام نکلا۔ لیڈیا کا چہرہ پر ہنسنے لگی تھی۔
لیڈیا کا چہرہ ہلکا ہوا تھا تو مسلم جوان کسی پر میرا دے کہ نہ تھا۔ اس کی مردانہ وجاہت ایسی نہ تھی کہ کوئی

دل کا بھی بہت کمزور ہوتا ہے۔ پھر شہزادی نے اسے دوست کہا تھا۔ نکولس نے اسی لفظ کے تھما کر
کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔



شہزادی لیڈیا مکملہ ہسپانیہ جی ٹونا کی بھانجی تھی۔ لیڈیا کی پرورش شاہی محل میں ہوئی تھی۔ اس
حسن کا چرچا شاہی محل میں ہی نہیں بلکہ محل کے باہر بھی پھیلا ہوا تھا۔ لیڈیا تھی بھی حسن کا ایک دلچسپ اور
پیکر۔ اس کے سیاہ طبع بال گھٹنوں سے بھی نیچے تک لٹکتے تھے۔ وہ اپنے بال ہر وقت کھولے
بالوں کی لٹیں اس کے ماتحت ہی چہرے پر لاتی رہتیں۔۔۔۔۔ انہی بالوں میں طیلطہ کے کتنے ہی جوانوں کے
اکٹھے ہوئے تھے۔ سیاہ بالوں اور نیلا آنکھوں والی یہ دو شیرہ جہرے نکلتی ادھر قیامت برپا ہو جاتی تھی۔
چہرہ رابند، لٹکتے ہوئے رنگ میں شباب کی سرفروشی نے اس کے سر پر کدلی کی آدھری کا مکمل ٹوٹ بنا دیا تھا۔

پھر نکولس جیسا دل چسبک جوان اس کی زلفیگرہ گیر میں کیوں نہ گرفتار ہوتا۔ وہ سپہ سالار ہسپانیہ
اکٹھوٹا بیٹھا تھا اس لیے پچھن ہی سے اس کا محل میں آ جانا تھا۔

نکولس نے ہنسنے سنبھلتے ہی باپ کے ذریعے لیڈیا کا رشتہ مانگا۔ شہنشاہ اور ملکہ کو نکولس میں
نظر آیا۔ انہوں نے ہنکاری بھری۔ نکولس نے اسی کو محبت کی معراج سمجھ لیا اور خود کو لیڈیا کا خندہ خیال ایک
غلام گردش کے اختتام پر ایک طرف ایک چھوٹا سا محل تھا۔ یہ شہزادی لیڈیا کی رہائش گاہ تھی۔
کچھ دور ایک اور عمارت تھی جس کے چند کمرے شاہی طبیب کو رہنے کے لیے دیے گئے تھے۔ شاہی طبیب
کے قریب اس وجہ سے رکھا گیا تھا تاکہ وقت ضرورت اس کی خدمات فوری طور پر حاصل کی جا سکیں۔

نکولس نے شہزادی کے محل کا رخ کیا تاکہ اس سے مل کر اپنے اوچھے پن کی معافی مانگ لے اور
پھر سے استوار کرے۔

شہزادی کے آج کے رویے کو دیکھ کر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر لیڈیا نے اپنی رضا مندی
کی تو بھی وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرے گا۔

نکولس کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا لیکن اپنے سپہ سالار باپ کے مارے جلنے کے بعد شہنشاہ
یہودہ مکہ جی ٹونا نے ازراہ الطاف خسروانہ اسے ہسپانوی لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔ حالانکہ سپاہی
مسلمانوں کے ماتحتی نظر بہت مستحسن ہو چکا تھا اور طیلطہ کے قلعے میں دس بارہ ہزار سے زیادہ فوج تھی۔

دو شہزادہ اس سے ایک بار بات کرنے کے بعد دوبارہ گفتگو کی کہ رزونہ کہہ سے۔ بربری جوان کے ہاتھوں
 دراز قد، چوڑا سینہ اور ہنستا ہوا چہرہ ایسا تھا کہ شہزادی گہمہ یا اسے دیکھ کر متاثر نہ ہوتی۔ شہزادہ نے
 متاثر قبول کیا اور اس کے اس مردانہ حسن سے ایسی مرعوب ہوئی کہ اسے پس پشت ڈال کر خود اپنے
 گدگدیوں کو اجاگر کرنے لگی۔

شہزادی لیڈیا یہ سوچ کر مطلب میں آئی تھی کہ اپنی فراست اور حسن کے زور پر مسلمانوں سے جو
 کی کوشش کرے گی لیکن وہ مسلم جوان سے سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہ کر سکی کہ یہ لوگ دراصل تیرا
 ہوئے مسلم مردار اٹکا ہوئی بن نصیر کے قاصد تھے۔

موسیٰ بن نصیر اسلام کے حملہ آور لشکر کے سپہ سالار طارق بن زیاد کے آقا تھے۔ موسیٰ ہی کے حکم
 بحرم کو مور کے ہسپانیہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ وہی مجاہد کبیر ہے جس نے ساحل ہسپانیہ پر اترتے
 بیڑے کی تمام کشتیوں میں آگ لگا دی تھی اور اس وقت مسلمانوں کا شہر، شہنشاہ ہسپانیہ رادر کے گوشہ
 ایک طرف قرطبہ اور دوسری طرف غرناطہ اور تیسری سمت ہسپانیہ کے دارالحکومت طلیطلہ کی طرف تیرا
 کر رہا تھا۔

موسیٰ بن نصیر، افریقہ میں تیراں کی بھاؤں میں مقیم تھے۔ اسلامی لشکر کی ہسپانیہ میں فتوحات
 برابر پیچ رہی تھی۔ ایک موقع پر انہوں نے محسوس کیا کہ اب ہسپانیہ میں مزید پیش قدمی کا مسئلہ بنا
 اور طارق بن زیاد کی آمد کا انتظار کریں۔
 یہ اطلاع طارق کو مل چکی تھی لیکن وہ بعض جنگی مصلحتوں کی بنا پر اپنے قدم نہ روک سکے اور گئے
 گئے۔

اب موسیٰ بن نصیر نے خود ایک نیا لشکر لے کر ہسپانیہ جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ بھی فتوحات
 سکین اور پورے ہسپانیہ پر مسلمانوں کا جلد از جلد قبضہ ہو جائے۔
 نکولس کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے یہ پانچوں سوار دراصل موسیٰ بن نصیر کے قاصد تھے۔
 جس مسلم جوان میں اتنی دلچسپی لے رہی تھی اس کا نام حفصون تھا اور وہ اس جماعت کا سردار تھا۔ حفصون کا
 یہ بیٹا (دے کر بھی گیا تھا کہ طارق اپنی پیش قدمی فوراً بند کر دیں کیونکہ سردار اعلیٰ موسیٰ بن نصیر خود جلد ہی
 پہنچ رہے ہیں۔

حفصون کے ساتھ ایک بیوی رہ رہی تھی۔ یہ جزوی ہسپانیہ کا رہنے والا تھا لیکن جب
 زیادتی تلاش میں شمال کی طرف چلے تو یہودی سوائے مترجم کا کام کرنے کے، رہبری سے قاصر ہو گیا۔

یہ وقت تھا اور اس طرح یہ لوگ جیسے جیسے طلیطلہ پہنچ گئے حالانکہ اس وقت طارق بن زیاد قرطبہ
 کے قریب دھوا رہے تھے۔



نکولس دو گھنٹے تک سٹول پر بیٹھا شہزادی کی گفتگو ختم ہونے کا انتظار کرتا لیکن شہزادی کی باتیں ختم ہونے
 پر کڑا کر رہی تھیں۔ وہ ہنسی ہنس کر اور بڑا بے باکی سے مسلم جوان سے باتیں کر رہی تھی خدا خدا کہ شہزادی، حفصون
 کے پاس سے ہنسی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی محبت سے حفصون کو سلام کیا اور پھر نکولس کے پاس آئی۔

نکولس نے محسوس کیا کہ شہزادی کا ہنستا ہوا چہرہ اس کے پاس آئے آتے سجیدہ ہو گیا۔ نکولس نے پھر بھی دل پر
 بولیا اور بغیر کچھ کہ شہزادی کے ساتھ مطلب سے باہر گیا۔

مطلب سے نکلے ہی میر کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ قدرے برہمی سے بولا:
 شہزادی لیڈیا! آپ مسلم قیدی سے تو بڑی لگن ل کر باتیں کر رہی تھیں لیکن مجھے دیکھتے ہی آپ کے چہرے
 پر بدل کے بادل چھڑاتے۔

نکولس! شہزادی نے تقریباً جیسے ہوئے کہا:
 مجھے تماری عقل پر ردنا آتا ہے۔ ہاں میں اداس ہوں۔ فکر مند ہوں تمہیں اس کا سبب معلوم کرنا ہے تو میرے
 ہاتھ کاٹ کر دے دو۔

اگر آپ مجھے نہیں بتا دیں تو کیا ہر جہ ہے۔ نکولس نے پھر جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔
 نکولس! میں تم سے تنگ آگئی ہوں!

شہزادی کو غصہ آ گیا:
 کبھی تو میری عقل سے کام لیا کرو۔ میں نے کہہ دیا کہ ملکہ کے سامنے بتاؤں گی۔ تم مجھے ایسے حکم دے رہے ہو
 جس سے میری تماری نامت ہوں۔ یاد رکھو میری رگوں میں شادی خون ہے۔
 نکولس ڈر گیا.....

شاہی خاندان کے افراد کو عیسائی جھیلنے دینا توں کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان کی ناراضگی د فورا بائبل خدا کی
 کوئی توجہ دیتی تھی۔ اسے شاید پہلی مرتبہ اپنی جلد بازی پر انصاف ہوا۔ اسے اس بات کا بھی انصاف تھا کہ وہ تو شہزادی
 کے ساتھ تھا اور خود ہی ایک نیلہ رنگ کا کھڑا کر دیا۔



یہ بلکہ رہ گئی۔

لوئس کی اس بے کمالات سے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ جواب دینے کے لیے الفاظ سوچ رہی تھیں۔
لوئس نے اپنا رخ اس کی طرف کیا۔
یہ کہتے کہتے رگ گئی۔
میں نے اس کو کہا:

لوئس خوش قسمت ہے۔ ہم نے ہسپانیہ کا سب سے چمکدار، ہیرا جتنے مختص ہے۔ جس کی قدر کر۔ جو لوگ
زندہ زبرداری نہیں کر سکتے۔ وہ زندگی کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکتے۔ یاد رکھو۔ ابھی لیڈیا کا ٹو وارنٹ نہیں بنا۔
وہ کا دل نہ جیت سکا تو یہ رشتہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔
لیڈیا نے ایمان کا سانس لیا۔

لوئس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ گلہ کیا تے ہوئے بولا:

ملکہ عالیہ! میں تو شہزادی کی ہر وقت دلہاری کرتا رہتا ہوں لیکن یہ مجھے ہر بات پر جھڑک دیتی ہیں۔
میں تو فرعون جیسا کا اٹھارہ ہوں ناوان؟
ملکہ نے پھر اس کی طرف اپنا منہ کر لیا:

دل کے آئینے میں لیڈیا کی تصویر اٹار۔ تب کا میابی حاصل ہوگی۔ مجھے پتہ نہیں کہ شہنشاہ راڈرک نے ہماری
زندگی کی تھی۔ ہمارے گھر کے ہزار پھیرے ڈالے۔ سینکڑوں سفارشیں کرائیں تب جا کر کہیں ہم راضی ہوئے
تو فرعون سپہ سالار ہے۔ عورت تو تخت و تاج کو بھی ٹھوکر مار دیتی ہے۔
لوئس نے لٹکا کر بیٹھ گیا۔

ملکہ نے پوچھا:

لیڈیا! تم کوئی خاص خبر لائی تھیں؟

نہیں... ملکہ عالیہ! لیڈیا منجیل کر ہوئی:

خیر ملکہ! سب مسلمانوں کا رخ عقیلہ کی طرف ہے۔

گوئی اور بات کر لیڈیا! ملکہ بے پروائی سے بولی:

میں نے سنا ہے ہمارے کان پک گئے ہیں۔ ہمارے خاص جاسوس مولد نے خبر دی ہے مسلمان ٹکڑا کر ہسپانیہ
کا ملک مار کے لیے آئے ہیں۔ انہیں کافی مال و دولت مل چکا ہے۔ اب وہ آگے بڑھنے کے بجائے واپس

شہزادی لیڈیا اور لوئس، اسی غلام گردش سے ہوتے ہوئے پھر شاہی محل میں آگئے۔ شہزادی تو ملکہ کے
میں بے دھوک چلی گئی لیکن لوئس باہر کھڑے ہو کر ملکہ کی اجازت کا انتظار کرنے لگا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔
نے کنبز کے ذریعے اسے اندر بلوایا۔

یہ شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کی خواب گاہ تھی۔ شہنشاہ تو رادی بکے میں شکست کھا کر دریا بھر ہو چکا تھا لیکن
حواریوں اور خصوصاً کلیسا کے پادریوں نے یہ افواہ پھیلا رکھی تھی کہ شہنشاہ راڈرک زندہ ہے اور وہ بہت جلد تازہ
لشکر کے ساتھ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے آنے والا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہسپانیہ کے بچے کچھ لشکر کے
حوصلے بلند رہیں۔ ملکہ ایجنیونہ (جی لونا) کو یقین تھا کہ شہنشاہ راڈرک ختم ہو چکا ہے لیکن اس نے اس افواہ کا منہ
لے لیا تاکہ اسے بیوگی کی زندگی بسر نہ کرنی پڑے اور وہ حسب سابق خود کو آراستہ کرتی رہی۔

جی لونا، شہنشاہ راڈرک کی آخری زوجہ اور بے انتہا خوبصورت بیوی تھی۔ شاہی خاندان میں اس سے زیادہ
خوبصورت عورت نہ تھی۔ شہنشاہ راڈرک نے تخت و تاج سنبھالتے ہی لکشن جس کے اس تازہ پھول کو اپنے لیے منتخب
کیا تھا لیکن وہ اس کے باغ جوفانی سے زیادہ دن خوشہ چینی نہ کر سکا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

ملکہ کی خواب گاہ نا دراشیا اور ساز و دمان سے جگلا رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہسپانیہ کی نصف دولت شاہی
میں موجود تھی۔ خواب گاہ کی ہر چیز مرصع اور زنگار تھی۔ حتیٰ کہ درو دیوار تک قیمتی جواہر پرینوں سے مزین تھے۔
ملکہ ایک بہشت پہل قد آدم آئینہ کے سامنے درنگار موڈ سے پرستھی تھی اور چار مستاعائیں اس کا بازو
کو رہی تھیں۔ کوئی زلفوں کو درست کرتی تو کوئی رخساروں پر غازہ چھڑکتی۔ ایک ہاتھ پر ماس کر رہی تھی اور ایک ملکہ
پنڈلیوں پر خوشبودار ابلتی رہی تھی۔ تمام خواب گاہ طرح طرح کی خوشبوؤں میں بسی ہوئی تھی۔

ملکہ نے بغیر ان کی طرف رخ کیے، شہزادی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

لیڈیا تو بیٹھ گئی لیکن لوئس ساکت کھڑا رہا۔

ملکہ بیٹھنے ہی میں مسکرائی ہوئی بولی:

"لوئس! تو کیوں نہیں بیٹھا۔ کیا لیڈیا سے لڑائی ہو گئی ہے؟"

لوئس کو دل کے بھیموں نے پھوڑنے کا موقع ملا تھا۔ اس نے کہا:

"ملکہ عالیہ! شہزادی لیڈیا کو شاید آپ کا طے کیا ہوا رشتہ پسند نہیں۔ یہ مجھ سے سیدھے

جانے والے ہیں۔

لیڈیا، ملکہ کے حضور گستاخی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس غلط خبر کو سن کر اسے بڑا افسوس ہوا اور
بہت کر کے کہا:

"ملکہ عالیہ کے جاسوسوں نے درست ہی خبر پہنچائی ہوگی لیکن آج طلبہ میں جو چار سہ ماہی کے ہیں
جس کو کچھ اور ہی بتایا ہے۔"

ملکہ جی کو گھبرا کر لیڈیا کی طرف گھومی اور حیرت سے پوچھا:

"کیا مسلمان طلبہ میں داخل ہو گئے؟"

"جی ہاں ملکہ عالیہ! لیڈیا پڑ سکون لہو میں بولی:

"لیکن وہ صرف چار ہیں اور وہ بھی زخمی حالت میں ہیں۔"

ملکہ جی کو بڑی تیزی سے لیڈیا کی طرف گھومی تھی۔ اس لیے اس کی زلفیں چہرے پر گھبرائیں اور
حسن میں چار چاند لگ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گھنیری بدلیوں سے چاند گھبرا کر گھبرا کر بھاگ رہا ہے۔

ملکہ نے پوچھا:

"وہ زخمی کس طرح ہوئے؟ کیا ہمارے لشکر سے ان کا مقابلہ ہوا تھا؟"

لیڈیا نے جواب دیا:

"وہ ابھی باقاعدہ فوجی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے ملک افریقہ سے اس لیے آئے ہیں کہ عمارت بنانا
لشکر میں بھرتی ہو کر ہمارے خلاف جنگ کریں۔ جب سے جنگ لاکو جندہ ہوئی ہے افریقہ کے مسلمانوں نے

ہمسایہ افریقہ کے لشکر میں شامل ہو رہے ہیں۔"

"تمہیں یہ باتیں کس نے بتائیں۔ کیا تم ان سے مل چکی ہو؟" ملکہ نے لیڈیا کو خشک نغزوں سے
ہوٹے پوچھا۔

لیڈیا پہلے گھبرائی لیکن پھر پڑ سکون لہو میں بولی:

"جی..... ملکہ عالیہ! یہ باتیں مجھے انہی سے معلوم ہوئیں۔ یہ لوگ طارق بن زیاد کو ڈھونڈنے
طلبہ آگے کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان سپہ سالار طلبہ کی طرف گیا ہے۔ اس سے میں نے سمجھا

حملہ آور طلبہ سمیٹنے والے ہیں۔"

ملکہ جی کو ناگوار اور غور کرنا پڑا۔ پھر بولی:

"میں بتا گیا کہ کہ لمبی لمبی عبادوں اور داڑھیوں میں مسلمان حملہ آور بڑے خوفناک نظر آتے ہیں۔"

لیڈیا وہ واقعی اتنے ہی بھیاںک ہیں؟"

جی نہیں ملکہ عالیہ! لیڈیا نے تردید کی:

"آپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔"

"اے ملکہ..... میں غلط اطلاع پہنچائی گئی ہے؟"

ملکہ کو لیڈیا کی اس صاف گوئی پر قدرے تعجب ہوا:

"تو کیا وہ ہمارے مردوں کی طرح خوبصورت ہیں؟"

"ان سے بھی زیادہ زیادہ خوبصورت۔ لیڈیا کی زبان سے ایک دم نکل گیا۔

وہ اپنی جگہ بڑی پشیمان ہوئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

ملکہ جی نے نہانے مسکرا کر کہا:

"پھر وہ یقیناً جوان ہوں گے۔"

"جی ہاں ملکہ عالیہ! لیڈیا باختر جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

ملکہ کے چہرے پر ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"اگر مسلمان مرد اتنے ہی خوبصورت ہیں تو ہمارے یہاں کی لڑکیاں انہیں ضرور پسند ہوں گی۔"

پتہ نہیں، ملکہ جی نے اسے یہ سوال نہ ادا دی لیڈیا کا دل ٹوٹنے کے لیے کیا تھا یا خود اس کے اپنے دل میں

مسلمانوں کو دیکھنے کے لیے لگ گئی پیدا ہوئی تھی۔

لیڈیا، ملکہ کے سوال پر بری طرح بوکھا گئی۔ اس نے کہا:

"جی، میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں۔ آپ انہیں خود ملاحظہ کر سکتی ہیں۔ حکم ہو تو انہیں حاضر کیا جائے۔"

ملکہ کسی اور خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس نے لیڈیا کی سنی آن سنی کر دی اور بولی:

"پھر ان کا مردار طارق تو ان سب سے زیادہ خوبصورت جوان ہوگا۔"

لیڈیا نے بڑی حیرت سے ملکہ کو دیکھا۔

اس کی نگاہیں نہ آیا کہ ملکہ نے یہ سوال کس خیال کے تحت کیا ہے۔ پھر بھی اس نے متانت سے جواب دیا:

"ملکہ عالیہ! طلبہ میں جو چار سپاہی ایسے موجود ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں طارق کو دیکھا ہے انہوں نے

بتایا ہے کہ طارق کا جسم گٹھا ہوا، چہرہ سرخ اور ان کے تمام بال بھی سرخ ہیں لیکن شاید وہ ادھیڑ عمر کے ہیں۔"

ملکہ کو شاید یہ سن کر صدمہ ہوا۔

اس نے فوراً ہی بات پلٹ دی اور کہا: "لیڈیا! تم نے بتایا ہے کہ مسلمان زخمی ہیں..... ان کے زخم بھرتے ہی

ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ ممکن ہے ان سے کوئی بات معلوم ہو سکے۔

”مکہ عالیہ نے درست فرمایا۔ لیڈیہا نے نکوس کو گھورتے ہوئے کہا،

”ان سے کوئی مفید بات ضرور معلوم ہوتی بشرطیکہ انہیں خواہ مخواہ زخمی نہ کیا جاتا۔ وہ اپنے زور بازو سے طلیطلہ کے قریب پہنچتے تھے لیکن آپ کے ہمارے سپہ سالار نکوس نے ان پر حملہ کر کے ان کو مار دیا۔“

”نکوس نے تنہا کیا تھا؟“ مکہ نے دل چسپی سے پوچھا۔

لیڈیہا جمل کر بولی:

”جی ہاں۔ یہ تو تھا دو کھڑے رہے۔ ان کے سواروں کے رسالے نے انہیں خبری کر کے ہاتھ پیروں کو زنجیروں سے باز نہ دیا۔ حالانکہ انہوں نے تلوار بھی نہ اٹھاٹی تھی۔۔۔۔۔ ہمارے کتنی بہادری دکھائی۔“

مکہ کو نکوس اور لیڈیہا کی ٹوک جھونک میں بڑا لطف آ رہا تھا مگر اس نے اسے طول نہ دیا اور کہا: ”لیڈیہا۔ ہم انہیں ضرور بلوائیں گے لیکن ابھی نہیں۔ ابھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان کے کیا جائے؟“

”ان کے ساتھ جتنا بہتر سلوک کیا جائے ہمارے حق میں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ لیڈیہا نے بے مشورہ دیا۔

نکوس سے پھر صبر نہ ہو سکا۔ اس نے لیڈیہا کی یہاں بھی مخالفت کی وہ ذرا تیز آواز میں بولا: ”مکہ عالیہ! جنگ کے دوران دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود اپنے ساتھ دشمنی کرنا ہوتا۔ رائے میں انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ دشمن خواہ ایک ہی کیوں نہ ہو، اس کا زندہ رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ لیڈیہا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

مکہ نے یہ بات محسوس کر لی اور بات کو ختم کرنے کے لیے فوراً بولا:

”نکوس۔ اس وقت جنگ نہیں ہو رہی ہے۔ وقت ہے کہ ہم ان کا فیصلہ سوچ کر کریں۔“

پھر مکہ جی ونا نے شہزادی لیڈیہا کو محبت سے دیکھا اور کہا:

”بیاری لیڈیہا! شہنشاہ کی گشت گردی سے ہم بہت پریشان ہیں۔ لوگوں نے ہمیں شہنشاہ کا دروازہ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمیں صبح جیروں سے باخبر نہیں رکھا جاتا۔ تاہم ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے جیسی متعلقہ شہزادی موجود ہے۔ تم ہماری دلی ہمدردی اور ہم تمہاری دلی ہمدردی پر فخر کر سکتے ہیں۔ تمہارا

شہزادی کا دل یوں اچھل گیا۔ اس نے مکہ جی ونا کو متشکر نگاہوں سے دیکھا پھر ادب سے گردن جھکا

مکہ جی ونا کے پاس سے واپسی پر نکوس بہت دل گرفتہ اور کچھ سہما ہوا تھا۔ مکہ نے لیڈیہا کو دلی ہمدردی کا

بی اعلان تو کر ہی دیا تھا۔ اس لیے اب لیڈیہا کا درجہ اس قدر بلند ہو گیا تھا جس کے مقابلے میں نکوس خود کو کمتر سمجھ رہا تھا۔

مکہ کے پاس آتے وقت وہ لیڈیہا کے برابر چل رہا تھا لیکن واپسی پر وہ خود ایک قدم پیچھے رہ کر چلنے لگا۔

شہزادی نے اسے فوراً محسوس کیا۔ پہلے تو وہ دلی دل میں مسکرائی لیکن اس خیال سے کہ آئندہ اسے نکوس سے بہت کام لینے ہیں، اس نے اس سے بگاڑنا زیادہ مناسب نہ سمجھا۔ اس نے نکوس کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی۔

شہزادی لیڈیہا چلتے چلتے رک گئی اور نکوس کی طرف پلٹ کر بولی:

”نکوس تم میرے برابر کیوں نہیں چلتے؟“

نکوس، لیڈیہا کے اس تغیر پر بڑا متعجب ہوا اس کا خیال تھا کہ شہزادی، دلی ہمد کے اعلان ہونے پر اور زیادہ مغرور ہو گئی ہوگی اور شاید اب وہ اس سے بات بھی کرنا پسند نہ کرے لیکن شہزادی کا لہجہ بڑا نرم اور درست تھا۔

نکوس نے ہمت کر کے کہا:

”شہزادی عالیہ! میں اپنی گستاخوں کی معافی چاہتا ہوں۔“

لیڈیہا کو اس پر نرمی آگیا۔

اس نے کہا:

”نکوس! اب تک تو میں شہزادی تھی۔ اب تم مجھے شہزادی عالیہ کے لقب سے کیوں خطاب کر رہے ہو۔ یاد رکھو مکہ! ان کے لیے فوراً بولا:

نکوس کی اور ہمت بڑھی۔ وہ بولا:

”میں تو آپ کو مکہ عالیہ کہنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں؟“

نکوس..... شہزادی نے نرمی سے کہا:

”ہم اچھے دوستوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ میں آئندہ بھی تمہیں دوست ہی رکھنا چاہتی ہوں بشرطیکہ تم اپنی ہمدردی کی اصلاح کر لو۔“

نکولس نے خوش ہو کر جواب دیا :
 ”آپ کا دل کتنا وسیع ہے شہزادی عالیہ ! میں تو سمجھا تھا کہ آپ شاید مجھے منہ لگانا بھی پسند نہ کریں۔
 شہزادی نے اور نرم لہجہ اختیار کیا اور کہا :

”نکولس ! تم ہسپانیہ کی افواج کے سپہ سالار ہو۔ ہم بہت بُرے وقت سے دوچار ہیں۔ اس لیے اگر
 تعاون کی ضرورت ہے۔“

نکولس نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا :
 ”شہزادی ! آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ میں آپ پر اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔
 شہزادی نے اسے ٹوکا :

”نکولس ! تمہاری جان کی مجھے نہیں، ہسپانیہ کی ضرورت ہے۔“
 نکولس فوراً متنبہ ہو گیا۔

اس نے کہا : ”میرے لیے شہزادی عالیہ، ہسپانیہ ہی کی طرح قابلِ احترام ہیں۔“
 ”صرف ایک محاصرہ دوست کی حد تک۔“ شہزادی نے چلتے ہوئے کہا :
 ”اس سے آگے فی الحال سوچنے کی کوشش نہ کرو اور نہ فاصلہ بڑھ بھی سکتا ہے۔“

شہزادی ایک بار پھر شاہی مطلب میں داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ حفصون آنکھیں بند کیے بیٹا ہے۔
 حفصون کو جگانا مناسب نہ خیال کیا اور فوراً ہی واپس آگئی۔

”دوسرے دن حکم جو لوٹا نے شہزادی لیڈیا کوئی مدد کا اعلان کر دیا۔
 حکم کے اعلان پر سب ہی نے سر تسلیم خم کیا۔۔۔۔۔ مخالفت کرتا بھی کون ؟ ہسپانیہ کی شہنشاہی

تو راڈرک کے ساتھ ہی نکل گیا تھا۔ غلطیہ میں پانچ ہزار سے زیادہ فوج تھی۔ سپہ سالار کی طرف سے اس فوج
 تھا لیکن سپہ سالار کی کے مدد سے پرنکولس فائرنگ اور وہ شہزادی کی ایک نگاہ کرم کا منتظر رہتا تھا۔



حفصون اور اس کے ساتھیوں کے زخم تقریباً بھر گئے تھے۔
 انھیں مکہ کے حضور پیش کیا گیا لیکن مکہ کو بھی اس سے کوئی مفید بات نہ معلوم ہو سکی۔ حفصون نے
 بتایا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے طارقی بن زیاد کے پاس آیا ہے۔ مکہ کو ان کے بارے میں فیصلہ نہ

نکولس نے شہزادی کے سخن سے حفصون کی مخالفت سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ شہزادی لیڈیا نے مکہ سے یہ
 کہہ کر اس کے ساتھیوں کی رہائی کا پروانہ حاصل کر لیا کہ ان پانچ بے گناہوں کو قتل کرنے سے حملہ آوروں
 کی سبب کو تینیں رک سکتا۔ اس لیے ان سے کیوں نہ اچھا سلوک کیا جائے تاکہ ان کے دل پر مکہ ہسپانیہ کی رحمتی
 ہینڈ پوٹ جائے اور ممکن ہے کہ مستقبل میں اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

اس دوران شہزادی لیڈیا نے حفصون سے کئی بار طویل ملاقاتیں کیں۔ دن کے علاوہ وہ رات کے وقت بھی
 صحن کے بستر کے قریب ویرنگ بیٹھی رہتی۔ دراصل اب شہزادی کے دل میں حفصون کے لیے ہمدردی اور انسان
 دہی کے علاوہ محبت کا بھی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ حفصون کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادی کو دلی عہد بنادیا گیا ہے اس لیے
 شہزادی کا پہلے سے زیادہ احترام کرتا اور اس کے اخلاق کو انسان دوستی ہی سمجھتا لیکن شہزادی اکثر کوئی ایسی چوڑکا
 دینے والی بات کہہ دیتی کہ حفصون کی نیند حرام ہو جاتی اور جب نیند آتی تو اسے رنگین خواب نظر آنے لگتے۔

ایک ہفتے کی مسلسل ملاقاتوں اور شہزادی کی طرف سے بے تکلفی اور کبھی کبھی افکار سپردگی نے آخر ان دونوں
 کے درمیان پڑا ہوا حجاب کا پردہ اٹھا دیا۔ اب وہ دونوں شفا خانے کے افردہ ماحول سے نکل کر باغ میں پہنچ جاتے
 دراصل لیڈیا کی روحیت کی باتیں کرتے رہتے۔

ایک رات باغ کی درختوں کے درمیان بیٹھتے ہوئے حفصون نے کہا :
 ”شہزادی ! اب تو آپ دلی عہد ہو گئی ہیں۔ ہم لوگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرتیں اگر ہمیں دشمن
 پُرزن تسلیم کرنا ہے تو پھر براہ کرم آپ اپنے ہاتھ سے مجھے قتل کیجیے تاکہ مجھے مرنے کا کوئی افسوس نہ ہو۔
 لیڈیا افسردہ ہو گئی۔

اس نے کہا : ”حفصون ! کیا یہ ممکن ہے کہ لیڈیا تمہارے قتل کا حکم دے۔ تمہاری طرف نظر اٹھانے کی ہمت تو
 وہاں میں بھی نہیں۔“

حفصون شہزادی کے انتقارب آجانے کے باوجود اس سے ”آپ جناب ہی سے گفتگو کرتا تھا۔ اس وقت
 شہزادی پر بڑا اچھا یاد آ رہا تھا کہ شہزادی کو اپنی طرف کھینچ کر بیٹھنے سے لگا لے۔۔۔۔۔ لیکن وہ فوراً
 ہنس نکلی گئی۔

الکے اب سے کہا :
 ”شہزادی لیڈیا ! اگر میرا مزید ہاتھ تو آپ کے احسان اور حسنِ اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا لیکن اب میں اسی قید سے
 رہا ہوں جو فیصلہ ہو۔ جدوجہد چاہیے۔“
 شہزادی نے اپنے ہونٹے جذبات سے حفصون کا ہاتھ پکڑ کر دبا دیا اور بولی :

حصفون۔ تم قید میں نہیں ہو۔ قیدی تو میرے ہو گئی ہوں۔ تمہاری آزاد کار و بار تو میری کر رہی ہوں..... لیکن اپنے دل سے مجھ کو چھوڑ ہوں۔ تم بالکل آزاد ہو۔ جب چاہو جا سکتے ہو۔ تم کو طیلیدہ میں ٹھہر کر اپنے سردار کا انتظار کرو۔ میں تمہاری بھلائی کس طرح برداشت کروں گی؟ حصفون کچھ سوچنے لگا۔ اس کی سوچ گہری ہوتی گئی۔

جب وہ دیر تک نہ بولا تو لیڈیائے کہا: حصفون۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ تم وہ تمہارے ساتھی آزادی کے میں کل شام نہیں یہاں سے رخصت کر دوں گی؟ حصفون کا دل ایک بار پھر لیڈیائے کے لگانے کے لیے مضطرب ہو گیا لیکن اس نے صبر کا قابو حاصل کیا۔

دوسرے دن حصفون کی خجستہ کی نظر بڑا دلچسپ تھا۔ لیڈی اپنی عمر سے کہیں زیادہ عقلمند ثابت ہوئی۔ اس نے رات کو ملکہ سے مل کر حصفون کی خدمت ورامہ کھیلنے کی اجازت حاصل کی۔ حصفون اور اس کے ساتھیوں کو تازہ دم گھوڑے میبل گئے۔ سامان خورد و نوش کے اس زین کے ساتھ لٹکا دیے گئے۔ ملکہ کے دستخط اور مرثا ہی کے ساتھ حصفون کو ایک شاہی پردہ لٹا دیا تھا کہ ان لوگوں سے کسی جگہ باز پرس نہ کی جائے۔ رخصت کے وقت ملکہ جہر دے کے اسے بھیجی۔

حصفون اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کے دروازے کی طرف چلا۔ شاہی وائس مہانت تھی۔ حصفون جس وقت اس قلعے میں لایا گیا تھا تو اسے وہاں بہت مختصر فوج دکھائی دی۔ اسے رات کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ قلعے میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ ہزار فوج ہو گی لیکن اس وقت اس کی بھی رہ گئیں، جب اس نے قلعے کی تفصیل پر یہ نظر رکھا جتنی وجوہ بند فوجوں کو گشت کرتے دیکھا۔ حصفون کی طرح اس کے ساتھ بھی طیلیدہ میں اس قدر لشکر کے اجتماع کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ لیڈیائے سے لشکر کی اس تیاری کا سبب دریافت کر لے لیکن پھر اسے یہ بات بے موقع اور غائبانہ تاہم لشکر کے اس اہتمام سے ان کے دل میں یہ خندہ ضرور پیدا ہو گیا کہ طیلیدہ کے میدان میں سامان و درمیان ایک نیامت خیز جنگ ہوگی۔

داخل شہزادی لیڈیائے تاشان پر پھوٹنا چاہتی تھی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جب حصفون کی طارق بن زیاد سے ملاقات ہو تو وہ اپنے سپہ سالار کے سامنے یہ بات دیکھ کے سانس نہ لے سکے کہ طیلیدہ میں فوج کا عظیم الشان اجتماع ہے اور اپنی اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، جس کا ظلم نہ حصفون کو تھا اور نہ شہزادی کو۔ شہزادی لیڈیائے نے کمال فراست سے تمام لشکر کی آبادی کو مسیح کر کے قلعے کی تفصیل پر کھڑا کر دیا تھا۔ اس طرح قلعے کی پانچ ہزار فوج، پچاس ہزار سے کم نظر نہ آتی تھی۔

شہزادی لیڈیائے حصفون اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی جو کوشش کی تھی اس سے وہ خود پتہ نہ لٹا سکی لیکن جب یہ دلچسپ ڈرامہ ہسپانیہ کے ایک مدبر گورنر فیودو دمر نے قلعہ اداری ہیولہ کے محاصرہ کے دوران دہرایا تو اس کے نہایت حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔

حصفون، شہزادی لیڈیائے کا دل میں لیے اور کسی چھپے وقت میں اس سے دوبارہ ملاقات کا تصور باندھے۔ رخصت ہوا شہزادی کو اس جدائی کا حد درجہ حال تھا لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ حصفون کو درکنا اس کے بس میں نہ تھا۔ اس نے پچھلے دنوں حصفون کو رخصت کیا اور حصفون نے ایک نامعلوم منزل کی طرف گھوڑے کی بالگلیں موڑیں۔ اس نے طیلیدہ میں طارق بن زیاد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر طیلیدہ والوں کو خود ہی کچھ پتہ نہ تھا۔ طاہرہ طارق بن زیاد اپنے بیوی سردار مغیث امدی کو قلعہ میں پھونڈ کر بڑی تیزی سے طیلیدہ کی طرف بڑھے چلے گئے تھے۔



طارق بن زیاد کو ہسپانیہ میں داخل ہونے کے بعد پہلا بڑا معرکہ شمشاد ہسپانیہ وارڈر کے ساتھ پیش آیا۔ جنگ وادی بکرم میں لاکھوں جند کے میدان میں لڑائی تھی اور شمشاد وارڈر شکست کھا کر دریا برد ہو گیا۔ طارق بن زیاد فتح و غرور کے ٹکڑے بھاتے قوموں پہنچے۔ یہاں کوئی خاص مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔ وہاں سے انھوں نے لڑائی جاکر رخ کیا۔ یہاں ایک اور خونریز معرکہ پیش آیا، ہسپانوی بہادری سے لڑے لیکن شکست کا منہ

انہی جا ہسپانیہ کا ایک اہم مقام اور قلعہ تھا۔ اس کے اطراف میں ملانہ (المقم) غزاٹھ طیلیدہ اور قرطبہ کے مشہور شہر تھے۔ یہاں کے بغیر ہسپانیہ پر مکمل قبضے کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔ طارق بن زیاد نے سوچا کہ اگر انھیں

آرچی دوڑ کے ایک مضبوط قلعہ تھا لیکن قلعہ قرطبہ کی تسخیر کی خبر وہاں پہنچ چکی تھی۔ اس لیے قلعہ دار نے صلح کی پیشکش کی۔ یہی شرط اٹھادی۔
یہ بیٹھ اردی کا سامنا ہسپانیہ کے ایک انتہائی باتدبیر شخص سے تھا۔
یہ باتدبیر کا گورنر قیوڈو میر تھا۔

مساؤں سے اس کا مقابلہ پہلے ہی ہو چکا تھا اور اسی نے شہنشاہ راڈرک کو مسلمانوں کی ہسپانیہ میں آمد
بغیر کسی تھیں۔ راڈرک اندیشہ اور باور تھا۔ یہ بیٹھ اردی کی آمد سے قطعی نہ گھبرا یا اور ختم ٹھوکر کر مقابلہ

پہلا معرکہ برپا نہیں ہوا۔

بیٹھ اردی کو زبردست مدافعت کا سامنا کرنا پڑا۔ مرسیہ کا صوبہ، ہسپانیہ میں ایک ملکی صورت رکھتا
تھیوڈو میر کے ساتھ کافی فوج تھی۔

دن بھر سخت جنگ ہوئی لیکن کوئی فیصلہ ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ بیٹھ اردی لڑائی کو طویل نہ دینا چاہتا تھا اس لیے
نے ایک سخت حملہ کا حکم دیا۔ آخر مسلمانوں نے قیوڈو میر کے لشکر کو نیزوں اور تلواروں پر رکھ لیا اور شام ہونے
پہلے ہسپانیہ کے لشکر کے قدم میدان جنگ سے اٹھ گئے۔ بیٹھ کو کامیابی تو حاصل ہوئی لیکن قیوڈو میر

اب مال پر تھا کہ آگے لگے قیوڈو میر اور پیچھے چھپے بیٹھ۔ ہر دوسرے دن ایک معرکہ ہوتا۔ قیوڈو میر کو
موتی لیکن وہ قتل نہ ہوا اور نہ ہتھیار ڈالتا۔

قیوڈو میر پر قابو حاصل کرنے کے لیے بیٹھ کو بڑے پاؤں بیٹھا رہے تھے۔ قیوڈو میر کو ہر میدان میں
موتی لیکن وہ اس قدر باہمت تھا کہ پھر فوج اکٹھا کر کے مقابلے پر نکل پڑتا۔

بیٹھ اور قیوڈو میر کی یہ آنکھ چوٹی کافی دنوں تک چلتی رہی۔ ان چھوٹی موٹی جنگوں میں مسلمانوں کا جانی نقصان
بڑھ گیا لیکن انھیں پریشانی کا سامنا فرو کرنا پڑتا۔

دو دنوں تک قیوڈو میر کی فوجی طاقت روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی اور ہر معرکہ میں اس کے کچھ فوجی کام
نہیں آ رہے تھے۔ اس کا ساتھ چھوڑ جانے۔

قیوڈو میر کی پوری فوج ختم ہو گئی یا اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ صرف اپنے ایک غلام کے ساتھ بیٹھ کے مقابلے
کا سامنا کر رہا تھا۔ اس نے پھر بہت زحمت کی اور جاکر قلعہ اور بیٹھ پہنچا۔

غلام اس کا کہتا تھا کہ اگر قیوڈو میر کے پاس تھوڑی بہت فوج ہوتی تو وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ کو کافی عرصے تک پریشان

ایک ایک کر کے فتح کیا گیا تو اس میں کافی وقت لگے گا۔ اسی لیے انھوں نے اپنی فوج کے ایک حصے
مرکزی میں جنوب کی طرف نماظر روانہ کیا اور خود بیٹھ اردی اور کاؤٹ جوہن کو قلعہ کی طرف
کہتے ہیں کہ اسی جا کے محاصرہ کے دوران ہی طارق بن زیاد کو قیوڈو میر سے اپنے اقا کوئی بیٹھ
ملاقاتا کہ وہ مزید پیش قدمی روک دیں اور ان کی آمد کا انتظار کریں کیونکہ موسمی چلتے تھے کہ فتح ہسپانیہ
شریک ہو کر اپنا نام فاتحانہ ہسپانیہ میں شامل کریں۔

طارق بن زیاد نے اس سلسلے میں اپنے سرداروں خصوصاً کاؤٹ جوہن اور بیٹھ اردی سے مشورے
جوہن افریقہ کے ایک قلعہ مستحکم کا بیٹھ اردی اور اسی کی رہبری اور تحریک پر طارق بن زیاد کو تین
بے بھیجا گیا تھا۔ اسی طرح بیٹھ اردی، یسوی الفل تھا۔ وہ ہسپانیہ کے یہودیوں کی خستہ حالت اور ان
کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

ہر دوسرا راگ پر غیر مسلم تھے لیکن چھٹی لڑائیوں نے ان کی وفاداری ثابت کر دی۔ ان دنوں
طارق بن زیاد کو مشورہ دیا کہ آقا کا حکم مانا درست ہے لیکن اگر اس وقت مسلمانوں نے اپنے قدم روک
کے لشکر کا کھلنا اور اختراہ از سر نو یک جا ہو جائے گا۔ پھر انھیں شکست دینے میں مشکلات پیش
آئیں گی اس لیے پیش قدمی کو رد کرنا فوجی نقطہ نظر سے کوئی عملندہ نہیں۔

طارق بن زیاد خود بھی یہی چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ زید بن کساوہ کو جنوب میں بھیج کر بیٹھ
قرطبہ پہنچے۔

طارق نے احتیاط کے طور پر کاؤٹ جوہن کو افریقہ بھیج دیا تاکہ وہ قیوڈو میر کو کوئی نیا
کی صورت حال سے پوری طرح آگاہ کر دیں اور اس بات کی بھی وضاحت ہو جائے کہ طارق بن زیاد نے
کامیابیوں فیصلہ کیا تھا۔

قلعہ قرطبہ، ہسپانیہ کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا۔ موسم برسات نے قلعہ کی تیز
مشکلات پیدا کر دیں اور محاصرہ ٹھیک نہیں کیا۔

طارق بن زیاد کو غلطہ پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے وہ بیٹھ اردی کو قرطبہ کے محاصرہ پر
طرف چلے گئے۔

بیٹھ اردی، طارق بن زیاد کے جانے کے بعد قرطبہ پر قبضے کی کوشش کرتے رہے۔
اور اس کا پرچم قلعہ قرطبہ پر لہرایا گیا۔

بیٹھ نے چند مسلمان محافظ دستے قرطبہ میں مقرر کیے پھر آگے دوڑنے کا رخ کیا۔

کر سکتا تھا۔۔۔ لیکن مملکت حملہ آوروں کا ہسپانوی فوج اور عوام پر ایسا خوف سوار ہو گیا تھا کہ نہ مہاراجہ
پہنچنے سے پہلے ہی آبادیاں اور قلعے خالی کر جاتے تھے۔
تیسو ڈومیر قلعہ اوری ہولہ میں پہنچا تو یہ دیکھ کر سخت مایوس ہوا کہ قلعے میں مواسے عورتوں اور بچوں
کوئی مرد نہیں ہے۔

تیسو ڈومیر کے لیے یہ صورت حال کافی پریشان کن تھی لیکن اس کے چہرے پر شک نہ تھا اور اس نے
ہو کر بغیث سے مقابلے کی ٹھانی۔

بغیث آندھی اور طوفان کی طرح تیسو ڈومیر کی تلاش میں مر سیہ میں گھس جاتا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ مر سیہ
گرفتار نہیں ہوتا یا ہتھیار نہیں ڈالتا، اس وقت تک مر سیہ پر مستقل قبضہ ممکن نہ ہوگا۔

راستے میں آنے والے چھوٹے موٹے قلعوں پر قبضہ کرنا ہوا بغیث، اوری، ہولہ کے ملنے سے نور ہوار
قلعہ عام طور پر صلح کی درخواست کرتے۔ شرانگٹے، ہوتس اور قلعہ سکانوں کے حوالے کر دیا جاتا۔ اس طرح کچھ
پر بغیث کا قبضہ بغیر لڑے بھڑے ہو گیا لیکن تیسو ڈومیر ان کے ہاتھ نہ لگا اور نہ ہی یہ بغیر مل سکی کہ تیسو ڈومیر
پوشیدہ ہے؟

آزادی لڑائی کے وقت تیسو ڈومیر کے ساتھ صرف چند سو سوار رہ گئے تھے۔ بغیث نے سوچا تھا کہ شاید
تیسو ڈومیر مقابلے پر آمادگی نہیں کرے گا لیکن وہ اس کی طرف سے غافل بھی نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے
جہاں جاتا پہلے تیسو ڈومیر کو تلاش کرنا اور جس طرف اس کے جانے کی خبر ملتی، ادھر فوج کے کپڑے پڑتا۔

اوری ہولہ کے قلعے پر جب بغیث آیا تو اس کے دم و گان میں بھی نہ تھا کہ تیسو ڈومیر اس قلعے
تھا۔ اسلامی فوج شام کے وقت قلعے کے قریب پہنچی۔ بغیث نے قلعے کے محاصرے کا حکم دیا اور رات ہوئے
اوری ہولہ کا مکمل محاصرہ ہو گیا۔



بغیث بڑی بے چینی سے قلعے کی سفارت کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ خود حملے کے لیے تیار تھا اور چاہتا تھا
کہ اگر قلعہ ہاتھ آجائے تو زیادہ بہتر ہے۔
اک کسٹ میں دن ڈھل گیا اور شام ہو گئی۔

مر سیہ کی رات بھی اور زور نہیں سب قلعے کی نصیب پر رزاں تھیں تو یکایک قلعے کے اوپر کے برج پر ایک
نہایت کھلم کھلا بغیث نے سفید جھنڈا دکھایا تو بڑا اطمینان ہوا۔
بہت کھلم کھلا بغیث نے سفید جھنڈا دکھایا تو بڑا اطمینان ہوا۔
بہت کھلم کھلا بغیث نے سفید جھنڈا دکھایا تو بڑا اطمینان ہوا۔

رات بھر اسلامی فوج آرام کرتی رہی۔
انھیں شب خون کا خدشہ تھا پھر بھی بغیث نے پہرے چوکی کا پورا پورا انتظام کیا۔ اس کا خیال تھا کہ
ہی قلعہ دار صلح کی درخواست پیش کرے گا کیونکہ قلعہ اتنا مضبوط نہ تھا کہ اس کی تسخیر ناممکن معلوم ہو۔
رات کو کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ کا مدد دروازہ کھلا اور دو سوار سفید بھندے ہاتھوں میں لے کر باہر آتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔

ہسپانوی سوار سفید بھندے لیے آہستہ آہستہ اسلامی لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے۔
میثیل اردی خوشی خوشی اپنے خیمے میں واپس آ گیا اور حکم دے دیا کہ جب قلعہ کے پرچم پر انھیں عزت کے ساتھ اس کے خیمے میں پہنچا دیا جائے۔

ہسپانوی سفیر اسلامی لشکر کے پاس پہنچے تو میثیل کے نائب نے انھیں خوش آمدید کہا اور حکم کے مطابق انھیں میثیل کے خیمے پر احترام کے ساتھ پہنچا دیا۔ سوار خیمے کے سامنے گھوڑوں پر خاموشی سے میثیل اردی کے خیمے میں داخل ہوئے۔

میثیل نے انھیں عزت سے بٹھایا اور رسمی طور پر ان کی اور قلعہ دار کے زباج پر کی۔ اس موقع پر مترجم کی ضرورت نہ پڑی کیونکہ میثیل خود ہسپانوی تھا اور یہاں کی زبان سے بخوبی واقف تھا۔
دو میں سے ایک ہسپانوی، جو قرآن سے افسر معلوم ہوتا تھا، اس نے گفتگو کا آغاز کیا اور بے بولا:

”اے اسلامی لشکر کے سردار! ہمارے قلعہ دار نے آپ کی خدمت میں صلح اور دوستی کا پیغام بھیجا ہے کہ اگرچہ اسلامی فوج تعداد میں زیادہ ہے اور ہرچیز فتوحات سے اس کے حوصلے بھی بلند ہیں لیکن قلعہ کافی لشکر موجود ہے۔ نہ اسلحہ کی کمی ہے اور نہ سامان خورد و نوش کی۔ قلعہ کی فصلیں بھی مضبوط ہیں۔ حملہ کیا تو ہمارے پاس مدافعت کے لیے کافی سامان موجود ہے۔ محاصرہ طویل کیسے گا اور دونوں طرف بے بہرہ گا۔“

میثیل نے مسکرا کر جواب دیا:
”اے معزز سفارت کار! آپ کے قلعہ دار نے قلعہ کی مضبوطی اور مدافعتی سامان کی فراوانی کی طرف زور دیا ہے ہم تک پہنچاؤ ہے، اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی انہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ قلعہ قدرتی طور پر زیادہ مضبوط نہیں۔ اس پر ہم ہر صورت قبضہ کر لیں گے اور جب تک ہم اس پر قابض نہیں ہوں گے تم آگے نہیں بڑھیں گے۔“

سفارت کار فوراً بولا:
”سردار! مجھ نے جو کچھ فرمایا اس میں ذرہ برابر غلط نہیں۔ ہمارے قلعہ دار کو اس بات کا پوری طور پر آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قلعہ ہر صورت آپ کے قبضے میں آجائے گا۔ قلعہ دار نے مجھے اسی وجہ سے

قبضہ کرنے کہا،
”قلعہ دار کو یہ درست معلوم ہوتا ہے اس لیے ہم بھی ان کی طرف ددنی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اگر قلعہ بغیر ہمارے حوصلے کو دیا جائے تو ہم قلعہ کے تمام لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنا ہمارے لیے ممکن ہے۔“

سفارت کار کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔
اس نے کہا: ”اے سردار! آپ کی افغان پسندی اور دراندیشی کے لیے میں قلعہ دار کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ قلعہ کی حوالگی کے سلسلے میں ہم پر کیا شرائط عائد کرتے ہیں؟“

میثیل نے بات سے جواب دیا:
”اسلامی لشکر جبر و تشدد سے گریز کرتا ہے اور کسی کی ذاتی املاک پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا۔ قلعہ ہمارے حوصلے کو دیا جائے تو قلعہ میں جتنے لوگ موجود ہیں ان کی ذاتی املاک اور جان کی سلامتی کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔“

اور اگر ہم قلعہ خالی کر دیں تو آپ ہمیں کیا مراعات عطا کر سکتے ہیں؟“ سفارت کار نے بات کو مختصر کیا۔
میثیل نے بھی اختصار سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا:
”جو لوگ قلعہ چھوڑ کر جلتا چاہیں انہیں اپنی ذاتی املاک کو محفوظ رکھنے کی پوری پوری آزادی ہوگی۔ یہ

سفارت کار نے کہا:
”جی ہاں! اس کے بدلے کا یقین ہے پھر بھی معاہدہ مضابطہ تحریر میں آجائے تو زیادہ بہتر ہوگا!“

”آپ اپنے دعوے کو تحریر کی شکل دیتے ہیں۔ میثیل نے دھمکتی سی بات کہی:
”ہم نے دھمکے کا لفظ محض تمہیں یقین دلانے کے لیے کہا تھا۔“

سفارت کار نے فوراً کہا:
”قلعہ دار اس شرط پر قلعہ خالی کرنے کو آمادہ ہیں۔ براہ کرم فوراً معاہدہ تحریر کرنے کا حکم صادر کیجیے۔“
میثیل الہی کو معاہدہ تحریر کرنے میں کیا بندر ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں نے تو ہسپانیہ میں یہ اصول ہی بنایا تھا تھا کہ کسی کے لیے کسی ملک کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں کی شرطیں نہایت نرم ہوتی ہیں۔ مثلاً جو لوگ قلعہ میں رہنا چاہتے ہیں ان کے پاس رہیں گے۔ جو جانا چاہیں وہ اپنا مال و اسباب ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ کسی کے مذہب

میں قطعاً دخل نہیں دیا جائے گا۔

معادہ تحریر ہو کر آگیا۔

شرطوں پر رکھی گئی کہ جو لوگ قلعہ چھوڑ کر جانا چاہیں گے انہیں اپنا مال و اسباب لے جائیں گے۔
غیث نے معادہ پر دستخط کیے اور اس ڈکھوٹھی کی ہر شے کی، جو اسے طارق بن زیاد دے دینے کا وقت ملے۔
طارق بن زیاد نے جب زید بن کساد کو جنوب کی طرف بھیجا تھا تو انہیں بھی ایسی ہی ایک ڈکھوٹھی دی تھی۔
بن زیاد کے قائم مقام کے طور پر معادہ کی تصدیق کر سکے۔

غیث نے معادہ سفارت کار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

”اسلامی سالار فوج کی حیثیت سے میں نے دستخط کر کے ہر گادی ہے۔ اب تم اسے لے کر قلعہ دار اور ان کے دستخط اور ہر شے کر کے واپس آؤ۔ پھر ہم اپنی دستخط شدہ ایک نقل تمہیں دے دیں گے۔“

سفارت کار نے معادہ لیتے ہوئے کہا:

”آپ فکر نہ کریں۔ قلعے میں جلنے کی ضرورت نہیں۔ قلعہ دار میں خود ہی ہوں۔“

”تم قلعہ دار ہو؟“ غیث نے حیرت سے پوچھا۔

سفارت کار نے دستخط کیے اور اپنی ڈکھوٹھی آنا کر کر گادی۔

پھر بولا: ”معزز سردار! سفارت کار دو کام انجام نہیں دے سکتے جو کام دو فریقوں میں آئے مائے کیا جاسکتا ہے۔۔۔ میں سفارت پر اٹھنا کہہ کر جو پیغام آپ کو بھیجتا ہوں وہ آپ کے سامنے کسی اور آپ کا جواب ہے۔ میں نے یہی بتا دیا ہے۔ میں نے یہی بتا دیا ہے کہ میں خود ہی آپ کے پاس آکر بات چیت کروں گا۔“

”میں آپ کی ذہانت اور دراندیشی کی داد دے رہا ہوں۔ غیث نے رواداری کا ثبوت دیا۔“

قلعہ دار کو جو دراصل قبوڑ میرا گورنر سرسید تھا، اپنے برابر بٹھایا۔

قبوڑ میرا کو کوئی بھی نہ پہچان سکا۔

قبوڑ میرا نے کہا:

”معزز سردار! معادہ طے پا چکا ہے۔ مجھے اس کی نقل کی ضرورت نہیں۔ ہم قلعہ جمع خالی کر دیں گے۔“

اپنے ساتھ صرف اپنا سامان لے جائیں گے۔

غیث نے جواب دیا: ”محترم قلعہ دار! ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو شخص جتنا بھی سامان اپنے

لوٹے۔ اسے پوری آزادی ہوگی۔“

قلعہ دار نے اپنے لیے اٹھا اور بولا:

”اب مجھے اپنے دستے کے صدر دروازے پر تشریف لے آئیے گا۔ صدر دروازہ آپ کو کھلائے گا۔ میں خود مقابل کروں گا۔“

درجات مسلمان لشکر کو اپنے قدر سے سکون سے گزاری۔

غیث خوش تھا کہ اسے اور یہی قلعہ خون بہا ہے اور ایک بھی جان ضائع کیے بغیر لیا۔ سفارت کی وجہ سے اس نے اپنے سرداروں کو خیمے میں بلا کر انہیں معادہ سے کی تکمیل اور شرائط سے آگاہ کیا۔ صدر دروازے کی خدمت کی داندی اور معادہ سے کی تکمیل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

میں کہی ہوئی کہ کے ساتھ اسلامی لشکر نے قلعہ کا قبضہ لینے کے لیے قلعہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔ معادہ طے ہو جانے کے لشکر بڑی احتیاط سے قلعہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ احتیاط کے طور پر غیث نے زنگیوں کے پاس ہی قبوڑ دیا کیونکہ جنگ کے زمانے میں ہر بات جائز سمجھی جاتی ہے اور ہر قدم پر کوئی مصیبت آتی ہے۔

قلعہ کے سب سے اونچے برج پر لہراتا ہوا ہسپانوی پرچم اٹار دیا گیا تھا۔ اس کی جگہ سفید پرچم لہرا رہا تھا۔

جب وہ قلعہ کے صدر دروازے پر پہنچا تو اس نے قلعہ دار قبوڑ میرا کو دروازے کے باہر کھڑے ہوئے۔ قلعہ دار نے اپنے گھوڑے سے اتر کر غیث کا استقبال کیا۔

قلعہ دار نے کہا:

”محترم سردار! قلعہ کا دروازہ کھولنے کا حکم دیجیے اور معادہ کی شرط کے مطابق اجازت مرحمت فرمائیے کہ قلعہ

میں داخلہ پانامان لے کر نکل جائیں۔“

غیث نے نرمی سے جواب دیا:

”معادہ سے کی تکمیل کے بعد ہم اس کے پابند ہیں۔ آپ مطمئن رہیے۔ جب تک قلعہ کے لوگ اور آپ کا لشکر

داخل نہیں کرنا ہم قلعے میں داخل نہیں ہوں گے۔“

قلعہ دار نے سفید پرچم کو قلعہ کی جانب کے تین بار اسے ہوا میں گردش دی۔

اس کے ساتھ ہی اور یہی قلعہ کا صدر دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی عورتیں اپنے مردوں پر سامان

منڈا کر لے رہی تھیں۔ عورتیں ایک قطار بنا کر باہر آ رہی تھیں۔ جتنا سامان جو عورت اٹھا سکتی تھی وہ اٹھا لے

ہوئے تھی۔

میث اس منظر کو بڑی دلچسپی اور انبساط کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ قلعے سے باہر آنے والوں میں ایک اور شخص کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ چونکہ وہ ایک مختار میں آگے پیچھے باہر آ رہی تھیں اور ان کے سروں پر بڑے بڑے گولے اس میں کافی دیر لگ گئی۔

عورتوں کی قحط خیز ہونے تو اب بچوں نے قلعے سے باہر نکلتا شروع کیا۔ بچے بھی ہر طرح کے تھے۔ ان میں بچہ بارہ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا۔ وہ اپنے سروں اور بغلوں میں سامان دبائے آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔ بھیبت ویر میں ختم ہوئی۔

بچوں کی آمد ختم ہو گئی تو اس کے بعد قیوڈو میر کا وہ غلام جو رات کو قیوڈو میر کے ساتھ صاف کر رہا تھا، باہر آ گیا۔

اس وقت تک دو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ قیوڈو میر نے دیکھا کہ میث کے چہرے پر بے چارہ ہیں اور شاید وہ جلد از جلد قلعے میں داخل ہونے کو بے قرار ہے۔ اس کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے مسکرا کر کہا:

”سردار اعظم کو اتنے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ میں اس کے لیے محضت خواہ ہوں۔ دراصل بچوں اور کارخانہ درست ہوتی ہے۔“

میث نے خوشدلی سے جواب دیا:

”آپ نکر نہ کریں۔ جب تک جاننے والوں کا سلسلہ بند نہ ہو جائے گا ہم باہر ہی ٹھہریں گے۔ قلعہ دار اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے بولا:

”اب آپ کو باہر ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ قلعے میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے جائیں۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟“ میث نے ذرا حیرانی سے پوچھا:

”کیا آپ کی فوج قلعے کے اندر ہی رہے گی؟“

”فوج.....“ قیوڈو میر نے ہنس کر جواب دیا:

”میری فوج تو باہر جا چکی ہے۔ قلعہ خالی ہے۔ آپ اندر تشریف لے جاسکتے ہیں۔“

میث کو غصہ آ گیا۔

وہ سمجھا کہ شاید قلعہ دار ان سے کوئی مذاق کر رہا ہے یا پھر کوئی گہری چال چل رہا ہے۔

میث نے قدرے ترشہ سے کہا: ”کیا کہنا چاہتے ہو۔ صاف صاف کہو۔ یاد رکھو کہ ہمارے“

تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔“

قیوڈو میر نے بغیر کسی اختیار کی اور بولا:

نوراد مستم ہیں آپ سے مذاق کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ قلعہ بالکل خالی ہے۔ اندر

کوئی موجود نہیں۔“

میث کا غصہ تو کم ہو گیا مگر اس کا قہج بڑھ گیا۔ اس نے دریافت کیا:

”کیا آپ نے اپنی فوج رات ہی کو قلعے سے باہر بھیج دیا ہے؟“

”جی نہیں سردار۔“ قیوڈو میر نے جواب دیا:

”میری فوج تو سب ہی موتیں اور بچے تھے جو قلعے سے باہر نکل چکے ہیں۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔“

لیکن کل شام تک قلعے کے اوپر مستح دتے نظر آ رہے تھے۔ میث نے الجھتے ہوئے کہا:

قلعہ دار نے اپنی وفاعت کرتے ہوئے بتایا:

نوراد عالمی مقام اور اصل بات یہ ہے کہ جب میں اس قلعے میں آیا تو یہاں عورتوں اور بچوں کے سوا اور کوئی موجود

نہیں تھا۔ میں تو میں خود تھا۔ میرا ایک غلام۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ قیوڈو میر کی تلاش میں ہیں۔ پس میں نے یہاں

نہیں ہی تھا۔ عورتوں کے بال کا لون تک لال کر کے ڈار حیاں بنادیں اور انھیں جنگی لباس پہنا دیا۔ جب آپ نے قلعے

کا گارڈ کیا تو میں نے عورتوں اور بچوں کی اس فوج کو صبح کے کھیلوں پر پہنچا دیا۔ میری یہ ترکیب کارگر ہوئی اور

آج بقیہ بھی گئے۔ قلعہ میں کافی فوج موجود ہے۔ پھر کل رات میں نے معاہدہ کر کے اپنی اور ان سب کی جان بچالی۔

بہنو بالکل خالی ہے۔“

میث، قلعہ دار کی عقل عدالت پر پیش کش کر اٹھا اور اس نے خلوص دل سے قیوڈو میر کی اس کامیاب اداکاری

پر بہت شاباشی دی۔

قیوڈو میر گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔

اس نے میث کو اودامی سلام کیا اور گھوڑا موڑ کر اس طرف کا رخ کیا، بعد قلعے کی عورتیں اور بچے سروں پر

ہاتھ مارے رواں دواں تھے۔

میث اسے حیرت اور ایک خاص جذبہ احترام سے دیکھ رہا تھا۔

قیوڈو میر نے قحطی دور جانے کے بعد ایک دم اپنا گھوڑا روک لیا اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر آہستہ

آہستہ کے پاس واپس آ گیا۔

میث نے ہنس کر کہا: ”شاید قلعہ دار کوئی چمیر اپنے ساتھ لے جانا بھول گئے ہیں۔ ہم اب تک قلعے سے باہر

میں۔ آپ جو کچھ بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہیں، اس کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ اگر گائیڈ بھی آکر ہوں تو ضرورت ہو تو ہم سے بے تکلف طلب کر سکتے ہیں۔
قیوڈومیر بولا:

میں ملائیشیا کے غلاموں سے بہت متاثر ہوں۔ میرے اپنی اور قلعہ والوں کی جان و مال کی خاطر جو ترکیب استعمال کی، اس پر آپ نے کسی ناراضگی کی بجائے خوشی صاف کیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ عالی ظرف سردار ہیں اور ایک عالی ظرف سردار کو زیادہ دیر تک فریب میں مبتلا رکھنا میرا ضمیر قبول نہیں کر سکتا۔
قیوڈومیر کی بات بہت اچھی ہوتی تھی۔
میث نے کہا:

"قلعہ دار حرم۔ میں یقین نہیں آتا کہ آپ جیسا دی شعور، عقلی چاروں کے بجائے کسی فریب کا ملال کوئی ہرج نہ ہو تو اپنی بات کی وضاحت فرمائیے۔"
قیوڈومیر نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

"سالار عالی مقام! آپ گورنر سرسید قیوڈومیر کو کئی بار شکست دے چکے ہیں مگر وہ ضدی اور دل پرز سے باز نہیں آتا۔"
میث نے فخر سے کہا:

"ہمارے حریف کا مقابلہ کرنے میں جتنا لطف آتا ہے اس سے شاید آپ واقف نہیں۔ ہم قیوڈومیر کی بات کرتے ہیں۔ ہم احمی کی تلاش میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ مریہ کے طول و عرض میں اس وقت تک جنگ ہوئی ہے جب تک وہ زندہ یا مردہ ہمارے ہاتھ نہیں آتا۔"

قیوڈومیر نے میث کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا:
"اے میث الہی! اگر یہودیوں کو آپ پر فخر ہے تو ہسپانیہ بھی میرا آئینہ مرے کرنے کے بعد آتا۔ اگر آپ خود اپنے لیے ہوئے حباب سے کسی سیاہی ٹٹا سکتے ہوں تو قیوڈومیر کو گرفتار کر لیجیے۔ گورنر آپ کے سامنے موجود ہے۔"

قیوڈومیر کے اس انکشاف پر میث الہی اور اس کے ساتھ کے تمام سردار حیرت زدہ رہ گئے۔
بچوں اور عورتوں کو جنگی لباس پہنا کر فسیلوں پر بیٹھ دینا بھی کیا کم حیرت انگیز بات تھی کہ قلعہ دار کے میں قیوڈومیر کی موجودگی نے تو انہیں مرتا یا حیرت بنا دیا۔

قیوڈومیر نے انہیں خاموش دیکھا تو خود ہی بولا: "میری گرفتاری کا حکم دیجیے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔"

میں نے بکے دے رہا ہے کہ ایک عالی ظرف دشمن کو فریب نہ دیا جائے، سو میں نے فریب کا پردہ چاک کر دیا۔
میں نے یہی کوئی خوف نہیں ہے کہ اگر آپ نے معاہدہ کا پاس کرتے ہوئے مجھے یہاں سے نکل جانے کا موقع دیا تو میں کیسے کہیں پھر فوج اکٹھا کر کے آپ کا مقابلہ کروں گا اور اس وقت لڑتا رہوں گا جب تک میرے جسم میں خون نہ رہے۔
قیوڈومیر نے کہا:

میث نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

قیوڈومیر نے کہا:

”کیوں نہیں معزز سردار“ قتیوڈو میر کی زبان سے فوراً نکلا:

”میں خود سہا پانہ کے سیاسی اور معاشرتی حالات سے مطمئن نہیں ہوں۔“

”بس پھر آپ ہمارے حلیف بن جائیے۔“ معیت خوش ہوتے ہوئے بولا:

قتیوڈو میر نے ایک بار نظریں اٹھا کر معیت الری کو دیکھا۔ پھر گھوڑے کی زین سے اتر کر نکالی۔ تلوار لے کر وہ گھوڑے سے اترا اور تلوار کو زمین پر معیت کے گھوڑے کے پیروں کے پار معیت فوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے پیسے بٹھ کر قتیوڈو میر کو گلے سے لگایا۔ پھر زمین سے تلوار زمین سے اٹھا کر قتیوڈو میر کی کمر میں لگا دی۔

قتیوڈو میر نے اطاعت کے طور پر معیت کے سامنے اپنا سر تھوڑا سا خم کر دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس معاہدے کی رو سے قتیوڈو میر انگوڑو زمرسیہ کے عہد سے پہلے



بربری جوان حفصوں کے صفائی زخم نوسندل ہو گئے لیکن طلیطلہ کی ماہ پارہ نے جو زخم اس کے دل پر تھا اس کی کسک اور شپک روز بروز برحق جاری تھی۔ وہ طلیطلہ سے نکلتا تو اس کی کوئی منزل نہ تھی۔ وہ ایک نامعلوم منزل کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اس اجنبی زمین پر یقیناً مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی ہر مشکل ملکہ جی لونا کے زمان کی وجہ سے حل ہو جاتی۔ جس جگہ طارق بن موجودگی کی خبر ملتی، وہ ادھر چل پڑتا لیکن وہاں جا کر اسے معلوم ہوتا کہ طارق بن زیاد وہاں سے گزر کر کسی اور جگہ روانہ ہو گئے ہیں۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ طلیطلہ سے جس قدر دور ہوتا جا رہا تھا، طارق بن زیاد اتنے ہی طلیطلہ کے قریب رہتے تھے۔

پھر ایک روز طلیطلہ میں یہ زوردار افواہ اڑی کہ طارق بن زیاد بڑی تیزی سے طلیطلہ کی طرف آ رہے۔ یہ افواہ نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ اس حقیقت کی خبر طلیطلہ کے بعض ذمے دار فوجی سرداروں کو بھی تھی۔ انھیں کچھ پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ طارق بن زیاد اپنے بیوی سردار کو قرطبہ کے محاصرے پر چھوڑ کر طلیطلہ کی طرف چلے گئے۔ فوجی سردار اپنی مصلحت کے تحت اس خبر کو عام نہیں کر رہے تھے۔ یہ وہ چپکے چپکے سردار تھے جو ان کو بدھ کے

خوشنشاہ راڈرک کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے اور ملکہ جی لونا کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ تنہا وہ ابھی زندہ ہے اور وہیں اکٹھی کر رہا ہے۔

اس خبر کی بارگشت جب شاہی محل میں سنائی دی تو ایک کمرام سامع گیا۔

ملکہ جی لونا نے ان سرداروں کو محل میں طلب کر لیا جنہوں نے ملکہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ طارق طلیطلہ نہیں آئیں گے اور وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

ملکہ کو اس بات پر بہت غصہ تھا۔

بلوئس، سپہ سالار فوج تھا۔ اس نے تمام سرداروں کو فوراً افواہ بھیج کر بلوایا اور انھیں ساتھ لے کر ملکہ کے حضور میں پیش ہوا۔

ملکہ بلکہ کی خوبصورت تھی۔

اس وقت غصے نے اس کے صحن کو اور زیادہ نکھار دیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ، چتوئیں کھنی ہوئی اور چہرہ لالہ لکھن ہو رہا تھا۔ ... شہزادی لیڈیا اس کے دائیں جانب کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر غصے کے بھلے

نمیدگان اور کسی حد تک غم کے سائے لہرا رہے تھے۔

”لوئس اب سے آگے تھا۔“

اس کو دیکھتے ہی ملکہ نے چیخ کر کہا:

”لوئس! تم نے میں بتایا تھا کہ مسلمان واپس جا رہے ہیں۔ طلیطلہ کو کوئی خطہ نہیں۔“

لوئس پوری طرح سے مسلمانوں کے خطرے سے آگاہ تھا لیکن مفاد پرست سرداروں نے اسے

اپنا ہنوا دیا تھا۔

لوئس بنایا سپہ سالار بن تھا اس لیے وہ اپنے سرداروں کی مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے اپنے سرداروں کی ہر بات سے اتفاق کرنا پڑا۔

طلیطلہ کے سرداروں نے اس خبر کو اس لیے پوشیدہ رکھا تھا کہ اگر طلیطلہ واؤں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان اس طرف آ رہے ہیں تو قطعاً میں بد امنی پھیل جائے گی اور ممکن ہے کہ لوٹ اور شروع ہو جائے۔ اس سے بچنے کے لیے انہوں نے

شک کے انگوٹھ لگا کر کہا کہ میں رکھتا اور وہ چپکے چپکے طلیطلہ سے اپنی تمام املاک دوسرے تلووں میں منتقل کرنے کی ہدایت کرتے۔

شہزادی لونا نے لوئس کو پھٹکا اتار دیا اور ڈرتے ڈرتے بولا:

”ملکہ! یہ مجھے سرداروں نے یہی اطلاع دی تھی۔“

”تم سپہ سالار ہو کونسی؟“ ملکہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا:

”ہر کامداروں پر نہیں پھوٹنا چاہیے۔ تمیں دشمن کی نقل و حرکت سے خود باخبر ہونا چاہیے۔ اگر کسی ہجم کسی وقت بھی دشمن کے گھیرے میں آسکتے ہیں۔“

ملکہ عالیہ نے درست فرمایا:

”کونسی نے ملکہ کی ہاں میں ہاں ملانے ہی میں اپنی بستی دیکھی:

”طارق بن زیاد کے ساتھ عظیم الشان لشکر ہے۔ ہم غلطی میں نہ کر مداخلت نہیں کر سکتے۔ ملکہ پڑ کر بولی:

”میں بھی فیصلہ کرنا تھا تو اب تک کسی بات کا انفرادی تھار موت سر پر لگتی تو ہوش آیا:

”ہمیں فوراً جلیقیہ چلا جانا چاہیے۔ کونسی نے سرداروں کو دیکھتے ہوئے ملکہ کو مشورہ دیا۔

”بزدل.... ملکہ نفرت سے بولی:

”بغیر مقابلہ کیے دارالخلافہ دشمن کے حوالے کرنا چاہتے ہو:

”اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ملکہ عالیہ“ ایک اور سردار نے ہمت کے کہا:

”یہ بات ہم ہسپانیہ کی ناموس بچانے کی خاطر کہہ رہے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری شکست لار:

ملکہ عالیہ کو دشمن کے آگے سرنگوں ہونا پڑے۔“

لیڈیا بڑے صبر و تحمل سے ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی لیکن اب اس سے برداشت نہ ہو سکا۔

وہ چیخ کر بولی:

”ملکہ عالیہ کے ناموس کے دامن میں اپنی بزدلی چھپانے والو! صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مسلمانوں کا مذہب:

کر سکتے۔ تم صرف کمزوروں پر حملہ کر سکتے ہو.... لیکن شر ذور کے سامنے جلتے ہوئے تمہاری جان لکھی ہے

لاگو جنہ کی شکست کے ذمے دار تم ہو۔ تم شہنشاہ ہسپانیہ کے حاق ہو۔ اگر تم میدان جنگ میں شہنشاہ کو:

کرنہ بھگتے تو آج دشمن غلطیہ کا رخ نہ کر سکتا۔ تم بزدل ہی نہیں! جھوٹے اور مکار بھی ہو۔ تم نے اپنی بزدلی:

کے لیے ملکہ عالیہ کو اس غلط فہمی میں غیبی کر دیا ہے کہ شہنشاہ ہسپانیہ اب تک زندہ ہیں۔ جانا کہ حقیقت:

ملکہ عالیہ۔ یہ وہ ہو چکی ہیں۔ اگر شہنشاہ زندہ ہوتے تو نصف ہسپانیہ ہمارے ہاتھوں سے نہ نکل چکا ہوتا:

ملکہ نے بڑی اندوگی سے لیڈیا کو دیکھا۔

ملکہ کی آنکھیں جھلک گئی تھیں۔ اس نے آہستہ سے کہا:

”لیڈیا! کیا میں واقعی بوزہ ہو گئی ہوں؟“

لیڈیا کی آنکھیں بھی بھر اٹیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

”ملکہ عالیہ! مجھے معاف نہ لیتے ہیں حقیقت یہاں تک کہ پر مجبور ہوں۔“

کونسی اور دوسرے سرداروں کو جیسے ساپ سوکھ گیا تھا۔ انہیں لیڈیا کی باتیں بہت ناگوار لگ رہی تھیں لیکن لیڈیا

دروازہ کی اطلاع ہو چکا تھا پھر ملکہ کی موجودگی میں وہ زبان نہ ہلا سکتے تھے۔

ملکہ نے سب لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے لیڈیا سے کہا:

”سوز شہزادی! تیرے خیال میں اب میں کیا کرنا چاہیے؟“

شہزادی لیڈیا نے جواب دیا:

”ملکہ عالیہ! سرداروں کو چاہیے تھا کہ وہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرتے لیکن وہ تو راہ فرار اختیار کرنے کے حق

پہنچیں جس فوج کے سردار ایسے بزدل ہوں، وہ فوج کیا کر سکتی ہے؟“

”پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“ ملکہ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔

شہزادی لیڈیا نے کہا:

”اب میں مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو جانا چاہیے۔ غلطیہ کا قلعہ بہت مضبوط ہے۔ مسلمان اسے حاصل

انے کے لیے ہماری شرائط و روضہ منظور کر لیں گے۔“

ملکہ کچھ سوچتے ہوئے بولی:

”لیڈیا! اس میں دو باتوں کا خطرہ ہے۔ پہلے تو یہ کہ اگر مسلمانوں نے سختی سے محاصرہ کیا تو ہمارے پاس اتنا

مدد نہیں ہے کہ جو زیادہ دن تک کام آسکے۔ دوسرے یہ کہ اگر انہوں نے بزدلی شہر قلعے کو حاصل کرنا چاہا تو بھی ہم

زیادہ دن مداخلت نہ کر سکیں گے اور ہمیں ان کی شرائط پر صلح کرنی پڑے گی۔ ایسی صورت میں ہماری عورتوں کا کیا

ہوگا۔ اس لیے کہ مسلمان بڑے وحشی ہوتے ہیں۔“

خام اور باری سر ہلکاٹے خاموش ٹھہرے تھے۔ لیڈیا اور ملکہ اتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھیں جیسے انہیں:

مذاکرہ کی موجودگی کا قطعی احساس نہیں۔

لیڈیا نے جواب دیا:

”ملکہ عالیہ! یہ سب ہمارا دم ہے.... مسلمانوں نے جو ملاتے فتح کیے ہیں، وہاں سے بہت سے لوگ

بہرہ مند ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ مسلمان قلعے کا محاصرہ کرنے کے بعد صبح کی کوشش کرتے

ہیں۔ اگر انہیں کوئی توہین تلواریا اٹھلے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بہتر شرائط پر ان سے صلح کرنے میں کامیاب ہو

جائیں۔ آپ ہسپانیہ کی ملکہ ہیں۔ وہ آپ کا غلط ہی کریں گے۔“

لیڈ یا کی بات ملک کی تحجیر میں آگئی۔

اس نے اعلان کیا:

"قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کی آمد کا انتظار کیا جائے۔"

نکولس کو سرداروں کا تعاون حاصل تھا۔ اس نے بگڑ کر کہا:

"ملکہ عالیہ! میں لیڈ یا کے مشورے پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوں۔"

بگڑا نکولس....!"

ملکہ کو طیش آگیا:

"تمہیں ہماری مخالفت کی جرأت کیسے ہوئی؟"

نکولس نے اور زیادہ گستاخ لہجہ اختیار کیا اور کہا:

"میں یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ ایک نادان لڑکی کی رائے پر عمل کر کے ملکہ عالیہ اپنی جان اور عزت

مول لیں۔ یہ فوجی مسئلہ ہے۔ اس کا فیصلہ فوجی سرداروں کو کرنا ہے۔"

نکولس نے اپنے سرداروں کی طرف دیکھا جیسے وہ ان کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہو۔

ایک سردار نے ہمت کی اور بولا:

"نکولس! ہمارے سردار ہیں۔ ہم ان کا حکم مانیں گے۔"

دوسرے سردار کو بھی جرأت ہوئی۔ اس نے کہا:

"ہم ملکہ عالیہ کو اپنے ساتھ جلیقیہ لے جائیں گے۔"

پھر تو سردار نے اپنی بولی بولی۔

ایک بڑا گامسراچ گیا۔

ملکہ گھبرا گھبرا کر ایک ایک کا منہ دیکھتی رہی۔

سوائے لیڈ یا کے، کوئی بھی اس کی بات ماننے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا۔

ملکہ کو مجبوراً اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔

اس نے دوسرا اعلان کیا:

جلیقیہ کی طرف روانگی کا فوراً اعلان کیا جائے۔ طلیطلہ کا قلعہ شام تک خالی ہو جانا چاہیے۔ فوج کو

اٹھانے کی پابندی نہیں۔"

لیڈ یا کا چہرہ اتر گیا۔

ہا بیٹھے گا....

پھر اس نے اپنی تمام قوت جمع کی اور گرج کر بولی:

"نہیلا میرا ہے۔ مجھے اس کے درو دیوار کو چہرہ بآزار سے محبت ہے۔ میں طلیطلہ نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تمام

میدان خالی کر دے تو بھی میں یہیں رہوں گا۔ اکیلے اور تنہا۔"

ملکہ نے بڑی حسرت سے لیڈ یا کو دیکھا اور ہستہ سے کہا:

"لیڈ یا! یہی میرا فیصلہ ہے لیکن میں فوج کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں جہاں رہوں گی تیرے لیے دعا کر دوں گی۔"

لیڈ یا کی رنگی آنکھوں سے اشک کے موتی گرنے لگے۔

دارا لکھنؤ میں بگڑ چکے تھے....

گازی، پھلڑے، آؤٹ، گھوڑے.... جس کو جو سواری میرا آئی اس نے اپنا سامان لادا۔ اتنا سامان کہ

نارنگا رست پر لگئی۔

فوج کے سردار اپنا مال و متاع پیسے ہی جلیقیہ منتقل کر چکے تھے۔ اہل ثروت جن کے پاس سواریاں تھیں

الاد اسباب لاد پھانڈ کر جاکر کھڑے ہوئے۔

شہر میں ایک قیامت برپا تھی۔

جن کو دیکھو، بھاگنے کی جلدی....

بیسے طوفان آگیا ہو یا اولے پڑے ہوں۔

لیڈ یا نے کمرے میں جا کر ایک کونے میں دھب لگئی۔

اسے سب سے زیادہ غصہ نکولس پر تھا۔

اگر نکولس ساتھ نہ تو شاید طلیطلہ خالی نہ ہوتا.... لیکن اس کو تو اپنی سپہ سالاری کی فکر تھی۔ پھر وہ خود مغربی

نیک مخالفت کیسے کرتا۔

لیڈ یا ان خیالات میں گم تھی کہ اس کی ایک کیز بھاگتی ہوئی داخل ہوئی۔

لیڈ یا کا دل دھک سے ہو گیا۔

الکے پوچھا:

"نہیلا! گھبراہٹی ہوئی کیوں ہو؟"

نہیلا نے دھمکتے ہوئے بولی:

"نہیلا! مجھے ہنسنے کی ضرورت نہیں۔ نکولس نے آپ کی گرفتاری کا پردانہ ملکہ سے زبردستی حاصل کر لیا ہے۔"

شہزادی سچ پڑ گئی۔

کینز نے کہا:

”شہزادی صاحبہ! خاموشی سے کچھ نہ ہو گا۔ کوئی تذہیر کیجیے۔“

لیڈی رائے ٹھنڈی سانس لی اور بولی:

”میں کیا کر سکتی ہوں، فوج کو کس کے ماتھے ہے۔ شہر بھی میرا مخالف ہے۔ مجھے کہاں پناہ ملے گی؟“

کینز نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔

پھر گھبرا کر سر اندر کیا اور کہا:

”شہزادی! فیچوں نے آپ کے محل کو گھیر لیا ہے۔“

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

کینز دروازے کے پاس گئی اور جھانک کر دیکھا۔

باہر سے آواز آئی:

”شہزادی لیڈی رائے کہا جائے کہ تیار ہو جائیں۔ انھیں سپہ سالار کے پاس چلنا ہے۔“

شہزادی نے بھی یہ آواز سنی۔

اسی نے کینز کے ذریعے کھلوا یا:

”دس منٹ انتظار کیا جائے۔“

کینز نے دواڑہ بند کر دیا۔

شہزادی نے ایک چوڑے نالبا کمرہ پنہا کر میں دائیں بائیں دو خنجر لگائے۔

بلے کرتے میں خنجر پوری طرح چھپ گئے۔

شہزادہ نے کینز سے کہا:

”اس وقت بھاگنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ کوکس مجھے اپنے ساتھ حلیفیت لے جانا چاہتا ہے۔“

کینز نے تمام کھڑکیوں کو دروازہ کھول کر باہر کی طرف نظریں دوڑائیں۔

محل کے چھپے چھپے پر سپاہی موجود تھے۔

کینز بولی:

”کیونکہ کوکس نے پورا انتظام کیلئے لیکن آپ بے خوف اس کے پاس جایے۔ میں ہر وقت آپ“

دہوں گی۔ اگر اس نے کسی زیادتی کا ارادہ کیا تو پہلے میں آپ پر قربان ہو جاؤں گی۔“

شہزادی نے مسکرا کر کہا:

”لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ کوکس تمنا بھر پر قابو نہیں حاصل کرنا تھا۔“

مرتا نے باہر آ کر سپاہی کو اطلاع دی کہ شہزادی چلنے کے لیے تیار ہیں۔

مرتا ایک نازک اندام کینز تھی۔ سپاہی اسے دیکھتے ہی ریشہ خلی ہو گیا۔

سپاہی نے کینز سے پوچھا:

”یہاں شہزادی کے ساتھ تم حلیفیت نہیں چلو گی؟“

مرتا نے سپاہی پر ایک بھر پور نظر ڈالی۔ پھر بولی:

”میں تو ایک ادنیٰ کینز ہوں۔ مجھے کون پوچھتا ہے؟“

سپاہی خوشی سے پھول گیا۔

اس نے کہا: ”پوچھنے والے تو بہت ہیں۔ کیا تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو؟“

مرتا نے ایک الجھرائی لے کر سپاہی کے حواس کو مجھول کر دیا۔ پھر لگاؤ سے بولی:

”میں شہزادی لیڈی رائے کی کینز خاص ہوں۔ میرے قریب آنے کے لیے بڑا صلہ چاہیے۔“

مرتا کی دالمانہ الجھرائی نے اس کے تمام اعضا کے نعوش اور نشیب و فراز سپاہی کے دل میں اتار دیے تھے۔

اگلے جذبات کے تناؤ کو سمجھنا کہہ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں غماز اور آواز میں جذبات کی تھر تھراہٹ پیدا

کرانے سے خواب میں کہا:

”اے پری پکیرا تیری قدرت حاصل کرنے کے لیے اگر مجھے موت کی واہی میں بھی جانا پڑے تو مجھے کوئی عذر

نہی ہے۔“

مرتا نے آنکھیں ٹکائیں اور بولی:

”پھر بڑا کو۔ کہنے اور اس پر عمل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“

سپاہی کے جذبات پھٹک پڑے۔

اس نے جھٹ کر سے خنجر نکالا اور مرتا کی طرف بڑھتا ہوا ہوئے کہا:

”اے انا کہ کوکس کو۔ خنجر میرے سینے میں اتار دو۔“

مرتا سپاہی کے کاٹھن پر ہنسی آگئی۔

اس نے کہا: ”تم تو سچے عاشق معلوم ہوتے ہو لیکن فوج میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟“

سپاہی نے فخریہ انداز میں جواب دیا:
"میں تمہاری شہزادی کے محافظ دستے کا سردار ہوں۔ یہ تمام سپاہی جو اس وقت شہزادی کے
گیرے ہوئے ہیں، میرے ماتحت ہیں۔"

"اچھا...." سرینا کی زبان سے ایک دم نکلا اور وہ سوچ میں ڈوب گئی۔
"کیا سوچنے لگیں۔ تمہارا ناکیلہ ہے؟" محافظ سردار نے محنت سے پوچھا۔

اسی وقت اندر سے شہزادی کی آواز آئی،
"کیا کہنے لگی ہو سرینا؟"

"سرینا...." سردار نے اس کا نام دہرایا:

"بڑا پیارا ناکیلہ تمہارا؟"

سرینا مسکراہٹ کے پھول بکھیرتے ہوئے بولی:

"اور میرے محافظ سردار کا کیا نام ہے؟"

"راڈیس...." محافظ سردار کی ہاتھیں بھل گئیں۔

"راڈیس بھی کچھ کم پیارا نام نہیں ہے؟"

اور سرینا مل کھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

سرینا، شہزادی کے پاس پہنچی تو بہت خوش تھی۔ وہ بار بار مسکرا رہی تھی۔

شہزادی نے تیوریاں چڑھا کر کہا:

"سرینا...." تعجب ہے۔ میری گرفتاری کا حکم ہوا ہے اور تو خوشی سے سچے سچے نہیں ملاتی؟"

سرینا کو اپنی عقلی کا احساس ہوا۔

اسی نے شہزادگی سے کہا:

"شہزادی! احسان کر دیجیے۔ مجھ پر لعنت ہو، اگر میری گرفتاری سے خوش ہوں لیکن باہر ایک ایسا دل

لطیفہ ہوا ہے جسے سوچ کر غصے بار بار ہنسی آ رہی ہے۔"

"لطیفہ...." کس کے ساتھ لطیفہ ہوا ہے؟ شہزادی نے حیرانی سے پوچھا۔

سرینا نے بتایا:

"لطیفہ میرے ہی ساتھ ہوا ہے شہزادی صاحبہ! آپ کو بلائے جو شخص آپ سے وہ سپاہی نہیں بلکہ

حفاظتی دستے کا سردار ہے۔"

جس میں لطیفے کی کیا بات ہے۔" شہزادی ذرا گھبرائی کہ بولی۔

"جی...." وہ بات یہ ہے کہ...." سرینا کو لطیفہ بیان کرنے کے لیے الفاظ نہ مل رہے تھے۔

"جی...." سردار.... مجھے.... یعنی مجھ پر...."

اور سرینا پھر مسکانے لگی۔

شہزادی اس کا مطلب سمجھ گئی اور بولی:

"یعنی تو اتنی دیر سے باہر کھڑی عشق لڑا رہی تھی؟"

سرینا سنجیدہ بنتے ہوئے بولی:

"شہزادی صاحبہ...." یہ آدمی عقل کا کچا، مگر ہے گا! آدھی۔"

"تو پھر دیر کیوں کرتی ہے۔ چلی جا اس کے ساتھ۔" شہزادی نے طنز پر لہجے میں کہا۔

"میں شہزادی صاحبہ! سرینا سمجھتے ہوئے بولی:

"اس آدمی سے ہم جیسا چاہیں، ویسا کالے سکتے ہیں۔ میں نے اسی لیے اسے فوراً دوستی کر لیا ہے۔ اب

وہ دانا نہیں ایک بڑی اچھی ترکیب آئی ہے۔"

شہزادی نے اکتاتے ہوئے کہا:

"کیا نفول باتیں لے بیٹھی سرینا بے وقت کی بھیرویں اچھی نہیں لگتی۔ کہہ دے اس سے۔ میں چلنے

پہنچا ہوں۔"

"ذرا ٹھہریے شہزادی صاحبہ! یہ کہتے ہوئے سرینا پک جھپ کرتی پھر باہر نکل گئی۔

شہزادی اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

سرینا بڑی دیر تک محافظ سردار سے کھسکھس کرتی رہی۔ پھر جب وہ واپس آئی تو پیسے سے بھی زیادہ

ماتحتی۔

اس نے آتے ہی کہا:

"اب کا امین لیا۔ ذرا کاٹھا کا اقد ہے راڈیس میں نے اسے اچھی طرح شیشے میں اتار لیا ہے۔"

شہزادی ہلکا ہلکا سرینا کو دیکھ رہی تھی۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سرینا پاگل ہو کر ہلکی ہلکی باتیں کر رہی ہے۔

شہزادی نے کہا:

"سرینا! کوئی عقل کی بات کرو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ راڈیس کون ہے؟"

قوی محافظہ سردار! سرنا جلدی سے بولی:
 'میں نے تمہارا باتیں طے کر لی ہیں آپ بیمار ہیں کو کوس کے سامنے جائیں گی۔'
 'بتاؤ....' شہزادی کو نصیحت کیا:
 'میں ابھی بھلی ہوں۔ تو مجھے بیمار کیوں بنا چاہتی ہے۔'
 'یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔'
 سرنا نے جلدی سے شہزادی کی زلفیں بکھیر دیں۔
 شہزادی اسے روکتی ہی رہ گئی۔
 سرنا نے کہا:

شہزادی صاحبہ! آپ اپنا ایک ہاتھ پیچھے کی طرف کر رکھ لیں اور تھوڑا سا آگے کو جھک کر چلیں۔
 آپ شدید تکلیف میں مبتلا ہیں۔ میں آپ کو سہارا دے رہی ہوں گی۔
 شہزادی کی کچھ میں کچھ نہ آیا پھر بھی اس نے سرنا کے کہنے کے مطابق کر پڑا ہاتھ رکھ کر اپنے ہرے رنگ
 کے ہٹا کر پیدا کر لیے۔
 سرنا ہنس کر بولی:

'بہت خوب شہزادی صاحبہ۔ آپ تو بہترین اداکاری کر سکتی ہیں۔'
 شہزادی بے بسی سے بولی:

'سرنا! میرا مذاق نہ اڑا۔ کم از کم مجھے یہ تو بتا دے کہ یہ سب کیلئے ہے۔ تو یہ ڈرامہ کیوں کر بنا چاہتی ہے؟'
 'جیسے شہزادی صاحبہ! سرنا نے کہا،

'آپ بیمار ہیں کہ کوکوس کے سامنے جائیں گی اور راڈ لیس آپ کی تیمارداری کے لیے کوکوس سے میری مدد
 کرے گا۔ اس کے بعد وہی ہو گا جو تقدیر میں ہے۔'

شہزادی کو اطمینان ہو گیا۔
 وہ اپنی کینز کی عقلندہ پیر دل ہی دل میں بہت زیادہ خوش ہوئی۔



کوکوس اپنے سرداروں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ شہزادی اس کے سامنے پیش کی گئی۔ آگے آگے

اس کے پیچھے شہزادی لیڈیا۔ شہزادی کی کمر بھکی ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر
 اس کے ہاتھ تھے۔
 'پوس بھرا کر کھڑا ہو گیا۔'
 اس نے پوچھا: 'کیا ہوا شہزادی کو؟'
 سرنا جو شہزادی کو سہارا دے ہوئے آ رہی تھی۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا،
 'مالا! انکم! شہزادی کے سینے میں شدید درد ہو رہا تھا۔ شہزادی چلنے پھرنے کے قابل نہ تھیں مگر آپ
 ہڈی سردار نے ایک نہ سنی اور انہیں اسی حالت میں آنے پر مجبور کر دیا۔'
 کوکوس ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا:

راڈ لیس۔ ہمارے لیے گھوڑا تیار کیا جائے اور ہماری گاڑی میں بڑی احتیاط سے شہزادی کو سوار کیا جائے۔
 یہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے چاہیے۔'
 راڈ لیس نے سر جھکا کر کہا:

'مالا! انکم! میں مرد ہوں۔ میں راستے میں شہزادی عالیہ کی دیکھ بھال کس طرح کر سکوں گا۔ ان کے پاس کسی
 بارہا ضروری ہے۔'

'تھیک کہہ رہے ہو تو تم۔ کوکوس بولا۔

پھر سرنا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا:

'یہ عورت کون ہے؟'

نیں شہزادی کی کینز ہوں۔ سرنا نے ایسی بھرائی ہوئی آواز میں کہا جیسے اس پر غموں کے صدا پہاڑ
 پڑے ہوں۔

کوکوس راڈ لیس سے مخاطب ہوا:

'راڈ لیس! اس کینز کو شہزادی کے ساتھ گاڑی میں سوار کر دیا جائے اور اسے تاکید کی جائے کہ شہزادی کا
 بارہا خیال رکھے۔ جو بھی شہزادی کی گاڑی کے قریب ہی رہیں گے۔'

کوکوس! اپنے سرداروں کے پاس باہر چلا گیا۔ شاید سے شہزادی کی گرفتاری کا انتظار تھا۔
 کمرہ خالی ہو گیا۔

سرنا، شہزادی اور راڈ لیس کے علاوہ اب اس کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔
 بعد میں کوکوس کے وقت بڑی انفرانٹری کا عالم تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔

جو، جس کے ہاتھ لگا، وہ لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

میلوں تک گاڑیوں اور چھڑوں کی قطاریں دکھائی دیتی تھیں۔ سواری کی کمی کی وجہ سے لوگ ہمارے
چن رہے تھے صرف اراکینِ سلطنت اور ملکہ جی لوگا گاڑیوں پر سوار تھے
لوگس، کچی میں تک شہزادی لیڈیا کی گاڑی کے پیچھے پیچھے چلتا رہا لیکن پھر سرداروں کے کہنے سننے پر
شہزادی کی حفاظت کی ذمہ داری راڈیس پر ڈالی اور خود دوسرے سرداروں کے پاس چلا گیا۔

دن کی بات یہ کہ شہزادی کے محافظ دستے کا سردار راڈیس بھی نابٹ تھا۔
یہ شخص سے دیوانہ ہو گیا۔

میں نے آجیوں کو بلا وجہ بیٹ ڈال دیا۔ چاروں طرف تیز رفتار سوار دوڑا سنے گئے مگر شہزادی لیڈیا کا کہیں
لوگس نے ہاں دو دن قیام کیا۔

دو دن میں پھر ناچا جاتا تھا تاکہ شہزادی کو کہیں سے ڈھونڈ لگالے لیکن اس کے سرداروں اور ملکہ
نے اسے آگے بڑھنے کا مشورہ دیا۔

لوگس کو شہزادی کے غائب ہونے کا بڑا احمدمہ ہوا۔ اس نے ملکہ جی لوگا کو اپنا ہمنوا بنایا تھا اور یہ طے پایا تھا کہ
بچے ہی شہزادی لیڈیا کے ساتھ اس کی شادی کرادی جائے گی۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ آبا شکار نکل گیا تھا
اس کے ملنے کا اب کوئی امید نہ تھی۔
ایک دن لوہو ٹھہرنے کے بعد وہ حلیقیہ کی طرف روانہ ہوئے!



طلب علم سے نکلنے ہی پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ وادیِ الجارہ کا یہ حصہ فوجی نقل و حمل کے لیے بہت دشوار
اس میں جگہ جگہ تنگ درے اور اونچے نیچے راستے تھے جن سے دو برابر گاڑیوں کا نکلنا مشکل تھا۔
اس وادی سے نکل کر یہ لوگ ماڈھ پہنچے۔ کچھ لوگ بیس رہ پڑے، باقی آگے بڑھے۔
لوگس ہر منزل پر آ کر شہزادی کے متعلق معلومات حاصل کرتا۔

شہزادی اس سے گفتگو کرتے وقت اپنے اوپر ہجاری کے آثار طاری کیے رکھتی اور جب لوگس پہنچا
سرمہ کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔

اس ڈرامے کا ایک اہم کردار راڈیس بھی تھا۔ اس لیے اکثر وہ گھوٹا بڑھا کر شہزادی کی گاڑی کے منہ
چلنے لگتا۔ پھر اس میں اور سرمہ تین بیاد و جھت کے دستہ کھل جاتے۔ شہزادی خاموشی سے دونوں کی گفتگو
سنتی رہتی۔

سرمہ نے اس حکایت راڈیس کو اپنے قابو میں کر لیا تھا کہ اگر سرمہ راڈیس کو کسی کھڈ میں چھلاک لگا
کہتی تو وہ بغیر سوچے سمجھے اس میں کود پڑتا۔

ماڈھ سے یہ لوگ مایہ پہنچے۔

مایہ بڑا خوبصورت شہر تھا۔۔۔۔۔

تھا تو یہ بھی پہاڑی علاقہ لیکن اس کے خوشنما باغات اور سرمہ وادیاں بڑی دلفریب نظر آتی تھیں۔

مایہ میں ان لوگوں نے ٹھکانے دو کر کرنے کے لیے دو دن قیام کیا۔

پھر تیسرے دن صبح کو جب روانگی کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ شہزادی لیڈیا معہ اپنی کینز سرمہ کے

⑦

فرار در فرار

۰

پایہ تخت طلیطلہ قوم کا قلعہ کا صدیوں کا پرانا دار الحکومت۔ اس کی شان و شوکت بیان کرنے کے لیے اومنہ قدیم میں دار الحکومت پر قبضہ ملک پر قبضہ کے مترادف تصور ہوتا تھا۔ اس کی مثال برصغیر کے تدر دی جاسکتی ہے۔ "تاریخ اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ جو بیرونی حملہ آور ہندوستان میں داخل ہوا وہ سیدھے دہلی کا رخ کیا۔ جو دہلی پر قابض ہو گیا وہ تاجدار ہند کہلایا۔

یہی حال ہسپانیہ کے دار السلطنت طلیطلہ کا تھا۔ جس قدر خوبصورت اس کے محلات اور باغات کمیں زیادہ مضبوط اس قلعہ کی فصیلیں تھیں۔

طلیطلہ کا قلعہ انتہائی بلندی پر واقع تھا۔ یہ دریائے ٹیگس کے کنارے واقع تھا لیکن اسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک جزیرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

طلیطلہ دریا کے شمال میں واقع تھا لیکن ماہرین نے اس سے شاخ نکال کر جنوب میں بس ایک چوڑی دی تھی۔ اس طرح یہ شہر ایک جزیرہ بن گیا تھا۔

قلعہ کی بلندی آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ دوہری سنگین فصیلیں۔ فصیل میں چٹانیں کاٹ کاٹ کر نکالیں گے باہر خندق اس قدر چوڑی تھی کہ پا کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔

گو قلعہ خاندان کے بادشاہ اپنے اپنے زمانے میں قلعہ کی مضبوطی میں اضافہ کرتے رہے تھے۔ شہنشاہ نے اپنے خیال میں ناقابل تخریب بنا دیا تھا۔ قلعہ کے شمال میں کچھ ناہموار زمین تھی۔ اس پر گوگھر اور نوکھاروے کے طرح بچھائے تھے کہ بغیر زخمی ہوئے نہ تو گھوڑے گزر سکتے تھے اور نہ پیادہ دستے

طارق بن زیاد کو قلعہ طلیطلہ کی مضبوطی کی اطلاعات مل چکی تھیں لیکن طارق نے تو کشتیاں جلا کر اپنی واپسی کا راستہ بند کر دیا تھا۔ انھوں نے سرسے کہن اس لیے باندھا تھا کہ ان کے قدم آگے اور لمگے ہی بڑھتے رہیں گے۔ پتھریں اور پھاڑ کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ پھر اس کی پروا طارق کو کیا ہوگی؟ وہ تو پہاڑوں اور چٹانوں سے ٹکرانے کے لیے لیاں ملک پہنچے تھے۔

اور وہ ایک سنہری شام تھی۔

دو پہاڑوں کی مٹی کی شکر اسلام کے نیزے بردار قلعہ طلیطلہ کے سامنے نمودار ہوئے۔ شمشیر زنون کی تلواریں جھپ میں اس طرح چمک رہی تھیں جیسے کوئٹہ ہوتی بجلیاں۔ مسلمانوں کے پڑ رعب عامے، دیکھنے والوں کے بارزہ طاری کرتے تھے۔ سب سے آگے سرخ رُو اور سرخ بالوں والے سپہ سالار طارق بن زیاد کا گھوڑا تھا۔ گھوڑا کی آنکھوں میں بے چین تھا۔ انھوں نے اس کی راسیں کھینچ رکھی تھیں۔ گھوڑے کو قلعہ نظر آ گیا تھا اور ہر قلعہ جنگ ہوتا ہے۔ اس سے طارق کا گھوڑا ابھی طرح واقف تھا۔ وہ بار بار پھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا جیسے طارق سے بات کر رہا ہو۔

انے آقا اب دیر کس بات کی ہے۔ قدم بڑھائیے۔ میدان جنگ سامنے ہے۔

لیکن طارق تو اس وقت اپنے آقا کے حضور میں تھے۔ ان کی نظریں آسمان کی طرف اٹھی تھیں اور لب کلمہ طلیطلہ کا رہے تھے۔

طارق کی فوج آہستہ آہستہ اس ملک بوس قلعہ کے گرد حلقہ بند کرنے میں مصروف تھی۔ طلیطلہ میں انہیں زبردست مخالفت کا اہم تھا اور وہ خود کو اس معرکے کے لیے پہلے ہی تیار کر چکے تھے۔

طارق بن زیاد کی نظریں، بالگاہ والی میں نذرانہ عجب پیش کر کے قلعہ پر آکر جم گئیں۔ طارق کی حکمت و طلیطلہ آنے پہلے ہی متنب ہو چکی تھی۔ طارق بن زیاد کو قلعہ کا جائزہ لیتے ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ قلعہ پر لہرا تا ہوا جانی بزم آہستہ آہستہ نیچے اتار دیا گیا۔

اسلامی فوج کا ہر سوار و پیادہ یہ دیکھ کر اپنی جگہ بت بن کر رہ گیا۔

طارق بن زیاد گھوڑے سے جھٹ لگا کر زمین پر گئے اور فرش خاک پر پشینانی ٹیک دی۔ ان پر رقت پٹی۔ انھیں شکر و عجز کے اشک بکھیر رہی تھیں اور وہ ایک عالم بے خودی میں پیشانی کو بار بار خاک پر دگڑتے رہے۔

نہ اپنے آقا کے حضور اسجدہ شکر پیش کر رہا تھا۔

اور پھر..... جب اس عاجز و مجبور نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ قلعہ کے دروازے سے تین سوار ہاتھوں

میں سفید پرچم اٹھانے، گھوڑے دوڑاتے ہوئے شکر اسلام کی طرف آرہے ہیں۔

اس کی پیشانی پھر زمین پر لگ گئی۔

شاید دعا کی قبولیت کی اسے اتنی جلدی امید نہ تھی۔

طارق بن زیاد نے اپنے نائب کو حکم دیا کہ سواروں کا آگے بڑھ کر استقبال کیا جائے اور پورے لشکر کے پاس لایا جائے۔

نائب نے پانچ سواروں کے ساتھ آگے جا کر صلح، سفارت کو خوش آمدید کہا اور انھیں اپنے محل میں لے گیا۔

قلعہ سے آنے والے سواروں میں جو سوار سب سے آگے تھا اس کے چہرے پر نقاب پڑا تھا اس کے لیے ساخت بتا رہی تھی کہ وہ عورت ہے۔

دوسرے سوار کے چہرے پر نقاب نہ تھا اور وہ عورت تھی، شہزادی لیڈیا کی عقلمند کنیز سر مرینا سفید شہزادی کے محافظ دتے کا سردار اور سر مرینا کا سر پھرا عاشق راڈلیس تھا جس کے نقادوں سے شہزادی، کولمبیا سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئی تھی۔

تینوں سوار طارق بن زیاد کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر ٹانڈا گھوڑے کے پاس پہنچے اور جھک کر آداب بجالائے۔

طارق نے متانت سے کہا:

”ہم امن کے سفیروں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔“

جواب میں لیڈیا کی سترم آواز گونجی:

”میں ناتیج ہسپانیہ طارق بن زیاد کی خدمت میں امایان طلیطلہ کی طرف سے مذراۃ سلام و عقیدت کرتی ہوں۔“

پھر لیڈیا نے ہلٹ کر سرینا کو اشارہ کیا۔

سرینا نے زرد نگارہ مال میں بندھی ہوئی ایک پوٹلی لیڈیا کی طرف بڑھادی۔ لیڈیا نے پوٹلی سرینا کے لیے اور جھک کر زمین پر رکھ دی۔

طارق بن زیاد اور دوسرے سرداروں نے حیرت سے پوٹلی کو دیکھا۔

طارق نے حیرانی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا:

”اے محرز خاتون! اس رومال میں کیلہ ہے؟“

شہزادی لیڈیا نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا:

”ناتیج! اس رومال میں طلیطلہ کے شہریوں کی جان، مال اور ناموس ہے۔ یہ تینوں چیزیں اب آپ کے ہاتھ میں ہیں۔“

طارق بن زیاد شہزادہ کے رومال میں قلعہ طلیطلہ کی چابیاں تھیں۔ انہوں نے اپنے نائب کو اشارہ کیا۔

نائب نے پانچ سواروں کے ساتھ آگے جا کر صلح، سفارت کو خوش آمدید کہا اور انھیں اپنے محل میں لے گیا۔

قلعہ سے آنے والے سواروں میں جو سوار سب سے آگے تھا اس کے چہرے پر نقاب پڑا تھا اس کے لیے ساخت بتا رہی تھی کہ وہ عورت ہے۔

دوسرے سوار کے چہرے پر نقاب نہ تھا اور وہ عورت تھی، شہزادی لیڈیا کی عقلمند کنیز سر مرینا سفید شہزادی کے محافظ دتے کا سردار اور سر مرینا کا سر پھرا عاشق راڈلیس تھا جس کے نقادوں سے شہزادی، کولمبیا سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئی تھی۔

تینوں سوار طارق بن زیاد کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر ٹانڈا گھوڑے کے پاس پہنچے اور جھک کر آداب بجالائے۔

طارق نے متانت سے کہا:

”ہم امن کے سفیروں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔“

جواب میں لیڈیا کی سترم آواز گونجی:

”میں ناتیج ہسپانیہ طارق بن زیاد کی خدمت میں امایان طلیطلہ کی طرف سے مذراۃ سلام و عقیدت کرتی ہوں۔“

پھر لیڈیا نے ہلٹ کر سرینا کو اشارہ کیا۔

سرینا نے زرد نگارہ مال میں بندھی ہوئی ایک پوٹلی لیڈیا کی طرف بڑھادی۔ لیڈیا نے پوٹلی سرینا کے لیے اور جھک کر زمین پر رکھ دی۔

طارق بن زیاد اور دوسرے سرداروں نے حیرت سے پوٹلی کو دیکھا۔

اس قدر دولت مالی غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو حاصل ہوئی کہ اس کا شمار دشوار ہے۔

یہاں صدیوں کی جمع شدہ دولت تھی۔ سونا چاندی، دریشم، جواہرات، نیکل، پتھر، اجڑا، زعفران، زہرہ، جواہرات بڑے ہوئے برتن، مرصع اور زرنگار قیمتی تھان، ایک ایسا بیش قیمت کپڑا ملا جس کے جانے پہچانے تھا اور اس میں نیلم اور مردمشکے ہوئے تھے۔ موتیوں سے بھرا ہوا سونے کا ایک طباق حاصل ہوا۔ سادہ اور موتیوں کی قیمت نہ جانتے تھے۔ انھوں نے موتی پھینک دیے اور طباق مال غنیمت میں شامل کر لیا۔ اس کے سوا پچیس شمشاد ہوں کے تاج دستیاب ہوئے۔ تاجوں پر بے انتہا قیمتی کام کیا گیا تھا اور کوئی ہیرا ایسا نہ تھا جو نہ جڑا گیا ہو۔

یہ تاج مختلف ادوار کے مختلف بادشاہوں کے تھے۔ جب بادشاہ مر جاتا تو تاج کو تبرک مجرگشاہی میں رکھ دیا جاتا۔ نئے بادشاہ کے لیے نیا تاج بنایا جاتا۔ خزانے سے سونے اور جواہرات کی زنجیریں لگے جو میرے آترشتے ہوئے گلینے، مرصع تلواریں اور قیمتی زہرہ بکتر دستیاب ہوئے۔

شاہی محل کا ایک بڑا کمرہ فرش سے بھرت تک سونے، چاندی اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ملکہ جی ونا اور نکولس اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر مسلمانوں کی آمد کی خبر سے ایسے بدحواس ہوئے کہ اس کے کاموقع نہ ملا اور اسے جوں کا توں چھوڑ گئے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شہزادی لیڈیانے طارق بن زیاد سے ایک عجیب و غریب خواہش کا اظہار کیا۔

اس نے کہا: ”سپہ سالار اعظم! مجھے اجازت دی جائے کہ میں آپ کے لشکریوں سے فروزا کائنات کوں!

طارق کو اس خواہش پر بڑا تعجب ہوا۔

انھوں نے کہا: بیٹی! مجھے اجازت دینے میں کوئی تکان نہیں لیکن کوئی راز کی بات نہ ہو تبھی

سے آگاہ کر دو۔“

لیڈیانے کہنے کو نہ کھولا مگر شاید ہمت نہ پڑی۔ اس نے صرف اتنا کہا:

”محترم سپہ سالار۔ یہ ایک راز کی بات ہے۔ واپس آنے پر میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔“

طارق نے اسے اجازت دے دی۔

شہزادی نے چلتے وقت کہا:

”میرے ساتھ میری کنیز بھی جائے گی۔ آپ اسے بھی اجازت دیجیے۔“

طارق بن زیاد نے اس کی کنیز کو بھی ساتھ جانے کی اجازت دے دی اور اپنا ایک معتد بھی ان کے

بغیر لے گیا۔ سرین اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

کچھ مہینے کے بعد شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر

سرین اس کا جسم باقی رہی۔ لیڈیا کی آنکھ لگ گئی اور ایسے گھوٹے ریح کہ سوئی کہ مچ لگ لگ کر



ہسپانیہ کے یہودی اور خصوصاً وہ یہودی جو طارق بن زیاد کے ساتھ افریقہ سے آئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ ہسپانیہ میں ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ مسلمانوں نے ان کے رواداری کا سلوک کیا اور ان کے وقار کو بلند کرنے میں مدد دی۔ انہیں عیسائیوں کے برابر درجہ دے دیا تو انہیں جن سے یہودیوں کے مذہبی اصولوں اور معاشرتی حالت پر اثر پڑتا تھا، مسموح کر دیے گئے۔ طارق بن زیاد نے طلیطلہ کا عارضی انتظام بھی یہودیوں کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ ان کا احساں کرے اور وہ خود کو سماجی اور معاشرتی طور پر عیسائیوں کا ہم پلہ سمجھیں۔

طارق بن زیاد دن ایک جگہ نہ ٹھہرنا چاہتے تھے۔ ابھی اتنا بڑا ملک فتح کرنے کے لیے پڑا تھا۔ انہوں نے نگرانی اور حفاظت کے انتظامات اس پر قبضہ ہوتے ہی شروع کر دیے۔ کچھ کاراٹ کو پٹیا یا باقی کا مہر دے گئے ہوئے تھے۔ وہ جلد از جلد طلیطلہ سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

شہزادی لیڈیا اپنی کنیز کے مشورہ کے مطابق طارق بن زیاد کے پاس پہنچی۔ اس نے ادب سے مل کر

نے بڑی شفقت سے جواب دیا۔

لیڈیا نے سر جھکا کر کہا:

مسالارہ مجرم! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔

طارق بن زیاد نے اسے اپنے پاس بلا کر بیٹھایا اور بولے:

”شہزادی لیڈیا نے کل نہ ہیں اپنے کام سے آگاہ کیا اور نہ شخصیت بتائی۔ اگر ہمارے اہل بیت

گستاخی ہوئی ہو تو اسے درگزر کرنا۔ ملکائیں اور شہزادیوں بہر صحت ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔“

لیڈیا نے مہر جوش انداز میں کہا:

اے فاتح ہسپانیہ! اگر میں کل بتا دیتی کہ میں مغرور ملکہ کی بھانجی ہوں تو شاید میں وہ عزت

جو آپ نے مجھے پہنچی کہہ کر عطا کی ہے۔

طارق کچھ ٹھہر کر بولے:

”شہزادی لیڈیا کچھ کہنا چاہتی تھیں۔“

”جہاں ہسپانیہ آگے مجھے بیٹھی کہہ کر پکاریں تو میری زیادہ عزت افزائی ہوگی۔ لیڈیا نے فوراً گرفت کی۔

”میں اپنی بیٹی سے مخاطب ہیں۔ طارق مسکرا کر بولے:

”میرے کچھ پوچھنا چاہتی ہو؟“

”جی ہاں سپہ سالار۔ لیڈیا نے نظروں نیچی کرتے ہوئے بولی:

”مجھے حضون نامی ایک مسلمان جوان کی تلاش ہے۔ اسے آپ کے لشکر میں ہونا چاہیے لیکن مجھے کیسے

پہنچاؤں؟“

حضون طارق بن زیاد نے زیر لب دہرایا:

”میں کچھ یاد نہیں پڑتا۔ بہر حال تم اطمینان رکھو۔ اگر اس نام کا کوئی جوان ہماری فوج میں ہے تو ابھی اس

کو تلاش کرنا۔“

طارق نے اپنے نائب کو حکم دیا:

”حضون! ناکا ایک جوان یا جسے جوان ہماری فوج میں موجود ہوں ان صوبہ کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔“

”ہاں حکم کی تعمیل کے لیے باہر چلا گیا۔ طارق بن زیاد اپنے دوسرے سرداروں کو طلیطلہ کے انتظامات کے بارے

میں مشغول تھے۔“

مسلارہ نے گھٹ کر کچھ تو انہوں نے لیڈیا سے پوچھا:

”اپنی اتھارڈ عمل اس کا تمام اثاثہ تمہارے پاس رہے گا۔ اس کے علاوہ جو جاگیر تم پسند کرو ہم اس کے

مقدور کریں۔“

شہزادی نے فوراً جواب دیا:

”اے مشفق تپ! مجھے نہ ملے گی خواہش ہے اور نہ زور جو اہل کی آرزو۔ میں تو صرف.... صرف.... لیڈیا کی

خوشنودی کا اور وہ خاموش ہو گئی۔“

”ہاں! کو بیٹھی! طارق نے اس کی حوصلہ افزائی کی:

”تھک کر لیڈیا اس کے دینے میں ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔“

”تو طارق بن زیاد کے نائب نے واپس آگاہ اطلاع دی کہ:

”حضون نامی کوئی شخص اسلامی لشکر میں موجود نہیں۔“

”لیڈیا نے شہزادی کی طرف دیکھا۔“

”بڑا ہمارا دکھ کیا تھا۔“

طارق بن زیاد نے دریافت کیا:

”شہزادی بیٹی! غزوہ نہ ہو اگر حفصہ بنی ناکام کوئی جوان ہسپانیہ میں موجود ہے تو اسے ضرور ہمارے حوالے کر دیا جائے گا!“

شہزادی لیڈی نے کوئی جواب نہ دیا۔

طارق کے دل کو شہزادی کی انشروگی سے تکلیف پہنچی۔

انھوں نے کہا: ”شہزادی! ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہیں دھوکا دیا ہو اور اپنا ناکام بنا کر پورا ترہ وہ دھوکے باز ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اسے ہم گم غار کر کے ضرور تمہارے حوالے کر دیں گے۔“

”نہیں نہیں! شہزادی گھبرا کر بولی:

”حفصہ دھوکے باز نہیں۔ وہ ایک سچا مسلمان ہے۔“

”لیکن یہ سچ میں نہیں آتا کہ حفصہ جب کل یہاں موجود تھی تو آج کہاں چلا گیا!“ طارق بن زیاد پوچھا:

ہوئے بولے:

”میں کل ان سے نہیں ملی تھی! شہزادی نے ڈرتے ڈرتے انکشاف کیا:

”ہماری ملاقات کو دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔“

طارق نے حیران ہو کر دریافت کیا:

”لیکن ہم یہاں کل پہنچے ہیں۔ تم اس سے کہاں ملی تھیں؟“

”سالار! لیڈی نے مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا:

”دو ماہ پہلے میری طاقت حفصہ سے یہیں قطعہ طلیطلہ میں ہوئی تھی۔ حفصہ اپنے چار ساتھیوں کے

جن میں ایک یہودی بھی تھا، طلیطلہ آئے تھے۔ طلیطلہ کے محافظوں نے انھیں جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا۔“

نے مجھے بتایا تھا کہ وہ افریقہ سے آئے ہیں اور آپ سے مل کر فوجی خدمات سرانجام دینا چاہتے ہیں۔“

تھا کہ آپ طلیطلہ میں ہیں اس لیے وہ جیسکتے ہوئے یہاں آئے کہ ہمارے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔“

ان کے ساتھ زخمی ہو گئے تھے۔ اس لیے انہیں دو ہفتے یہاں ٹھہرنا پڑا۔ پھر میں نے اور لکھ جی ان کے

نکولس کی شدید مخالفت کے باوجود انہیں آزاد کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچ سکے۔“

طارق بن زیاد نے بڑے غور سے یہ تفصیل سنی۔

اس بیان میں انھیں ایک بات کھٹکتی تھی۔ انہیں شہزادی کے بیان پر تو پورا اعتماد تھا لیکن

آتا تھا کہ اگر حفصہ اور اس کے ساتھیوں کو محض فوج میں بھرتی ہو کر جنگ میں حصہ لینا تھا تو انھیں طلیطلہ

یعنی وہ کسی بھی محاذ پر پہنچ کر لشکر میں شامل ہو سکتے تھے۔

بہت عجیب سی تھی۔ حفصہ تو طارق بن زیاد کے آقا موسیٰ بن نصیر کا قیرواں سے پیغام لے کر آئے تھے

وہ طارق بن زیاد کو پہنچا جاسکتا تھا۔

یہاں طارق بن زیاد نے بھی ان خطوط پر غور کیا اور اب انھیں فکر ہوئی کہ حفصہ کیوں ملنا چاہتا تھا۔ ایک

نہ کوئی نامہ بیخاک پہنچا تھا۔

طارق بن زیاد نے احتیاطاً پوچھا:

”حفصہ نے افریقہ کے کسی خاص شہر کا ذکر بھی کیا تھا؟“

جی ہاں! لیڈی اسوچتے ہوئے بولی:

”میں نے بتایا تھا کہ افریقہ کا صدر مقام اور فوجی چھاؤنی قیرواں میں ہے اور وہاں مسلمانوں کے امیر موسیٰ

بنی بن نصیر میرے آقا اور شمال مغربی افریقہ کے گورنر ہیں۔“ طارق نے لیڈی کو سمجھایا:

”ایک حفصہ نے گورنر سے اپنی ملاقات کا ذکر بھی کیا تھا؟“ طارق نے اور کریدکی۔

جی ہاں! وہ گورنر سے مل کر آ رہے تھے۔ لیڈی نے جواب دیا:

”وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں گورنر ہی نے ہسپانیہ بھیجا ہے تاکہ فوج میں بھرتی ہو کر جنگ میں شرکت کریں۔“

طارق بن زیاد کا ماتھا ٹھنکا۔

”مجھے لگے کہ حفصہ ضرور کوئی اہم بیخاک لے کر آ رہے ہیں۔ اس طرح محاذوں پر نہ جھگڑنا پھرنا۔“

مگر اب ان کی کچھ میں آگئی تھی اس لیے انھوں نے اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہ کی۔

فلاور بعد انھوں نے دریافت کیا:

”ایک دور در بعد آگے بڑھیں گے۔ شہزادی نے اپنے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟“

شہزادی خوشی سے بولی:

”میں آپ کے سایہ میں رہنا چاہتی ہوں۔“



طارق بن زیاد نے طلیطلہ میں یہودیوں کو آباد کر کے قلعہ کی نگرانی میں دے دیا۔ مسلمانوں کی بھی ایک فوجی

چوکی قائم کی اور پھر آگے تکرار ہوئے۔

شہزادی لیڈیا اس کی کینز برست اور اٹلیس اسلامی لشکر کے ساتھ تھے۔

طارق بن زیاد نے وہی راستہ اختیار کیا جس سے ملکہ جی لونا اور نکولس فرار ہوئے تھے۔ انھوں نے شمال میں وادی الجماریہ کو پار کیا۔ جبل الشکات کے تنگ درے سے گزر کر مدینہ المادہ پہنچے۔ مدینہ المادہ میں طارق بن زیاد کے ہاتھ ایک انتہائی نادر چیز لگئی۔

یہ ایک طویل عطرین اور وزنی میز تھی۔

یہ خاصی سونے کی بنی تھی۔ صرف اس کے پایوں کا وزن ۲۶۵ پونڈ تھا۔ میز میں باقوت ازہر جڑے ہوئے تھے۔ چاروں پائے زبرد کے تھے اور تاج کے تاج زمر میں غرق تھے۔

مشہور تھا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تو اس با برکت میز کی خوبصورتی اور جلال اس میں جواہرات اس کثرت سے جڑے گئے تھے کہ دوسرے یہ جواہرات کا ایک مکمل ٹکڑا نظر آتی تھی۔ جواہرات کی جڑاؤ ڈھل رکھی تھی اور صل پر ایک کتاب تھی۔

یہ میز گرجا کی ملکیت تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب کی جاتی تھی۔

عام خیال یہ تھا کہ جب یروشلم میں ٹینس (Tennis) نے لوٹ مار چائی تو یہ میز اس کے ہاتھ پر یہ عیسائیوں کے ہاتھ پر پڑی اور وہ ہوتی ہوئی ہسپانیہ پہنچ گئی۔

اس میز کی قیمت کا اندازہ اس وقت لگانا بہت دشوار ہے۔ ایک مورخ نے اس وقت اس پانچ لاکھ اشتریاں لکھی ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی نسبت نہیں بلکہ یہ ایلی ہسپانیہ

کا رنگینی کا ایک نمونہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ میز طلیطلہ کے گرجا گھر میں موجود تھی۔ کیونکہ لفظ مادہ کے معنی بڑے

لیکن زیادہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب طارق بن زیاد طلیطلہ سے آگے بڑھے اور جبل

تنگ درہ عبور کیا تو انھیں وہاں طلیطلہ سے بھاگنے والوں کا ایک گروہ ملا یہ لوگ اس میز کو حلیفہ

تھے۔ انھیں گرفتار کر کے میز پر قبضہ کیا گیا اور اس مقام کا نام مدینہ المادہ (مدیر کا شہر) رکھا گیا۔

دوسرے طارق بن زیاد کا لشکر گزرا تھا اس کا نام فتح طارق پڑ گیا جو عربوں سے تک زبان نذر

مدینہ المادہ کے آگے مایہ کا قلعہ تھا۔ پھر حلیفہ تھا لیکن طارق بن زیاد کے طوفانی لشکر

کسی جگہ کوشش نہیں کی گئی۔ تمام مقامات پر ان کا قبضہ بغیر لڑائی کے ہو گیا۔

حلیفہ تک کا سفر دشوار گزار اور بڑا تکلیف دہ تھا۔ طارق بن زیاد نے حلیفہ میں خوجوں کو اپنے حکم سے یا طارق کے سرداروں نے اس حکم کو بہت سراہا اور صحیح طریقے سے لگا کر آرام کرنے لگے۔ ان کی حالت میں آرام نہ لکھا تھا۔

طارق بن زیاد کو حلیفہ آئے ہوئے تیار دن تھا۔ طارق اپنے سرداروں کے ساتھ خیمہ میں بیٹھے آہستہ سے اپنے اصلاح و مشورہ کر رہے تھے کہ شہزادی لیڈیا نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ طارق نے اسے

درا لیا۔

شہزادی لیڈیا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

طارق نے دریافت کیا:

”آج ہماری بیٹی بہت خوش نظر آ رہی ہے۔ کیا بات ہے شہزادی؟“

شہزادی مسکرا کر بولی،

”نہیں مالا محترمہ کے زیر سایہ مجھے جس قدر مسرت حاصل ہوئی ہے اس کا ذکر میں زبان سے نہیں

کی۔ اس وقت آپ کو تکلیف دینے حاضر ہوئی ہوں!“

”بے تکلف کہو شہزادی!“ طارق نے خوشنودی سے کہا،

”ہم تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔“

شہزادی بولی:

”آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔ میری اپنی کوئی خواہش نہیں۔ میری ایک کینز سر پہنا ہے جس کا

بہنے اپنی رہائی کے سلسلے میں کیا تھا۔“

”بہنیں یاد ہے شہزادی!“ طارق بن زیاد نے کہا:

”اس کینز کے ساتھ تم نے ایک محافظ سردار راٹلیس کا نام بھی لیا تھا۔ ان دونوں نے تمہارے لیے اصلی

لگاؤ کا دیا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک دونوں کھانغا مات سے نوازیں گے۔“

شہزادی مسکراتے ہوئے بولی:

”نہیں! ان دونوں کے بارے میں کچھ عرض کرنے حاضر ہوئی تھی۔“

”کیا بولنا نہیں کوئی تکلیف پہنچی کیا؟“ طارق نے چونکہ اس پر پوچھا۔

”نہیں!“ شہزادی نے کہا،

”فقط آپ کو کم نوازیوں کے لیے دعاگو ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ان دونوں کو شادی کے بندھن میں

باندھ دیا جائے۔

بہت خوب۔

طارق بن زیاد کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ پھیل گئی:

”ہمارا خیال تھا کہ شاید وہ میاں جوی ہیں لیکن اس شادی میں اجازت حاصل کرنے کی کیا ضرورت؟ ہم کسی کے مذہبی معاملات یا شادی بیاہ میں دخل نہیں دیا کرتے۔ شہزادی کے چہرے پر غم کی ایک ہلکی لکیر ابھر کر ڈوب گئی۔

اس نے افسردگی سے کہا: ”اے خاتجہ سپانیہ! ہمارے ملک میں دستور ہے کہ بچے درجہ کار مرکار کی اجازت کے اپنی مرضی سے شادی نہیں کر سکتے۔ مرکار کی اجازت ضروری ہوتی ہے۔ سربراہ مرکار اور کینز کو حتیٰ نہیں کہ وہ حکومت کی مرضی کے بغیر کسی سے عقد کر سکتے۔ طارق بن زیاد کو یہ سن کر تعجب کے ساتھ انھیں بھی ہوا۔ انہوں نے کہا: ”یہ تو رعیت کے حقوق میں مداخلت اندازی ہے۔“

پھر انھوں نے اپنا نائب مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

”اعلان کر دیا جائے کہ اپنی مرضی سے شادی کرنا رعیت کا حق ہے۔ اس کے لیے حکومت سے اجازت مانگنے کی ضرورت ہے جو جس سے چاہے شادی کر سکتا ہے۔“

شہزادی اس اعلان سے بہت خوش ہوئی۔

اس نے کچھ شرماتے ہوئے پوچھا: ”اے امیر لشکر! کیا کوئی مسلمان جوان کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟“

”کیوں نہیں۔ بشرطیکہ عیسائی لڑکی خود بھی شادی کے لیے رضامند ہو۔“ طارق نے معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

شہزادی کو شاید اطمینان نہ ہوا۔ اس نے پھر کہا:

”مگر اے امیر عیسائی مذہب اور آپ کے مذہب میں شاید فرق ہے۔ پھر وہ دونوں کس طرف سے کر سکتے ہیں؟“

طارق بن زیاد نے شہزادی کو گھمایا:

”شہزادی! یہ باتیں ذرا تفصیل طلب ہیں۔ تم بس یہ سمجھ لو کہ ایسے مذہب جو کسی آسمانی صحیفہ کے

ہیں۔ ان کے ماننے والے آپس میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں۔“

یہ وقت طارق بن زیاد کے خیمے میں ایک دھماکہ خیز خبر پہنچی۔

نیریا خانہ اندر آیا اور بولا:

”ایک جوان جو اپنا نام حفصون بتاتا ہے، امیر لشکر سے فوراً ملاقات کا پابا ہے۔“

شہزادی نے دیا اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

طارق بن زیاد بھی حیران ہو کر غافل ہو کر بیٹھنے لگا۔

حفصون کو فوراً لایا جائے۔“ طارق نے اجازت دیدی۔

خیربادہ مرکار اور ایک خوبصورت بربر جوان اندر داخل ہوا۔ دو قدم اگے بڑھنے کے بعد اس نے سامنے نظر اٹھائیں اور پھر وہ بت بن گیا۔ زمین نے جیسے اس کے قدم پر ٹپکے۔

یہ حفصون تھا۔

اس کی نظریں لیڈ یا پر جم گئیں۔

”بھول گیا کہ وہ کس کے خیمے میں ہے۔ شاید اسے لیڈ یا کے سوا اس خیمے میں کوئی اور دکھائی ہی نہیں دے گا۔“

طارق بن زیاد نے شہزادی اور حفصون کی محویت کو دلچسپی سے دیکھا۔ پھر زری سے کہا:

”بربر جوان! تم ہم سے کس لیے ملنا چاہتے ہو؟“

حفصون کی محویت کا کامل ختم ہو گیا۔ وہ غصے سے کہنے لگا کہ اس نے خیمے میں آنے کے بعد اب تک امیر لشکر کو سلام بھی کیا۔ اس نے فوراً طارق کو سلام کیا۔۔۔۔۔ اور دیے بچے میں بولا:

”اے سپر مالدار۔ میں شرمندہ ہوں کہ آپ سے پہلے نہ مل سکا حالانکہ مجھے آپ سے کئی ماہ پیشتر ملت

تھا۔“

حفصون: ”جیسی اطلاع ہے کہ تم نے ہمارے پاس آنے کی بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ تم ہم سے پہلے علیحدہ

پہنچ گئے۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔“

حفصون نے کہا:

”اے امیر! میں آپ سے تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔“

شہزادی لیڈ یا کی نظر میں اب تک حفصون پر جمی ہوئی تھیں۔ طارق بن زیاد نے تنہائی کی خواہش کی تو سب مرد

بہاؤ کو خیمے سے جانے لگے۔

طارق بن زیاد نے لیڈیا سے کہا:

”شہزادی! ہماری طرف سے تمہیں شادی کی اجازت ہے۔“

شادی کے نام پر حضنون کا رنگ حق ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر شہزادی کی طرف دیکھا لیکن شہزادی نے
جاچکی تھی۔

حضنون کے دل و دماغ میں شہزادی کو دیکھ کر انگلیوں اور جذبات کا جو طوفان اٹھا تھا وہ شہزادی
سے بیٹھ گیا۔

طارق بن زیاد نے پوچھا:

”حضنون! ہماری خیال ہے کہ تم قیوان سے ہو کر آئے ہو؟“

حضنون اپنے خیالات سے چونک پڑا اور بولا:

”سبہ سالار نے صحیح اندازہ لگایا۔ میں قیوان ہی سے آ رہا ہوں۔ امیر قیوان موٹلی بن نصیر نے

کے پاس بھیجا ہے۔“

طارق بن زیاد کے دل میں جو خدشہ تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

موٹلی بن نصیر نے انہیں ایک پیغام اس وقت بھی بھیجا تھا جب وہ اسی جہاں تیسرے میں مصروف تھے۔
حکم دیا تھا کہ مزید فوتقات سے گریز کیا جائے اور مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق درست کیا جائے۔

طارق بن زیاد امیر حکم کی تعمیل نہ کر سکے تھے کیونکہ لاکھ جندہ کے میدان میں اگرچہ ہسپانوی شہزاد
شکست کھا کر مارا جا چکا تھا لیکن اس کے لشکر کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوا تھا اور وہ ہسپانیہ کے بڑے
قلعوں میں جمع ہو کر از سر نو طاقت حاصل کر رہا تھا۔

یہ سب سوچتے ہوئے اور اپنے مشیروں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے طارق بن زیاد نے اپنے
عدولی کی تھی اور وہ برابر فوتقات حاصل کرتے رہے تھے۔

طارق نے افراد کی سے پوچھا:

”اتفاقے محرم نے کیا پیغام بھیجا ہے؟“

حضنون نے آنکھیں نیچی کر کے عرض کیا:

”اے فاتح ہسپانیہ! امیر قیوان نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ جہاں تک پہنچ چکے ہیں اس سے
بھی آگے نہ بڑھائیے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی بھیجی ہے کہ وہ بذات خود تازہ لشکر کے ساتھ بہت
پہنچ رہے ہیں۔ ان کا منتظر کیا جائے۔“

طارق نے بڑی حسرت سے حضنون کو دیکھا۔ حضنون خود بھی برابر قوم کا جوان تھا اس کی رنگت طارق بن زیاد
کے کھال بھی سرخی مائل تھی۔

طارق نے کہا:

حضنون میرا خیال ہے کہ تم برابر قوم سے تعلق رکھتے ہو اور تم پر اعتقاد کیا جا سکتا ہے۔“

حضنون نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑے اڑکے سے کہا:

”بربر قوم کو آپ کی ببادری پر خراور فوتقات پر ناز ہے۔ میں آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ تعمیل حکم کے لیے

طارق بن زیاد کی آواز بدست درج گھنٹی جا رہی تھی۔ وہ آہستہ سے بولے:

حضنون! جس وقت میرے آقا موٹلی بن نصیر نے تمہیں یہ پیغام دیا اس وقت ان کے چہرے کے کیل

حضنون نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا:

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، امیر اس وقت آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتے تھے۔ انہیں اپنے پہلے حکم
کی ایک اطلاع نواب جوہن کے ذریعے مل چکی تھی۔ نواب جوہن نے امیر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ طارق
ہمارا ایک اہم دوست روکا گیا تو اس کے نتائج مسلمان فوجیوں کے لیے خطرناک ہو سکتے ہیں لیکن نواب جوہن
نے ایمان نہیں ہوا تھا۔ امیر موٹلی بن نصیر نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ بہت جلد ایک زبردست لشکر کے ساتھ
پہنچ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تو وہ روانہ بھی ہو چکے ہوں گے۔“

طارق بن زیاد کافی افسردہ ہو گئے اور کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔

حضنون نے سوچا تھا کہ وہ پیغام دینے کے بعد طارق سے لیڈیا کی شادی کے بارے میں پوچھ لگا لیں
مگر وہ اب دیکھ کر یہ گھٹ کو مناسب نہ سمجھی۔

حضنون نے کہا:

”اے امیر لشکر! میرے لیے کیا حکم ہے؟“

طارق بن زیاد نے نظر اٹھا کر حضنون کو دیکھا اور کہا:

”اے امیر! اس جانا چاہتے ہو تو ہمارا یہ پیغام امیر قیوان کو پہنچا دو کہ طارق نے اپنے قدم روک لیے ہیں اور
شہزادی کا نکاح منتظر ہے۔“

حضنون نے کہا: ”اے امیر! میں واپس قیوان نہیں جانا چاہتا۔ میں امیر قیوان سے یہاں رہنے کی اجازت

لے کر آیا ہیں۔ آپ مجھے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت دیں۔

”ٹھیک ہے، بطریق بن زیاد نے کہا اور اٹھ کر نیچے میں ٹہلنے لگے۔

اس وقت ان کے چہرے سے پریشانی چسکی پرشقی تھی۔ وہ چشمے کے دروازے کے پاس رہا۔

کو بلا کر اس سے کچھ کہا۔

چند لمحوں کے بعد ایک مرداریخے میں آگیا۔

طارق نے مردار سے کہا:

”اس جوان کو ہمارے خاص دستے میں جگہ دی جائے۔“

اتنا حکم دے کر وہ ٹہلنے لگے۔ مردار نے حضون کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ دروازہ پر

توطریق کی آواز آئی:

”تھکا مرداروں کو فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔“

جواب کسی بات کا؟“ اس نے سر نہلاتے اٹھا سوال کر دیا۔

”بڑے باری پریشان ہو گئی۔ وہ تو کچھ رہی تھی کہ شہزادی اس کی شادی کی اجازت حاصل کر کے آئی ہے

یہ اتنی خوش ہے۔ لیکن اس اٹھ سوال سے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شہزادی نے شادی کے بارے میں

بہت زیادہ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔

مردار نے سر نہلاتے کہا:

”شہزادی صاحبہ! آپ تو میری اور راڈیس کی شادی کی اجازت حاصل کرنے سے پہلے سالہاں کے پاس گئی تھیں

یہ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا جواب، کس کا جواب؟“

شہزادی کسی حد تک اپنی خوشی پر قابو پا چکی تھی۔ اسے سب کچھ یاد پڑ گیا۔ حضون کو دیکھ کر وہ بات بھلا

باتی۔

لیڈیانے ہنسی کر کہا:

”ادویوں رہی ہے۔ اجازت تو میں نے حاصل کر لی تھی پھر.... اور لیڈیا پھر سر نہلاتے لپٹ کر اسے

بڑھ گئی۔

مردار نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا:

”پھر اور کیا بات ہوئی۔ آپ اتنی خوش کیوں ہیں؟“

لیڈیانے اپنی مائیں درست کرتے ہوئے کہا:

”مردار وہ واپس آ گیا ہے.... وہی حضون؟“

حضون۔ کیا سچ؟

مردار بھی خوش ہو گئی۔ اس کے لیے یہ دوسری خوشی کی بات تھی۔

”اگر سر نہلاتے شہزادی نے بتایا:

”میرا تیری اور راڈیس کی شادی کی اجازت حاصل کر کے واپس آنے والی تھی کہ ایک پیریدار نے اندر آ کر

”تھن! آگیا ایک جوان فوراً سپہ سالار سے ملنا چاہتا ہے۔ پھر پوچھ میرے دل کا کیا حال ہوا۔“

مردار خوشی سے بولی:

”آپ کا دل چاہا ہو گا کہ آگے بڑھ کے اپنے دیوتا کے قدموں میں سر کر دیں۔“

شہزادی ٹھنڈی مائیں لے کر بولی:

”میں سر نہلاتے دل تو یہی چاہتا لیکن دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا۔ میں تو اس سے بات بھی نہ کر سکتی۔“

شہزادی لیڈیانے حضون کو یاد کی جیسے اسے اپنی دنیا مل گئی۔ وہ ہنسی، لنگھائی اور بھڑک

میں پہنچی۔ سر نہلاتے اس کا بے جیہتی سے انتظار کر رہی تھی۔ سر نہلاتے نے شہزادی کو سپہ سالار کے پاس

راڈیس کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت حاصل کر لے۔

لیڈیا مسکراتی اور انکھیں مشکاتی نیچے میں آئی تو سر نہلاتے کا چہرہ بھی کھل گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ شہزادی

دل گئی ہے جیسا کہ وہ اس قدر خوش ہے۔

شہزادی نے نیچے میں پہنچتے ہی دوڑ کر سر نہلاتے کو لپٹا لیا اور خوشی سے پاگل ہو کر نہلاتے لگے۔ اس وقت

ایک ایک سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ شوخ آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کا سر اپنا تھک رہا تھا۔

لیڈیانے سر نہلاتے کو پکڑ کر دو چار چکر دیے تو وہ گھبرا گئی۔ خوش سر نہلاتے کو ہونا چاہیے تھا کہ خوشی

لیڈیا کو پکڑ رہے تھے۔

اس نے شہزادی کو روکتے ہوئے پوچھا:

”شہزادی صاحبہ! مجھے بھی بتائیے۔ کیا جواب دیا سپہ سالار نے؟“

”جواب؟“ شہزادی گھبرا گئی:

”یوں ہمارا ملک کر بولی:

”اتنے دن بعد لے تھے پھر باتیں کیوں نہ لیں؟“
لیڈر نے بتایا:

”کیا بتاؤں سرینا جب جھنسون خیمے میں آیا تو پورا خیمہ سرواڑوں سے بھرا تھا۔ بس انہوں ہی کو
میں سلام دعا ہو سکی۔“

سرینا بولی:

”واہ شہزادی صاحبہ! آپ کو تو عشق کرنا بھی نہیں آتا جب آپ انہیں مل تھیں تو انہوں ہی سے باہر
کیا ہوتا؟“

”تو تو پاگلی ہے۔“ شہزادی جھکا کر بولی:

”وہ تو سپہ سالار سے ملنے آیا تھا۔ میں اسے اشارے سے کیسے باہر لے جاتی۔ تمام لوگ کیا سوچتے؟
سرینا نے پوچھا:

”اب کہاں ہیں وہ؟“

شہزادی نے بتایا:

”میں تو انھیں خیمے کے اندر ہی چھوڑ آئی تھی:

”پھر وہی غلطی سرینا نے شہزادی کو ٹوکا:

”آپ وہیں بیٹھی رہیں۔ جب وہ باہر آتے تو آپ بھی آجائیں۔ یا پھر باہر آکر ان کا انتظار کر لیں؟“
”ہاں سرینا۔ میں باہر کھڑے ہو کر انتظار کر سکتی تھی۔“ شہزادی نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

سرینا نے کہا:

”شہزادی صاحبہ! آپ کو یقیناً وہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سپہ سالار سے بات کرنے کے لیے
کہیں اور چلے جائیں۔ پھر آپ کیا کریں گی؟“

شہزادی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے کہا: ”میں واپس جا رہی ہوں۔ وہ کہیں اور چلا گیا تو کہاں ڈھونڈتی پھر دوں گی؟“

سرینا نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی:

”یہ دوسری غلطی ہوگی شہزادی صاحبہ کہ آپ جا کے خیمے کے پاس کھڑی ہوں گی تو دیکھنے والے

کہیں گے؟“

”اے پھر کیا کرنا چاہیے؟“ عبت کی ماری لیڈر کی کچھ میں کچھ نہ آتا تھا۔

”اے سمجھایا:

”شہزادی صاحبہ! ماری دونوں ہاتھوں سے بچتی ہے۔ اگر جھنسون کے دل میں آپ کے لیے ذرا سی جگہ ہے
تو آپ کو قاتل کرنا ہو یا ہاں پسینا جلائے گا۔“

”ماری بات محض تھی لیکن محبت محض اور غیر محض میں ذرا مشکل ہی سے تمیز کر دیتی ہے۔“ شہزادی بولی:

”اگر جھنسون میں نہ آیا تو کیا ہوگا؟“

”تو پھر کچھ لیجیے کہ جھنسون کو آپ کی کوئی پروا نہ ہیں۔“ سرینا نے کہا:

”آپ جس قدر اسی کی طرف جالیں گی وہ آپ سے دور ہوتا جائے گا۔ عورت کی یہ تو ہمیں ہے کہ وہ کسی مرد کو

اپنی اپنی طرف راغب کرے اور اس کے سامنے محبت کا رونا دھونے۔ آپ شہزادی ہیں۔ اپنے وقار کا کچھ ذرا
دیکھیے!۔“

”شہزادی خاموش ہو کر بیٹھ گئی مگر دل کی بے چینی تھی کہ کسی طرح کم نہ ہوئی۔ اسے طرح طرح کے خیالات نے

جھنسون کیسے پرچھے گا؟

کیا پوچھے گا؟

اگر کسی نے کہا کہ تیرا شہزادی سے کیا تعلق ہے تو کیا جواب دے گا؟

سپہ سالار کو خبر ہوئی تو وہ کیا سوچیں گے؟

شہزادی اور سرینا دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھٹی ہوئی تھیں۔ شہزادی کے خیالات کا مرکز جھنسون تھا تو

سرینا کے دل میں شہزادی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

شہزادی نے اسے بتا دیا تھا کہ انہیں شہزادی کی اجازت مل گئی ہے لیکن شہزادی کو پریشان دیکھ کر اسے

خبر نہ آئی کہ شہزادی کے انتخابات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کچھ بے موقع نظر آیا۔

وہ ایسے ہی خیالات میں کھٹی ہوئی تھیں کہ سرینا کا ہونے والا شہزادی میں شہزادی کے خیمے پر آگیا۔ سرینا

نے خیمے میں راکھ تھی حاد اٹھیں نے خیمے کے باہر سے سرینا کو آواز دی۔ سرینا بھاگ کر باہر

آئی۔

سرینا نے کہا:

”سرینا! میں کتنی دیر سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ جیسے ہی شہزادی اجازت لے کر آئیں گی تو

تم میرے پاس آؤ گی!

سرب کو راڈیس سے جسے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ اسے کاتھ کا آؤ تجھ جی لیکن جب وہ اس کے لیے اپنی جان پر کھیل گیا تو سرب کے دل میں بھی راڈیس کی محبت کی چنگاری جل اٹھی اور وہ محبت بڑھتے بڑھتے سرب کے دل تک پہنچ گئی۔ اب سرب بھی راڈیس کے لیے اسی طرح سب سے جس طرح راڈیس اس کے لیے تڑپتا تھا۔

میرنا بڑی خود دار اور کبھی حد تک معزور تھی۔ وہ محبت کے اس کھیل میں بھی اپنا وقار برقرار چاہتی تھی۔

سرب نے تیوریاں چڑھا کر کہا:

شادی کی اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ اگر دو چار دن بعد ہو جائے گی تو کیا قیمت ٹوٹ پڑے گی! راڈیس تو اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ اسے سرب کے غصے سے کبھی محبت تھی۔ وہ جوڑ کر کرتے ہوئے بولا:

"سرب! دو چار دن کیا۔ اگر تم حکم دو تو میں دو چار سال تک انتظار کروں گا مگر راڈیس اس سے میرا دل ٹوٹنے لگتا ہے۔"

سرب کو اپنے رویے پر افسوس ہوا۔ اس کا جی چاہا کہ دوڑ کر راڈیس کے گلے میں بائیں ڈال جائے اور اپنی ماسوں کو اس کی ماسوں سے ملا دے مگر اندر سے شہزادی کے نکلنے کا دھڑکا چلنے پھرنے والوں کا خوف۔ وہ دل میں اٹھی ہوئی محبت کی وجوں کھل ہی نہیں دبا کر رہ گئی۔

سرب! راڈیس کے قریب پہنچی۔ پیادے اس کا ہاتھ پکڑا اور محبت سے کہا:

راڈیس! اطمینان رکھ۔ سرب تمہاری ہے اور میں تمہاری۔ میں شادی کرنے کی اجازت! لیکن شہزادی کا مزاج اس وقت کچھ بگڑا ہوا ہے۔ شام کو ان سے بات کرو گی!

راڈیس نے ایک عالم بے خودی میں سرب کے کاندھے پر اپنا بایاں ہاتھ رکھا لیکن ہاتھ کچھ اسے کرٹ سا لگا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ پیچ کر لیا۔

راڈیس کو سرب سے اندھی محبت تھی۔ وہ اتنے دن سے سرب کے ساتھ تھا۔ دن اور رات میں وہ ایک ساتھ رہتے اور باتیں کرتے رہتے لیکن راڈیس نے آج تک بھول کر بھی سرب کے جسم کے کسی ہاتھ نہ لگا یا تھا۔ سرب ہی کبھی کبھی محبت کے اظہار کے طور پر اس کا ہاتھ پکڑ دیتی تھی۔ راڈیس نے تو

کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پہلی بار غلطی کی تھی۔ وہ جو رسا بن گیا۔ شرمندگی سے اس کی نظریں جھک گئیں۔

سرب کو راڈیس کی یہ اداسیت پسند آئی۔

سرب کو یاد تھا کہ راڈیس سے کہہ کر وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے۔ راڈیس کے لمس سے اس کے بدن کے ہاتھ اٹھتے تھے لیکن وہ کہہ نہ سکی۔ اسے بھی اندر اور باہر کا کھٹکا تھا۔

سرب نے غار کو آؤ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:

راڈیس! جہاں تم نے اتنا جبر کیا ہے، کچھ اور سہی۔ چند گھنٹوں یا کچھ دنوں کا۔ شہزادی کی پریشانی دور نہ دیں۔ اب سب انتقام کروں گی!"

راڈیس کے دل کو تسلی ہوئی کہ میرنا ناراض نہیں ہوئی۔ اس نے پوچھا:

شہزادی کا مزاج کیوں بگڑ گیا۔ تم نے انھیں ناراض تو نہیں کر دیا!"

راڈیس! "سرب کھٹے کھٹے انداز میں بولی:

شہزادی بھی ہماری جیسی آگ میں جل رہی ہے۔ میں تو یہ امید ہو گئی ہے کہ تم آج نہیں تو کل ایک دوسرے پر ہونے لگے لیکن شہزادی ابھی طعنائی موجوں میں منوطے کھا رہی ہے۔ اسے ایک ایسے شخص سے محبت ہے جس کا بارے میں یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ شہزادی کو چاہتا بھی ہے یا نہیں!"

راڈیس حیرانی سے سرب کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

جب ہم غلطیہ میں تھے تو محضوں نامی ایک مسلم جوان گرفتار ہو کر قلعہ میں آیا تھا۔ اس کے زخم بھر گئے اور وہ بچو جاتے جاتے اپنی محبت کا دل شہزادی کو دے گیا!"

راڈیس سینہ تان کر بولی:

سرب! تم مجھے اس کا نام پتہ بتاؤ۔ میں اسے شہزادی کے لیے ڈھونڈ لکھاؤں گا!"

اسے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔" میرنا نے بتایا:

آج صبح وہ طارق بن زیاد سے ملنے آیا تھا۔ شہزادی اسی وجہ سے پریشان ہے۔ وہ ایک دن بعد شہزادی کے کمرے میں آئی۔

راڈیس خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

میرنا! اچھا ہی ہوا۔ اب ہم غلطیہ پہنچ کے شادی کر دیں گے۔ میرے ماں باپ بھی اس خوشی میں شریک

ہوں گے! تمہاری اسی امیدھی باتوں سے میرا دل جل جاتا ہے۔" میرنا اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی:

اگر تم لوگ بڑھ رہے ہیں اور تم غلطیہ کے خواب دیکھ رہے ہو۔ پتہ نہیں ہمیں غلطیہ جانا

نصیب بھی ہو گا کہ نہیں۔

”صاف کہنا سہنا۔ راڈیس نے کہا:

”میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا کہ ہم طلیطلہ واپس جا رہے ہیں۔

سہنا پھر چڑھ گئی اور بولی:

”پھر وہی بے وقوفی! ہم طلیطلہ سے آرہے ہیں واپس نہیں جا رہے۔

تمہیری بات کا یقین کر دہنا۔ راڈیس نے کہا:

”سید سالار نے اعلان کر دیا ہے کہ کل صبح ہم طلیطلہ واپس جائیں گے۔

”کیوں؟“ سہنا حیران رہ گئی۔

راڈیس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

وہ ایک سیٹھا سادہ سا ہوا تھا۔ اس نے جو سنا تھا وہ سہنا کو بتا دیا۔ اس نے کسی سے یہ پوچھا

ہی محسوس نہ کی کہ ہم واپس کیوں جا رہے ہیں؟

راڈیس نے شکست خوردہ انداز میں جواب دیا:

”مجھے نہیں معلوم۔ لیکن طلیطلہ واپس جانے کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ سید سالار کا حکم

علی تو ہونا ہی ہے۔“

”اچھا اب تم جاؤ۔“

سہنا راڈیس کو ہر کا بکا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

”کچھ سنا شہزادی آپ نے۔“ سہنا، شہزادی کے پاس پہنچ کے بولی:

”سید سالار طلیطلہ واپس جا رہے ہیں۔“

شہزادی لیڈ یا نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا۔

راڈیس ابھی آیا تھا۔ سہنا خوش ہوتی ہوئی بولی:

”کل صبح ہم اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ والیسی کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔“

شہزادی کا مرتبہ ہی سے گھومنے لگا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”آپ کیا سوچتے ہیں شہزادی؟“ سہنا نے پوچھا۔

شہزادی نے بوجھ بوجھ سی آنکھیں اٹھائیں اور کہا:

”اگر یہ سچ ہے تو میں طلیطلہ روانہ ہونے سے پہلے ایک بار حضفون سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”یہ ایک ہے آپ ضرور میں کی لیکچر پید میں اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنے جاؤں گی۔“

شہزادی کا جواب سے بغیر فوراً نیچے سے نکل گئی۔ راڈیس ابھی دور نہ گیا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس

راڈیس نے اسے پٹ کر دیکھا۔ سہنا کی ماس پیچلی ہوئی تھی۔

”کیا ہوا تمہیں؟“ راڈیس نے محنت سے پوچھا۔

سہنا نے کہا:

”میں حضفون کو ڈھونڈنے جا رہی ہوں تم میرے ساتھ رہو۔ میں اسے پہچانتی ہوں۔“

راڈیس اور سہنا ساتھ ساتھ چلنے لگے۔



حضفون دوسرا نامہ بر تھا جو موسیٰ بن نعیر کی طرف سے طارق بن زیاد کے پاس بھیجا گیا تھا۔ طارق کو اس سے پہلے

اپنے آقا کو کابین نعیر کا حکم مل چکا تھا۔ حضفون کے ذریعے دوسرا حکم سن کر اس نے اپنے مرداروں کو مشورے کے

ذرا سبب بہت اہم تھا۔ بعض مرداروں کا اب بھی یہ خیال تھا کہ پیش قدمی جاری رکھی جائے کیونکہ ابھی غلطی

پر یہی سہانوی تلخ موجود تھے جن کا فوری خاتمہ ضروری تھا۔

بعض مرداروں نے مزید پیش قدمی کی مخالفت کی کیونکہ یہ سہ سالہ اعلیٰ کی سرمر حکم عدلی تھی اور فوجی قوانین

میں بدل سب سے بڑا جرم تھا۔

طارق بن زیاد عجیب کش مکش میں مبتلا تھے۔

ان کے دونوں مشیر معینت الرمی اور نواب جولین اس وقت ان کے ساتھ نہ تھے۔ معینت الرمی قطیف کی تسخیر

کے بعد آگے قدم بڑھا چکا تھا اور نواب جولین کو طارق بن زیاد نے موسیٰ بن نعیر کے پاس قیواں (افریقہ) بھیج دیا

پھر یہ مسئلہ قدرت کی طرف سے آپ ہی آپ حل ہو گیا۔ وہ بحث و مباحثہ میں معروف تھے کہ ایک اور مرتبہ رفت

رہا جس سہانیہ سے طارق کے پاس پہنچا اور اس نے اطلاع دی کہ موسیٰ بن نعیر، سہانیہ کے ساحل پر لنگر انداز

ہو گیا اور طلیطلہ کی طرف آ رہے ہیں۔

طارق کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ طلیطلہ واپس جائیں اور وہاں موسیٰ بن نعیر کی آمد کا

انتظار کریں۔

انہوں نے اسی وقت واپسی کا اعلان کر دیا۔
راڈیس اور مرین آگے بڑھے تو انھیں نے دیکھا کہ کبھل ہوا سامان اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ عرفان بنی مرینا
واپسی کے انتظامات شروع ہو گئے ہیں۔

مرینا، غیوں کے درمیان سے گزر رہی تھی کہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی۔ راڈیس کے قدم بھی لگ گئے۔
"راڈیس!" مرینا نے مرین سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:

"ادھر دیکھو۔ اس طرف سپہ سالار کے خیمے پر"

راڈیس کی نظر بن طارق بن زیاد کے خیمے کا طوان کرنے لگیں۔ مرینا بولی:

"خیمے کے باہر سوجا آدمی کھڑے ہیں۔ ان میں سب سے لائے قد کا آدمی۔ بال سرخی مائل۔ اسے پہنچا
تمہنے۔"

"ہاں دیکھا! راڈیس نے جواب دیا:

"یہ آدمی آج ہی کہیں باہر سے آیا ہے۔ اسے سپہ سالار نے فوراً اندر بلایا تھا۔"

"ٹھٹھک ٹھٹھک"۔ مرینا بولی:

"یہی حضفون ہے۔ شہزادی کے دل کو اسی ظالم نے زخمی کیا ہے۔"

"ظالم تو تم خود بھی کچھ کم نہیں ہو۔" راڈیس ہنستے ہوئے بولا۔

مرینا مسکراتے بغیر نہ سکی۔

کھینک لگی: "بس رہنے دو یہ باتیں۔ اب تم اس کے پاس جاؤ۔ اس کا نام پوچھو۔ اگر وہ اپنا نام حضفون
بتائے تو کمنا کہ شہزادی لیڈ یا اس سے ملنا چاہتی ہے۔"

راڈیس نے کوئی حرج نہ کی اور چپ چاپ خیمے کی طرف چلا۔ حضفون کے پاس پہنچ کر وہ تھوڑی دیر
اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر ہنستا ہنستا واپس آیا۔

"کیا کہا اس نے؟" مرینا نے بے چینی سے پوچھا۔

راڈیس نے منہ ٹٹکتے ہوئے کہا:

"مجھے آدمی ہے ہے تو وہ حضفون ہی۔ لیکن بڑی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے کہا شہزادہ
ملنا چاہتی ہیں تو بگڑ گیا۔ کہنے لگا: میں نہیں مل سکتا۔ میری سوجا خود ہی ہونے تک ڈیوٹی ہے۔"

مرینا سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی نگاہ میں حضفون کا یہ رویہ نہ آیا۔

کچھ چپے ہوئے سرینا نے پوچھا:

"اے شہزادہ! کے بارے میں کونسی بات نہیں کی؟"

"اے ایک بات کی تھی۔ راڈیس نے زمین پر زور دیتے ہوئے جواب دیا:

"لیکن وہ بات میری نگاہ میں آئی نہیں۔ میرے سے جواب کیا دیتا؟"

اے بات تو بتاؤ؟ مرینا نے بے چینی سے پوچھی۔

راڈیس نے بتایا:

"ادھر پھر رہا تھا کہ شہزادی کی شادی کب ہو رہی ہے۔"

شہزادی کی شادی؟"

مرینا کا سر کھٹکھٹنے لگا۔ اس کی نگاہ میں نہ آیا کہ حضفون نے شہزادی کے بارے میں یہ سوال کیوں کیا؟

مرینا نے پوچھا:

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں کیا جواب دیتا؟ راڈیس نے منہ بنا کر کہا:

"مجھے تو اس پر بڑا غصہ آیا۔"

مرینا راڈیس کو پھوڑ کر شہزادی کے خیمے کی طرف چل پڑی۔ اس کا دماغ بہت الجھا ہوا تھا۔



طارق بن زیاد اپنی غزوات اور اپنے دوسرے سرداروں کے کارناموں سے اپنے آقا کو برابر آگاہ کرتے رہتے
تھے۔ سب سے زیادہ شہزادہ راڈوک اور طارق بن زیاد کے درمیان جھین لاگو جھنڈہ، وادی کے جگہ میں جو معرکہ کارزار گرم ہوا اور
جس میں جنگ میں مٹی بھر مسلمانوں نے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہیوں کو شہید کر دیا۔ اس کا حال بڑھ
نہاں ہو کر اپنی اس عہد کی اہمیت کا پہلی بار احساس ہوا۔ پھر مسلمانوں نے قدامت آگے بڑھ گئے۔ مال دولت اور
تجارت کے ہاتھ لگے۔ ان کی تفصیل سے موسیٰ بن نعیر کی آنکھیں کھل اٹھیں۔

پھر کہہ سکتے ہیں ان کا ایمان تھا مگر ان کی خود پسندی نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ عظیم کارنامہ ان کے عناد
اور زیادہ کے نام لکھا جائے۔

نارینا اسے جذبہ رنابت سے تعبیر کرتی ہے۔

موسیٰ بن نعیر نے ایک طرف انہوں نے طارق بن زیاد کو دے الفاظ میں لکھا کہ ہسپانیہ ایک اچھی ملک ہے۔ بہتر ہے کہ مقتومہ علاقوں کے انتظام اور انعام پر توجہ دی جائے اور اس وقت تک نہ کی جائے جب تک وہ خود لشکر لے کر ان کی کمک کو نہ پہنچ جائیں۔

طارق بن زیاد کے لیے اپنے آقا کی حکم مدد کی طرح ممکن نہ تھی لیکن ابلی ہسپانیہ پہلے لشکر زخمی شیر کی طرح زخم چاٹ رہے تھے اور بڑے بڑے قلعوں میں لشکر اکٹھا ہو رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے اور انہیں ہسپانیہ سے بے دخل کیا جاسکے چنانچہ جب طارق بن زیاد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو ان کے آقا کا یہ حکم ہے کہ آگے نہ بڑھا جائے تو غلطی سرداروں نے جن میں غوثیہ کا عیسائی قلعہ دار نواب جلیان اور کانگس سردار مغیش الہدی بھی شامل تھے، طارق کو مشورہ دیا کہ اس وقت روکنا مسلمانوں کے لیے بہتر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہسپانیہ قلعہ داروں کو وقت مل گیا تو وہ اپنی طاقت بڑھ کر پھر ان پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا۔

طارق بن زیاد کو اسی مشورے پر عملی عمل پیرا ہونا پڑا جس کے بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ ان کا یہ اقدام موسیٰ بن نعیر کو بہت ناگوار گذرا۔ انہوں نے اسے اپنے حکم کی مرعاتی اور نافرمانی کا اور پھر اس قاصد کے ذریعہ طارق بن زیاد کو آگے نہ بڑھنے کا حکم بھیجا۔

یہ قاصد حضور نامی بربر جوان تھا جو راستہ بھٹ گیا اور دو ماہ کی تاخیر سے حلیقہ پہنچ گیا۔ اسے ملا۔ اس دوران موسیٰ بن نعیر ساحل ہسپانیہ پر اتر چکے تھے جس کی اطلاع بھی طارق کو حلیقہ ہی میں مل گئی۔ یہ اطلاع پانے ہی اپنے لشکر کے ساتھ طلیطلہ پہنچ گئے اور وہاں اپنے آقا کا انتظار کرنے لگے۔

موسیٰ بن نعیر ارمغان ابارک ۹۲ھ مطابق ۷۱۲ء میں مورم گوما کی ایک چلیقی دوپہر کو نواب جلیان میں جبرالٹر عبور کر کے جریرۃ الخضر (ALGERIA) کے مقام پر لشکر انداز ہوئے۔

طارق بن زیاد کے ساتھ جو لشکر آیا تھا اس میں زیادہ تر بربر قبائل اور قبیلہ (افریق) باشندے تھے۔ موسیٰ بن نعیر کے اٹھارہ ہزار لشکر میں شرفائے مجاز بھی تھے اور مددے شام بھی اور ثقہ ایرانی بھی۔ اس وقت سے اور اولاد صحابہؓ بھی۔ انہیں تسخیر ہسپانیہ کے بعد وہاں مستقر کیا بھی کرنا ہوگا۔ اگرچہ طارق بن زیاد چاہتے تھے کہ مقتومہ علاقوں میں مسلمان آباد ہو جائیں تاہم موسیٰ کے ساتھ آنے والے پہلے ہی سے یہ ارادہ آئے تھے کہ ہسپانیہ کو اپنا وطن بنائیں گے اور وہاں اسلامی معاشرہ کی بنیاد ڈالیں گے۔

موسیٰ بن نعیر نے زیادہ تر وہی راستہ اختیار کیا جس سے گذر کر طارق بن زیاد کے بڑے بھائی موسیٰ بن نعیر نے ایک طرف انہوں نے طارق بن زیاد کو دے الفاظ میں لکھا کہ ہسپانیہ ایک اچھی ملک ہے۔ بہتر ہے کہ مقتومہ علاقوں کے انتظام اور انعام پر توجہ دی جائے اور اس وقت تک نہ کی جائے جب تک وہ خود لشکر لے کر ان کی کمک کو نہ پہنچ جائیں۔

طارق بن زیاد کے لیے اپنے آقا کی حکم مدد کی طرح ممکن نہ تھی لیکن ابلی ہسپانیہ پہلے لشکر زخمی شیر کی طرح زخم چاٹ رہے تھے اور بڑے بڑے قلعوں میں لشکر اکٹھا ہو رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے اور انہیں ہسپانیہ سے بے دخل کیا جاسکے چنانچہ جب طارق بن زیاد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو ان کے آقا کا یہ حکم ہے کہ آگے نہ بڑھا جائے تو غلطی سرداروں نے جن میں غوثیہ کا عیسائی قلعہ دار نواب جلیان اور کانگس سردار مغیش الہدی بھی شامل تھے، طارق کو مشورہ دیا کہ اس وقت روکنا مسلمانوں کے لیے بہتر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہسپانیہ قلعہ داروں کو وقت مل گیا تو وہ اپنی طاقت بڑھ کر پھر ان پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا۔

طارق بن زیاد کو اسی مشورے پر عملی عمل پیرا ہونا پڑا جس کے بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ ان کا یہ اقدام موسیٰ بن نعیر کو بہت ناگوار گذرا۔ انہوں نے اسے اپنے حکم کی مرعاتی اور نافرمانی کا اور پھر اس قاصد کے ذریعہ طارق بن زیاد کو آگے نہ بڑھنے کا حکم بھیجا۔

موسیٰ بن نعیر نے ایک طرف انہوں نے طارق بن زیاد کو دے الفاظ میں لکھا کہ ہسپانیہ ایک اچھی ملک ہے۔ بہتر ہے کہ مقتومہ علاقوں کے انتظام اور انعام پر توجہ دی جائے اور اس وقت تک نہ کی جائے جب تک وہ خود لشکر لے کر ان کی کمک کو نہ پہنچ جائیں۔

طارق بن زیاد کے لیے اپنے آقا کی حکم مدد کی طرح ممکن نہ تھی لیکن ابلی ہسپانیہ پہلے لشکر زخمی شیر کی طرح زخم چاٹ رہے تھے اور بڑے بڑے قلعوں میں لشکر اکٹھا ہو رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے اور انہیں ہسپانیہ سے بے دخل کیا جاسکے چنانچہ جب طارق بن زیاد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو ان کے آقا کا یہ حکم ہے کہ آگے نہ بڑھا جائے تو غلطی سرداروں نے جن میں غوثیہ کا عیسائی قلعہ دار نواب جلیان اور کانگس سردار مغیش الہدی بھی شامل تھے، طارق کو مشورہ دیا کہ اس وقت روکنا مسلمانوں کے لیے بہتر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہسپانیہ قلعہ داروں کو وقت مل گیا تو وہ اپنی طاقت بڑھ کر پھر ان پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا۔

طارق بن زیاد کو اسی مشورے پر عملی عمل پیرا ہونا پڑا جس کے بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ ان کا یہ اقدام موسیٰ بن نعیر کو بہت ناگوار گذرا۔ انہوں نے اسے اپنے حکم کی مرعاتی اور نافرمانی کا اور پھر اس قاصد کے ذریعہ طارق بن زیاد کو آگے نہ بڑھنے کا حکم بھیجا۔

یہ قاصد حضور نامی بربر جوان تھا جو راستہ بھٹ گیا اور دو ماہ کی تاخیر سے حلیقہ پہنچ گیا۔ اسے ملا۔ اس دوران موسیٰ بن نعیر ساحل ہسپانیہ پر اتر چکے تھے جس کی اطلاع بھی طارق کو حلیقہ ہی میں مل گئی۔ یہ اطلاع پانے ہی اپنے لشکر کے ساتھ طلیطلہ پہنچ گئے اور وہاں اپنے آقا کا انتظار کرنے لگے۔

موسیٰ بن نعیر ارمغان ابارک ۹۲ھ مطابق ۷۱۲ء میں مورم گوما کی ایک چلیقی دوپہر کو نواب جلیان میں جبرالٹر عبور کر کے جریرۃ الخضر (ALGERIA) کے مقام پر لشکر انداز ہوئے۔

طارق بن زیاد کے ساتھ جو لشکر آیا تھا اس میں زیادہ تر بربر قبائل اور قبیلہ (افریق) باشندے تھے۔ موسیٰ بن نعیر کے اٹھارہ ہزار لشکر میں شرفائے مجاز بھی تھے اور مددے شام بھی اور ثقہ ایرانی بھی۔ اس وقت سے اور اولاد صحابہؓ بھی۔ انہیں تسخیر ہسپانیہ کے بعد وہاں مستقر کیا بھی کرنا ہوگا۔ اگرچہ طارق بن زیاد چاہتے تھے کہ مقتومہ علاقوں میں مسلمان آباد ہو جائیں تاہم موسیٰ کے ساتھ آنے والے پہلے ہی سے یہ ارادہ آئے تھے کہ ہسپانیہ کو اپنا وطن بنائیں گے اور وہاں اسلامی معاشرہ کی بنیاد ڈالیں گے۔

موسیٰ بن نعیر نے زیادہ تر وہی راستہ اختیار کیا جس سے گذر کر طارق بن زیاد کے بڑے بھائی موسیٰ بن نعیر نے ایک طرف انہوں نے طارق بن زیاد کو دے الفاظ میں لکھا کہ ہسپانیہ ایک اچھی ملک ہے۔ بہتر ہے کہ مقتومہ علاقوں کے انتظام اور انعام پر توجہ دی جائے اور اس وقت تک نہ کی جائے جب تک وہ خود لشکر لے کر ان کی کمک کو نہ پہنچ جائیں۔

طارق بن زیاد کے لیے اپنے آقا کی حکم مدد کی طرح ممکن نہ تھی لیکن ابلی ہسپانیہ پہلے لشکر زخمی شیر کی طرح زخم چاٹ رہے تھے اور بڑے بڑے قلعوں میں لشکر اکٹھا ہو رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے اور انہیں ہسپانیہ سے بے دخل کیا جاسکے چنانچہ جب طارق بن زیاد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو ان کے آقا کا یہ حکم ہے کہ آگے نہ بڑھا جائے تو غلطی سرداروں نے جن میں غوثیہ کا عیسائی قلعہ دار نواب جلیان اور کانگس سردار مغیش الہدی بھی شامل تھے، طارق کو مشورہ دیا کہ اس وقت روکنا مسلمانوں کے لیے بہتر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہسپانیہ قلعہ داروں کو وقت مل گیا تو وہ اپنی طاقت بڑھ کر پھر ان پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا۔

طارق بن زیاد کو اسی مشورے پر عملی عمل پیرا ہونا پڑا جس کے بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ ان کا یہ اقدام موسیٰ بن نعیر کو بہت ناگوار گذرا۔ انہوں نے اسے اپنے حکم کی مرعاتی اور نافرمانی کا اور پھر اس قاصد کے ذریعہ طارق بن زیاد کو آگے نہ بڑھنے کا حکم بھیجا۔

بن سے بغاوت کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا سکتا تھا۔

ہاتھ دھو بیٹھا۔ میرٹھ کی ناکہ بندی طویل کچھ گئی۔ پہلے تو ہر روز سپاہیوں کے لشکر قلعہ سے نکل کر مقابلہ کرتا اور رات ہونے پر واپس چلا جاتا تھا۔ قلعہ بند ہو گئے۔ اس عاز پر موسیٰ بن نعیر کا بڑا بیٹا عبدالعزیز پیش پیش تھا۔ اس نے ایسی سخت ناکہ بندی قلعہ والے جھوکوں میں لگے۔ آخر انھوں نے صلح کا ہاتھ بڑھا لیا لیکن شرائط اتنی سخت رکھیں کہ جسے مسلمانوں کی طرف نہ کر سکی اور عاصمہ پہلے سے زیادہ سخت کر دیا گیا۔ کچھ روز بعد پھر صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ موسیٰ بن نعیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قلعہ کے اندر ملکہ ہسپانیہ موجود ہے اور اس کی وجہ سے قلعہ والے ایک مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے کمبل بھیجا کہ اگر ملکہ بہ نفس نفیس اسلامی لشکر میں آجائے تو نہ ٹھکرانے صلح کی جاسکتی ہے۔

ملکہ ایک قلعے سے دوسرے قلعے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے پھرتے تنگ آ چکی تھی۔ اس نے ہوا مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ صلح ہو گئی۔ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ بے انتہا مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس دولت میں ہسپانیہ کا سب سے قیمتی ہیرا یعنی رادوک کی جوانی سال پورہ مکہ جی جونا بھی تھی لیکن یہ ہیرا ملکہ چل کر اعلیٰ سلطنت اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے بڑا غصہ بن گیا۔ ملکہ جی جونا کو بڑی عزت سے ایک نیچے میں رکھا گیا لیکن اس کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ موسیٰ بن نعیر نے قلعہ جب اس جنگ کا مالی غنیمت و بار خاقت و شوق بھیجی بٹھے تو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے سامنے جی جونا ایک کینز کے طور پر پیش کیا جائے۔

میرٹھ میں ہسپانیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ اس کا اثر دوسرے مفتوحہ علاقوں پر پڑا اور ابھی موسیٰ بن نعیر سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ استبلیہ، طائف، غزادہ اور چین سے بغاوت کی خبریں پہنچیں۔ موسیٰ بن نعیر نے ان کو اس طرف روانہ کیا جس نے کمال مہارت اور تیز رفتاری سے باغی فلوں پر دوبارہ قبضہ کر کے بانیوں کو قتل کر دیا۔

میرٹھ میں ہسپانیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ اس کا اثر دوسرے مفتوحہ علاقوں پر پڑا اور ابھی موسیٰ بن نعیر سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ استبلیہ، طائف، غزادہ اور چین سے بغاوت کی خبریں پہنچیں۔ موسیٰ بن نعیر نے ان کو اس طرف روانہ کیا جس نے کمال مہارت اور تیز رفتاری سے باغی فلوں پر دوبارہ قبضہ کر کے بانیوں کو قتل کر دیا۔

میرٹھ میں ہسپانیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ اس کا اثر دوسرے مفتوحہ علاقوں پر پڑا اور ابھی موسیٰ بن نعیر سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ استبلیہ، طائف، غزادہ اور چین سے بغاوت کی خبریں پہنچیں۔ موسیٰ بن نعیر نے ان کو اس طرف روانہ کیا جس نے کمال مہارت اور تیز رفتاری سے باغی فلوں پر دوبارہ قبضہ کر کے بانیوں کو قتل کر دیا۔

میرٹھ میں ہسپانیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ اس کا اثر دوسرے مفتوحہ علاقوں پر پڑا اور ابھی موسیٰ بن نعیر سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ استبلیہ، طائف، غزادہ اور چین سے بغاوت کی خبریں پہنچیں۔ موسیٰ بن نعیر نے ان کو اس طرف روانہ کیا جس نے کمال مہارت اور تیز رفتاری سے باغی فلوں پر دوبارہ قبضہ کر کے بانیوں کو قتل کر دیا۔

میرٹھ میں ہسپانیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ اس کا اثر دوسرے مفتوحہ علاقوں پر پڑا اور ابھی موسیٰ بن نعیر سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ استبلیہ، طائف، غزادہ اور چین سے بغاوت کی خبریں پہنچیں۔ موسیٰ بن نعیر نے ان کو اس طرف روانہ کیا جس نے کمال مہارت اور تیز رفتاری سے باغی فلوں پر دوبارہ قبضہ کر کے بانیوں کو قتل کر دیا۔

ہاتھ دھو بیٹھا۔ میرٹھ کی ناکہ بندی طویل کچھ گئی۔ پہلے تو ہر روز سپاہیوں کے لشکر قلعہ سے نکل کر مقابلہ کرتا اور رات ہونے پر واپس چلا جاتا تھا۔ قلعہ بند ہو گئے۔ اس عاز پر موسیٰ بن نعیر کا بڑا بیٹا عبدالعزیز پیش پیش تھا۔ اس نے ایسی سخت ناکہ بندی قلعہ والے جھوکوں میں لگے۔ آخر انھوں نے صلح کا ہاتھ بڑھا لیا لیکن شرائط اتنی سخت رکھیں کہ جسے مسلمانوں کی طرف نہ کر سکی اور عاصمہ پہلے سے زیادہ سخت کر دیا گیا۔ کچھ روز بعد پھر صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ موسیٰ بن نعیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قلعہ کے اندر ملکہ ہسپانیہ موجود ہے اور اس کی وجہ سے قلعہ والے ایک مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے کمبل بھیجا کہ اگر ملکہ بہ نفس نفیس اسلامی لشکر میں آجائے تو نہ ٹھکرانے صلح کی جاسکتی ہے۔



شہزادی لیڈیانے کئی بار حصّوں سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا ایک بار حصّوں میں ہوا ملکہ حصّوں نے اسے یوں نظر انداز کر دیا جیسے اس نے لیڈیا کو دیکھا ہی نہیں۔

شہزادی اس کے رویے پر بڑی متعجب ہوئی لیکن دل کو جھوٹی تپیں دے کر بہلایا۔ لیڈیانے اپنی زبان کے ذریعے حصّوں کو اپنے محل میں بلانے کی بھی کوشش کی لیکن حصّوں کوئی بہانہ کر کے ٹال گیا۔ حصّہ پہنچ کر اپنے محل میں گیا۔ اندر تھی اور طارق بن زیاد نے قلعے کے میدان میں نیچے گواٹھے تھے۔ کتے ہیں کہ تلاش میں خلوس ہو تو ڈھونڈنے والے کو خدا بھی مل جاتا ہے۔

لیڈیانے اور حصّوں اس طرح آسنے سامنے ہوئے کہ نہ تو اب کترا یا جاسکتا تھا اور نہ کوئی بہانہ ہی تراشا جاسکتا تھا۔ حصّوں کی تلاش میں نکلی تھی لیکن حصّوں کسی کام سے جا رہا تھا کہ دونوں کی ٹھہر چلی۔

شہزادی اسے دیکھتے ہی جذباتی ہو گئی۔ بولی: حصّوں! میں نے تمہارے ساتھ کیا برائی کی ہے جو تم اس قدر بے مروتی اور لاپرواہی کرتے ہو؟ حصّوں نے سخت ہنس دیا کہ:

شہزادی عاصمہ! اگر آپ اپنے کیے ہوئے احسان کی طرف اشارہ کر رہی ہیں تو میں اس کا ہمیشہ اعتراف کرتی ہوں۔

کروں گا کہ جس طرح ممکن ہو اُس کا بدلہ اتاروں۔

شہزادی کے دل کو دھچکا لگا۔ اس نے کہا:

حضرت! میں نے تم کو پہچان لیا ہے۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ پھر اگر احسان کرنا چاہتا ہوں تو تمہاری لا پرواہی کا شکوہ کر رہی ہوں۔ اگر تم نے ان دنوں کے گزارے میں یہاں دونوں کی یاد کا سہارا یہ اب تک تمہاری منتظر ہوں۔ اگر تم نے کوئی اور راستہ اختیار کر لیا تھا تو تمہیں جتن حاصل ہے۔ میں اب بھی شکوہ نہ کر دوں گی۔

حضرت! کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کے دل میں بھی بیسے دنوں کی یاد تھی لیکن اس کے کانوں نے تو کچھ اور ہی سنا تھا۔ کیا وہ غلط تھا؟ حضرت نے نرم ہوتے ہوئے کہا:

شہزادی صاحبہ۔ میں بھی ان دنوں کو نہیں بھول سکتا۔ وہ گھڑیاں میری زندگی کا پتھر اور خوشی کا مرہبہ ہیں لیکن ایک ایسی رٹکی سے گفتگو کرنا جو کسی اور سے شادی کر رہی ہو، کسی طرح مناسب نہیں۔ آپ کسی اور کی ہونے والی ہیں اور آپ پر اس کا حق ہے۔

لیڈی نے گھبرا کر حضرت کو دیکھا اور تعجب سے پوچھا:

یہ تم سے کس نے کہا؟ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے حضرت؟

حضرت! شہزادی سے بولا:

شہزادی صاحبہ۔ میں نے کسی اور سے یہ بات سنی ہوتی تو شاید یقین نہ کرتا لیکن یہ تو میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ شادی کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ میں آپ کے راستے میں نہیں آنا چاہتا۔

کیسی باتیں کر رہے ہو حضرت؟ شہزادی پریشان ہوتے ہوئے بولی،

کیسی شادی! کس کی شادی! تم نے کس سے سنا؟ کہاں سنا؟ شہزادی نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

حضرت نے شہزادی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

شہزادی صاحبہ! کیا یہ غلط ہے کہ جس دن میں سپہ سالار سے پہلی مرتبہ خیمے میں ملا تھا آپ نے اپنی شادی کی اجازت مانگی تھی اور سپہ سالار نے علی الاطلاق اس کی اجازت دی تھی؟

شہزادی نے ایک گہری مائلی۔

پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ اٹھی اور پورا چہرہ گلنار ہو گیا۔

میں لا انہیں چمک اٹھیں۔ وہ خوش ہو کر بولا:

رہا مجھے دھوکا ہوا تھا؟

یہاں نہیں غلط فہمی! شہزادی ہنس کر بولی:

تمہارا دل صاف ہو گیا!

نوں کو بڑا خسوس ہوا۔ وہ شرمندہ بھی تھا۔ بولا:

ہاں! میری غلطی صاف کر دو۔ مجھے ان کا پتہ ہوتا تو اب تک میں کئی بار مل چکا ہوتا!

دونوں ہنس کر ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔

مونس نے شہزادی کو بتایا:

سے سالار! علی موسیٰ بن نعیر بہت جلد طلیطلہ آ رہے ہیں۔ پھر اعلیٰ لشکر آگے بڑھے گا۔ اس وقت وہاں تک گا۔

شہزادی نے پوچھا:

تمہارا ذمت پھوڑ دو گے؟

مونس نے پھوڑوں کا: حضرت! مجھے سب سمجھا دیا:

ملاں لشکر کسی مقام سے آگے بڑھتا ہے تو انتظار کے لیے ایک فوجی دستہ وہاں چھڑا جاتا ہے۔ طلیطلہ

بہاگ ایک فوجی دستہ وہاں تعزین دیا گیا ہے۔ اس میں، میں نے اپنا کمبندیا ہے۔ سپہ سالار

مونس نے دیکھا ہے۔ اب میں طلیطلہ ہی میں گھرنا کے رہوں گا!

بہاگ! باغ ہو گیا۔ اس نے کہا:

میں نے تم طلیطلہ میں رہ کر فوجی خدمات اٹھاؤ گے؟

موسیٰ بن نصیر ان کے پہلے بھی آتے تھے۔ اب بھی انہیں آغا تسلیم کرنے میں انہیں کسی قسم کا مزہ نہ تھا۔

لیکن شیعان نے ان کے دل میں دوسرے پیدا کیے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حلیف یہودیوں اور بنی انیس موسیٰ بن نصیر کے خلاف و غلبا ہو مگر تاریخ اس قسم کے تذکروں سے قطعی پاک ہے۔ ان کی جان بچی تھی۔ وہ بربر لشکر کے محبوب مالدار تھے۔ اس وقت ان کے پاس اتنا بڑا لشکر موجود تھا کہ اگر بڑاڑ آتے اور موسیٰ بن نصیر کی امارت کی مخالفت کرتے تو موسیٰ کو ان پر قابو پانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا۔ ان کے دل میں اپنے دلی نعمت کے بارے میں اس قسم کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا۔ جاتی ہوئی امارت اور مالاری ان کو یہ بات کی اور انھوں نے خودیں دل سے خود کو ایک مجرم کی حیثیت سے موسیٰ بن نصیر کے سامنے پیش کرنے کا ذکر کیا۔

ظہر میں طارق بن زیاد کا امیر لشکر کی حیثیت سے یہ آخری دن تھا۔ کل صبح کو انیس موسیٰ بن نصیر کے استقبال کے لیے ایک منزل آگے جانا تھا۔

انھوں نے اپنے قیصر فارقا قاصد آگے بھیج دیے تھے جو انیس کو دم بھریں پہنچا رہے تھے۔ ان خبروں سے طارق ظہر پہنچنے کی تاریخ کا اندازہ لگا رہے تھے۔

فارق نے نماز فجر کے بعد فوراً اپنے لشکریوں سے فردا فردا ملنا شروع کیا۔ نماز میں سوائے غیر مسلموں کے تمام نیک ہوتے تھے۔ جو مسلمان نمازیں شریک تھے ان سے تو طارق دہیں ملے اور اس طرح ملے جیسے کوئی ہمیشہ، سخت ہورہا ہو یا کسی لمحے سفر پر جا رہا ہو۔

فارق بن زیاد میں صبر و تحمل کی زبردست طاقت موجود تھی۔ ملاقات کے وقت انہوں نے ممبر کا دامن ہاتھ سے نہ لے کر کڑی سپاہی ان سے گلے ملتے وقت دھڑپیں مار مار کر رونے لگے مگر طارق بن زیاد نے اپنی آنکھوں کو اٹکایا غلبا جلا کر دل رو رہا تھا اور آنسوؤں کا طوفان اٹھ رہا تھا۔

سپاہی جو بیماری یا زخمی ہونے کی وجہ سے نمازیں شریک نہ ہو سکے تھے ان سے ملنے کے لیے وہ ہر شیئے بابرک میں گئے۔

سکائوں سے ملاقات کے بعد انھوں نے علیائیوں اور یہودیوں سے ملنا شروع کیا۔

غیب بات تھی کہ نہ تو طارق نے اور نہ کسی اور نے اس بات کا اظہار کیا کہ اس ملاقات اور اس غم و اندوہ کی سبب کیا ہے، لیکن یہ بات سب کو خود بخود معلوم ہو گئی تھی کہ طارق بن زیاد ان سے بدلہ جو رہے ہیں اور

ہاں ہاں۔

اور گھر بھی بناؤ گے۔

منور۔

شہزادی کی شوح آنکھوں میں شرارت چمکنے لگی۔ اس نے کہا:

"لیکن جلتے ہو گھر بنا کس کو کہتے ہیں۔"

حضورنہ لو کھلایا اور سر میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

شہزادی نے اسے پھینکا:

"گھر عورت سے بنتا ہے۔ تمہیں افریقہ جا کر اپنے بیوی بچوں کو ہال لانا ہو گا۔"

"بیوی بچے، حضورنہ مسکرایا۔"

"افریقہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں تو میرا کوئی نہیں۔ رہی بیوی — تو جو نے دلی بوری طبع میں

سے موجود ہے۔ بچوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔"

حضورنہ ہنسنے لگا اور شہزادی لیڈیا نے شرم سے گردن جھکا لی۔

والہی شہزادی نے جب حضورنہ سے اپنی ملاقات کا حال سرخا سے مزے لے کر بتایا تو درودن خوب

تھکتے مار مار کر ہنسنے لگی۔



طارق بن زیاد کے لشکر، موسیٰ بن نصیر کا آمد سے سمے سمے اور گھبرائے گھبرائے تھے۔ سب سے زیادہ

خود طارق بن زیاد تھے۔ انھیں اس بات کا نہ تو انھوں نے ملال نہ ملال کہ موسیٰ بن نصیر کے آنے سے ان کی سالاری

امارت ختم ہو جائے گی۔ وہ جہاد کے لیے نکلے تھے اور جہاد کا ثواب سپاہی سے امیر لشکر تک ہر ایک کو کیا

طور پر ملتا ہے۔ ان کو غم

ان کو غم بھی نہ تھا کہ ان کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آئندہ جتنی فتوحات حاصل ہوں گی وہ موسیٰ بن نصیر

نام لکھی جائیں گی۔ معتقد نور اسلام کو کھینچا تھا۔ پس یہ شیع خواہ طارق کے ہاتھ میں ہو یا موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ

ایک ہی بات تھی۔

وہ اس وجہ سے بھی پریشان نہ تھے کہ ان کا مرتبہ ایک خود مختار سپہ سالار سے گھٹ کر محض ایک

طارق بن زیاد اپنے آقا موسیٰ بن نعیر کی تند مزاجی اور سخت گیری سے ابھی طرح واقف تھے۔ ہر چند کہ ان صاف تھا۔ انھوں نے موسیٰ بن نعیر کے حکم سے مرتانی کی بھی مگر اس کی معقول وجہ تھی، پھر بھی طارق کے دل پر یہ نامعلوم خوف تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے یہ طے کیا کہ وہ لپیٹے آقا کے حضور صرف چند سواروں کے ساتھ پیش نہ تاکہ اگر کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آئے تو اس کی خبر ان کے شکریوں کو نہ ہو سکے۔

دوپہر کے بعد طارق نے دوبارہ عام لگایا اور اعلان کیا کہ جس کا بھی ان پر کوئی قرض ہو وہ اسے وصول کرنے اور بار میں آجائے۔

⑧ ملکہ حسن

قرض سے مراد یہ تھی کہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہے تو فریاد پیش کرے۔

نقصان ہوا ہے تو نقصان پورا کرنے آئے۔

اور اگر کسی کی کوئی جائز خواہش ہو، اس کا اظہار کر کے ولی مراد حاصل کرے۔

طلیطلہ کے غیر مسلم عوام کا میلہ سالگ گیا۔ اس نے رعیت کی ہر جائز خواہش پوری کی، مقدمات کا نتیجہ مشورے سے فوری فیصلہ کیا۔ ایک ہزار ایسی شادیاں، جنہیں حکومت یا کلیسا سے اجازت حاصل کرنی تھی ان کے اجازت نامے جاری کیے گئے اور کلیسا کو حکم دیا گیا کہ اس قانون پر پابندی سے عمل نہ کیا جائے۔

اس شام طلیطلہ میں بیک وقت ایک ہزار دہلیزیں کلیساؤں میں داخل ہو کر شاد کام ہوئیں۔ ان میں ہزاروں لڑکیاں کیئرمر بنامہ کا فظ مردار راڈیں بھی تھیں۔

حضور کو طلیطلہ کے محافظ دستوں کے ساتھ طلیطلہ میں منتقل رہائش کی اجازت مل گئی تھی۔ شہزادی لڑکیاں، مسلمانوں کے حسن اخلاق و رواداری اور مساوات سے خوش ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئی۔ اسی رات حضور کے ساتھ اس کی شادی شرعی طریقے سے انجام پائی جس میں طارق بن زیاد کے نائب نے خاص طور سے شرکت کی۔

ایک عادت ہے: جہاں جھاگ جاتے اور جھاگ ساتھ جاتے۔

ان کے ذہن میں ہسپانیہ کے شہنشاہ راڈرک کی جوان عمریہ ملکہ جی لوٹا تھی۔

ان کے ذہن سے ایک قلعے سے دوسرے قلعے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جھاگ رہی تھی۔

جھاگ تھے کہ اسے چین کہیں نہ ملتا تھا۔ طارق بن زیاد کا اسلامی لشکر آگے ہی بڑھتا جا رہا تھا اور

موقع ایک ایک کر کے مسلمانوں کے قبضے میں آ رہے تھے۔

ان کے ملکہ طلحہ میرٹھا ابھی

بے مضبوطی اور شوکت کے لحاظ سے دارالسلطنت طلحہ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس قلعے میں ردی طرز

کا تعمیر کیا گیا تھا۔ باغات، سمندر و زار اور قدرتی چشموں نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔

اور انھوں نے اس کی تسخیر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ان کے تو اس پر بڑے نام تھا۔ اصل طاقت میرٹھا کے بطریق اعظم کے ہاتھ میں تھی۔ بطریق اعظم میرٹھا

کی بہن تھی اور سیاسی شخصیت بھی۔ گورنر اس کی مرضی کے بغیر قلعہ تک نہ کھاتا تھا۔

ان کے ملکہ جی لوٹا کو انھوں نے ہاتھ دیا۔

ان کے ہسپانیہ کی یہ۔ دوسرے ماہ پیکر، پری جمال، ملکہ حسن۔ اس یوگی اور پریشانی کے عالم

میں چمکتا اور سورج کی طرح دکھاتا تھا۔

ان کے نکاحات، نماز و غزے اور عشوے بخشے تھے تو اسی حسن نے اس کے لیے پریشانی کے ماحول

بھی پیدا کر دیے تھے۔

وہ جہاں پہنچی لوگ ملکہ ہسپانیہ سمجھتے ہوئے سرانگھوں پر بٹھاتے مگر بہت جلد اس کی بے بسی و
نہیں نیاز فرم کر دیتے۔ ملکہ اپنے عشاقت سے تنگ آ چکی تھی۔ کبھی کو بھڑک کر کسی کو ڈانٹا اور کسی کو تنگ کر دیتا۔
لیکن جہاں شمع ہوتی ہے وہاں پروانے تو غار ہوتے ہی جاتے ہیں۔

بطریق اعظم کی سفارش پر ملکہ کو میریڈا کے ایک عالی شان عی میں اتارا گیا۔ غلام و کنیرہوں کا ہجوم
نراش خراش کے لباس ملاتے گئے۔ مشاطہ میں اور آرائش حسن کے تمام لوازمات اس محل میں اکٹھے کر دیے گئے۔
دعا اسلام یا جمال جہاں آرا کے دیدار کے لیے روز ایک پھر اڑا تھا۔ گورنر میریڈا بھی تاک بھاگ میں لگا رہا تھا۔
بطریق اعظم کی حاضری کے بعد خود بھی مزاج پر سی کے بہانے ملکہ کے حضور میں سلام عقیدت پیش کرتا۔
میریڈا کے تمام بڑے بڑے فوجی افسر ملکہ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بے چین بہتے اور نظر
مکاشفہ کرتے۔

ملکہ جی کو ناز مانے کے نشیب و فراز دیکھتے دیکھتے ہماندیدہ اور بھلدار ہو گئی تھی۔ پھر بھلا وہ مردوں کی فوج
پہنچتی۔ وہ اپنے ملنے والے کے چہرے پر نظر ڈالتے ہی اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی تھی اور دل ہی
نہشتی۔ وقت اور حالات نے اسے صبر و صحت کا سبق سکھا دیا تھا۔

یہ ایک خبر اڑی کہ گورنر کا ایک طرفان میریڈا کی طرف بڑھ رہا ہے۔
جاسوسوں نے بطریق اعظم کو خبر دی کہ اجنبی لوگوں کا ایک لشکر بڑی تیزی سے میریڈا کی طرف آ رہا ہے۔
بطریق اعظم نے تصدیق کے لیے صافخار سوار اس رخ و ڈرائے۔ انھوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی اور کہا
کا اسلامی لشکر موسیٰ بن نعیر کی سرداری میں میریڈا سے صرف تین منزل دور ہے۔

قلعہ میں کھلبلی مچ گئی۔ ان لوگوں نے اور زیادہ اودھم مچایا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا چکے تھے اور اب
میں تباہ کر رہے تھے۔

بطریق اعظم اور گورنر میں صلح مشورے ہوئے۔ ملکہ گورنر نے قلعہ بند ہونے کا مشورہ دیا لیکن بطریق
صند کی کہ آگے بڑھ کر مسلمانوں کو روکا جائے۔ فیصلہ کوئی نہ ہو سکا اور بات بیچ میں ٹک کر رہ گئی۔
جاسوسوں کی اطلاع تین منزل دور کی تھی لیکن دوسرے دن شام کے وقت جب مسلمانوں کے ہر ادا
قلعہ کے سامنے نمودار ہوئے تو دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

قلعہ کے دروازے جلدی جلدی بند کیے گئے۔ محافظ دستے بغیر پر پہنچا گئے۔ عین کے گڑھ و چوہو
چڑھنے لگے اور ان کے نیچے آگ کر دی گئی۔

وہ عظیم اور گورنر حملہ آوروں کو دیکھنے کے لیے اونچے برج پر چڑھے۔ ڈھلے سورج کی روشنی میں مسلمانوں
کے چہرے تھے۔ وہ بڑے اطمینان سے قلعہ کے سامنے نیچے لگا رہے تھے۔

گورنر کے چہرے پر پریشانی نمودار ہوئی لیکن بطریق اعظم مسلمانوں پر سخاوت کی نظر ڈالتا ہوا برقع سے اتر آیا۔
بطریق اعظم کی پریشانی کے بجائے غصے اور نفرت کے آثار تھے۔

بطریق اعظم کا عمل میریڈا کے بڑے کلیسا کے برابر میں تھا۔ محل میں بطریق کا ایک خاص حجرہ تھا۔ اس کے متعلق یہ
میں میں ایسی ایسی نادرونیاب چیزیں موجود ہیں جن کا جواب طلیطلہ کے شاہی محل میں بھی ممکن نہیں۔ بطریق
دیکھ کر دل پر مشتعل تھا۔ محل کے تمام کمرے لمبی راہداروں کے ذریعے غلام گروہ سے ملے ہوئے تھے۔ جہاں
ہر ادا ہی کینیزیں، بطریق کی خدمت گزاروں کے لیے ہر وقت موجود رہتیں۔ بطریق کا اپنا ذاتی صحافی
بھی کام کرتا تھا۔ اس کی جان کی محافظت تھا۔

بطریق اعظم نے برج پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کا تسخر اٹایا تھا لیکن دل میں وہ بھی ڈر رہا تھا۔ وہ جب سوچتا کہ
ہونے لگا گورنر کی جنگ میں شمشاہ ہسپانیہ کی ایک لاکھ فوج کو شکست دی ہے تو وہ ایک ماحول خوف سے
تھا۔ پریشانی اور فکر نے اس کی ہجرت بیاں بھی اڑا دی تھی۔ رات ہو گئی تھی لیکن اس نے کھانا لگنے کا حکم
دیا تھا۔ خدمت گزار کینیزیں اور غلام بار بار اس کے سامنے سوائید نشان بن کر کھڑے ہوتے لیکن اسے اب
وہ کھانا نہیں بیدار ہوئی تھی۔

بطریق اسی اوٹھڑ میں تھا کہ ایک کینیز گھبراہٹ ہوئی اندر آئی۔ بطریق اسے پریشان دیکھ کر اور زیادہ پریشان
ہوا۔ وقت کوئی بڑی خبر سننے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔

بطریق بے دلی سے بولا:

میں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ مجھے بار بار پریشان کرنے کی ضرورت نہیں:

بطریق دل سے تو یہی چاہتا تھا کہ کینیز وہ منحوس خبر جلدی سے سنا دے جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو
جائے۔ سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے دل میں مسلمانوں کے ڈر کا چور سیوہ لگا تھا۔

گورنر اسے بولی:

میں نے اعظم اجم جانے میں کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور شاید آپ آج رات کھانا بھی تناول نہ فرمائیں لیکن
میں نے تمہاری معزز نعمان آپ سے ملاقات پر اصرار کر رہا ہے۔ میں نے مجبور ہو کر آپ کی تنہائی میں حمل ہونے
کا ارادہ کیا ہے۔

ملکہ کے نام پر وہ جو بھلا۔ اس کے ذہن میں کئی نا آئنے۔ گورنر، سپہ سالار۔ کوئی اہم یاد دہی۔ لیکن

یہ لوگ اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ وہ خود کو ان تماشے افضل سمجھتا تھا۔

بطریق نے پوچھا:

”وہ کون سا مہمان ہے جسے ہم اسے آرام کا بھی خیال نہیں؟“

”ملکہ جی، لو! آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائی ہیں۔“ کینز نے بلا تلفظ بتایا۔

”ملکہ ہسپانیہ؟“

بطریق اعظم گھبرا کر کھڑا ہو گیا:

”کہاں بٹھایا ہے تم نے انہیں۔ میں فوراً خبر کیوں نہ کی؟“

بطریق گھبراہٹ میں ایک ساتھ کئی سوال کو گیا۔

کینز اس کی بولکھلا ہٹ پر دل میں ہنسی اور ہلہ:

پاپائے اعظم: آپ کے معزز مہمان کو آپ کے حجرہ خاص میں بٹھایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہی

خدمت میں حاضر ہوتی ہوں۔“

بطریق اعظم کے غلاموں، کینزوں اور کلیسا کے چھوٹے راہبوں اور نونوں کو یہ یقین ترس گیا۔

ننھا کہ بطریق اعظم، ملکہ ہسپانیہ میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے۔

بطریق کی طرح کچھ سال سے تاجدار کچھ بچے تھے لیکن مضبوط ہاتھ پیروں کا مالک تھا۔ اطمینان اور

عمر کی رفتار تو نہیں بدلتی لیکن آثار پر ضرور تاؤ پالیتی ہے۔۔۔۔۔ بطریق کی عمر چالیس سال سے

معلوم ہوتی تھی۔

بطریق اعظم نے کینز کی وفات کی داد دے کر رخصت کر دیا۔ پھر جلدی جلدی دوسرا ایسا بناؤ

کا اس بے دردی سے استعمال کیا کہ جسم خوشبو بن گیا۔ ہر طرح سے خود کو درست کر کے بطریق بنے اپنے

مصنوعی مسکراہٹ پیدا کی۔ اب وہ پینے تلے قدموں سے ملکہ ہسپانیہ اور ملکہ حسن سے ملاقات کے

حجرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ملکہ کا بلا اطلاع آنا اس کے لیے حیرت انگیز بھی تھا اور پرست بھی۔

ملکہ، بطریق کے حجرے کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ یہ کسی نہ

کا حجرہ ہے یا شاہی حرم۔

حجرے کو بڑی فحاش اور سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ نادر چیزوں کے علاوہ ملکہ کو حجرے

جہیز میں بھی نظر آئیں جن کی موجودگی ایک سبب بھی آدمی کے کمرے میں کسی طرح درست نہ تھی۔

بطریق مسکراتا ہوا حجرے میں داخل ہوا۔ ملکہ اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔

ملکہ ایک گدے دار زرنگا چوکی پر بیٹھی تھی۔ بطریق اس کے سامنے دیسی ہمایک چوکی پر بیٹھ گیا۔

ملکہ خانہ خرواندہ سے گویا ہوئی:

”بطریق اعظم! مجھے معاف فرمائیے میں آپ کی تنہائی اور آرام میں بھی غلٹی ہوئی؟“

ملکہ نے لفظ تنہائی پر خصوصیت سے زور دیا اور اس لفظ کی زبان سے ادائیگی کے وقت اس کے لبوں پر ایک

مکرات کھیل گئی۔

ملکہ جب شروع شروع میں یہاں آئی تھی تو تعظیم و احترام کے خیال سے بطریق کو ”مقدس باپ“ کے لقب سے مخاطب

رہا۔ پھر یہ نہیں ملکہ نے بطریق اعظم کی آنکھ میں جھانکنا یا دل میں اتار کر کیا دیکھا کہ اس نے اسے

”باب“ کہنا چھوڑ دیا۔

بطریق اعظم نے انکسار کا اظہار کیا:

”ملکہ ہسپانیہ نے غریب خانے کو ردی بخشتی، میں اس کے لیے شکریہ گزار ہوں۔ میں شرمسار بھی ہوں کہ

میں نے اس قابل نہ سمجھا کہ اپنے عمل میں بلوائیں، اجواس سے زیادہ میرے لیے عزت افزائی کا سبب ہوتا؟“

ملکہ نے غرے کا تیر چھینکا:

”ملکہ یہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے کہ میرا میں مجھے شاہی محل جیسا آرام ملے اور یہ سب آپ کی نوازش کا

ہے؟“

بطریق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی:

”آپ مزید شرمندہ نہ کیجیے۔ کہاں ظلیلہ کا شاہی محل اور کہاں میرا کیا یہ قیام گاہ۔ پہلے میں نے سوچا تھا

کہ اس کا محل آپ کے لیے خالی کرادوں لیکن اس کے طور طریقے مجھے پسند نہیں، وہ آپ کی تنہائی میں خواہ مخواہ

بہتر ہے۔“

”نہاں۔ یہ گورنر کچھ اسی قسم کا نظر آتا ہے۔“ چالاک ملکہ نے دونوں کے درمیان اخیلے کو اور زیادہ وسیع

کے لیے کہا:

”مجھے ملکہ یہ وہ آپ کو دل سے پسند نہیں کرتا۔“

”کیا کہا۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتا؟ بطریق غصے سے بولا۔

”نہیں۔ نہیں کسی کہ آپ میری بات کا یقین کر لیں؟“ ملکہ ہسپانیہ نے اپنی بات کو یقینی بنانے کے لیے

تہیہ کیا۔

وہ شخص یقیناً احساسِ جمال سے قلعی عاری ہو گا جو حسین لبوں سے نکلنے والی بات پر بغیرِ فکر ہسپانیہ، ملکہ سخنِ حق۔ قدرت کا ایک حسین شاہکار۔ بطریقِ اعظم کی کیا مجال تھی کہ وہ اسے تحمل نہ کرے؟ بطریقِ اعظم، ملکہ جی ہنسی مترنم آواز میں کھو گیا۔ پھر اس نے فحش و کوہِ منہ کالا اور بولا:

’آپ کی بات پر یقین نہ کرنا کھڑے برابر ہے۔ میں جلد ہی اس کا انتظام کر دوں گا۔ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی؟‘

ملکہ الفاظ کے موتی بکھرتے ہوئے بولی:

’آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے بطریقِ اعظم۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں منہ لگنے کو دل نہیں کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس خود چل کر جانے میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔‘

ملکہ نے بڑے شاعرانہ طریقے سے گورنر اور بطریق کے فرق کی وضاحت کر دی تھی۔ اس پر بطریق نے خوش ہوئے کہ تھوڑے خوشی سے جھوم اٹھا اور اس کا سر ذرا کر دیا۔

بطریق بولا:

’میں ملکہ ہسپانیہ کی عقل و فراست کی داد دینے پر مجبور ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ ملکہ نے کہا میں بہت جلد غمیز کر لی۔‘

پھر دربار کو پوچھا:

’ملکہ نے بیان آنے کی زحمت فرمائی۔ کیا اس کا کوئی سبب ہے۔ فرمایے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں ملکہ اپنی برقِ پاش نظروں سے اور مسلسل مسکراہٹ کے تیروں سے بولڑے بطریق کے ظاہر گرا رہی تھی۔ بولی:

’کوئی خاص وجہ نہیں دل گھرایا آپ کے پاس چلی آئی۔ مسلمانوں نے قلعہ گھیر لیا ہے۔ اسے طبیعت پریشان ہو گئی ہے۔‘

بطریق اڑ کر کہ بولا:

’ان کیرٹے کوڑوں کی آپ بالکل نکر نہ کریں۔ میں نے قلعہ کے برج سے انہیں خچے لگاتے دیکھے۔ ڈھیلی جہائیں اور لمبی ڈاٹھیوں والے یہ اجنبی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔‘

حالانکہ یہ ڈینگ ماسے وقت اس کا دل اندر سے بیٹھا جا رہا تھا۔

ملکہ نے فوراً سنجیدگی اختیار کی:

’دشمن کے کمزور نہ سمجھنا چلیے بطریقِ اعظم۔ یہ ڈھیلی ڈھالی جہائیں اور لمبی ڈاٹھیاں ہی تھیں جنہ

میں شہنشاہ ہسپانیہ کا غور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔ ہمارے ایک لاکھ بہادران کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس حقیقت سے بطریق کیسے انکار کرتا کیوں اب اس کے وقار کا سوال تھا اسے کسی نہ کسی طرح اپنی جین تو بچانی تھی۔ بولا:

’وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر معاف کریں تو میں یہ مزدوروں کا کہہ ہمارے شہنشاہ نے کھلے میدان میں ان کے مقابلہ کے سخت غلطی کی۔ قلعہ بند ایک لاکھ فوج میدان کی دو لاکھ فوج کے برابر طاقت رکھتی ہے۔ اگر شہنشاہ دہن ہو کر لڑتے تو شکست کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔‘

ملکہ کو بطریق کی نا فہمی پر بڑا غصہ آیا۔

’بڑا ضبط کرتے ہوئے بولی: میدان اور قلعہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا قرطبہ میں ہم قلعہ بند ہو کر لڑے۔‘

بطریق اعظم کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ نرم پڑ گیا:

’آپ ٹھیک فرما رہی ہیں لیکن قرطبہ اور میریڈا کے قلعوں میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے قلعہ کی فصیلوں سے سہاڑوں کی مانند اور سر پھوڑتے رہیں لیکن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ یوں بھی میریڈا ایک بڑا اندھ ہی مرکز ہے ہماری فوج کے حوصلے بلند ہیں۔ وہ جان توڑ کر مقابلہ کرے گی۔‘

ملکہ جی ہونا مسلمانوں کی شجاعت اور بادی دیکھ چکی تھی۔ اسے بطریقِ اعظم کی باتوں سے ذرا بھی تسلی نہ ہوئی۔ جس وقت اسے معلوم ہوا کہ قلعہ کو مسلمانوں نے گھیر لیا ہے وہ اسی وقت سے قلعہ سے ناامید ہو گئی تھی۔ اسے برا یقین تھا کہ قلعہ ایک نہ ایک دن موزور فوج ہو جائے گا۔ اسے تو اپنی ٹکڑی تھی۔ وہ ملکہ ہسپانیہ تھی۔ اسے ڈرتھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی تو اس کا بڑا شرم ہو گا۔

ملکہ انہی باتوں پر غور کر کے بطریقِ اعظم کے پاس آئی تھی۔ دراصل وہ قلعہ سے فرار ہونا چاہتی تھی اور اس مسئلے میں بطریق کا تعاون چاہتی تھی۔

ملکہ نے دیکھا کہ اس کے غصے سے بات بگڑ گئی ہے اور بطریق کی گفتگو نے کچھ اور ہی رنگ اختیار کر لیا ہے تو اس نے فوراً چٹکایا:

’بطریقِ اعظم۔ میں اس سے اتفاق کرتی ہوں کہ ہمارا فوج ہمارے اور وہ میریڈا کے مذہبی مرکز کو آسانی سے اپنے غصے سے نکلنے دے گی لیکن آپ جانتے ہیں کہ مسلمان میری تماش میں ہیں اور برابر میرا لقب کرتے چلے آ رہے ہیں۔ خداوندِ یسوع مسیح ہمیں اس آفت سے محفوظ رکھیں لیکن میں یہ جان چاہتی ہوں کہ اگر قلعہ پر کوئی حملہ کرے گا تو میری حفاظت کا کیا بندوبست کریں گے۔ مجھے کسی محفوظ مقام پر کس طرح پہنچا سکیں گے۔‘

ملکہ نے دو ٹوک بات کی تھی لیکن بطریق اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ اس نے کہا:

ملکہ آپ میری جان.... میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ میرے بھائی دشمن کا ہاتھ آپ تک پہنچ سکتا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔

ملکہ کو بطریق کی باتوں سے بڑی یابوسی ہوئی۔ اس کا مقصد اپنے فرار میں بطریق کا تعاون حاصل کرنا تھا۔ اس نے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ملکہ کے سامنے اپنا حال دل بیان کر رہا ہے۔

ملکہ اسے ناراض نہ کرنا چاہتی تھی۔ کھڑے ہوتے ہوئے بولی،
"آپ کا بہت شکریہ۔ آپ کی باتوں نے مجھے بالکل مطمئن کر دیا ہے۔"
بطریق خوشی سے اور زیادہ پھول گیا۔

وہ ملکہ کو دروازے تک رخصت کرنے گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرا
جوان خوابوں کی وادی میں گھول گیا۔



تسکرات مسلمان لشکر کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔

صبح ہوئی تو میرٹھاکے ماسیوں کے کانوں میں ایک ایسی آواز آئی جو ان کے لیے نیراؤں تھی۔
مؤذن محمد اودی میں فجر کی اذان دے رہا تھا۔

اللہ اکبر کے الفاظ سے دشت و جبل تھرا اٹھے اور قلعے کے محافظ گہرا کر دور دور تک پہلے ہوئے۔
کے خیموں کو دیکھنے لگے۔

اذان ہوتے ہی قلعے کے سامنے چل پل ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام مسلمان اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ
مربعہ ہو گئے۔ ایک ساتھ تمام لشکر کا کوع و سجود، نظم و ضبط کا ایک ایسا مظاہرہ ہوا تھا جس نے قلعے والوں کے
دل میں پسے ہی دن خوف پیدا کر دیا۔

نازکی صفیں ٹوٹیں تو سواروں اور پیادوں نے اپنی اپنی صفیں قائم کر لیں۔
مسلم سردار اعلیٰ موٹی بن نصیر نے صفوں کا معائنہ کیا۔ اس کے جلو میں ان کا جوان سردار و بیٹا تھا۔

اور قلعہ بہتہ کا عیسائی سردار نواب جولیو تھا۔ نواب جولیو نے طارق بن زیاد کی بھی سپاہیانہ یک رہائی کی تھی۔
اب وہ موٹی بن نصیر کے ساتھ بھی ہی ہمدرد انجام دے رہا تھا۔

ملکہ نے دو ٹوک بات کی تھی لیکن بطریق اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ اس نے کہا:
ملکہ آپ میری جان.... میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ میرے بھائی دشمن کا ہاتھ آپ تک پہنچ سکتا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔

ملکہ کو بطریق کی باتوں سے بڑی یابوسی ہوئی۔ اس کا مقصد اپنے فرار میں بطریق کا تعاون حاصل کرنا تھا۔ اس نے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ملکہ کے سامنے اپنا حال دل بیان کر رہا ہے۔

ملکہ اسے ناراض نہ کرنا چاہتی تھی۔ کھڑے ہوتے ہوئے بولی،
"آپ کا بہت شکریہ۔ آپ کی باتوں نے مجھے بالکل مطمئن کر دیا ہے۔"
بطریق خوشی سے اور زیادہ پھول گیا۔

وہ ملکہ کو دروازے تک رخصت کرنے گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرا
جوان خوابوں کی وادی میں گھول گیا۔

تسکرات مسلمان لشکر کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔
صبح ہوئی تو میرٹھاکے ماسیوں کے کانوں میں ایک ایسی آواز آئی جو ان کے لیے نیراؤں تھی۔
مؤذن محمد اودی میں فجر کی اذان دے رہا تھا۔

اللہ اکبر کے الفاظ سے دشت و جبل تھرا اٹھے اور قلعے کے محافظ گہرا کر دور دور تک پہلے ہوئے۔
کے خیموں کو دیکھنے لگے۔
اذان ہوتے ہی قلعے کے سامنے چل پل ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام مسلمان اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ
مربعہ ہو گئے۔ ایک ساتھ تمام لشکر کا کوع و سجود، نظم و ضبط کا ایک ایسا مظاہرہ ہوا تھا جس نے قلعے والوں کے
دل میں پسے ہی دن خوف پیدا کر دیا۔

نازکی صفیں ٹوٹیں تو سواروں اور پیادوں نے اپنی اپنی صفیں قائم کر لیں۔
مسلم سردار اعلیٰ موٹی بن نصیر نے صفوں کا معائنہ کیا۔ اس کے جلو میں ان کا جوان سردار و بیٹا تھا۔

اور قلعہ بہتہ کا عیسائی سردار نواب جولیو تھا۔ نواب جولیو نے طارق بن زیاد کی بھی سپاہیانہ یک رہائی کی تھی۔
اب وہ موٹی بن نصیر کے ساتھ بھی ہی ہمدرد انجام دے رہا تھا۔

تسکرات مسلمان لشکر کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔
صبح ہوئی تو میرٹھاکے ماسیوں کے کانوں میں ایک ایسی آواز آئی جو ان کے لیے نیراؤں تھی۔
مؤذن محمد اودی میں فجر کی اذان دے رہا تھا۔

اللہ اکبر کے الفاظ سے دشت و جبل تھرا اٹھے اور قلعے کے محافظ گہرا کر دور دور تک پہلے ہوئے۔
کے خیموں کو دیکھنے لگے۔
اذان ہوتے ہی قلعے کے سامنے چل پل ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام مسلمان اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ
مربعہ ہو گئے۔ ایک ساتھ تمام لشکر کا کوع و سجود، نظم و ضبط کا ایک ایسا مظاہرہ ہوا تھا جس نے قلعے والوں کے
دل میں پسے ہی دن خوف پیدا کر دیا۔

نازکی صفیں ٹوٹیں تو سواروں اور پیادوں نے اپنی اپنی صفیں قائم کر لیں۔
مسلم سردار اعلیٰ موٹی بن نصیر نے صفوں کا معائنہ کیا۔ اس کے جلو میں ان کا جوان سردار و بیٹا تھا۔
اور قلعہ بہتہ کا عیسائی سردار نواب جولیو تھا۔ نواب جولیو نے طارق بن زیاد کی بھی سپاہیانہ یک رہائی کی تھی۔
اب وہ موٹی بن نصیر کے ساتھ بھی ہی ہمدرد انجام دے رہا تھا۔

تسکرات مسلمان لشکر کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔
صبح ہوئی تو میرٹھاکے ماسیوں کے کانوں میں ایک ایسی آواز آئی جو ان کے لیے نیراؤں تھی۔
مؤذن محمد اودی میں فجر کی اذان دے رہا تھا۔

گورنر نے گھبراتے ہوئے کہا:
"راجا گھرایا اور آپ کے پاس چلا آیا۔"
"یہ سب میں بڑی۔ یہی جلد اس کے بطریق کے سرالپ کے جواب میں رات کو کہتا تھا۔۔۔" کیا گورنر کے
بہنے اس کا اور بطریق کی گفتگو چھپ کر سنی ہے؟" یہ خیال اس کے لیے بڑا سولان روح تھا۔ ملکہ نے
جواب دیا: "نہیں۔"

ملکہ نے کہا:
"وہ باہر کھڑے انتظار کر رہے ہیں۔"

ملکہ کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا لیکن اس دوران میں اسے ایک تدبیر سوچ گئی۔
ملکہ نے کہا:
"نہان کو دوسرے کمرے میں ٹھہراؤ۔ میں ابھی تیار ہونے آتی ہوں۔"

ملکہ اسے جواب دے کر آرائش کے کمرے میں گھس گئی۔ اس نے ایک مشاطہ کو بلایا اور اسے
کا حکم دیا۔ ملکہ نے ایک بھاری کا مدارد لفر جب جوڑا نکلوایا۔ جوڑے کا رنگ چمپئی تھا۔ مشاطہ نے
پہننے میں مدد دی۔

ایک گھنٹہ کے بعد سنگھار کے بعد جب ملکہ آرائشی کمرے سے نکلی تو وہ خاتونی دامن
معلوم ہوتی تھی۔ ملکہ کی عمر اتنی زیادہ بھی نہ تھی اور حسن و قدرت نے اسے باجواب دیا تھا۔ اپنے صبا
ہی وہ شامی حرم تک پہنچ کر ملکہ ہسپانیہ بنی تھی۔

گورنر نے اسے دیکھا تو دمکھتا ہی رہ گیا۔ پھر اس پر غشی سیٹھاری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔
صحن اور یہ جوانی اس کی نظر سے پہلے کبھی نہ گزری تھی۔

ملکہ مسکرائی:

"میں معزز نمان گورنر میرا کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

سحرزدہ گورنر تو اس کے حسن کی دنیائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے جواب دینے کا کب ہوش تھا۔
کے سامنے پیر کے ادب پر رکھ کر اسے سبیل سے گورنر بالکل ہی رانیہ سلی ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا:
"ہے یا کوئی آسمانی مخلوق۔ ارمی حسن میں تو یہ کیشش اور جمال نہیں ہو کرتا۔"

ملکہ نے بات پھیر دی:

"گورنر میرا کون سا غریب کا آٹھ کیسے خیال آگیا؟"

اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ملکہ نے ہنسنے لگا:
"اب ملکہ ہسپانیہ نہیں آپ اور بطریق اعظم کی محکوم ہوں۔ جو بلائے گا اس کے حضور حاضری دینا
ان کو بطریق نے حاضری کا حکم دیا تھا تو مجھے جانا پڑا اس وقت آپ بلواتے تو میں کیسے انکار کر سکتی تھی؟"
"ایک آپ کو خود بطریق اعظم نے بلوایا تھا؟" گورنر نے تعجب سے پوچھا۔ ملکہ نے اسے سمجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔
ملکہ نے ایک ملکی انگریزانی اور بولی:

"میں میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا مجھے بطریق اعظم کے پاس جانے سے انکار
ہے؟"

گورنر نے کشت میں صراحتی اور دو گلی لے کر آگئی۔

ملکہ ہاں اُٹھنے سے پہلے اسے حکم دے آئی تھی۔ ملکہ نے ممر میں ہاتھ بڑھا کر صراحتی پکڑی اور صاف میں شراب
پئے ہوئے بولی:

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

ملکہ صاف گورنر کی طرف بڑھا دیا۔ گورنر نے سامنے کے جلدی سے صلی میں اٹھ بیٹا۔
آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ ملکہ نے دوسرا صاف بھی گورنر کے ہاتھ میں تھما دیا اور گورنر نے
نہیں دیا۔

ایک توتیر شراب۔ اس پر ملکہ صحن کی موجودگی۔

شراب دوا تہہ بن گئی۔ گورنر کچھ کہنے کو تھا کہ ملکہ نے جلدی سے خالی صاف بھر کر پھر اس کی طرف

بڑھا دیا۔

گورنر نے تین ساغر چڑھائے تو ہر طرف بھول ہی بھول اور گلش ہی گلش نظر آنے لگا۔ گورنر کی نظروں میں عوروں اور پریوں سے بھی زیادہ جیس نظر آنے لگی۔

گورنر سستی کے عالم میں بولا:

"مکہ ہسپانیہ! مجھے صاف کر دیجیے۔ میں آپ کے بارے میں بڑا غلط نظریہ قائم کر چکا تھا۔ بالکل اس کے برعکس ہیں۔ آپ کتنی اچھی ہیں۔ کتنی..... گورنر کہنے کہتے سنبھلا۔ مکہ نہیں کر بولی:

"منہ میں آئی ہوئی بات مردود کا نہیں کہتے۔ آپ بات پوری کیجیے۔

گورنر کی ہمت بڑھی۔ اس نے حوصلے کا اظہار کیا:

"میں اگر آپ کی تعریف کروں تو آپ کی ناکواری تو نہ گزرے گا:

دل سے تعریف کی جائے تو ناکواری نہیں گزرتی۔"

مکہ گورنر کے ذرا قریب کھسک اُٹی۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں۔ بہت حسین ہیں۔ گورنر نے آخر کبھی ڈالا۔

مکہ نے بناوٹی شرم سے نظریں جھکا لیں۔ بولی:

زات کو یہی بات بطریق اعظم نے بھی سنی تھی تو مجھے اس پر سخت غصہ آیا تھا لیکن آپ..... آپ میں لڑا۔

میں بڑا فرق ہے۔ اس عمر میں ان کے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ انھیں شرم آتی جا رہی ہے۔

"وہ بوڑھے بڑا ذلیل، بڑا کمینہ ہے۔ مکہ کی شہ باک گورنر پھٹ پڑا:

"میں چاہتا ہوں اس کو اس کی گستاخی کی سزا دوں۔ اس کی زبان کھینچ لوں۔

"نہ نہ۔ اب اسلادہ نہ کیجیے۔

مکہ نے گورنر کو سمجھایا:

جنگ سر پر منڈلا رہی ہے۔ اس وقت خانہ جنگی کسی طرح مناسب نہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں اس کے

ہنگامے نہ چلنے دوں گی۔"

گورنر کو مکہ کی باتوں میں رغبت اور اپنا بیٹ محسوس ہوئی تو وہ سنجیدگی سے بولا:

"میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

مکہ نے آہستہ سے گورنر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ گورنر کے جسم میں بجلی سی کوئی نہ تھی۔

ملنے لگا:

گورنر آپ کو کہنے کی ہزرت نہیں۔ میں محبت کی نظر بھیجی تھی ہوں۔ مجھے شہنشاہ راڈرک کی موت کا اب پوری طرح

پتہ چلا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی لایمیں خود بنانا ہیں۔ پیسے میں سوچتی تھی کہ بقیہ زندگی راڈرک کے ناکیر گزار

دیں لیکن زندگی جذبات کے سارے نہیں گزارا کرتی۔ آپ ہی تھکیے میں اپنی جوانی آخر راڈرک کے غم میں گھل گئی

کیوں گزاروں؟

تھک ہے غم کی ایک حد ہوتی ہے۔ گورنر نے ماں میں ہاں ملائی:

اب ابھی جوان ہیں۔ خوبصورت ہیں۔ آپ کی خدمت کے لیے ہزاروں دل و جان سے تیار ہو سکتے ہیں۔

ماں گورنر نے مکہ نے ایک مکارانہ ٹھنڈی ماسی بھری:

نہیں یہی سوچ رہی ہوں۔ مجھے اب کوئی مضبوط سہارا ڈھونڈنا پڑے گا۔ ایسا سہارا جو.... غم لم

ہو نہ سے میری جان بچا سکے۔ سلمان میری جان کے دشمن ہیں۔ مجھے پاتے ہی قتل کر دیں گے۔

اگر آپ مجھ پر اعتماد کریں تو میں آپ کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں۔ گورنر نے فوراً پیش کش کی۔

ماں گورنر:

مکہ کو اس پیش کش کا انکار تھا:

"آپ میری حفاظت کر سکتے ہیں۔ آپ جیسے مضبوط ہاتھوں ہی میں، میں اپنی بقیہ زندگی آرام و سکون سے

زیر نگاہ ہوں۔

گورنر اتنا خوش ہوا کہ اس کا ناپچنے کو دل چاہا۔ اسے مکہ کی باتوں کا یقین نہ آ رہا تھا۔ آخر پوچھ ہی بیٹھا:

"تو کیا مکہ ہسپانیہ محبت کے اس رشتہ کو شادی میں بدلنے کے لیے تیار ہیں؟

نہیں نے یہ فیصلہ کیا ہے گورنر! مکہ نے اسے یقین دلایا۔..... لیکن ذرا ٹھہر کر اصل مقصد کی

لانا غارہ کیا:

"گورنر۔ میں آپ سے شادی کر کے یقیناً خوش رہوں گی لیکن اس میں ایک قباحت ہے۔

کیا قباحت ہے؟ گورنر کی امیدوں پر اس پرٹنے لگی۔

مکہ بڑے پیار سے بولی:

گورنر۔ میں جنگیں دیکھتے دیکھتے تنگ آ گئی ہوں۔ اب مزید کوئی جنگ دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ میں چاہتی

ہوں کہ آپ مجھے اپنے کسی ایسے بااتماد آدمی کے پاس بھجوا دیں جہاں میں اس وقت تک آرام سے رہوں جب تک آپ

میں سے ناراض ہو کر میرے پاس نہیں پہنچ جاتے۔ آپ آجائیں گے تو میں شادی ہو بہا کرے گی۔"

آپ کا مطلب ہے کہ میں آپ کو میری اسے کسی طرح نکال کے کسی محفوظ جگہ بھیج دوں گا گورنر نے وضاحت طلب کی۔
بالکل :-

اور اب مکہ کھٹے کھٹے گورنر کے برابر پہنچ گئی تھی:
دیکھیںنا جنگ کے سگامے میں کوئی چیز ایچی نہیں گئی۔ میں آپ کے کسی دوست کے پاس رہ کر انتظار کروں گا۔

حکمر نے اپنا ہاتھ گورنر کے خانے پر رکھ دیا۔
گورنر میری ملک ہسپانیہ کی محبت میں پوری طرح گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ حکمر کے جس منصوبہ کو منظور قرار کیا کہ موقع پاتے ہی وہ اسے قلعے سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دے گا۔

حکمر اور گورنر میری اہم جہنم کا ساتھ دینے کے عہد و پیمان ہو گئے گورنر دماغ سے اٹھا تو گورنر سب سے خوش نصیب انسان سمجھ رہا تھا۔

تین دن گزر گئے۔

قلعے کی طرف سے کوئی سفارت نہ آئی۔ موسیٰ بن نعیر اور زیادہ انتظار نہ کر سکتے تھے۔ راضوں نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور دو دن بعد حملے کا فیصلہ کیا گیا لیکن جس دن موسیٰ نے یہ فیصلہ کیا اس کے دوسرے ہی دن قلعہ کا لشکر قلعے سے باہر نکل کر خود موسیٰ پر حملہ آور ہو گیا۔

قلعے والوں نے تین دن مسلمانوں کی طرف سے حملے کا انتظار کیا۔ جب ان پر حملہ نہ ہوا تو وہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمانوں نے سے خائف ہیں۔ اس ملک انہی نے انھیں پس کرنے پر آمادہ کیا۔

ہسپانوی حملے سے پہلے قلعے کے اندر بطریق اعظم اور گورنر میریڈا کے درمیان بڑی توڑ توڑ ہوئی اور ہوئی۔ گورنر کھلے میدان میں لڑنے کا مخالف تھا۔ بطریق اعظم پہلے ہی دن سے باہر نکل کر مقابلے پر زور دے رہے تھے۔ مسلمانوں کے حملہ نہ کرنے کا اسے شائبہ نہ مل گیا۔ اس نے قلعے کے دوسرے سرداروں کو اپنے ساتھ لایا۔ گورنر مجبوراً اپنے سرداروں کی رائے سے اتفاق نہ کر پڑا۔ اس طرح ہسپانیہ کے ایک اچھے لشکر نے مسلمانوں کے آگے کی غلطی کی۔

پچھلے دن عیسائیوں نے زبردست حملہ کیا۔ کوئی اور قوم ہوتی تو اس کے قدم اکھڑ جاتے لیکن مسلمان عیسائیوں نے نکلے تھے۔ ان کے پاس عیسائیوں جیسا اعلیٰ اسلحہ نہ تھا مگر قوت ایمانی تھی۔ وہ شامک اپنے ہاتھ سے اس حملے کو روکتے رہے۔ پھر اندھیرا پھیل گیا۔ عیسائی لشکر قلعے میں واپس چلا گیا۔ موسیٰ کو اپنے سے اس حملے کا قطعی امکان نہ تھا۔

عیسائی حملہ آور ہونے اس وقت اسلامی لشکر کی اچھی طرح صف بندی بھی نہ ہوئی تھی۔ پھر مسلمانوں نے عیسائی کے ساتھ شامک ان کا مقابلہ کیا۔

پچھلے دن موسیٰ بن نعیر نے پہلے تو افعت کی پھر اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ مسلمان آگے بڑھے تو پھر انشایدید ہو گیا۔ ان کا زور پہلے دن کی بہ نسبت کم رہا۔ اس روز بھی لڑائی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن باطل ہو گیا کہ میدان میں مسلمانوں پر حاوی آنا ناممکن ہے۔

پچھلے دن قلعے والے باہر نہ نکلے۔ عیسائی لشکر تفصیلات پر چڑھا دن بھر مسلمانوں کو دیکھتا رہا۔ وہ پہلے دن زبردست حملہ کیا۔ پھر پھینکے اور تیر برساتے وہ تفصیلات تک پہنچ گئے لیکن تفصیلات بہت اونچی اور مضبوط تھیں اور نہ چڑھ سکے۔

بطریق اعظم اور عیسائی سردار جنہوں نے گورنر میریڈا کو میدان میں نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے پر مجبور کیا۔ اپنی اپنی جگہ شہر بندہ تھے۔ میدان لڑائی میں کئی عیسائی ہدیل اور سوار مارے گئے تھے۔ بطریق اعظم لوگوں کی نظروں میں گھٹ گیا۔ اب لوگوں کی نظر میں گورنر میریڈا پر لگی تھیں۔ وہی ان کا ہیرو تھا۔ قلعے کو وہی

گورنر میریڈا نے محسوس کیا کہ قلعے کو زیادہ عرصہ مسلمانوں سے نہ بچایا جاسکے گا۔ اس نے اپنے سرداروں کو غرور دیا۔ سردار پہلے ہی سے صلح کے خواہشمند تھے۔ شرائط صلح پر گفتگو ہوئی۔ ایک وفد موسیٰ بن نعیر کے پاس گیا۔

برسات کا وقت تھا۔ موسیٰ بن نعیر کے خیمے میں ایک شمع ٹٹھار ہی تھی۔ وہ چٹائی پر بیٹھ اپنے سرداروں سے باتیں کر رہے تھے۔ میریڈا نے خیمے میں بلوایا۔

ان کا خیال تھا کہ اسلامی سردار اعلیٰ کا خیمہ مالینان اور پربت کوہ ہو گا لیکن جب انھیں دربار میں بیٹھا ہوا یہ سفید دار بھی اور سفید بالوں والا موسیٰ بن نعیر سردار اعلیٰ کا عکس اسلامی ہے تو وہ

گورنر نے زمی سے پوچھا:
”ہو ہوا کیا۔ تم نے کیا دیکھا وہاں؟“
ایک ہمت کر کے بولا:

”وہ جہنم میں۔ بھوت ہیں۔ اپنی صورت بدل لیتے ہیں۔ بوڑھے سے جوان بن جاتے ہیں۔
گورنر کی تعجب میں نہ آیا:

”تیس دھکا ہوا ہو گا۔ کہیں بوڑھا بھی جوان ہو سکتا ہے۔“
دوسرے نے گورنر سے سوال کیا:

”اپنے موسیٰ بن نعیر کو دیکھا ہے؟“
”ہاں دیکھا ہے۔“

گورنر نے کئی بار موسیٰ بن نعیر کو دیکھا تھا۔ موسیٰ بن نعیر اصل میں پرچم لیے لشکر کے آگے آگے ہوتے تھے۔ فصیل کے
سے ہی اس نے موسیٰ کو دیکھا تھا۔

موسیٰ کی ٹکٹھی ہوئی گورنر صاحب۔ وفد کے اسی رکن نے گورنر سے دوسرا سوال کیا۔
گورنر سوچتے ہوئے بولا:

”مگر اسی کی داڑھی بالکل سفید ہے۔ بوڑھا آدمی ہے۔
آؤ نے کہا:

”وہاں کل رات تک وہ بوڑھا تھا۔ اسی کی داڑھی سفید تھی اور سر کے بال بھی سفید تھے لیکن اب وہ جوان ہو
اے۔ ہٹا گیا جوان۔ سیاہ داڑھی والا۔“

”دوسرے نے تصدیق کی:

”یہ بالکل سچ ہے۔ کل رات کو وہ بوڑھا تھا۔
تیسرا بولا:

”میں ادب و محبت صورت بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ سب جہنم میں۔ موسیٰ نے کہا ہے کہ کل تک اسی
گورنر کو یہی تو پھر شروع ہو جائے گا۔“

گورنر کو یہی تو پھر شروع ہو جائے گا۔ اس کا دقتار لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا۔
گورنر نے سب سے پہلے تعجب کیا:

”گورنر نے سب سے پہلے تعجب کیا:

موسیٰ نے وفد کے ارکان سے بڑی نرمی سے گفتگو کی۔ قلع والوں نے قلعہ حوالے کر کے کیڑ
سخت رکھی تھیں۔ موسیٰ نے اعتراض کیا اور اس میں ترمیم پیش کی۔ وفد اعتراضات اور ترمیم کے ساتھ
دوسری صبح گئے کا مددہ کر گیا۔

قلعہ میں رات بھر موسیٰ کے اعتراضات پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر پہلے صلح نامہ کے بجائے دوسرا
صبح ہوتے ہی وفد پھر موسیٰ بن نعیر کی رفاقت گاہ پہنچ گیا۔

وہی ضیہ، وہی چٹائی لیکن سفید داڑھی اور سفید بالوں والے بزرگ صورت موسیٰ بن نعیر کے بدلے
وقت ایک جوان آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی داڑھی بھی سیاہ تھی اور سر کے بال بھی کالے تھے۔ اسی جوان کو
موسیٰ بن نعیر سے ضرورتی جلتی تھی۔

وفد کے ارکان حیران و پریشان اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ نیا صلح نامہ پیش ہوا۔ شرطیں اب بھی
جوان نے صلح نامہ پڑھ کر نوب جوبلین اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کی طرف بڑھا دیا۔ انھوں نے بھی ان شرطوں
اور انہار مارا تنگی کیا۔

وہ دراصل موسیٰ بن نعیر ہی تھے۔ انھیں خضاب لگانے کا شوق تھا۔ گزشتہ شب انھوں نے وفد کے
بعد داڑھی اور سر کے بالوں کو پہلے مرغ خضاب لگایا پھر سیاہ خضاب لگا کر کالا کر لیا۔ وفد کے ارکان
یہ معجزہ آسکا۔

موسیٰ نے وفد کو صلح نامہ واپس کر دیا اور اعلان کیا:

”صلح صرف ان شرطوں پر ہو سکتی ہے جو کل ہم نے لکھ کر دی تھیں۔ گورنر سے کہہ دیا جائے کہ اگر لگا
جواب نہیں ملتا تو گلے کا آٹا ذکر دیا جائے گا۔“

وفد پیپ چاپ قلعہ میں واپس پہنچا۔ قلعہ کے اندر پہنچتے ہی انھوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔
چیخ کر کہہ رہے تھے:

”مسلمان جن بھوت ہیں۔ وہ اپنی صورتیں بدل سکتے ہیں۔ ان سے لڑنا بیکار ہے۔ جتوں جتوں سے
لڑ سکتا ہے۔“

یہ غور پورے قلعہ میں چلا گیا۔

ہر طرف یہی چرچا تھا۔ مسلمان صورت بدل سکتے ہیں۔ یہ جہنم میں۔ گورنر میرٹھا کے پاس وفد کے
کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ خبر پہنچ گئی۔ جس نے سنا وہ حیران رہ گیا۔

وفد کے ارکان گورنر کے پاس پہنچے تو وہ بری طرح خوفزدہ تھے۔ ان کے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔

کہاں تو بطریقِ اعظم، گورنر کو حکم دیا کہ گورنر کے ہر فیصلے کو قبول کرنا تھا۔
بطریقِ اعظم خود اپنی جان تک فکر پر لگی تھی۔ مسلمانوں کی شہادت اور دلیوری کا اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے
یقین تھا کہ میرٹھ والے دو چار دن سے زیادہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔
گورنر نے کہا:

ہمارے پاس کل تک کی مہلت ہے۔ اس مسئلے میں بہت غور و فکر کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فیصلہ
سناؤں گا۔
گورنر نے مجلسِ برخواست کر دی۔

مکہ سپانیہ بڑی بے چینی سے گورنر کا انتظار کر رہی تھی۔ جب سے اس نے سنا تھا کہ کل سے مسلمان پھر
میرٹھ کو دیں گے، اسے کچھ لگ گئے تھے۔ اس نے کئی بار ارادہ کیا کہ خود گورنر کے پاس جائے اور اس سے
میرٹھ کو لے لیکن کچھ تو بطریقِ اعظم کا خوف اور کچھ غرور حسن اس کے قدم کھٹے ہوئے تھا۔

گورنر کے آنے کی اطلاع ملی تو اس کا دل خوشی سے پھولنے لگا۔ خود دوش کمر محل کے دروازے پر
مقابل کے لیے کھڑی۔ بڑی محنت اور سکھاپٹ سے اسے خوش آمدید کہا لیکن گورنر تفکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ مزے داروں
کے بھانے اس کی عقل گم کر دی تھی۔

ملکہ نے بے دھرم گورنر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور اسی طرح اسے لیے ہوئے اپنے خاص کمرے میں
لے گئی۔

جوان عورت کی قربت اور کوہِ ارفہ کہہ دیتی ہے۔ گورنر پریشانی اور فکر کے باوجود اس قربت کو محسوس
کیے بغیر نہ رہ سکا۔

گورنر میرٹھ کے مسکرا کر کہا
ملکہ سپانیہ: وقت آ پہنچا ہے کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں۔

ملکہ کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری تھی جو بات بوجھنے اور کہنے کے لیے وہ گورنر سے ملنے کے لیے تڑپ رہی
تھی۔ وہ بت گورنر نے بغیر پوچھے کہ دی تھی۔ اب ملکہ کے لیے پوچھنے کو کیا رہ گیا تھا۔

ملکہ اپنی لابی شکلیں زلفیں گورنر کے شانوں پر لہراتے ہوئے بولی:
"گورنر۔ اب مجھے ملکہ سپانیہ نہ لہا کرو۔"

ملکہ کے بدن سے اٹھتی ہوئی جوان خوشبو سے گورنر مت ہو گیا اور بولا:
"پھر کیا لہا کروں آپ کو؟"

"جو تمہیں لہنا چاہیے۔" ملکہ نے اٹھا کر کہا۔
"آپ کا نام لے کر پکارا کروں؟" گورنر نے جیسے مدہوشی کے عالم میں پوچھا۔

"عرف لونا۔"
ملکہ سپانیہ کی مانت تیز ہو گئی۔

ملکہ کو قتل کرنے کا شاطر بنا دیا تھا۔ وہ اسی وقت انتہائی کامیاب ادکاری کر رہی تھی۔ اس کا مقصد گورنر کو اپنی

میرٹھ کا گورنر تذبذب کے عالم میں گرفتار تھا۔ اسے صلح و جنگ کے پورے احتمالات حاصل ہو چکے
فیصلہ کرتے ہوئے وہ گھبرا ہوا تھا۔ جنگ کا نتیجہ اسے معلوم تھا۔ فوج میں بدلی پھیل گئی تھی اور ہر ایک کا ہوا
تھا۔

گورنر کو یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمانوں کا یہ لشکر جس کی مرداری موسیٰ بن نعیر کے ہاتھ میں ہے، ایسا لشکر
ہے جس کا سردار طارق بن زیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سرزمینِ سپانیہ پر اس وقت مسلمانوں کے دو لشکر
لشکر موجود ہیں۔ جب وہ صلح کے مسئلے پر غور کرتا تو سب سے پہلے اسے ملکہ سپانیہ کی بھینکنا (جی ٹوٹا) سے کچے ہونے
وعدے کا خیال آتا۔ اس نے ملکہ کو میرٹھ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ملکہ کے دل میں نہ جانے
نے یہ خوف بٹھا دیا تھا کہ مسلمان اسے گرفتار کرتے ہی قتل کر دیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کا رویہ گرفتار شدہ گانہ
شاہی خاندان کے امیروں کے ساتھ انتہائی روادار تھا۔

طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نعیر دونوں سردارانِ اسلام گرفتار ہونے والے امیروں کو زیریں اور شاہی
سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے بڑی عزت سے پیش آتے۔ ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہوتا تھا۔
گنہگار کے ان پر اور کوئی پابندی نہ تھی۔

گورنر نے آخر فیصلہ کیا:
"میں ملکہ سپانیہ کو ضرور بچاؤں گا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پھر بلا توقف اس نے اٹھ کر ملکہ کے
کارخ کیا۔

گورنر نے جس دن ملکہ سے وعدہ کیا تھا اسی دن سے وہ ملکہ کے فرار کے انتقام میں معدنِ بھینک
اس نے اپنے خیال میں دنیا میں قتل انتقام کر لیا تھا جس میں کامیابی کے سرچشمہ امکانات تھے۔
ملکہ سے کچے ہوئے وعدے کے علاوہ گورنر کو یہ بھی امید تھی کہ اگر ملکہ صلح سے بچ کر لڑائی میں نہ

محبت بلکہ بے پناہ محبت کا یقین دلانا تھا۔ بیان نہ کہ وہ قلعے سے خزا کے مسلے میں آج اپنا ناما اور قمار لڑا پر بھی آمادہ تھی۔

اس کی ہر حرکت اور ہر بات ہر دنگ کی دعوت دے رہی تھی۔
گورنر میرٹھ بھی پیسے بھروسے لگانا واداکا نشانہ، شراب سے کہیں زیادہ تیز ہوتا ہے۔
گورنر شرابیوں جیسے لیجے میں ہوا:

”تو نہ تیار ہو جاؤ۔ پہلی رات گزرنے پر تمہیں قلعے سے فرار ہونا ہے۔“
ملکہ خونی سے دلوائی ہو گئی۔

اس نے پاؤں خود کو گورنر کے سپرد کر دے لیکن خوراک منہ لگتی۔ مری نظرت سے وہ خوب واقف تھی۔
”کیسے یہ غریب نہ ہو۔“ ملکہ کو معاذ خیل کیا کہنے لگا:

”اگر میں جان بچا کر نکلی گئی تو یقین کر دو کہ زندگی بھر تیار انتظار کروں گی۔ کسی اور مرد کا منہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“
ملکہ نے کہا:

”جو گالیکیں۔“
”لیکن کیا۔۔۔۔۔“ گورنر نے گھر اک سوال کیا۔
”لیکن چاندنی رات ہے۔“ ملکہ نے خدشے کا اظہار کیا۔

گورنر نے اس کا نشانہ عقب تھپتھپاتے ہوئے کہا:
”تو زاریہ خطرہ تو کم کو مل لینا ہی پڑے گا لیکن آج زیادہ خطرے کا امکان نہیں۔ مسلمانوں کو امید ہے۔“

صبح تک صلح کر لیں گے۔ اب انھیں ہماری زیادہ فکر نہیں۔ میرا علم تمہیں جس راستے سے لے جائے گا راجدھانی کا پہرہ بھی کہے۔

ملکہ نے خطرے کا اظہار تو بس یونہی کر دیا تھا ورنہ وہ تو جان بچانے کے لیے احمد سے بھی زیادہ خطرہ پر آمادہ ہو چکی تھی۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گورنر نے اگر اس سے تعاون نہ کیا تو وہ خود قلعے سے بھاگنے کی کوشش کرے۔
خولہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

خولہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

خولہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

خولہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

پتہ تھا۔

تشن کا تیرا۔

جن کا تاب لانا مشکل تھا۔ ملکہ نے اپنا گھوڑا اس طرح گمایا کہ اس کا چہرہ چاند کے سامنے ہو گیا۔ جوان عمر سوار
بہن خرو ہو گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک چاند اور نکل آیا ہے۔

اپنے کون میں خاتون؟ "سوار لڑکھڑائی آواز میں بولا۔ ملکہ کے صحن کا جلاوا اثر کر گیا تھا۔

تم کون ہو؟ "ملکہ نے بڑی دعوت سے کہا۔ اس کے رعب میں بھی نغمی گئی ہوئی تھی۔

میں..... میں مسلمان سردار ہوں۔ سوار نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔

اور میں عیسیٰ ہوں۔ ملکہ، جوان عمر سوار کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

مسلمانوں کے متعلق اس کا یہی خیال تھا کہ وہ وحشی صورت اور خونخوار طبیعت کے مالک ہوتے ہیں لیکن سوار کا
بلند کی طرح دمک رہا تھا۔ اس کے چہرے سے نہ وحشت اور نہ کسی قسم کی خونخواری ظاہر ہوتی تھی۔

ملکہ کے جواب نے سوار کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس کی غلط تعلیم یافتہ اور مذہب ہے۔ سوار بولا:

اگر آپ ہمیں صحیح شناخت نہ کرائیں گی تو ہم مجبوراً آپ کو حراست میں لے لیں گے۔

ملکہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اسے خیال ہوا کہ اگر اس نے بتانے میں نال موٹ کی تو اس کا مہربان جہانڈا پھوڑ دے
والے کیا:

نہیں پہلے ہی تمہارے قبضے میں ہوں سوار لیکن عورت پر سختی کرنا کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔

سوار پریشان ہو گیا۔ جلدی سے بولا:

مختر خاتون۔ میں نے آپ پر سختی نہیں کی۔ اگر آپ کو میرا جبرناکوار گزارا ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔ عواہن کا
مذہب مسلمانوں پر فرض ہے۔

ملکہ نے سوار کو اپنے صحن سے متاثر دیکھ کر کہا:

سوار میرا تعلق ہسپانیہ کے ایک انتہائی معزز گھرانے سے ہے۔ اس سے زیادہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔

ابھی تک ایسے سردار کے پاس لے چلو جو ذمے دار ہو اور میرے حالات سن کر فیصلہ کر سکے۔

کالسنے ہنسی کہا:

خاتون، آپ کی باتوں سے ہی ہر ہوتے ہے کہ آپ کا تعلق قلعے کے حاکم گھرانے سے ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو نہ

پتہ ہو۔

نہیں نہیں۔ ملکہ نے دخل دیا: "میرا تعلق گورنر میریڈا سے ہرگز نہیں۔ میں ان سے بہت بلند ہوں۔"

ملکہ گھوڑے کو ایڑ لگانے والی تھی کہ فیصل پر کچھ شور ہوا اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کھلی ہوئی چاندنی
نوار میں فیصل پر چم رہی تھیں۔

ملکہ کا جسم خون سے لرز اٹھا مگر دیکھنے اور سمجھنے کا وقت نہ تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر
لے کر اڑا۔ غلام اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

ملکہ ہسپانیہ، قلعے سے تو اپنی جان بچا کر نکل آئی تھی لیکن اس کے بھاگ اب بھی اس کے سرخرو
نٹوری دور پہنچی تھی کہ اسے اپنے دائیں بائیں کچھ اور سوار بھی بھاگتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ملکہ کے جسم پر

گیا۔ سوار دم بدم اس کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اب اسے نظر آنے لگے پانچ سوار بائیں طرف اور پانچ
سے اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی لیکن یکا یک سوار اس سے

پہنچ گئے۔

دک جادو۔ ملکہ کے کان میں ایک رعب دار آواز آئی۔

ملکہ کو لگا میں کھینچا پڑیں۔ گھوڑا رک گیا۔ ملکہ کا دل بیٹھنے لگا۔

ایک جوان گھوڑا بڑھا کر ملکہ کے قریب گیا۔

تیز گھوڑا بھاگنے کی وجہ سے ملکہ کے بال کھل کر شانوں پر بکھر گئے تھے۔ جوان عمر سوار کو یہ سمجھ گیا
ہوئی کہ گھوڑے پر مرد کے بندے کوئی عورت سوار ہے۔

"خاتون! جوان عمر سوار اخلاق سے بولا:

"اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ قلعے سے فرار ہو کر آ رہی ہیں۔"

سوار کا لہجہ بڑا نرم اور دگدگاتا تھا۔ ملکہ نے سوچا جس کا لہجہ اتنا نرم ہے اس کا دل بھی نرم ہو گا۔

کہ اپنی اصلیت بیان کر دے لیکن جوان بہر صورت مسلمان تھا۔

ملکہ ڈر گئی۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

ملکہ کا مہربان گھبرا گیا۔ اس نے خیال کیا کہ ملکہ کہیں جھوٹ بول کر جان بچانے کی کوشش نہ کرے۔
جھوٹ سے بڑی چڑ تھی۔ وہ جھوٹے کو معاف نہیں کرتے تھے۔

غلام نے جرات کر کے اٹھان کیا:

"مسلمان سوار نے صحیح اندازہ نہ کیا۔ قلعے میں ہماری زندگی کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس لیے ہم
آئے ہیں۔"

ملکہ نے دیکھا کہ بات تو اب کھل ہی گئی ہے۔ جو کچھ ہو گا وہ تو ہو گا لیکن وہ ہتھیار کیوں ڈالے۔ اس کے

مسلمان سوار کو محسوس ہوا کہ اس کی مخاطب خواہ مخواہ ڈرہنگ مار رہی ہے اور اسے محبوب کر رہی ہے کہ رہی ہے۔ اس نے بھی دعب ڈالا:

”خاتون! آپ اپنی شناخت کرائیے۔ میں آپ کے تصور سے بھی بڑا، ذمے دار مسلمان مردار ہوں؛ ملکہ ہسپانیہ بڑے عجب سے باتیں کر رہی تھی لیکن اب سوار اتنی تکلف سے بولا کہ ایک بار گزرا رہ گئی کہ یہ سوار کون ہو سکتا ہے؟

موسیٰ بن نعیر؟

نہیں۔ وہ تو بوڑھا ہے۔

کیا یہ نواب جولین ہے؟

ہرگز نہیں۔ جولین کو وہ شاہی دربار میں دیکھ چکی تھی۔

ملکہ نے ہوا میں تیر چلایا:

”اسلامی لشکر میں حرف دو با اختیار مردار ہیں۔ ایک موسیٰ بن نعیر اور دوسرا ہسپانیہ کا باغی مردار؛

تم ان دونوں میں سے کوئی نہیں۔ پھر میں تمہیں کیسے ذمے دار گھروں؟

سوار کو جیسے غصہ آگیا۔ اس کی آواز سخت ہو گئی:

”میں موسیٰ بن نعیر نہیں۔ موسیٰ بن نعیر کا بیٹا عبدالعزیز ہوں۔ اسلامی لشکر میں موسیٰ بن نعیر کے بعد

زیادہ کوئی اور با اختیار نہیں۔“

ملکہ کو پسے چکر آیا تھا اب اس پر غشی سی طاری ہونے لگی۔۔۔ یہ وقت غشی کا نہ تھا۔ ملکہ نے فوراً

جلدی سے گھوڑے سے اتری اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

حسن پرست عبدالعزیز کو حسن کی یہ تو بین پسند نہ آئی۔ بولا:

”خاتون! آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔“

ملکہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے غظروں کے ترچھے تیر اچھلے:

”جب تک آپ مجھے معاف نہ کریں گے میں گھوڑے پر سوار نہ ہوں گی۔“

عبدالعزیز کو ملکہ کی یہ ادا اور بھاگتی:

”خاتون! آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔ معافی کسی بات کی؟“

”تو آپ نے مجھے معاف کر دیا۔“ ملکہ نے عشوہ طراز انداز میں کہا۔

پھر گام سنبھالی۔ رکاب میں پیر ڈالا اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے بولی:

”اسلامی لشکر کے خور و مردار عبدالعزیز کا ملکہ ہسپانیہ تہ دل سے شکر یہ ادا کرتی ہے؟“

ملکہ گھوڑے پر سوار ہو گئی لیکن عبدالعزیز کے ہاتھ سے جیسے لگائیں لگی گئیں۔ وہ مہموٹ ہوا اور مبت بنا

ہسپانیہ کو تک رہا تھا۔

عبدالعزیز کے ماتھی بھی اس انکشاف پر بہت حیران تھے۔

جوان مال عبدالعزیز کہ ہوش آیا تو بولا:

”ملکہ ہسپانیہ کو اگر میرا بھائی ناگوار گزرا ہو تو میں اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ میرے ساتھ

رہیں تشریف لے چلیے۔ آپ کے عزت و احترام میں کوئی فرق نہ کرنے دیا جائے گا۔“

ملکہ صبح باری طرح مسکرائی:

”آپ لشکر میں لے جا کر مجھے قتل تو نہ کر دیں گے؟“

ملکہ کو عبدالعزیز کے مرتبے کا احساس ہو گیا تھا اس نے تم کے لفظ کو آپ میں بدل دیا۔

”ہرگز نہیں۔ ہم شاہی خاندان کی خواتین کو قتل نہیں کیا کرتے۔“ عبدالعزیز نے ملکہ کا خوف دور کرنے

کوشش کی:

”مرد توں پر ہاتھ اٹھانا یوں بھی ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔“

ملکہ کو اطمینان نہ ہوا:

”مجھے تو ہی بتایا گیا ہے کہ مسلمان میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں میں اسی لیے شہر شہر اور قلعے قلعے

تار جڑ رہی ہوں۔“

”آپ کو خدا اطلاع دی گئی ہے ملکہ ہسپانیہ۔“ عبدالعزیز نے وضاحت کی:

”ہم عزت اپنے خلاف تلوار بلند کرنے والوں سے لڑتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔“

”آپ فرماتے ہیں تو یقین کیسے لیتی ہوں ورنہ دل قبول نہیں کرتا؛ ملکہ، عبدالعزیز کی آنکھوں میں آنسو گھس

نے اسے برابر سحر کر رہی تھی

عبدالعزیز نے کہا:

”حمی نہ امیر ہو تا ہے نہ قتل حسن تو حکومت کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ دلوں پر حکومت!“

عبدالعزیز نے ملکہ ہسپانیہ ارڈر کی بیوہ کی محبت میں پہلا قدم کھیا۔

پھر۔

”خاندان کے منتشی کی رنگین وادی میں اس کا قدم آگے اور آگے بڑھتا گیا۔“

کے بیچ اپنے جاسوس لگا رکھے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے گورنر کے جاسوس بطریق کے محل میں مقوف تھے۔ جاسوس
ایک طرح پتہ لگ گیا کہ گورنر آج یا تو قلعے سے خود بھاگنا چاہتا ہے یا کسی کو بھاگانے کا انتظام کر رہا ہے۔ یہ خبر
بطریق اعظم کو پہنچائی گئی۔

صبح ہوئی۔

میرٹھ کے قلعے کا دروازہ کھلا۔ بطریق اعظم، قلعے کے دوسرے سرداروں کے ساتھ موسیٰ بن نعیر کے پاس

حاضر ہوا۔

موسیٰ نے اپنے پاس ہی بطریق کو جگہ دے کر اس کی عزت افزائی کی۔ بطریق اعظم نے قلعے کی چابیاں موسیٰ بن
کے سامنے رکھ دیں۔ بولا:

اے لشکر اسلام کے مالدار علی۔ آپ کی شرائط ہمیں منظور ہیں۔ میری اور میرے سرداروں کی جان بچا کر
جاری کیجیے۔

موسیٰ بن نعیر نے بطریق کو گھوڑا تیز لے کر پوچھا:

"صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لیے میرٹھ کے گورنر کو آنا چاہیے تھا؟

بطریق نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا:

"اے سالار۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرٹھ کے گورنر نے پچھلی رات قلعے سے فرار ہوئے۔
کی اس کوشش میں وہ محافظوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ قلعے کے تمام سرداروں نے مجھے گورنر متنبہ کر لیا اور
صلح نامہ کی تصدیق کے اختیارات دیے ہیں۔"

"ہمیں یہ سن کر افسوس ہوا" موسیٰ نے افسردگی سے کہا:

"اس نے صلح نامے کی بیکار کوشش کی۔ ہم توفیق کے بعد ہر حکم کو اس کے علمبرے پر بحال کر دیتے ہیں۔
صلح نامہ مکمل ہو گیا۔"

مسلمانوں نے میرٹھ کے قلعے پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ سوائے شاہی خزانے کے کچھ اور چیزیں کو ہاتھ نہ لگا۔
سبکی جان بخشی کی گئی۔ مہینداروں کی زمین کاشت کاروں میں تقسیم کر دی گئی۔

موسیٰ بن نعیر نے میرٹھ میں مسلمان حفاظتی دستے تعینات کیے۔ موسیٰ بن نعیر کے ساتھ افریقہ سے
مسلمان علماء و فضلاء کی ایک معتدبہ تعداد اشاعتِ اسلام کے لیے آگئی تھی۔ موسیٰ جو قلعے و شہر فتح کرنے

علاوہ ان کی مرضی کے مطابق آباد کر دیتے۔
گورنر میرٹھ کے قتل کی خبر تو فیض بھی لیکن بطریق اعظم نے اس کا صحیح پس منظر نہ بیان کیا تھا۔ بطریق

جے گورنر، ملکہ کو ہسپانوی سردار کے پاس میں لے کر فصیل پر پہنچا تو بطریق اعظم حرکت میں آگیا۔ اس نے
جے ٹانڈے کے ساتھ گورنر کو پہنچا دیا۔ ملکہ ہسپانیہ کو جلدی سے فصیل سے نیچے اتر گئی لیکن گورنر برج سے
دلی ہوئی اس دوری کو نہ محول سکا جس کے ذریعے ملکہ اتری تھی، اس سے پہلے ہی بطریق اس کے پاس پہنچ گیا۔
برج میں بندھی ہوئی دوری گورنر کے فرار کا کھلا ہوا ثبوت تھا۔

گورنر نے اپنی صفائی میں کتنے ہی بہانے ترشے لیکن پچ نہ سکا۔ گورنر کے کچھ حمایتی وہاں اکٹھے ہو گئے۔ بطریق
ان کا نظروں اور گورنر کے حمایتیوں میں تھوڑی دیر تلوار چلی جس کے نتیجہ میں گورنر مارا گیا۔

میرٹھ کے گورنر کے مارے جانے کی خبر عبدالعزیز نے ملکہ ہسپانیہ کے خیچے میں پہنچائی۔ ملکہ کو ایک مالی شان
نے میں دکھایا گیا تھا جس میں اس کی ضرورت کی ہر چیز تیار کر دی گئی تھی۔

ملکہ کو اپنے سہرے ہوئے کا قلعہ تھا لیکن عبدالعزیز جس تیزی سے اس کے قریب آ رہا تھا، اس نے بڑی حد تک
اسے مطمئن کر دیا تھا۔ ملکہ کو اپنا مستقبل بڑا شاندار نظر آ رہا تھا۔

صلح کے بعد ملکہ کو گورنر کے محل میں منتقل کر دیا گیا۔ عبدالعزیز صبح وشام باقاعدگی سے دربارِ حسن میں حاضری
دیتا اور محبت کے بھول بار کا وہ حسن میں یقین کرتا۔

یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا۔
موسیٰ بن نعیر نے طویلہ کوچ کرنے کا حکم دیا اور شکرِ اسلام ہسپانیہ کے دارالسلطنت کی طرف آہستہ آہستہ

بڑھنے لگا۔
طابق ہمارا زیادہ اپنے آقا کے استقبال کو طویلہ سے آگے بڑھ چکے تھے۔

موسیٰ بن نعیر کے لشکر کے ساتھ مالی کیفیت کے علاوہ لوٹڈی، غلاموں اور ہسپانیہ کے ریغالیوں کی ایک
بڑا تعداد ہو گئی تھی۔ ان میں گرفتار ہونے والے ہسپانوی سردار، قلعہ دار اور وہ بیگمات تھیں جن کے والی جنگ میں

موسیٰ بن نعیر کے طلیطلہ کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اس نے فتنے کا سر کچنا ضروری تھا۔
 تھامہ اشبیلیہ کی بغاوت کی روداد بیان کر چکا تو موسیٰ بن نعیر نے نواب جوہلین کی طرف دیکھا۔ نواب جوہلین نے
 تھامہ تھادہ موسیٰ بن نعیر کا شیر بھی تھا۔ اس سے پہلے وہ یہ خدمت طارق بن زیاد کے ساتھ انجام دے

نواب جوہلین نے کہا:
 "مردار! معظم! اشبیلیہ میں یہودیوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس فتنہ پر یہ قوم نے عیاں
 بغاوت پر اکسایا ہوگا۔"

موسیٰ بن نعیر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ دلک کر بولے:

"نواب جوہلین! ہسپانیہ میں عیسائی بھی ہیں، یہودی بھی، ہماری نظر میں سب برابر ہیں۔ وفاداری اور غداری
 دونوں کی کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اشبیلیہ میں بغاوت کیوں ہوئی؟ وہاں کا مامک عیسائی تھا۔ ہم نے اسے جال کر دیا
 اور غداری کس نے کی؟ مسلمانوں کا خون اتارا زان نہیں۔ اشبیلیہ سے انتقام لیا جائے گا!"

نواب جوہلین گھبرا گیا

اس نے یہودیوں کے سرالزام تو تینے کی کوشش کی تھی اور یہ حقیقت بھی تھی۔ ہسپانیہ یہودیوں کے ساتھ
 ہونے لگی دروادی برقی۔ انیس عیسائیوں کے استبداد سے پھسکا لادایا مگر یہ تو ممد کی احسان فراموشی ہے
 تھامہ تھادہ افراط۔ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کے خلاف بغاوت ہوئی اس میں یہی احسان فراموشی پوری
 برپا رہی تھی۔

نواب جوہلین کو خاموش دیکھ کر موسیٰ نے کہا:

"نواب جوہلین! ہم یہودیوں کے طرف دار نہیں۔ اشبیلیہ کی بغاوت میں جو بھی ملوث پایا گیا اس کے ساتھ
 دہشت زدگی جائے گی۔"

موسیٰ بن نعیر کے خیمہ میں تھا مگر وہ مردار موجود تھا۔ ان کا جوان بیٹا عبد العزیز بھی حاضر تھا لیکن موسیٰ اس سے
 مخاطب نہ ہوئے۔ انہوں نے دوسرے مرداروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"ہم اشبیلیہ ایک لشکر بھیجا چاہتے ہیں۔ اس کا سرداری کے لیے ہمیں ایک آدمی کی ضرورت ہے جو دہاں ہمارے
 دہان لے۔ یہ ہم بہت ہم ہوگی۔ اگر ہمیں کوئی مناسب اور معقول مردار نظر نہ آئے تو ہم خود اشبیلیہ جاہیں گے۔"
 عبد العزیز کسی طرح میں تھا لیکن موسیٰ بن نعیر کے ایک لفظ کو غور سے سن رہا تھا۔ اس نے سر اٹھایا اور
 بڑبڑایا۔

مارے گئے تھے۔ مکہ ہسپانیہ بھی ان امیروں میں شامل تھی۔
 مکہ کا جبران سب میں بلند تھا۔ اس لیے اس کا احترام بھی اسی طریقے سے کیا جاتا۔ میرزا
 کے دوران اسے گورنر کے محل میں رکھا گیا۔ اب وہ لشکر اسلام کے ساتھ تھی۔ موسیٰ بن نعیر اسے اپنے
 کے جارہے تھے۔

کہتے ہیں کہ عشق اور مشک پیچھے نہیں رہتے۔ یہ لوگوں کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ موسیٰ بن
 کے لڑکے عبد العزیز اور مکہ ہسپانیہ کی میل ملاقات بھی چھپی نہ رہ سکی۔ پچھلے لوگوں میں چھریکوں جہاں
 یہ بات اڑنے اڑنے موسیٰ بن نعیر کے کانوں تک پہنچی۔

موسیٰ بن نعیر جہاندیدہ آدمی تھے۔ جوانی کی سرستیوں سے آگاہ اور عشقی خانہ خواب کی ستم آراؤں
 واقف۔ انہوں نے اپنے عیسائی حلیف نواب جوہلین سے مشورہ کیا۔ نواب جوہلین، مکہ ہسپانیہ کے صہا
 دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ اگر عبد العزیز اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے تو یہ سودا اب اس کے سرے
 مشکل ہی نہیں نامکن ہے۔

موسیٰ بن نعیر نے نادان بیٹے پر سختی کرنا چاہی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ و جدل کی ہنگامہ خیز
 محنت کی آمیزش ہو اور عبد العزیز کا جذبہ جہاد سر پر چلے۔

نواب جوہلین، موسیٰ بن نعیر کی فطری تندی جی سے واقف تھا۔ ذرا سی بات کا جھگڑ بن سکتا تھا۔ نواب جوہلین
 بڑے تدبیر سے لکھایا اور موسیٰ کو سختی کرنے سے باز رکھا۔ موسیٰ ایسے معاملات میں رو رعایت کے بالکل نااہل تھے۔
 نواب جوہلین انہیں ادب سے نہ سمجھتا اور عبد العزیز اور موسیٰ میں چل جاتی تو سخت مزاج اور با اصول موسیٰ ایسے
 کرنے سے بھی گریز نہ کرتے

بات طلیطلہ پہنچنے تک ٹل گئی۔

طلیطلہ ابھی ایک منزل سے بھی زیادہ دور تھا کہ جنوب سے ایک تیز رفتار قاعد نے ان کو یوں
 اشبیلیہ میں بغاوت ہو جانے کی خبر دی۔

موسیٰ بن نعیر نے اشبیلیہ کو فتح کرنے کے بعد دہاں کچھ مسلمانوں کو آباد کیا تھا اور ایک خانہ جنگی
 ہسپانیہ میں یہودیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ وہ ہر شہر اور قلعے میں موجود تھے۔ عیسائیوں نے ان کا ہلکا
 کر رکھا تھا۔ مسلمان سپہ سالار انہیں سکون دیا۔ عیسائیوں کے ظلم و ستم سے آزاد ہو کر بھی وہ اپنی فطری فتنہ سازی
 نہ گئے۔ اشبیلیہ سے مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی وہ عیسائیوں سے مل گئے۔ مسلمان عیاضی دوست کو قتل کیا
 مسلمان آباد کاروں کو قتل کیا گیا۔

”پدر محترم! اگر یہ خدمت اس خاک کو عطا کی جائے تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔“

”شاہابش عبدالعزیز۔۔۔۔۔“ موسیٰ بن نعیر مسرت سے بولے:

”ہم سوچ رہے تھے کیا ہمارے بیٹے کا خون اس قدر مرد پر لگتا ہے جو بے گناہ مسلمانوں کے خون بہاؤں سے بھی گرم نہیں ہوتا۔ شک ہے کہ ہمارا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ عبدالعزیز۔ یہ فریضہ تم ہی انعام دو گے لیکن ضرور انتقام میں حد سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنا۔ کسی بے گناہ کی شکایت ہمارے کانوں تک نہ آئے۔“

”ابا جان آپ بالکل مطمئن رہیے۔“

عبدالعزیز نے باپ کو یقین دلایا:

”حدود کی پابندی ہی تو اسلام کا نصب العین ہے۔ میں اس سے تجاوز کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔“

موسیٰ بن نعیر اپنے بیٹے کی اس حوصلہ مندانہ پیش کش سے بہت خوش ہوئے۔ غاب جو لین سے بچا:

”نواب جو لین۔ عبدالعزیز کی پیش کش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

”نهایت مناسب ہے سردار محترم۔“ غاب نے کہا:

”اگر عبدالعزیز خود کو پیش نہ کرتے تو میں اپنی طرف سے اس ہم کے لیے ان کی سفارش کرتا۔ میلے ہوئے

عبدالعزیز کو میدان جنگ میں دیکھ ہے۔ ان کی شجاعت اور بہادری میں کوئی مشابہ نہیں۔“

”مجھے کب روانہ ہونا ہے ابا جان۔“ عبدالعزیز کے سینے میں شوقِ جہاد کی چمکناہی شعلہ بستی جا رہی تھی۔

میں قتل کیے جانے والے مسلمانوں کی جینیں جیسے اس کے کان کے پردوں سے ٹکا رہی تھیں۔

”تم جس قدر جلد تیار ہو سکو۔“ موسیٰ نے روانگی کا فیصلہ عبدالعزیز پر چھوڑ دیا۔

عبدالعزیز تیلری کی آٹے کے خیمہ سے اٹھ آیا۔

اسے تیلری کیا گناہ۔ سپاہی تو ہر وقت تیار ہی رہتا ہے لیکن اشیلیہ جانے سے پہلے وہ اپنی جان بچا۔

ملکہ ہسپانیہ سے ایک با ضرورت لانا چاہتا تھا۔ ملکہ کا خیمہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ باپ کے خیمے سے نکل کر وہ بارہ گاہ

خیمے میں پہنچ گیا۔

ملکہ ہسپانیہ جی تو نایا تو واقعی عبدالعزیز کی محبت میں خود بھی گرفتار ہو گئی تھی۔ پھر مصیبت وہ اس سے اظہار کرتی

کچھ بھی ہو لیکن یہ ضرور تھا کہ عبدالعزیز کو اگر وقت مقررہ پر اس کے پاس پہنچنے میں ایک ٹوکی بھی دیر ہو جاتی تو وہ

ہو جاتی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آئے گئے۔ اور وہ خیمہ کے دروازہ پر آکر کھڑی ہو جاتی۔ ان دنوں

دورانِ سفر تو کم ہی رہتی لیکن جہاں پڑا ہوتا۔ عبدالعزیز اس سے ملنے ضرور آتا۔

عبدالعزیز شام کو نماز مغرب سے فارغ ہو کر اس کے پاس آ جایا کرتا تھا۔ آج عشا کا وقت ہو رہا تھا۔

بہنی سے مل رہی تھی۔

عبدالعزیز کے خیمہ میں داخل ہوتے ہی ملکہ نے شکوہ کیا:

”ہاں سے زیادہ عزیز! اتنی دیر نہ کیا کیجیے۔ جب تک آپ نہیں آتے میں موسیٰ پر چڑھی رہتی ہوں۔“

عبدالعزیز نے مسکرا کر کہا:

”میری عادت ڈالو ملکہ ہسپانیہ۔ اب تو ایک طریق غصے تک تمہیں انتقام کرنا پڑے گا۔“

بچوں کیسا انتقام! ملکہ اور زیادہ پریشان ہو گئی۔

میں اشیلیہ واپس جا رہا ہوں۔ عبدالعزیز کے چہرے پر بدستور مسکراہٹ کھین رہی تھی۔

ملکہ کو اصل حالات کا علم نہ تھا۔ خوش ہوتے ہوئے بولا:

”پرتوا چھ ہے۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔“

”کیا کہہ رہی ہو جی لونا۔“

عبدالعزیز سمجھ رہا ہوا:

”اشیلیہ میں بغاوت ہو گئی ہے۔ ہمارے محافظ دشنے کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں بغاوت فرو کرنے جا رہا ہوں۔“

ملکہ کا دل بیٹھنے لگا:

”میں ہاں کیسے کیسے رہوں گی۔“

ملکہ کا کہیں واقعی بھراؤ نہیں۔

”تمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی جی لونا۔“ عبدالعزیز نے تسلی دی:

”میں نے نواب جو لین کو تمام باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ انھوں نے ابا جان کو راضی مند کرنے کا وعدہ بھی کر

”اب نواب جو لین کو نہیں جانتے۔ وہ شاہی خاندان کے مخالف ہیں۔ ملکہ نے دلی زبان سے کہا۔

عبدالعزیز کو جیسے ناگوار لگ رہا۔ بولا:

”مجھے علم ہے جی لونا۔ ان کی مخالفت ششماہہ راڈرس سے تھی۔ جب وہ نہیں تو مخالفت کیسی؟ انہیں تم سے

”میں نے۔“ مجھے بھی محبت کہتے ہیں۔“

ملکہ نے چاکل تھی۔ اس نے شوشہ چھوڑا:

”اپس کے سوا اور بھی تو مردار تھے۔ انہیں اشیلیہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔ اس میں دشمنوں کی ضرورت سازش ہے۔ وہ

”میں نے۔“ ملکہ نے چاکل تھی۔ اس نے شوشہ چھوڑا:

”جی لونا.... عبدالعزیز کو غصہ آگیا:

”میرا ساتھ دینا ہے تو یہ باتیں دل سے نکال دو۔ موسیٰ بن نعیر میرے باپ بھی ہیں اور مردار بھی ہیں۔ حکم دیں کہ کنوئیں میں کود پڑ تو میں آنکھیں بند کر کے چھانک لگا دوں گا۔ جی لونا! مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ یہ خاطر تھا کہ دنیا سے لڑ سکتا ہوں لیکن یاد رکھو اگر میرے اور تمہارے درمیان موسیٰ بن نعیر کھڑے ہو گئے تو میرا پیسہ بچنے کا ہے۔“

ملکہ ڈر گئی یہ ہم گئی تہ ہستہ سے بولی:

”نصرت کر دیجئے غلطی ہو گئی میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“

ملکہ ہسپانیہ واقعی ہاتھ جوڑ کر عبدالعزیز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

عبدالعزیز نے حسن کی یہ توہین برداشت نہ ہو سکی غصے کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی اس نے بڑی بڑی

ملکہ کے ہاتھ پکڑ لیے۔

ایک طرف شرم و مذمت میں ڈوبی ہوئی طارق کی نظریں تھیں۔

دوسری طرف موسیٰ بن نعیر کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

موسیٰ بن نعیر کے دل میں طارق بن زیاد کی نافرمانی کے علاوہ دواور کاٹنے ٹھٹھک رہے تھے۔ ایک تو وہ بے پناہ بددلت جو طارق کو ہسپانیہ میں حاصل ہوا تھا۔ دوسرے طارق کی لشکر اسلام میں ہر دلعزیزی۔

موسیٰ بن نعیر کا تجربہ کتنا تھا کہ مالدار خوج کی فوج میں ہر دلعزیزی بغاوت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ طارق بن زیاد کو یہ بات کا خیال تھا۔ اسی لیے جب وہ طلیطلہ سے موسیٰ بن نعیر کے استقبال کے لیے چلے تو انہوں نے اپنا لشکر وہیں بٹھایا۔ اس وقت ان کے ساتھ صرف بچاس جلاباز مردار تھے لیکن یہ وہ مردار تھے جو ہسپانیہ میں قدم رکھنے سے اب تک ہر جگہ میں اپنی شجاعت کے ڈٹکے پیٹ چکے تھے۔ یہ طارق کے وفادار تھے اور ان کے ایک اشارے پر لڑے لڑ سکتے تھے۔

طارق بن زیاد جب طلیطلہ کے آگے بڑھ کر احسن متاکر پہنچے جہاں انھیں موسیٰ بن نعیر کے لشکر کی گڑا طتی نظر آئی۔ تو انھوں نے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا اور جسم سے اسلحہ بھی الگ کر دیا۔

موسیٰ بن نعیر نے انھیں حکم بھجوا دیا تھا کہ وہ لاگو جڑ سے آگے نہ بڑھیں لیکن بعض فوجی مزدوروں کے تحت وہ بغاوت زدک کے اور فتوحات کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ موسیٰ بن نعیر خود بھی ایک لشکر حرام لے کر سپر پہنچ گئے۔

طارق بن زیاد نے مصیحت کے تحت حکم عدولی کی تھی اور حکم عدولی کی سزا فوجی قانون میں کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ نہ تو کور مجرم سمجھے تھے۔ وہ مجرم کی حیثیت سے موسیٰ بن نعیر کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے ساتھ آنے والے مردلوں نے سزا ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس وقت بھی مسخ تھے لیکن طارق بن زیاد کی طرح پاپیادہ۔

طارق بن زیاد اسب سے آگے سر جھکانے کھڑے تھے۔ ان سے کچھ دور پیچھے طارق کے مردار تھے۔ لشکر اسلام کے اہل کار و قریاں کے گورنر موسیٰ بن نعیر اپنے گھوڑے کو قدم بہ قدم بڑھاتے طارق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے اوتار بولین اور علویں افریقہ کے بڑے بڑے عالم دین مثل احمدت و فقیہ آ رہے تھے۔

موسیٰ بن نعیر کی نظر میں طارق پر جہمی ہوئی تھیں۔

آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

طارق کی نظر میں زمین پر لگی ہوئی تھیں۔

موسیٰ بن نعیر کی نظر میں جڑ سے تلوار لگی تھی۔ جسم پر پورا اسلحہ تھا۔ ان کے پیچھے چند ہزار

تکویرا وہ مقام ہے جہاں تاریخ ہسپانیہ کا ایک المناک واقعہ پیش آیا۔ ابن القوطیہ کا خیال ہے کہ یہ جگہ ایسی جاتی۔ مقام کوئی سہمی، واقعے کی سنگت اور المناک تو انہیں نہیں ہو سکتی۔

وادی ملکہ میں طارق بن زیاد نے اپنے مختصر لشکر کے ساتھ ہسپانیہ کے ایک لاکھ زره پوشوں کو تباہی کے شہنشاہ راڈرک کا غور و خاک میں مادیاتھا لیکن وہی طارق بن زیاد تکویرا کے مقام پر ایک کردار جاتی ہے۔

طارق بن زیاد نے ہسپانیہ تھے لیکن اس وقت ان کی نظر میں شرم و مذمت سے زمین میں گر گئی ہوئی تھیں۔ گھوڑا ایک میں پیچھے چھوڑ کر پاپیادہ یہاں تک آئے تھے ان کے جسم پر زره بکتر کے سوا کوئی اسلحہ نہ تھا۔ ان کی تہ اور پر نہ اٹھتی تھیں۔

وہ نہ تو بزدل تھے اور نہ ان کے پاس طاقت کی کمی تھی۔ اسلامی لشکر ان پر جان نثار کرنے کو آمادہ نہ تو وہ اسان فرماؤں تھے اور نہ ملک حرام۔ وہ اپنے محسن اور آق موسیٰ بن نعیر سے کیسے آنکھیں چا کر کہتے تھے۔ آقا کی حکم عدولی کی تھی۔ وہ نافرمانی کے مجرم تھے۔

وہی طارق کی درخواست قبول کر کے انہیں معاف کر دینا چاہیے تھا لیکن ان کا غصہ کم نہ ہوا۔ تیز لہجے میں

کاٹھائیں مارنا لشکرِ اسلام تھا۔

طارق سنتے تھے۔ ان کی پشت پر صرف پچاس مسلح پیادے تھے۔ لشکرِ کدوہ طلیطلہ میں چھوڑ کر وہ
موسیٰ بن نعیر کا گھوڑا طارق کے سامنے آ کر کھڑا۔

طارق تعظیم بھی — اور بڑھ کر رکاب کو بوسہ دیا۔ موسیٰ بن نعیر نے نگاہیں کھینچ کر گور دیا۔
پیچھے ہٹا لیا۔

موسیٰ بن نعیر نے گرج کر کہا:

طارق! تو نے ہمارے حکم کے باوجود گاڈ لیٹ سے آگے بڑھنے کی جرأت کیوں کی؟
(گاڈ لیٹ میں جنگ لاکھ جہزہ ہوتی تھی جس میں طارق نے رارڈس کو شکست دی تھی)۔

موسیٰ نے طارق کو یوں مخاطب کیا جیسے کوئی آدمی اپنے نوکر سے بولتا ہے۔ موسیٰ کو اسی کے لیے ان کی طرف
دیا جاسکتا طارق بن زیاد واقعی موسیٰ بن نعیر کے غلام تھے جن کو موسیٰ نے آزاد کر کے ان کی خدمات اور شجاعت کے

میں حاکم طلبہ بنادیا تھا اور پھر جب ہسپانیہ پر لشکر کشی کا وقت آیا تو موسیٰ نے طارق کو سردار منتخب کیا۔
طارق نے بھی دم نہ مارا۔ انہوں نے حتیٰ نمک ادا کر دیا۔ موسیٰ کا لہجہ اور انداز انہیں ذرا ناگوار نہ گوارا نہیں

خاموشی اختیار کی جو اقتدارِ حرم کے مترادف تھی۔
نواب جو لہجے نے دخل دیا:

امیرِ محرم! سالہا طارق بن زیاد کا اس انداز سے اظہارِ اطاعت کرنا ہی ان کی بے گناہی کا زندہ ثبوت
عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت حالات ایسے تھے کہ اگر ہسپانیہ کی طاقت کو منتشر نہ کیا جاتا تو اسلامی لشکرِ مستظفر
ہو سکتا تھا۔

موسیٰ نے جواباً جو لہجے کو ٹانٹ دیا:

”چپ رہو جو لہجے۔ ہم تمہاری بلت سن چکے ہیں۔ یہ ہمارا اور طارق کا معاملہ ہے۔ آقا اور غلام کا معاملہ
اجازت نہیں کروہ آغا کے حکم سے مرتد کی کرے۔“

نواب جو لہجے خاموش ہو گیا۔

طارق کے سرداروں کو موسیٰ کا ایک ایک لفظ تیر جیسا لگ رہا تھا۔

موسیٰ نے پھر طارق کو بھرپور کہا:

طارق! کیا تم نے ہماری نافرمانی نہیں کی؟

معاف فرمادیجیے میرے آغا طارق نے بغیر مراٹھاے جواب دیا۔

ہزارہا اور حکمِ عدلی کی سزا معافی نہیں۔ جرم کی سزا ملے گی۔

غلام کا سر حاضر ہے۔ طارق بن زیاد نے بلالہذا راہنما حکم کر دیا۔

موسیٰ بن نعیر گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے چڑی کوڑا ہوا میں گھمایا اور پوری طاقت سے طارق کو کھینچ مارا۔
وہ بے جسم میں پٹیا چلا گیا۔ اگر وہ زندہ پہنچتا تو کوڑے کے ساتھ کھال ادھر طاقی۔

ہر شخص دم بخود رہ گیا۔

آقا تو بین لور ایسی سزا کا کسی کو خیال ہی نہ تھا۔ معمولی سزائیں کافی تھیں لیکن موسیٰ بن نعیر نے شاید اپنی انا کے
بالِ نظریہ اور اوجہ تمام اٹھایا۔ سوائے طارق کے مخالفین کے (اگر کوئی تھے) کسی نے موسیٰ کی اس حرکت کو پسند نہ کیا۔

بڑی کا چھو پھیکا پڑ گیا۔

اور پھر —

اس وقت اس منظر میں زبردست قسم کی سنگینی پیدا ہو گئی، جب طارق بن زیاد نے اپنے جسم سے الگ ہونوال
کا دل کو اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔

ہر شخص اپنی جگہ کاپ اٹھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب دوشیر ایک دوسرے کے متاثر آگئے ہیں۔ موسیٰ بن نعیر
سے سنبل کر اپنی زین پر بیٹھ گئے تاکہ اگر طارق کوڑے کو بھٹکا دے کہ کھینچتا چاہے تو وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ

نادرہ کوڑے کے ساتھ گھوڑے سے گر سکیں۔
اس کے ساتھ ہی موسیٰ نے فوراً بائیں ہاتھ سے زین سے لٹکتی ہوئی تلوار کو کھینچ لیا۔ نواب جو لہجے کا پھیکا چہرہ

اڑ گیا۔ اسے ہسپانیہ کی فضاؤں میں مسلمانوں کی خانہ جنگی کے بادل اٹھتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

طارق کے پیادے باجرا رہا نے جب دیکھا کہ طارق نے موسیٰ کا کوڑا پکڑ لیا ہے تو ان کے ہاتھ بھی اپنی تلواروں
میں پکڑے۔ وہ تعداد میں صرف پچاس تھے لیکن ہر سوار، موسیٰ پر بھاری تھا۔ موسیٰ کے ساتھ

ہزاروں سے زیادہ کا لشکر تھا لیکن طارق کے سردار قطعی ہر املا نہ ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر موسیٰ نے طارق
کو ہار دیا تو وہ موسیٰ کے سامنے ہجرت کرے گا اور طارق کی حفاظت کرے گا۔ یہ قرآن ہو جائیگا۔

طارق کے سوار تیزی سے تلواریں موندتے طارق کے پاس پہنچ گئے۔ موسیٰ کے لشکر کی بھی غافل نہ تھی۔ انہیں
لشکر کا احساں ہو گیا تھا۔ موسیٰ بن نعیر کے دو سواروں نے ہر گھوڑے پر طارق اور اسی کے سرداروں کو گھیر

بہر۔

عیسائی سردار نواب جوین بڑی بے بسا امد بے کسی سے اپنے ہاتھ لے رہا تھا۔ اس کی بھجوریں نہایت
کے ان دو شیروں کو کیسے اگ کرے؟
کس طرح اس خوفی لڑائی کو روکے؟

ٹھیک اس وقت جبکہ موسیٰ بن نعیر کی تلوار طارق پر اٹھنے والی تھی، موسیٰ کے لشکر کی طارق کے سردار ان پر
کرنے والے تھے، حالات میں ایک دم ڈرامائی تبدیلی پیدا ہوئی۔ ایسی تبدیلی جس کا کسی کو ہمہ دکان ہو نہ
طارق بن زیاد کو ٹھے کی نوک کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے
بلند کیے۔ ان کے ہاتھ منہ تک پہنچے۔

پھر طارق نے بڑی عقیدت سے کوٹے کو بوسہ دیا۔
آنکھوں سے لگایا۔
اور چھوڑ دیا!

کوٹے کی نوک زمین پر گر کر ناگن کی طرح بل کھٹنے اور ترپنے لگی۔ یہ تپ کوٹے کی نہ تھی بلکہ یہ موسیٰ کا ہاتھ تھا۔
کے ہاتھوں کی لرزش تھی۔

طارق کے ہاتھ سے کوٹا چھوٹے ہی موسیٰ کے ہاتھ کا پھٹنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں اتنی لرزش پیدا ہو گئی کہ
کو واپس اپنی طرف کھینچ بھی نہ سکے۔ طارق کو دوبارہ کوٹا مارنا ان کے بس نہیں رہا تھا۔

نواب جوین کے چہرے پر ہدف کا گنئی۔ چہرے کی سیاہی پھر سرخی میں تبدیل ہو گئی۔ تواریں نیاموں میں
چلی گئیں۔ طارق کے سردار اور موسیٰ کے سوار اپنی جگہ واپس چلے گئے۔ ماحول پُر سکون ہو گیا لیکن کچھ دیر بعد
کمی نہ آئی۔

موسیٰ بن نعیر کو ایک اور موقع ہاتھ آیا۔ وہ طارق کو اس وقت بھی معاف کر دیتے تو اپنی تاریخی غلبہ میں
ایک غلطی سے توجہ جاتے مگر اقتدار کا نشہ اور ان کی تسکین بہت بڑی لعنت ہے۔ ان ان اس کا اثر دیکھنا
ہی جانتے ہے۔

موسیٰ نے حکم دیا:
طارق کو گرفتار کر لیا جائے۔
موسیٰ کے سوار آگے بڑھے۔ طارق کے ہاتھ پیروں میں میڑیاں ڈال دی گئیں۔
طارق۔
خارج ہسپانیہ پانہ زنجیر ہو گیا!

موسیٰ بن نعیر کے دو مرتبے حکم پر لشکر اسی جگہ حیزہ زن ہو گیا۔
نواب جوین کو طارق کی گرفتاری کا سخت صدمہ تھا کیونکہ یہ گرفتاری محض گرفتاری نہ تھی بلکہ ایک
انتقام کا شاخسانہ۔ اس دور میں سپہ سالار کی موت کا دوسرا نام گرفتاری اور امیری ہوا کرتا تھا۔



موسیٰ بن نعیر کا جو ان سال بیابان العرینز استبیلیہ پہنچا۔
عبد العرینز کی خبر پاتے ہی بغاوت کے سرغہ کوڑوں کھدروں میں پھپھ گئے، عبد العرینز نے ایک ایک کو
بڑا لانا اور سخت سزا میں دیں۔

تیرہ سردار جن میں چار یہودی بھی تھے قتل کر دیے گئے۔ مسکانوں کی لاشیں اب تک بے گور و کفر پڑی
ہیں، اہرام سے دفن کیا گیا۔ جو لوگ پیادوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے وہ واپس آ گئے۔

عبد العرینز نے نہایت عقلمندی سے استبیلیہ کا انتقام کیا۔ باغیوں کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں تو فتنہ
عبد العرینز نے استبیلیہ کے حفاظت کستوں میں اضافہ کر دیا۔ عیسائی حکام معزول کر کے مسلمان حکام مقرر

کے ساتھ غارت ہو کر اس نے نیبلا کا رخ کیا۔ نیبلا کے باغیوں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر گرفتار ہو کر
بڑا لانا اور سخت سزا میں دیں۔

عبد العرینز کو بغاوتوں سے فرصت ملی اور دردمری ختم ہوئی تو درودل شروع ہو گیا۔ مکہ ہسپانیہ کا
خارج ہسپانیہ میں گھوم گیا۔ طبیعت میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ وہ دل کو جتنا بھجھاتا دل اتنا ہی صدمہ
بڑا لانا اور سخت سزا میں دیں۔

ان کا انتقام ہو چکا تھا۔ فرصت کے دن تھے۔ اس فرصت نے اور غضب ڈھا رکھا تھا۔ انسان معزول نہ ہو تو زمین
بڑا لانا اور سخت سزا میں دیں۔

موسیٰ بن نعیر نے کچھ معزوت اور کچھ مصلحتاً عبد العرینز کو استبیلیہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ موسیٰ، عبد العرینز
اور ان کے حواری تھے۔

موسى بن نعیر کا حواری نہ ملی تو دل کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ دو ہفتے بعد عبد العرینز نے دوسرا قاصد

بھیج دیا۔

موسیٰ بن نصیر طلیطلہ پہنچ چکے تھے طارق اب تک طوق و سلاسل پہنے ہوئے تھے طارق کا لشکر مدینہ پر پیشانی میں گرفتار تھے۔ وہ عبدالعزیز کے قاصد کو فوری جواب نہ دے سکے۔
اُدھر غضب یہ ہوا کہ مکہ نے اپنا ایک قاصد عبدالعزیز کے پاس روانہ کر دیا۔ قاصد نے مکہ کو
عبدالعزیز کو پہنچایا۔ عبدالعزیز نے خط پڑھا تو رُپ اٹھا۔ مکہ نے بڑی منت سماجت سے عبدالعزیز کو روک
بلا یا تھا۔

مکہ کو طلیطلہ میں منشا ہی محل میں رکھا گیا تھا۔ وہی محل جس کی وہ کبھی ماک تھی جہاں اس کی حکومت ہوئی
اس محل کی رہائش میں اس کے داماد میں ایک نیا خیال آیا۔ اس نے سوچا۔ میں اس محل میں ہمیشہ رہ سکتی ہوں۔
اس خیال کے اتنے ہی مکہ نے عبدالعزیز کو محبت نامہ لکھ بھیجا۔ عبدالعزیز موسیٰ بن نصیر کا بڑا بیٹا تھا۔ وہی
طارق بن زیاد تو گرفتار ہو چکے تھے۔ اب عبدالعزیز کا زمانہ تھا۔ مکہ کا خیال درست ہی تھا۔
طلیطلہ کے حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ موسیٰ نے طارق کو گرفتار کر کے قید میں تو ڈال دیا تھا لیکن اب
رہے تھے۔ دل ہی دل میں کسی سے کہتے تو ان کا وقار ختم ہو جاتا۔

انہیں طلیطلہ میں ٹھہرے کئی مہینے ہو گئے۔ آگے قدم بڑھانے کا ارادہ نہ کیا تھا۔
اور دوسرے سردار طارق کی گرفتاری سے دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ سمجھ گیا تھا کہ یہ
کون، کب گرفتار ہو جائے۔
موسیٰ کے پاس ایک تیز رفتار قاصد تھا۔ اس کا خلد تھا مگر وہ صبار قاصد کے نام سے مشہور تھا۔
اسے کئی بار خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس پیغام دے کر دمشق بھیجا تھا۔ وہ افریقہ اور ایشیا کے تمام
بخوبی واقف تھا۔

موسیٰ اور طارق کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا۔ سب کو طارق بن زیاد سے ہمدردی تھی۔ انھوں نے
بجاری رقم کا پیش کش کی۔ صبار قاصد نے ہامی بھری۔ فوراً سرداروں کی طرف سے ایک خفیہ پیغام خلیفہ ولید کو
میں طارق بن زیاد کی وفاداری اور کارناموں کی تفصیل کے ساتھ طارق کی مافی کے پردانہ کی التجا کی گئی۔
صبار قاصد، مثل صبار تھا ہوا مشتق پہنچا۔ سرداروں کا خفیہ پیغام دیا اور بہت کچھ زبانی بھی کیا۔
نئے آگے ہو کر طارق کی طرف اور عمدہ پر سکائی کا خزانہ جاری کیا۔
صبار قاصد نے خزانہ سونگوں سے لگا کر جیب میں رکھا اور جس رفتار سے آیا تھا اسی رفتار سے
پہنچ گیا۔

مکہ کے حالات بڑی تیزی سے پٹا کھارہے تھے۔ رازدار کی بیوہ، باہر سے مکہ ہسپانیہ بننے کے خواب دیکھ
عبدالعزیز اس کی زلف گرہ لیکر کامیاب تھا اور عبدالعزیز سے شادی کر کے جی لوٹا، مکہ ہسپانیہ بن سکتی تھی۔
اب ہر عبدالعزیز کے پاس بھیجتی۔ اسے اپنے لیے پناہ محبت کا یقین دلاتی اور جدائی کی گھڑیوں پر اس کو ممانعت
کے نامے پناہ رنگ دکھا کر رہے۔ محبت اچھے بھلے انسان کو عقل سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ عبدالعزیز بھی دل کے
بورجیا۔

اب شام عبدالعزیز نے اپنے نائب کو بلایا۔ نائب اس کا ہم عمر تھا۔ وہ بھی کسی ہسپانوی حسینہ کے عشق میں گرفتار
عبدالعزیز کی کوششوں سے وہ حسینہ اب اس کی دنوازی ہوئی بن چکی تھی۔ نائب اسی وجہ سے عبدالعزیز کا
مدد کرتا تھا۔
وزیر نے اس سے اپنا حال دل بیان کیا۔ دونوں دیر تک صلح و مشورے کرتے رہے۔ پھر رات کے اندھیرے میں
وزیر ایک سپاہی کا لباس پہن کے طلیطلہ کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنے آنے کی اطلاع مکہ کو اسی کے قاصد کے
ہمچوئی۔

پانچویں دن عبدالعزیز طلیطلہ پہنچ گیا۔
طلیطلہ میں اسی دن بڑی رونی تھی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا خزانہ، موسیٰ بن نصیر تک پہنچ چکا تھا اور طارق بن زیاد
ان کا بیٹا چکی تھیں۔ لشکر کی طارق کی رہائی کی خوشی میں جشن منا رہے تھے۔ موسیٰ بن نصیر خود طوق کو لگا کر چاہتے
خاندان کا خزانہ لے گیا تو انھوں نے فوراً رہائی کا حکم دے دیا۔
طارق بن زیاد رہا ہو کر مدینہ کے لیے دربار میں پہنچے۔ موسیٰ بن نصیر نے آگے بڑھ کر طارق کو لگا لیا۔ گلے
اسٹوڈی ختم ہو گئے۔

طارق بن زیاد نے فتوحات میں حاصل کی ہوئی تمام دولت منگو کر موسیٰ بن نصیر کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ موسیٰ اور
صبار قاصد نے دالے سرداروں کی آنکھیں حیرت سے کھلی گئیں۔
موسیٰ بن نصیر نے مادہ میلانی یعنی جو اہرات کا وہ کر می جو حضرت میلان سے منسوب کی جاتی تھی، بڑی حیرت اور
تجسس دیکھی۔ دنیا کا کون سا ایسا میرا تھا جو اس میں نہ جڑا گیا تھا۔ کرسی کے صوف تین پلے تھے لیکن اس میں
بہت سے ہیرے جو اہرات کی قیمت کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔
ابلیغ کا ڈھیر دربار میں لگا تھا۔ اسے دیکھنے کی عام اجازت تھی۔ جو منہادی دیکھنے بھاگا چلا آتا۔ ایک سید
بہت گستاخ کیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ ہسپانیہ کے حواریوں نے عبدالعزیز کو ایک خفیہ
نامہ مکہ کے محل میں پہنچا دیا۔

بٹ بٹ کبھی ہو دیں گے۔
نیز چھڑوان باتوں کو۔

عبدالعزیز وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا نہ چاہتا تھا؛

ذخا ص بات بتاؤ جس کے لیے تم نے بلایا ہے۔

ملکہ جی لونہ عبدالعزیز "کہہ کہہ سننے لگی۔

عبدالعزیز نے پھر پوچھا۔

ملکہ سے زیادہ ہنسنے ہوئے بولا:

آپ آجے۔ دن کو سکون مل گیا۔ اس سے اہم بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

عبدالعزیز کا دل ملکہ کی طرف اور زیادہ کھینچنے لگا۔ بڑے پیار سے بولا:

جی لونہ! بس چند دنوں کی اور بات ہے۔ پھر ہم دونوں ایک باہر جائیں گے۔

یہ تو میں کب سے سن رہی ہوں۔ پتہ نہیں وہ وقت میری زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں۔" ملکہ نے

ہاتھ کاٹھڑی کے گوشے کی طرف اشارہ کیا۔

عبدالعزیز ملکہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا:

نواب جو میں میرے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں کامیابی کی پوری امید ہے۔

مگر مجھے امید نہیں۔ ملکہ نے منہ پھلایا:

نواب جو میں سے۔

ملکہ کی بات اور حوری رہ گئی۔ بند کمرے کا دروازہ دھڑاک سے کھلا۔ ایک کینیز گھبراتی ہوئی داخل ہوئی اور

ملکہ کے کان پر جھلک گئی۔

ملکہ کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے جلدی سے عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑا اور بغلی دروازے سے دوسرے کمرے میں

نیز چھڑوان سے تھیرے کمرے میں۔ ملکہ اور عبدالعزیز نے کئی کمرے اور راہداریاں تیز تیز قدموں سے

گزر کر چور دروازہ کے باہر عبدالعزیز کا گھوڑا موجود تھا۔ ملکہ کے محافظ سوار بھی وہاں تھے۔ ملکہ نے ایک

بائیس سے پھر سمجھایا۔

عبدالعزیز گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک راہبر اس کے اگے لگے چلا۔ دونوں دم کے دم میں صحن سے باہر

ملکہ جی لونہ نے عبدالعزیز کو دیکھا تو خوشی سے ہاتھ پیچھا کر اس کی طرف دوڑی۔ پھر دونوں اس طرح
جیسے دوسروں کے پچھڑے ملتے ہیں۔ ملکہ کی محبت نے عبدالعزیز کو موسیٰ بن نصیر کے بیٹا دغیب
بے پروا کر دیا۔

ملکہ جی لونہ انک اگے ہوتے ہوئے شکوہ کیا:

عبدالعزیز۔ اب یہ جدائی برداشت نہیں ہوتی۔ آپ طبلہ والہ اسے جلیٹے۔

عبدالعزیز کو یہ خاصے خود بھی پسند نہ تھے مگر کیا کرتا۔ اس نے عبوری کا اظہار کیا:

نجان عزیز۔ میں بھی کانٹوں پر لوٹ رہا ہوں لیکن حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ اباجان کی ہمارا

نے دیکھی۔ طارق بن زیاد بھی ان کے غضب سے نہیں بچ سکے۔

ملکہ نے غصے دکھائے:

"میرے لیے یہ سزا تو جھٹکتا ہی پڑے گا۔ طارق کو معافی مل گئی۔ آپ بھی صحت کر دیے

گئے۔"

عبدالعزیز کو طارق کی رہائی کا ظلم نہ تھا۔ تعجب سے پوچھا:

"نیک ہو۔ مجھے تو اس کی کوئی خبر نہیں۔"

ملکہ اٹھ کر بولی:

"آپ کو تو میرے دل کی خبر نہیں، کسی دوسرے کی کیا خبر ہوگی۔ نجد خلیفہ نے طارق کی رہائی کا

بھیجا ہے۔ طارق آج ہی آزاد ہوئے ہیں۔"

عبدالعزیز سوچ میں پڑ گیا۔

اسے اس بات کی خوشی تھی کہ طارق آزاد کر دیے گئے لیکن اس بات پر تعجب تھا کہ سپہ سالار

میں دور دربار دمشق میں کیسے پہنچے؟

"آپ سوچتے رہیں گے کہ کچھ لوہیں گے بھی۔" ملکہ نے بھرپور الجھڑائی لے۔

عبدالعزیز چونک کر ملکہ کو دیکھنے لگا۔ بولا:

"ملکہ میں سوچ رہا ہوں۔ اگر اباجان کو میرے یہاں آنے کی خبر ہو گئی تو کیا ہوگا۔"

ملکہ نے ترغیریز فتنہ لگا دیا:

فاشقی اتنے بڑے دل نہیں ہو کرتے۔ ڈرتے ہیں تو جنت کرنا چھوڑ دیجیے۔ ڈرنا تو مجھے پاپے۔ غور۔

ایسراہوں۔ ایک اشارے پر میری گردن اڑائی جاسکتی ہے۔ آپ تو سپہ سالارِ اعظم کے بیٹے ہیں۔

و بعد العزیز کے پاس بنید یہ چور کو غلطیہ انا ایسا نہ تھا جسے نظر انداز کیا جاسکتا۔ موسیٰ بن نصیر ایسے معاملات میں نہ سخت گیر تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ سوائے جاسوس کی اطلاع کے کوئی اور ثبوت یا شہادت نہ مل سکی جس کی بناء پر یہ عزیر کو قتل کر دانا جاسکتا۔

یہ مسئلہ کے گھٹ پر متعین پہریداروں نے صرف اتنا بتایا کہ وقوعہ کے وقت ایک مسلمان سوار ایک قلعہ غلطیہ کے مغربی دروازے سے نکلے تھے لیکن آنے جانے والوں پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لیے نہ تو انہیں بیان دروازہ قلعہ کے مغربی دروازے سے نکلے تھے لیکن آنے جانے والوں پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لیے نہ تو انہیں بتایا اور نہ ان کی محدثوں کو بخبر دیکھا گیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر موسیٰ بن نصیر کو مزاد دیتا۔ ملک جی ٹوٹا پر یہی وہ کوئی دستخطی نہ کر سکتا تھا۔ ملک شہنشاہ ہسپانیہ کی بیوہ تھی اور شاہی امیر۔ وہ عیسائیوں میں بدنام نہ ہونا چاہتی تھی۔

طارق اپنے عہدے پر بحال ہونے کے بعد موسیٰ بن نصیر کی غلط و بھولت میں شریک ہونے لگے تھے۔ موسیٰ بے یقین تھے طارق کو وجہ معلوم تھی نواب جوہین نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ نواب جوہین نے ملک ہسپانیہ اور عبد العزیز کو اس کا مسئلہ موسیٰ بن نصیر کے سامنے رکھا تھا۔ انہوں نے پہلے اسے سیاسی اور فوجی مصلحت کے لحاظ قرار دے کر رد کر دیا تھا لیکن اب وہ خود بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔

ایک شاہ طارق بن زیاد نے حرأت کی:

سروا را اٹلی کی پریشانی سے تمام اداستان گنہگار سخت پریشان ہیں۔ میں نے اور نواب جوہین نے اس مسئلے میں کافی غور کیا ہے۔ عبد العزیز، شجاع و بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار ہیں۔ ان کی پرہیزگاری بہر صورت برقرار رہنی چاہیے۔

موسیٰ بن نصیر نے نظر اٹھا کر طارق کو دیکھا۔ وہ سخت فکر مند نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

طارق! مجھے عبد العزیز اور ملک کی شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے نواب جوہین کی معرفت ملک کو بیخام بھیجا ہے لیکن ملک نے شادی کے لیے ایسی شرط لگا دی ہے جسے میں قبول نہیں کر سکتا۔

طارق بن زیاد نے سوائے نظروں سے نواب جوہین کی طرف دیکھا۔ نواب جوہین نے طارق سے اس شرط کا ذکر نہیں کیا تھا۔

نواب جوہین نے کہا:

ملک شادی کے لیے رضامند ہیں لیکن کتنی ہیں کہ انہیں مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

طارق بے دھوک ہوئے:

میر تو کوئی ایسا ہم مشد نہیں۔ اسام میں اس بات کی اجازت ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ شادی کا رشتہ

جس وقت نواب جوہین ایک مسلم سردار کے ساتھ ملک کے کمرے میں داخل ہوا اس وقت عبد العزیز اور نواب جوہین قلعہ غلطیہ سے کئی میل دور نکل چکے تھے۔

نواب جوہین اور مسلم سردار بغیر اطلاع دیے کمرے میں آ گئے۔ دروازہ پہلے سے کھلا تھا۔ ملک جی ٹوٹا آئینہ کے سامنے بیٹھی اطمینان سے بالوں میں لگسکی کر رہی تھی۔ اس نے آئینہ میں ان دونوں کو گتے دیکھ کر ملک نے پٹ کر نواب جوہین سے سخت جوبلیں کہا:

نواب۔ ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ ہماری عزت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ پھر یہ کیوں ہو گیا۔ بغیر اجازت ہماری تنہائی میں کھیل کھیل ہوئے۔

معذرت خواہ ہوں ملک ہسپانیہ۔ نواب جوہین نے جواب دیا:

میں سردار اٹلی کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ مجھے آپ کے کمرے کی ناشی لینا ہے۔

مگر کیوں؟ ملک نے حیرت کا اظہار کیا۔

سروا را اٹلی کو بتایا گیا ہے کہ عبد العزیز آپ کے کمرے میں موجود ہیں۔ نواب جوہین نے اپنے

کی وضاحت کی۔

ملک مسکرائے گی۔

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی نواب جوہین کے ساتھ آنے والے مسلم سردار نے کمرے کی ناشی شروع کر دی۔ اس نے ایک ایک چیز کو اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا جیسے عبد العزیز سوئی تھا۔ جو کسی چیز کے چھپ گیا۔ زرنگار چوکیاں، ادینہ زیب مسمریاں، دستنی پردے، چوہا ماریاں۔ ہر چیز کو کھنگال لیا مگر کوئی کوئی نظر نہ آیا۔

عبد العزیز جس بغلی دروازہ سے نکلا تھا وہ ایک بڑی الماری کے اندر پوشیدہ تھا۔ یہ غلطیہ کا شاہی محل تھا۔ ملک کا اپنا خاص کمرہ۔ یہاں کے ہر کمرے میں اس طرح کے چور دروازے تھے جنہیں صرف شاہی خاندان کے افراد جانتے تھے۔ عبد العزیز کو حرم ملک کے کمرے ہی میں نہیں پورے محل میں ناشی کیا گیا لیکن کچھ پتہ چلا۔ نواب جوہین معذرت کر کے واپس چلا گیا۔



موسیٰ بن نصیر کو طارق بن زیاد کے جھگڑے سے نفرت ملی تو اب عبد العزیز اور ملک ہسپانیہ کا رشتہ

بھڑا جاسکتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

موسلی جڑ بڑھ کر بولے:

”مجھے بھی علم ہے کہ تم اہل کتاب کے درمیان بغیر مذہب تبدیل کیے رشتہ ہو سکتے ہو لیکن کچھ بات فوجی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ عبدالعزیز کے گھر میں ایک عیسائی عورت، یسوی بن کر آئے گی تو مسلمان کیا کہیں گے۔“

”میرا خیال ہے۔“ طارق ٹھہر کر بولے:

”اس معاملہ میں دو مرد کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ سب سالار کو شادی کی اجازت دے دینی چاہیے۔“
موسلی بن فیہر اب اس معاملے کو اوڑھ لیا نہ دے سکے۔ سرداروں کے جمود کرنے پر انہوں نے عبدالعزیز کی اجازت دے دی۔

پھر ایک مادہ اور پرتو غفلت میں عبدالعزیز اور حکمہ ہسپانیہ کا نکاح پڑھایا گیا۔ تمام اڑے بڑے سردار میں شریک ہوئے۔ کچھ دل سے اور کچھ بے دلی سے۔ محفل میں عیسائی پادری بھی موجود تھے۔ انہوں نے عقد کے اپنی رسمیں ادا کیں۔

⑨

سنہرا خواب

جنوبی ہماڈی سے دو سوار آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔ ان کی رفتار بہت سست تھی۔

حصین نے اپنا گھوڑا روک لیا اور ساتھ دل سے کہا:

”غفران۔ یہ سوار کسی قریبی آبادی کے معلوم ہوتے ہیں۔“

حصین کا ساتھی غفران بڑا سچا جوان تھا۔ وہ ڈھلوان کی طرف گھوڑا موڑتے ہوئے بولا:

”سردار۔ میں ابھی جا کر ان سے پوچھتا ہوں۔ یہ کون ہیں اور کدھر جا رہے ہیں۔“

”نہیں غفران۔ ممکن ہے یہ خوفزدہ ہو جائیں اور ہمیں کسی غلط راستے پر ڈال دیں۔“ حصین نے غفران کو منع کیا اور فرنگ نے والے سواروں پر جادیں۔

حصین کو تجربہ تھا کہ ہسپانیہ کے لوگ جب اجنبی مسلمانوں کی دھیلی ڈھالی مباحثیں اور لمبی وارٹھیاں دیکھتے ہیں اور بالکل کھڑے ہوتے ہیں یا پھر صحیح بات کا غلط جواب دیتے ہیں۔

ہماڈی سے آنے والے دو سوار ترافی میں آگئے۔ ترافی سے آگے ایک چھوٹا سا مسبرہ زارتھا جو اس ڈھلوان تک پہنچا جس کے اوپر حصین اور ان کے ساتھی ایک چٹان کے ساتھ کھڑے تھے۔

ترافی کی زمین ہموار تھی لیکن سواروں کی رفتار بڑھنے کے بجائے لوہر کم ہو گئی۔

”نصحا ہوتا ہے ان سواروں کو اپنی منزل پر پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں۔“

غفران کہتا تھا میں اپنے سردار کی بات نہ آؤنی۔ اس نے کہا:

جس کو سواروں کے دھندلے چہرے نظر آ رہے تھے۔
پھر حسین چمک کر بولے:

غفران ذرا غور سے دیکھنا۔ ان سواروں میں ایک عورت معلوم ہوتی ہے۔ ایسے رنگین اور ریشمی کپڑے یہاں
لے آئے عمارت پر نہیں پہنا کرتے۔

غفران کی نظریں بھی سواروں پر لگی تھیں۔ اس نے بغیر نظریں کھٹے جواب دیا:

اپنے ٹھیک اندازہ لگایا۔ میرا خیال ہے اس عورت کے ساتھ والا مرد عمر رسیدہ بوڑھا ہے۔ مجھے اس کی
نزدیکی صاف نظر آ رہی ہے۔

حسین نے غفران کے خیال کی تصدیق کر دی لیکن حیران تھے کہ اس سنگین سبزہ زار میں ایک بوڑھا ایک جوان عورت
کے ساتھ کیوں آیا ہے۔ بھڑکیلے اور شخڑ رنگ کے لباس سے انھوں نے عورت کے جوان ہونے کا اندازہ لگایا تھا۔

مجھے تو یہ عورت کوئی نئی دامن معلوم ہوتی ہے۔ غفران نے خیال ظاہر کیا:

میں نے طلحہ میں ایک ننھیلا دیکھی تھی۔ وہ دامن کچھ اسی طرح کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

سبزہ زار چاروں طرف سے خشک پہاڑیوں اور چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ سواروں نے گھوڑے روک کر چاروں
طرف متوجس نمود سے دیکھنا شروع کیا۔

حسین نے کہا:

یہ کسی کو کاشی کوہ ہے ہیں یا پھر انہیں کسی کے کنے کا انتظام ہے۔

یہ کہہ کر حسین نے اپنا گھوڑا ذرا اور آگے بڑھایا کہ ان پر کسی آنے والے کی نظر نہ پڑے۔ غفران اور دوسرے
سوار بھی چٹان کی آڑ میں ہو گئے۔

حسین کا خیال ٹھیک نکلا۔

چند لمحوں بعد دائیں جانب کی پہاڑی سے ایک سوار اترتا ہوا دکھائی دیا۔ ابھی ان کی نظر اس سوار پر پوری طرح پڑی تھی
تھی کہ بائیں جانب سے بھی ایک سوار نمودار ہوا۔ دونوں سوار تیزی سے آتے رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں
تھیں، جو سر پر آتے ہوئے سورج کی روشنی میں بار بار چمک رہی تھیں۔

ان کے آگے دالے سواروں کا سبزہ زار میں انتشار کرنے والوں پر شدید رد عمل ہوا۔ پہلے وہ بے چینی اور بے باکی سے
آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے لیکن ان کے ظاہر ہوتے ہی جیسے وہ سمجھ گئے۔ دونوں نے اپنے گھوڑے ملا لیے اور
کسے والوں کو دیکھنے کے بجائے انہوں نے نظریں جھکا لیں۔

حسین کو غصوں ہوا جیسے لوڑھے سوار کا بدن خوف سے کانپ رہا ہے۔ دوری کی وجہ سے حسین صبح اندازہ نہ کر

سہی سردار۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بیمار ہوں اور گھوڑے تیز نہ ہوں۔
ہوں۔

یہ تیس بھی درست ہو سکتا ہے۔ حسین بولے:

کچھ بھی ہو لیکن سواروں کی سست دشواری اور بے دلی کی کوئی وجہ ضرور معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ انہوں
سنگناخ علاقوں میں لوگ جلد سے جلد اپنے گھروں میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حسین، مولیٰ بن نصیر کے ہرادل دستے کے سردار تھے۔ ان کی کمان میں ایک سو سواروں کا دستہ تھا۔ لیکن
حسین کے ساتھ غفران کے علاوہ صرف تین اور سوار تھے۔ باقی سوار لشکر اسلام کے ساتھ تھے جو قلعہ رنگاں
دیران آبادی کے قریب خیمہ زن تھے۔

حسین کا تھکا ہوا گھٹا ہوا سر بھی بڑی بڑی روشنیوں اور طبعی وارطیوں سے ڈھلکا ہوا تھا۔ وہ اسی کے بال فضلہ
ہو چکے تھے۔ پیشانی پر ابھر ہوا سرمئی نشان ان کی بزرگی اور دینداری کی علامت تھا۔

سبزہ زار میں پہنچنے کے بعد بھی سواروں کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ رفتار پہلے سے بڑھنے کے بجائے
گہنی ریلا کی ان کا رخ سیدھا اس ڈھلوان کی طرف ہو گیا جس کے اوپر حسین کھڑے تھے۔

حسین نے کہا:

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سبزہ زار پار کر کے ہماری طرف آئیں گے۔

حسین نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ قریب ہی ایک جھکی ہوئی چٹان دکھائی دی:

وہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔

حسین نے ادھر اپنا گھوڑا موڑتے ہوئے کہا:

"انہیں ہماری موجودگی کا علم نہ ہونا چاہیے۔ ہم چھپ کر ان کا پیچھا کریں گے۔ کیا جب کہ یہ دونوں
جا رہے ہوں۔"

قلعہ ارغوان، ہسپانیہ کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا۔ ارغوان جانے کا راستہ
تنگ دروں، خطرناک جنگلات اور باغیر میدانوں سے گزرتا تھا۔ ان میدانوں کی یہ کیفیت تھی کہ
چلتے تو گرد و غبار کے گولوں میں چمکتا سورج بھی چھپ جاتا تھا۔ ارغوان کے قلعہ کو انہی وجوہات کی
سبب جانا تھا لیکن طارق بن زیاد اور مولیٰ بن نصیر کے قدم جس طرف اٹھتے رکھنے کا نام نہ لیتے۔ یہاں
آزادیوں کے جانیق اندھا دھن راستہ دے دیتے۔

یہ سبزہ زار میں آکر دونوں سواروں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔ حسین اور سبزہ زار

کے لیکن انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ان آنے والوں سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہیں۔
 حسین کی حیرت میں اضافہ ہوا جادو تھا۔ سبزہ زار پر سحر الخیر سناٹا چھایا ہوا تھا۔
 آنے والے سوار جوان اور بھر تیلے معلوم ہوتے تھے۔ وہ تلواریں ہمایں گردش دیتے ہوئے آ رہے تھے۔
 تلواریں بلند کیے ہوئے سبزہ زار میں داخل ہوئے اور تیزی سے گھوڑے بھگاتے ہوئے ان کے قریب آئے۔
 بوڑھے کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔
 حسین نے دیکھا کہ بوڑھے کے تھرتھراتے ہاتھوں سے لگام چھوٹ گئی ہے۔ بوڑھے کے ماقدر اللہ ہاتھ
 بالکل پرسکون تھی۔
 شمشیر بردار تلواریں سونے ہوئے عورت کے ادھر ادھر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے پاس نہ تو تالیاں تھیں
 اور نہ ڈھالیں۔
 عورت بوڑھے کی طرف ذرا مائل ہو کر بوڑھے نے اپنے کانٹے ہاتھوں میں عورت کا چہرہ دیا پھر بڑی رازداری
 سے اس کا منہ چومنے لگا۔ ممکن تھا کہ وہ عورت کہ سینے سے بھی لگتا تا کہ شمشیر بردار نے بوڑھے کا ہاتھ سے ہاتھ
 دے کر عورت سے الگ کر دیا۔ بوڑھا چیخیں اور دھڑکیں مارا مار کے رونے لگا۔
 یقیناً یہ باپ بیٹی ہیں۔ حسین بن عبداللہ نے دل میں سوچا۔
 عورت اب بھی پرسکون تھی۔ اس کے آسویں جیسے خشک ہو چکے تھے یا پھر دل پھیریں گی یا عورت کو
 بڑھا کر سبزہ زار کے اس سرے پر آگئی، جس کے مین اور حسین اس منظر کو دیکھ کر غصے سے دیکھ رہے تھے۔
 عورت نے اپنے چہرے سے سفید بالائی کا نقاب ہٹا دیا۔
 ”بڑا حسین چہرہ ہے۔ منجھے غزلان کی زبان سے بے ماحتہ نکلا۔ مردار حسین نے اسے گھور کر دیکھا غزلان
 شرمندہ ہو کر نظریں نیچی کر لیں۔
 شمشیر بردار جوان، عورت کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ عورت نے اپنا گھوڑا بڑی کم اپنا رخ مٹھانے لگا
 کیا۔ اس نے سر پر چنگے ہوئے سورج پر ایک نظر ڈالی۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔
 اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے شمشیر بردار دل نے تلواریں بلند کیں۔ تلواروں کی نوکیں عورت کے سر
 آگے لگیں اور ایک دوسری ہی بن گئی۔
 عورت نے شاید اپنے سر پر سایہ کہ فی ہوتی تلواروں کی نوکیں تصور میں ملتی دیکھیں۔ اس نے راسخاں دیکھی
 کہیں اوجھڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کا گھوڑا بجلی کی طرح تلواروں کے نیچے سے نکل گیا اور اس کے ماتھے میں دردنا
 شمشیر بردار دل نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔

ان کی تلواریں ملیں۔ جدا ہوئیں۔ پھر ملیں اور الگ ہو جاتیں۔ وہ بڑھ بڑھ کر چلے کر رہے تھے غزلان
 بالکل اوجھڑا۔

زرق برق لباس میں ہلوس عورت گھوڑا بھاگ کر بوڑھے کے پاس پہنچی اور اپنا سر اس کے سینے سے لگا دیا
 پھر رونے لگا۔ جناب کا بندھن ٹوٹ گیا اور عورت بھی سسکیاں بھرنے لگی۔
 مقابلہ جاری تھا۔

تلواروں کی نوکیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ڈھال نہ ہونے کی وجہ سے وہ تلوار سے حملہ کرتے اور تلوار ہی کو ڈھال
 بنا کر دیتے۔ ان کے جسم زخمی ہو رہے تھے۔ کپڑوں پر جگہ جگہ سرخ دھبے ابھر چکے تھے۔

مقابلہ کچھ زیادہ دیر جاری نہ رہا۔ ایک جوان زخمی ہو کر زمین سے ٹپک گیا۔ دوسرے نے بڑھ کر تلوار اس
 کیسے میں اٹھا دی۔

وہ فاتح تھا۔ اس نے فتح کا پُر زور نعرہ بلند کیا۔

باپ بیٹی ایک دوسرے سے پیٹے پیٹے ہوئے کھڑے تھے۔ فاتح جوان شمشیر لہرائی کے پاس آیا اور بڑی بیداری
 سے بیٹی کو باپ کے سینے سے کھینچا۔ بیٹی رونے لگتی باپ سے جدا ہوئی۔ شمشیر زن نے لڑکی کو اس کے گھوڑے سے
 اٹھا کر اسے پیچھے کر اپنے گھوڑے پر بٹھانا چاہا تھا۔ مغللوں نے لڑکی کے خاموش مدافعت کی۔ اس نے اپنا ہاتھ
 لڑنے کا ششدر کی۔ شمشیر زن بھٹکی۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور تلوار کی نوک لڑکی کے سینے پر
 لڑکی عبور ہو گئی۔

لیکن قدرت تو مجبور نہ تھی۔ ظالم کو مزاح ضرور ملتی ہے۔ خواہ جلدی ملے یا دیر میں۔ اس وقت قدرت نے
 اس کو غرور سے اڑاتے اس سمت سے آتے نظر آئے جس طرح سے قتل ہونے والا شمشیر زن آیا تھا۔ یہ مرنے
 کے ساتھ تھے۔

شمشیر زن کو مجبوراً اپنی تلوار کا رخ آنے والوں کی طرف کرنا پڑا اور پھر ایک اور دس کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

بائیں سے یہی موقع غنیمت تھا۔ وہ دونوں اپنے گھوڑے بھاگ کر چڑھائی چڑھنے لگے۔ یہ چڑھائی سیدھی حسین
 غزلان کی طرف آتی تھی۔

غزلان نے اپنے مردار حسین کی طرف دیکھا۔
 غزلان کی نظروں میں ہزاروں البتائیں تھیں۔

حسین نے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"یہ مظلوم ہیں۔ اب ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔"

عُزْران کے چہرے پر رونق سی آگئی۔ فوراً بولا:

"میں انہیں آپ کے پاس لے آؤں۔"

نوادہ دھر ہی کر رہے ہیں۔ تمہیں جلتے کی ضرورت نہیں۔" حسین نے ایک بار پھر عُزْران کو دھڑکے سے

سے روکا۔

بوڑھا اور لڑکی گھوڑے اور پرچہ چلاٹے۔ وہ بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ نیچے مہرزاد میں اس نے

گھیر کر ایک کوٹھم کو دیا تھا اور اب وہ ان دونوں کو پکڑنے اور پر کی طرف آ رہے تھے۔

حسین اپنے پانچ سواروں کے ساتھ پناہ گاہ سے نکل کر بوڑھے اور لڑکی کے سامنے پہنچ گئے۔ لڑکی اب

چیخ نکال گئی۔ شاید وہ مسلمان سواروں کی مٹھیلی عباسی اور لمبی داڑھیوں دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

بوڑھے نے لڑکی کو تسلی دی:

"مت گھبرا بیٹی، ہم انسانوں میں آگئے ہیں۔"

پھر وہ حسین سے مخاطب ہوا:

"تم یقیناً مسلمان ہو اور خداوندِ یسوع مسیح نے تمہیں فرشتہ بنا کر ہماری مدد کو بھیجا ہے۔"

حسین کو تعجب ہوا۔ مسلمانوں کے قدم ابھی تک یہاں نہ پہنچے تھے پھر اس بوڑھے نے انہیں

لیا تھا۔

حسین نے نرمی سے پوچھا:

"اے بزرگ! تمہارے ساتھ یہ لڑکی کون ہے اور تم نے کیسے پہچانا کہ ہم مسلمان ہیں؟"

بوڑھا بولا:

"یہ ارغونی ہے میری لڑکی۔ میں نے انہیں کس طرح پہچانا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس رنگ

جو سرخ بالوں والے طارقی اور شہنشاہِ سپانیہ کے درمیان لاگو جھنڈے میں وڑی گئی تھی۔ اس وقت

کی حیثیت سے دھاکے لیے میٹائی لشکر میں موجود تھا۔"

تحسین کو قدرے اطمینان ہوا۔ بولے:

"اب بتاؤ۔ ہم تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

بوڑھے نے بڑی لجاجت سے کہا: "ہمیں ان خالوں سے بچاؤ مسلمانو! خدا تمہیں

حسین نے بوڑھے کو سمجھایا:

بزرگ عزیم۔ بیتم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ اس میں ہم کیسے دخل دے سکتے ہیں؟

نمودار ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ اب ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ یہ آواز عُزْران کی تھی جو ارغونی کو بار بار

خود سے دہرا رہا تھا۔

حسین نے فوراً جواب دیا:

عُزْران۔ ہم نے جو کچھ کہا تھا اس پر اب بھی قائم ہیں۔ لیکن جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان میں غلام

ہے اور مظلوم کون۔ اس وقت تک ان کی حفاظت ہم پر فرض نہیں ہوتی۔"

ہم مظلوم ہیں مسلمانو۔ ہمیں بچاؤ۔ ورنہ یہ مجھے مار ڈالیں گے اور ارغونی کو زبردستی پکڑ کر لے جائیں

بوڑھا گھوڑے سے اتر کر جلدی سے حسین کے پاس آیا اور ان کا رکاب میں پڑا ہوا پیر پکڑ لیا۔

حسین گھبرا کر خود بھی گھوڑے سے اتر پڑے۔ بولے:

بزرگ عزیم! انسان! انسان کے پیر نہیں پکڑا کرتا۔ براہِ کرم مجھے بتاؤ کہ تم پر کیا ظلم ہوا ہے۔ یہ لوگ کون ہیں

لوگوں ہوئی۔

بوڑھے کا بچھا کر کے والے دھند سوار چڑھائی کے اوپر نمودار ہوئے۔

بوڑھانت کرتے ہوئے بولا:

"میں سب کچھ بتا دوں گا مسلمانو۔ پہلے تم مجھے ان سے بچاؤ۔ میں مظلوم ہوں۔ میری لڑکی مظلوم ہے۔"

بوڑھا دوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ارغونی کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے پشت پر پہنچ گیا۔

میرائی نوادہ گھوڑے دوڑاتے ان کے قریب آگئے۔ وہ مسلمانوں کی وضع قطع اور لباس کو حیرت کی نظروں سے

نگر

ایک سوانے بڑھ کر پوچھا:

"تم تو اس اجنبی معلوم ہوتے ہو؟"

حسین کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ انہوں نے جواب دیا:

"ہاں۔ ہم تمہارے لیے اجنبی ہیں بالکل اس طرح جیسے تم ہمارے لیے اجنبی ہو۔"

نمودار پوچھتا ہوں تم کون ہو؟ سوار کو جیسے غصہ آ گیا۔ اس کا لہجہ بڑا سخت تھا۔

سکھنے نرم لہجہ اختیار کیا:

یہ کہہ رہے تھے۔

مہمان سواروں نے حملہ کرنے والوں کو پیچھے دھکیں دیا۔ غفران کی تلوار کندھے کی طرح پکڑی تھی۔ اس کا منہ پوچھتا ہوا چہرہ اس وقت جوش سے سرخ ہو رہا تھا اور پھر بوڑھے نے دیکھا کہ غفران، سیپائیوں کو دھکیلتا ہوا جاگیردار کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی تلوار چمکی اور جاگیردار کا بایاں ہاتھ بھول گیا۔ جاگیردار نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن غفران کا ہاتھ زبردستی سنا۔ اس کا بھاری جسم زمین سے ٹک گیا۔

بوڑھے نے زور سے نعرہ تحسین بلند کیا۔

سیپائی بھاگ کھڑے ہوئے پانچ ناشیں چھوڑ کے۔

مہم سوار فتح یاب ہو کر اپنے سردار حسین کے گرد جمع ہو گئے۔

بوڑھا جت جوش تھا، وہ گھوڑا بڑھا کے غفران کے قریب آیا۔ صیب میں ہاتھ ڈال کے پانچ گینے نکالے یہ نصف انگلیاں کئے۔

بوڑھے نے گینے ہستی میں رکھ کر ہاتھ غفران کی طرف بڑھا دیا اس نے پوچھا:

”بھائی! تمہیں کون سا رنگ پسند ہے؟“

ارغوانی نے غفران خوشی سے بولا اور ان انکھوں سے ارغوانی کو دیکھنے لگا۔

ارغوانی نے گھبرا کر غفران کو دیکھا۔ نظریں ملیں۔ پھر ارغوانی کی جانب اس کو نظریں جھک گئیں۔

حسین نے غفران کو گھور کر دیکھا پھر خود ہی مسکرایا۔ اور ارغوانی رنگ کا گینہ بوڑھے نے ہستی سے اٹھا کر ہاتھ لٹک کر بڑھا دیا۔

حسین نے بوڑھے سے پوچھا:

”ایک کا گھر کہاں ہے۔ چلیے ہم آپ کو وہاں تک پہنچا دیں۔“

بوڑھے نے افرنگی سے سر ہٹا لیا اور آہستہ سے بولا:

”مکانو نہاں ہے کچھ دور دریا کے کنارے ایک چھوٹی سی مٹی ہے۔ وہاں میرا گھر تھا لیکن اب وہ دیران ہو گیا ہے۔“

دیران مٹی کا نام سن کر حسین چونکے۔ پوچھا:

”بوڑھے! تم اس دیران مٹی کا ذکر تو نہیں کر رہے ہو یہاں سے شرق کی جانب اس کو صاف منزل کی مسافت پر ہے۔“

بوڑھے نے حسین کو بڑی حیرانی سے دیکھا:

”اگر وہی مٹی لیکن تم اس مٹی کو کیسے جانتے ہو؟“

”یہی سوال میں تم سے پوچھتا ہوں۔ تم کون ہو اور میرے پاس کیوں آئے ہو؟“

”پیچھے کھڑے ہوئے سیپائیوں میں سے کسی نے کہا:

”سکات! اجنبی سے کہہ دو، یہ لڑکی ہماری کینز ہے۔ یہ ہمارے حوالے کر دی جائے۔“

حسین کچھ ٹھنکا گئے۔ ذرا رعب سے بولے:

”یہ کون بدتمیز ہے جو مجھے اپنی رہا بگڑ کر حکم دے رہا ہے۔“

حسین کی رعب دار آواز سے عیسائی ڈرا گھبرا گئے۔ عوار نے تباہ:

”یہ اس ملامت کے جاگیردار ہیں۔ دربار ارغوان میں ان کا درجہ وزیر کے برابر ہے۔“

”ان سے کہہ دو۔ لڑکی اپنی مرضی سے جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔“

حسین کی آواز ذرا بلند ہو گئی:

”اور اگر زبردستی لے جانے کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہوگی۔“

ارغوانی اپنی جگہ سے پیچھ کو بولی:

”نہیں۔ میں ان ظالموں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

حسین نے طنز بہ انداز میں کہا:

”سن لیا تم نے۔ واپس چلے جاؤ۔ لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔“

جاگیردار بھیج کر بولا:

”پکڑ لو اسے۔ قتل کر دو ان سب کو۔“

حسین سے باتیں کرنے والے عیسائی سوار نے کہا:

”بٹ جاؤ مٹنے سے۔ جاگیردار نے حکم دے دیا ہے ہم لڑکی کو ساتھ لے کر جائیں گے۔“

سوار نے گھوڑا بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ حسین نے بھی جیسی سرعت سے اپنی تلوار نکال کر بڑھا دیا۔

لحظ کے لیے جھجکا۔ پھر اس نے حسین پر بھرپور وار کیا۔

سوار کی تلوار حسین کی تلوار سے ٹکرائی اور پھر سوار کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے دور جا گئی۔

پیچھے ہٹ گیا۔

باقی عیسائی سوار پہلے تو حسین کو حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر صرب نے دل کراس پر بیٹھا کر دی۔ تینوں کے گرد:

حسین تک پہنچے۔ غفران اور دوسرے مہم سواران کے سامنے آ گئے۔ تلواروں سے تلخاریں گئے۔ لڑ گئے۔

ارغوانی اور اس کا باپ دو کھڑے خون کے مارے کا پ رہے تھے اور حسین اٹھیاں سے کھڑے تھے۔

دو دنوں کے بعد چاروں طرف سے تھے۔ یہ نہیں یہ دونوں جاگیر دار جو ابھی سبزہ زار میں ڈول میں (دوبدو) تھے۔ انہوں نے ارغونی کو دیکھا اور ارغونی ان دونوں کو ایک ساتھ پسند کر لیا۔ انہوں نے ارغونی کو دوست تھے لیکن ارغونی کو حاصل کرنے کے لیے ڈول لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر ڈول کی تاریخ مقرر ہوئی اور اس میدان میں صبح دیا گیا۔

اس علاقے میں یہ سبزہ زار ڈول لڑائیوں کے لیے مخصوص ہے۔ ڈول میں ایک کے بجائے دونوں طرف سے لڑتے ہیں۔ یہ سبزہ زار جو غفران کے باغوں مارا گیا، یہ سبزہ جاگیر دار کا بھائی تھا۔ اور اپنے حواریوں کے پیچھے سے یہاں آکر چھپ گیا تھا۔ جب اس کا بھائی مارا گیا تو اس نے دوسرے کو بھی ختم کر دیا۔ اب اس نے اپنے دو دنوں جاگیر داروں کے عزیزوں کو ہوگی۔ وہ آپس میں لڑیں گے۔ ہماری آبادی میں اس لیے آگ لپکے کہ لڑائی کی وجہ ارغونی ہے جس کا تعلق اس بستی سے ہے۔

حسین اور ان کے ساتھیوں نے بوڑھے کی داستان بڑے غور و توجہ سے سنی۔ حسین بولے:

بزرگ عزیم۔ اب آپ اپنی بستی میں واپس چلیے۔ وہاں ہمارا قبضہ ہے۔ ادھر کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔



نہ ہسپانیہ کا پہلا مرحلہ طارق بن زیاد نے مکمل کیا۔

وہ جہاز پر اترے۔ خدا پر توکل کر کے تمام کشتیوں کو نذر آتش کر دیا اور سرے لکھن باندھے آگے بڑھ کر چلا گیا، اللہ نے مدد کی اور کامیابی نے قدم چومے۔ ان فتوحات میں عیسائی سردار نواب جولین اور کئی سردار غنیمت الرومی نے وفاداری کا ثبوت دیا۔ طارق بن زیاد نے بھی انہیں خوب خوب نوازا۔

ہسپانیہ کی قسمت کا فیصلہ تو دراصل جنگ لاگو جڈہ میں ہو گیا تھا جس میں طارق نے اپنے بارہ ہزار سپاہیوں سے مشفقہ ہسپانیہ راڈرک کے ایک لاکھ مسیحی لشکر کو شکست فاش دی تھی لیکن طارق کو اس جنگ میں مددگار ہوا کہ مشفقہ راڈرک کے بعد بھی ایسے ایسے گورنر اور صوبیدار موجود ہیں جنہیں زیر کرنا آسان نہ تھا۔

طارق نے غرہ نکیر بلند کے آگے بڑھے اور مدونہ شدونہ، ازموونہ، قرطبہ، ایسی جا اور طلیطلہ پر پرچم اسلام

حسین سکرائے:

”بزرگ تم کہتے ہو کہ لاگو جڈہ کی جنگ میں تم شریک تھے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں نے جنگ جڈہ کے بعد کسی نئے گورنر کی بستی کو آگ لگائی۔ پھر ہماری بستی والوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر اپنی بستی چھوڑی۔ تم ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لو ہم نے تمہاری بستی کو بالکل تباہ نہیں کیا۔ ہمارا شک کہ تمہاری بستی بالکل قریب خیمہ زن ہے۔“

بوڑھا بڑا حیرانی سے حسین کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے پوچھا:

”مسلمانوں کی بارگاہی بن زیاد کا لشکر یہاں تک پہنچ گیا ہے۔“

”ہاں بزرگ محترم۔“ حسین نے جواب دیا:

”طارق بن زیاد کے ساتھ اب ہمارے بڑے سپہ سالار موسیٰ بن نعیر کا لشکر بھی شامل ہو گیا ہے۔“

”یہ سب کچھ تم پر رحمت ہے۔“

بوڑھے نے اطمینان کی سانس لی:

”اب ہمارے بھی دن بھر جاؤں گے اور ان ظالم جاگیر داروں اور گورنروں کے ظلم و ستم سے بھی بچنے

حاصل ہوگی۔“

پھر ذرا ٹھہر کر بولا:

”..... اسے آسمانی فرشتہ ہم نے تمہارے ڈر سے اپنی بستی درہن نہیں کی بلکہ ان ظالموں کے خون

بستی والے انا گھر باجھوڑ کو پھاڑوں میں چھپ گئے ہیں جاگیر داروں کی لڑائی کا کچھ بھی نتیجہ نکلا۔ کوئی بھی

جائے لیکن ہماری بستی میں ضرور آگ لگادی جاتی۔“

”مگر کیوں؟“ حسین کی کچھ جھجھکی نہ بیا۔

بوڑھے نے کہا:

”یہ حقیقت ہے میرے عہد کے پورے ملک ہسپانیہ میں عاکار یا باکی کوئی عزت نہیں۔ لاگو جڈہ کی

بردہ ہیں۔ صرف جاگیر دار، امرا اور کلیسا والے حکومت کرتے ہیں۔ جنگ لاگو جڈہ کے بعد ہمارے

دعا کرنے کے لیے اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اور مجرم خزاو دیے گئے۔ ان سے ان کی عزت اور

چھین لیا گیا۔ میں بھی اپنے عہد سے معزول کر دیا گیا اور طلیطلہ چھوڑ کر اس بستی میں آسکا۔ میری بستی کے

خدا نے ارغونی بھی پار ماگہ خوب صورت بیٹی دی ہے۔ ہسپانیہ کے قانون نے جاگیر داروں کو یہ اجازت

دکھی ہے کہ وہ غریب گھرانے کی جس لڑکی کو چاہیں زبردستی اٹھا لے جائیں۔ اس کی کوئی داد فرما دینے

لہرایا۔

حین بوڑھے کو لے کر موسیٰ کے پاس آئے۔ بوڑھے نے موسیٰ کو ادب سے سلام کیا
موسیٰ نے کہا:

بزرگ پادری۔ ہم نے لشکرِ اسلام میں منادی کرادی ہے کہ کسی بوڑھے بچے یا عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے
نہیں اور کھیتوں کو برسات نہ کیا جائے کلیساؤں اور پادریوں کا احترام کیا جائے۔ آپ ہاڑوں پر جائیں۔ اپنی
نیکیوں سے کہہ دیں کہ وہ بے خطرواپس آجائیں۔
بوڑھے نے کہا:

قابلی احترام سردارِ اعلیٰ! میں جانتا ہوں کہ جو باتیں آپ نے بیان کی ہیں، ان کی منادی آپ نے ضرور
کرائی ہوگی۔ آپ کے سردار طارق بن زیاد بھی جنگ کا ڈیوٹی کے بعد انہی باتوں کی منادی کرتے تھے لیکن میری
بیانے شاید واپس نہ آئیں۔ ان کے دلوں سے آپ کا خوف تو دور کیا جاسکتا ہے لیکن وہ جاگیرداروں کے خون
نڈے سے واپس نہیں آئیں گے۔

موسیٰ کچھ سوچتے ہوئے بولے:

جاگیرداروں کے پاس گناہ کا لشکر ہے۔
ان کے پاس لشکر نہیں ہے۔ بوڑھے نے بتایا:
نہیں ان کے ہر جاگیردار کو پانچ سو سوار رکھنے کی اجازت ہے۔
موسیٰ نے کہا:

اس کا مطلب ہے کہ وہ پانچ سو سواروں سے حکم کریں گے اور اگر دونوں جاگیردار مل گئے تو ان کے
سواروں کی تعداد ایک ہزار ہو جائے گی۔

جہاں، اس ممکن ہے۔ چونکہ دونوں طرف کے جاگیردار مارے گئے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ آپس میں مل
جائیں۔ اور موسیٰ کو حاصل کرنے یا انتقام لینے کے لیے بستی پر حملہ کر دیں۔

موسیٰ نے طارق سے کہا:

طارق۔ ایک ہزار کا دستہ بستی کی حفاظت کے لیے بھیج دیا جائے۔

پھر وہ بوڑھے سے مخاطب ہوئے:

بزرگ پادری۔ ہم نے آپ کی بستی کی حفاظت کا انتقام کر دیا ہے۔ اب آپ اپنی بستی کے لوگوں کو سمجھا بھرا کر
وہیں لے آئیے۔

بوڑھا اس انتقام سے بہت خوش ہوا۔ اس نے موسیٰ کو دعا دی: "آپ پر یسوع مسیح کی برکت ہو۔ میں بستی والوں

انہوں نے غلطی سے قدم بڑھائے تو اپنے آقا، والی قبر والے کے سپانیہ آنے کی خبر ملی، چنانچہ خبر
بیش تندی روک دی اور آقا کی قدمبوسی کے لیے چلے۔

اسی جا کے قریب دونوں سرداروں کی ملاقات ہوئی۔ موسیٰ بن نعیر کو طارق سے شکایت تھی کہ ان
روکنے کے باوجود طارق نے لاکھ جندہ سے آگے بڑھنے کی کیوں کوشش کی۔ موسیٰ کا شکوہ بجا تھا لیکن طارق
مصلحتاً فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا تھا تاکہ مغتفر ملاتے رہیں اور کوئی بغاوت یا سازش نہ ہو سکے۔
اپنی اپنی جگہ صحیح تھے۔

موسیٰ نے پھر بھی طارق کو سرزنش کی۔ میں تم کو.... کوڑا بھی اٹھایا اور قید میں بھی ڈال لیا۔
مردمجاہد نے ان تک نہ کی بلکہ جب اسے قید سے رہائی ملی تو پہلے سے زیادہ وفاداری کا اظہار کیا۔
موسیٰ بھی طارق کے غمخیز بنے۔ فائدہ اٹھاتے تھے۔ دلوں کی کدورتیں ددر ہوئیں تو دونوں سردار بڑے
بیٹھے اور نئی فتوحات کا منصوبہ بنایا۔

ارغوان کا صوبہ چاروں طرف سے پہاڑوں اور جنگلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وہاں تک رسائی ممکن نہ تھی
اسی لیے والی ارغوان ہمیشہ سرکشی پر آمادہ رہتا تھا۔ شہنشاہیت کے زمانے میں بھی اس نے کئی بار علم بغاوت کو
لڑائیاں ہوئیں اور پھر صلح ہو گئی۔... لیکن اس کی سرکشی دور نہ ہوئی۔

موسیٰ بن نعیر نے سب سے پہلے ارغوان کی فتح کا ارادہ کیا۔ غلطی سے لشکرِ اسلام نے کوچ کیا اور
چھوٹے قلعے مدافعت کی تاب نہ لاتے ہوئے مطیع ہو گئے اور موسیٰ بڑھتے بڑھتے ارغوان کی حدود تک پہنچے
یہاں مشکل یہ پیش آئی کہ عیثیٰ راہبر جو غلطی سے ساتھ لیے گئے تھے وہ خود راستہ بھول گئے۔ لشکر کو
ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ پھر موسیٰ نے ایک ویران بھٹکنے قریب قیام کیا اور حسین بن عبداللہ کو آگے بھیجا کہ
تلاش کریں کہیں باکسی محتول راہبر کی خدمات حاصل کریں۔

حسین بن عبداللہ کو ارغوان اور اس کا باپ لے تو انہیں امید کی ایک کرن نظر آئی۔ ارغوان کا باپ ارغوان
تھا کہ اسنوں سے پوری طرح واقف تھا۔ وہ حسین کا احسان نہ تھا۔ اس نے حسین سے وعدہ کیا کہ وہ لشکر
ارغوان کے اندر لے جائے گا۔

حسین نے واپس آتے ہی موسیٰ سے بوڑھے پادری اور اس کی بیٹی کا ذکر کیا اور جو کچھ ہمزوار میں
وہ بیان کر دیا۔

موسیٰ نے پادری کو اسی وقت اپنے پاس بلوایا۔

کو واپس لانے کی کوشش کر دوں گا :

بوڑھا اٹھ کر چلنے لگا۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ پریشان سا ہو گیا۔ بولا :
”مگر سردار۔ میری بیٹی....“

”تمہاری بیٹی ہماری بیٹی ہے محترم بزرگ :“
موسیٰ بن نصیر نے پادری کی زبان بند کر دی۔

پادری کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ اب جواب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ چپ چاپ اپنی بستی والوں کی طرف ہٹا۔
اس کی بیٹی ارغونی نے اپنی بیٹی میں رہنے کی خواہش کی۔ اس کا بھی انتظام کر دیا گیا۔
بستی کے لیے حفاظتی دستہ تیار ہونے لگا تو غفران نے حسین کی خوشامد کر کے خود کو اس دستے میں شامل کر لیا۔ وہ ارغونی کے قریب رہنا چاہتا تھا۔

بوڑھے پادری کو علم تھا کہ اس کے لوگ کہاں پوشیدہ ہیں۔ اسے قاش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی تھی۔
اس نے بستی والوں کو بتایا کہ ارغونی کو حاصل کرنے کے خواہشمند ہر دو جاگیردار مارے جا چکے ہیں اور لشکر اسے
ان کی بستی کے پاس آکر خیموں پر ہے تو پیسے وہ بہت پریشان ہوئے۔ ہمسائیہ کے شکست خوردہ لشکر کی جو روک
ٹھک میں نہیں گئے تھے، انھوں نے مسلمانوں کے متعلق بہت سے غلط تاثرات پیدا کر دیے تھے اور مسلمانوں کا
بھیانک نقشہ ان کے سامنے پیش کیا تھا کہ مسلمانوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ وہ ان سے بہت زیادہ خوفناک
بھی ہو گئے تھے۔

پادری کو انھیں قائل کرنے میں کافی سہارا نہ ملا۔ پھر جب پادری نے انھیں یقین دلایا کہ مسلمانوں کی جو روک
میں جاگیردار بستی کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے اور اگر انھوں نے ایسی طاقت کی تو مسلمانوں کا ایک ہزار
دستہ ان کی اچھلے مزاج پر ہی کرے گا۔ تب جا کے دو کچھ ملحق ہوئے اور ایک ایک دو دو کر کے بستی میں داخل
آئے گئے۔ اس طرح تمام بستی والوں کو واپس آنے میں ایک ہفتہ لگ گیا۔ موسیٰ بن نصیر کا شک کہ اس وقت تک نہ
رہا تھا۔

جاگیرداروں کو شاید خبر نہ تھی کہ اجنبی لشکر بستی کے قریب خیمے لگائے پڑا ہے اس لیے انھوں نے
بستی کو نذر آتش کرنے اور ارغونی کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔

غفران اور ارغونی کو اس دوران کئی بار کھل کر باتیں کرنے کا موقع ملا۔ ارغونی اگرچہ غفران کو اس کی بہادری اور
پہنچاؤ سے پسند کرنے لگی تھی لیکن ابھی تک اسے غفران پر پوری طرح اعتماد نہ ہوا تھا۔ ارغونی اکثر اپنے
غفران کے بارے میں سوال کرتی۔ اس کا دل فوراً غفران جیسے جوان کو پسند کرنے کا مشورہ دیتا لیکن ارغونی
ماتے روکتی اور سمجھتی کہ اجنبیوں اور پردیسوں کا کیا اعتبار۔ یہ لوگ کسی وقت جس واپس جا سکتے تھے۔
انھوں نے فی الحال اسے غفران کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

غفران، بستی کے حفاظتی دستے میں شامل تھا اور بستی ہی میں رہ کر تھا۔ وہ دن میں کئی بار ارغونی کے گھر کے
کامیاب لیکن وہ گھر کے اندر نہ جاتا۔ موسیٰ بن نصیر نے لشکر یوں حکم دے رکھا تھا کہ کوئی فوجی، کسی شہری کے گھر
میں اس کی مداخلت نہ کرے۔ اگر گھر کے باہر سے کہیں ارغونی مل جاتی تو ضرور باتیں کرتا۔ پھر جب ارغونی کا
اسے کسی دن کھانے پر مدعو کرنا تو وہ پادری کے ساتھ چلا جاتا۔

اس دن بوڑھا پادری، موسیٰ بن نصیر سے مل کے واپس آیا تو غفران اس کے گھر کے قریب گشت پر تھا۔
یہ دونوں پادری اسے اپنے پاس بلاتا اور کھانے کی دعوت دے کر ساتھ ہی گھر لے جاتا لیکن اس گھر کی پتہ
پادری کو کیا ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ سر جھکانے اپنے گھر کے قریب پہنچا اور بغیر کسی طرف دیکھے اندر چلا گیا۔ یہ
پادری کے معمول کے خلاف تھی۔

غفران کو فکر پیدا ہوئی۔ پادری صبح کو جب موسیٰ کے پاس گیا تھا تو بڑا خوش و خرم تھا۔ دو دن پہلے موسیٰ
ان کا کہنا تھا کہ جن کاشت کاروں کے پاس جتنی زمین ہے وہ اس کے مالک بنائے جلتے ہیں۔ جاگیرداروں
اس کا تعلق ختم کر دیا گیا۔

غفران کی پادری سے کئی دن سے ملاقات نہ ہوئی تھی اس نے سوچا تھا کہ آج جب پادری لشکر کا حصہ
لے گئے گا تو وہ اسے جاگیرداری کے خاتمے کی مبارکباد دے گا اور اگر پادری نے اسے کھانے کی دعوت دی
تو اسے بھی دو دو باتیں ہو جائیں گی۔

لیکن غفران کی امیدوں پر اس پر گہری۔ اس کے ارمانوں کا خون ہو گیا۔ پادری بغیر اس کی طرف توجہ دیے
رہی جلا گیا تھا اور صبح تک اس کے باہر کرنے کی امید نہ تھی۔

پادری کی انفرادی ایسی نہ تھی جسے ارغونی محسوس نہ کرتی۔ لے دے کے اس کے لیے باپ ہی تو ایک بہتی
تھی۔ وہی اس واپس باپ۔

ارغونی نے باپ کے گھر میں بائیں ڈال دیں :
”کیا ہوا بابا! بستی والے تو ہر رات جشن منانے کا انتظام کر رہے ہیں۔ تم کیوں خاموش خاموش ہو بابا؟“

"ان کی خوشی بھلے بیٹی۔ پادری احمد کی سے بولا:

"انہیں جاگیر داروں کے چنگ سے نجات ملی ہے۔ وہ چراغاں کریں۔ جشن منائیں۔ تب ٹھیک ہے۔"

"لیکن تم کیوں خاموش ہو بابا۔ ارغونی نے پوچھا:

"بابا۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"ہوئی ہے خوشی بیٹی۔ پادری نے ارغونی کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا:

"لیکن اب مسلمان مجھے ایک ایسی خدمت سونپ رہے ہیں جس کے لیے میرا دل نہیں مانتا:

"بابا۔ مسلمان جو بھی خدمت آپ کے سپرد کریں آپ کو فوراً قبول کر لینی چاہیے۔" ارغونی باپ کے

سے الگ ہوتے ہوئے بولی:

"کیا ان کے احسانات ہم پر کچھ کم ہیں؟"

"لیکن بیٹی۔۔۔۔۔" پادری کہتے کہتے رکا۔

ارغونی ٹانگیں ہلگائی:

"بابا! گماں کوئی بات مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں تو میں خدمتہ کنوں کی لیکن اگر آپ نے مسلمانوں کی خدمت

میں ذرا بھی کوتاہی کی تو مجھے افسوس ہوگا۔ کیا وہ یہ نہ سوچیں گے کہ یسوع مسیح کے اتنے دالے بے حرکت اور

احسان فراموش ہوتے ہیں؟"

"میں اسی الزام سے بچنا چاہتا ہوں ارغونی۔ پادری یوں بولا جیسے وہ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہے۔

"پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"

ارغونی نے پھر باپ کے گلے میں باہیں ڈال دیں:

"اگر مسلمان وقت پر ہماری مدد نہ کرتے تو آج میں آپ کے پاس نہ ہوتی۔ جاگیر دار مجھے اپنی داشتہ بابت

اور آپ۔۔۔۔۔ آپ کا پتہ نہیں کیا بنتا۔ مجھے مسلمانوں کی وجہ سے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ بابا! کوئی خدمت

اس احسان سے بڑی نہیں ہو سکتی۔"

"ارغونی۔ مجھے ایک بات کا جواب دے۔"

پادری ارغونی کی باتوں سے بڑا متاثر ہوا:

"اگر تجھ سے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے لشکر کو صحیح راستہ دکھا اور انہیں ارغونان کے دارالافت

میں قہر تلک پہنچا دے تو کیا سوچے گی۔ کیا کرے گی؟"

میں اس خدمت کو بخوشی بجاؤں گی بابا!۔ ارغونی نے فوراً جواب دیا۔

پادری نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا:

"بیٹی! ہم غیر عیسائیوں کو راستہ دکھا کر اپنے عیسائی بھائیوں پر ظلم نہیں کریں گے؟ کیا مسلمان عیسائی

بھائیوں نہ ہو جائیں گے؟ اور کیا پورے ارغونان میں تباہی و بربادی نہ پھیل جائے گی؟"

"بابا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

ارغونی نے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی:

"اگر ہم ساپ کا سر کچلنے میں کسی کی مدد کریں تو اس سے نہ تو ہمارے مذہب پر کوئی حرف آئے گا اور

نہیں۔ عیسائی ہم سے ناراض ہوں گے۔ ارغونان کے جاگیر دار اور گورنر ایسے ساپ ہیں جو غریبوں، مزدوروں

اور کارکنوں کا خون چوس رہے ہیں۔۔۔۔۔ زمین ہم کاشت کرتے ہیں۔ موسموں سے ہم لڑتے ہیں لیکن زمینوں

میں پیدا ہونے والی چیزوں کے مالک جاگیر دار ہوتے ہیں۔ مزدوروں سے بیگاری جاتی ہے۔ انہیں

کوئی ٹھکانہ دی جاتی۔ غریب اور متوسط طبقے کو اپنی لڑکیوں کی شادی کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ لڑکیاں بیوٹ

یوں کی مانند ہیں۔ جس جاگیر دار کا جی چاہے ہمیں کچھ کر لے جائے۔ ہم ان کی بیویاں نہیں بن سکتیں۔ زندگی بھر

نشریں کر ان کی خدمت کرتی ہیں۔"

"جی! کچھ نہیں کر سکتے۔ پادری بے چین ہو گیا:

"لیکن بیٹی! عیسائی بھر ہمارے بھائی ہیں۔ غیر مذہب والوں سے تو بہر طور بہتر ہیں۔ ہم غیر ملکیوں کو اپنے

پیشے سے کیسے خوش ہو سکتے ہیں؟"

"بابا۔۔۔۔۔" ارغونی کا لہجہ بانٹنا نہ ہو گیا:

"میں ایسے بھائیوں پر لعنت بھیجتی ہوں جو اپنی بہنوں کو کمزیر بنائیں۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جب مسلمان

کا مالکانہ میٹھلے تو اس کے ساتھ سپاہی بھی شامل ہوتے ہیں۔ وہ ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور

نہیں کرتے ہیں۔ آپ پادری ہیں۔ مذہب کو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ خداوند

نہیں اپنے غلاموں کو چھوٹ دے رکھی ہے۔۔۔۔۔ وہ جو چاہے کریں۔ انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ گورنر ہماری

بہنیں مسلمان جاگیر دار اپنے اپنے علاقوں کے مالک بنے ہوئے ہیں اور رعایا ان کی ملامت کر رہے۔"

"ارغونی بیٹی۔ ایسی باتیں منہ سے نکال کر گنہگار نہ ہو۔ پادری نے بیٹی کو محبت سے سمجھایا:

"ہم مذہب، روایت اور معاشرے میں دو جی طاقتیں ہیں۔ ایک بادشاہ کی دوسری کلیسا کی۔ ان کی

تسلیم و تسلیم ہماری ہمارا فرض ہے۔"

بابا۔ میں مسلمانوں کا ساتھ دوں گی۔ ارغونی نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

”اگر آپ مسلمانوں کی یہ خدمت کرنا نہیں چاہتے تو گھر میں بیٹھ جائیے۔ میں مسلمانوں کے لشکر کو مرزا پہنچاؤں گی۔ مجھے گورنر اور جاگیرداروں کو ختم کر کے خوشی ہوگی۔ ظالموں کا خاتمہ ضروری ہے۔ خداوند بزرگ نے یہی کہا تھا۔“

پادری سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ حیرت سے ارغونی کا منہ دیکھنے لگا۔

ارغونی بڑے جوش میں تھی بابو:

”بابا۔ بتائیے کیا خدا نے یہی کہا ہے کہ ظالموں کے ہاتھ مضبوط کر دو۔ مجھے مقدس کتاب دکھائیے۔ کہاں پر لکھا ہے کہ بادشاہ اور اس کے جاگیرداروں کو ظلم کرنے کا حق حاصل ہے۔“

پادری کے پاس اس کا بھی جواب نہ تھا۔

مقدس انجیل میں تو کبھی بھی یہ نہیں لکھا کہ بادشاہ ظلم کرے اور جاگیردار کنواری لڑکیوں کو پکڑ کر اپنا تر

بنالیں۔

مقدس کتاب میں یہ تو نہیں لکھا ہے ارغونی لیکن... ”پادری کا بوزنم پڑ گیا:

”لیکن ہم دم در دراج کے باند میں۔ یہ تو ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔“

”میں اب یہ نہیں ہونے دوں گی بابا۔“

ارغونی اٹھ کے کھڑی ہو گئی:

”میں ابھی مسلم سردار اٹھ کے پاس جاتی ہوں۔ میں انہیں اپنی خدمات پیش کروں گی۔ میں احسان فرماؤں گی۔“

نہیں ہوں بابا۔“

پادری اور زنم پڑ گیا اور بولا:

”بیٹی جلدی نہ کر۔ مجھے سوچنے کا موقع دے۔ مجھے جواب ملے گا۔ دینا ہے۔“

ارغونی چپ ہو گئی۔ اس نے باپ کے پیڑے اور جوتے اتارنے میں مدد دی۔

کھانا کھاتے ہوئے پادری نے پوچھا:

”آج مجھے کہیں غفران نہیں دکھائی دیا۔ کیا وہ آیا تھا؟“

غفران کے نام پر ارغونی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ نظر میں جھلک کر بولی:

”نہیں بابا۔ وہ آپ کی غیر موجودگی میں کبھی نہیں آئے۔“

”بڑا نیک ہے۔“

چند روزوں کا کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔ باتوں کا سلسلہ دونوں طرف سے ختم ہو گیا۔

پادری بہت دیر سے گر جا رہے تھے۔ لیکن جب وہ آیا تو اس کا دل ہلکا تھا۔ ارغونی اس کا انتظار بھی کیا ہو گئی۔

پادری نے کہا:

ارغونی! مجھے عبادت کرتے کرتے اتنا زمانہ ہو گیا لیکن قلب میں وہ صفائی پیدا نہ ہو سکی جو تیرے

دل میں ابھی عبادت کیے موجود ہے۔“

پادری نے بیٹی کا ہاتھ محبت سے کٹی بار چویا۔ ارغونی کو فکر تھی کہ نہ معلوم بابا نے کل کے لیے کیا فیصلہ

کیا ہے پوچھا:

بابا تم نے کل کے لیے کیا فیصلہ کیا؟“

”جو تو نے فیصلہ کیا۔ بیٹی۔ پادری بے جھجک بولا۔“

ارغونی دوڑ کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔

پادری نے کہا: ”ارغونی۔ میں نے خداوند بزرگ سے دعا کی کہ وہ میری رہنمائی کریں۔ میں نے

اپنے لیے بھی دعا مانگی۔ تو مجھے عیسائیت سے باغی نظر آ رہی تھی۔ مجھے ہدایت مل گئی۔ خداوند نے میری

ہدایت فرمائی۔“

وہ گس طرح بابا؟“ ارغونی نے تعجب سے پوچھا۔

”میں خود بھی بیان نہیں کر سکتا۔“ پادری نے اسے بتایا:

”جب میں صدق دل سے اپنے خداوند کو یاد کرتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے میں اس کے حضور

کھڑا ہوں۔ اور میرا دل خود بخود بولنے لگتا ہے۔ میرے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔“

ارغونی مسکرائی۔ پوچھا:

”پھر تمہارے دل نے کیا جواب دیا بابا۔“

”میرے دل نے کہا۔“ پادری اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا:

”میرے دل نے کہا کہ ارغونی کا قلب صاف ہے۔ اس سے ہدایت ملے۔ بیٹی یہ دامن دل نہیں بولتا بلکہ

نور دہکتا ہے۔ بندہ اس سے رجوع کرے تو اسے ہر بات کا جواب مل جاتا ہے۔ صرف خلوص کی ضرورت

ہے۔“

”اگر وہ دن لشکر اسلام میں کوچ کا غلغلہ تھا۔ پادری نے مشرکی رہنمائی کا فرض قبول کر لیا۔ پادری

کے ساتھ ارغونی بھی سرقوسہ جا رہی تھی۔ اس نے باپ کا ساتھ چھوڑنا پسند نہ کیا۔

موسیٰ بن نصیر سوچتے ہوئے بولے :

اتحاد مطلب ہے لشکر کو دائیں بائیں دور دور تک پھیلا دیا جائے اور مینہ، میسرہ اور قلب قائم کیا۔
طرح شکوہ دس پندرہ میل کے وسیع علاقے میں پھیل کر آگے بڑھے گا۔

پھر خود ہی فیصلہ کیا:

طارق۔ تمہاری رائے قابل عمل ہے۔ اس طرح جب ہمارا لشکر کسی تنگ درے سے گزرے گا تو اس کے
بائیں دور دور تک ہمارا قبضہ ہو چکا ہوگا۔ اسی ترکیب سے ہم شبخوں سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔

طارق بن زیاد نے جو رائے دی تھی وہ اس قدر روزنی اور اعلیٰ تھی کہ ابوغوان کے حملے کے دوران اس پر عمل کیا
گیا۔ مسابیاں اس کی رہنمائی میں منت رہیں۔

لشکر اسلام کی روانگی سے سب ہی خوش تھے۔

بقیہ خوش تھے کہ انہیں جاگیرداروں کے ظلم سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی تھی۔ وہ اپنی زیر کاشت

زمینوں کو ملک بن گئے تھے۔ لشکر اسلام اس لیے خوش تھا کہ نئی فتوحات کا سلسلہ پھر شروع ہو رہا تھا۔ یہودی

رومی کے حکم کے تحت طلیطلہ واپس چلے گئے تھے۔ وہ اس لیے خوش تھے کہ ان کا طلیطلہ جاہلی مناسب تھا۔

طخوس کو کیا تھا کہ موسیٰ بن نصیر اپنے نائب طارق بن زیاد کے ان سرداروں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے،

ان کے آنے سے قبل بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور اعزاز بھی حاصل کیے۔

اگر کوئی خوش نہ تھا تو وہ منجلا جوان غفران تھا۔ اس کی جان بہار ارغونی نے لشکر اسلام کے ساتھ جانے کا فیصلہ

لیا تھا۔ اس کا باپ، طارق بن زیاد کی رہنمائی پر مقرر ہوا تھا اور ارغونی نے موسیٰ بن نصیر کے لشکر کی رہنمائی کے

باری قبول کی تھی۔

طارق بن زیاد کا لشکر پہلے کوچ کرنا تھا۔ اس کے دودن بعد موسیٰ بن نصیر کو اپنے لشکر کے ساتھ طارق کے

نائب غفران کے پاس ارغونی سے ملنے کے لیے صرف دودن تھے۔

غفران بھی سے ارغونی کے گھر کے پاس منڈلا رہا تھا۔ ارغونی اور اس کا باپ رات کو دیر سے خیمہ گاہ سے

نکلے۔ وہ جب واپس آئے تو ان کے ساتھ دو محافظ سوار بھی تھے۔ غفران اس وقت گھر کے قریب ہی تھا لیکن

بال بوجھ کی وجہ سے اس نے باپ بیٹی سے ملنا مناسب نہ خیال کیا اور واپس چلا گیا۔ اب صبح سے اس نے پھر چکر

لگاتار دے دیے تھے۔

ان دنوں پڑھو اعجازی کا باپ گھر سے نکلا۔ شاہد وہ خیمہ گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ غفران گھوڑا بڑھا کر اس کے پاس

نہانے سے ان کو ادب سے اسے سلام کیا۔



موسیٰ بن نصیر نے لشکر اسلام کے دو حصے کر دیے۔ ایک حصے کو طارق بن زیاد کے زیرِ کمان کیا اور
حصہ اپنے ساتھ رکھا۔

موسیٰ بن نصیر کے سبب سے طارق بن زیاد کی شخصیت پس منظر میں چلی گئی تھی۔ موسیٰ کے لیے ان کی
اہمیت تو رکھتی تھی لیکن عمل دخل سب موسیٰ ہی کا تھا۔ وہ طارق سے مستحضرہ ضرور لیتے لیکن یہ ان کی مرضی تھی کہ اس پر

کریں یا نہ کریں۔ اب انھی کا حکم چلتا تھا اور تمام فیصلے وہ خود کرتے تھے۔

ارغوان کا پورا علاقہ منگلاخ پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ تنگ گھاٹیاں اور درے ایسے ملے کہ درو

براہ نہیں چل سکتے تھے۔

روانگی سے پہلے موسیٰ، طارق اور پادری میں بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی۔ نواب جولین کو بھی اس گفتگو میں

مشرک کیا گیا تھا لیکن یہودی سردار منیت الرومی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اسے واپس طلیطلہ بھیج دیا گیا۔

حکم ہوا کہ داپسی ملک وہ طلیطلہ میں رہے۔

پادری نے بتایا:

ارغوان پر حملے کی ناکامی کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو شبخوں۔ دوسرے تنگ درے اور گھاٹیاں۔

ہسپانیہ کا شاہی لشکر جب بھی ارغوان پر حملہ آور ہوا۔ انہی دو چیزوں کا نشانہ ہو کر رہ گیا۔

موسیٰ نے کہا:

”شبخوں کا تو انتقام کیا جاسکتا ہے لیکن تنگ دروں کا علاج کیا کیا جائے۔“

”اس کی ترکیب ہو سکتی ہے کہ تنگ دروں سے گزرنے سے پہلے ان کی ارد گرد کی پہاڑیوں پر قبضہ

کر لیا جائے۔“

پادری کی یہ ترکیب بڑی مناسب اور قابل قبول تھی۔ موسیٰ نے اس کی داو بھ دی اور اس پر عمل کرنے

بھی فیصلہ کیا۔

طارق نے آہستگی سے مشورہ دیا:

”آٹا تے محترم۔ اگر آپ کا حکم ہو تو میں اپنے لشکر کو میدان جنگ کی طرح ترتیب دے کر ارغوان میں داخل

پادری نے اسے دعا دی اور مسکرا کر پوچھا:

”غفران بیٹے۔ تم کئی دن سے دکھائی نہیں دیے۔ کہاں چلے گئے تھے۔“
غفران کا دل چاہا کہ کہے:

”اے بزرگ۔ میں تو اس گلی کے پکڑ لگاتے لگاتے ٹھک گیا ہوں لیکن....“
لیکن اس نے کہا:

”بزرگ محترم! میں خیمہ گاہ گیا ہوا تھا۔ اس لیے سلام کو حاضر نہ ہو سکا۔“

”خیمہ گاہ۔“ پادری نے حیران ہو کر پوچھا:

”میں تو دہاں دن بھر رہتا ہوں۔ تم مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔“

”میں نے کل رات آپ کو داپس آتے دیکھا تھا۔ رات زیادہ سو گئی تھی۔ میں نے مناسب خیال رکھا۔“
آپ کو پریشان کر دل۔“

غفران نے یونہی بات بناتی تھی رات ہی نفلوں کی وجہ سے وہ پادری سے نہیں ملتا تھا۔

پادری مسکرایا۔ بولا:

”غفران۔ جب تم جانتے تھے کہ میں گھر میں موجود ہوں تو صبح سے آگے ہوتے۔ اب تو میں سردار اٹلی کے جارہا ہوں۔ کل شکر کی روانگی ہے۔“ تم گھر چلے جاؤ۔ ارغونی بھی تمہیں پوچھ رہی تھی۔“

”گھر.... لیکن....“ غفران کہتے کہتے رک گیا۔ وہ یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ سردار اٹلی نے شکر کی کسی کے گھر میں جانے سے منع کر دیا ہے۔

پادری نے چلتے ہوئے کہا:

”تم بہت شرمیلے ہو غفران۔ میں نے تمہیں گھر میں آنے سے کب روکا ہے۔ تم باب چاہو آ سکتے ہو۔“
پورا پورا اعتبار ہے غفران۔ ہاں اگر ارغونی....“

پادری کو پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔

پادری اور غفران نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا۔ ارغونی آوازیں دیتی، بھاگتی چلی آ رہی تھی۔ وہ قریب آ کر:

کی سانس بھولی ہوئی تھی۔ غفران کو دیکھ کر وہ شرمائی۔

”کیا ہوا ارغونی بیٹی۔ بھاگتی کیوں آ رہی ہو؟“ پادری نے اسے پیار سے دیکھا۔

ارغونی خود کو سنبھالتے ہوئے بولی:

”بابا۔ میں یہ کہنے آئی تھی کہ آپ سردار سے پوچھ لیں۔ مجھے اپنے ساتھ.... کون کو سامان لے کر....“

”کسی کی بات میں نہیں جا رہی ارغونی۔“ پادری ہنسنے لگا:

”سردار اٹلی نے اسلحہ کے علاوہ اپنے ہر سوار کو صرف ایک پیالہ اور پانی کی ایک چھال دی ہے۔ اس پیالے پانی ہی پیتے ہیں اور کھانے کے لیے بھی انہیں یہی پیالہ استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اچھا۔ پیدوں کے پاس تو یہ

نہیں ہے۔“

”بابا۔ سردار اٹلی کو بیالوں کی کیا کمی تھی۔“ ارغونی نے تعجب سے کہا:

”مگر دیتے تو انھوں نے پیالے دم کے دم میں حاضر کر دیے جاتے۔“

پادری نے کہا:

”میرے اس سوال کا جواب تو غفران ہی دے سکے گا۔ اچھا.... میں چلا۔ اب تم باتیں کرو۔ میری مافوق

ہے۔“

”نہیں نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔“ غفران جلدی سے بولا:

”میں نہیں کھڑے کھڑے باتیں کر سکتا۔“

پادری مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ارغونی حیرت سے غفران کا منہ دیکھنے لگی۔

ارغونی حیرت سے پوچھنے لگی:

”غفران! تمہیں میرے ساتھ گھر چلنے میں کیا اعتراض ہے۔ بابا نے تمہیں خود ہی اجازت دی ہے۔“

غفران نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا:

”ارغونی۔ بابا نے اجازت دیدی ہے لیکن سردار اٹلی کا حکم نہیں ہے۔“

”میں بھی نہیں۔“ ارغونی نے الجھتے ہوئے کہا:

”تم کسی کے محافظ ہو۔ تم تو ہر گھر میں جا سکتے ہو۔“

”نہیں ارغونی۔“ غفران نے بتایا:

”جنگ جبری ہو تو ہم دشمن کا پیچھا اس کے گھر میں بھی کرتے ہیں لیکن امن کے زمانے میں جہیں کسی شہری کے

بائے اجازت نہیں۔ یہی سردار اٹلی کا حکم ہے۔“

”ابا! اگر گھر والا خود بلائے تو؟“ ارغونی نے سوال کیا۔

”گھر والا تو پھر کوئی حرج نہیں۔“ غفران بولا:

”ابا! تم آؤ۔ دوست سے انکار نہیں کیا کرتے۔“

”ابا! میں یہ کہنے آئی تھی کہ آپ سردار سے پوچھ لیں۔ مجھے اپنے ساتھ.... کون کو سامان لے کر....“

تم..... کیسے..... تم مجھے کیسے لے جا سکتی ہو؟ غفران نے حیرت سے پوچھا۔
ارغونی شوخی سے بولی:

مردار اعلیٰ میری بات بہت مانتے ہیں۔ میں ان سے کہوں گی۔ غفران میرے بعد یہاں بہت گھبراہٹیں گے
میں ماقہ لے چلیے۔ وہ انکار نہیں کریں گے۔

غفران کو کھلا لگی۔ جلدی سے بولی:

ایسا غضب نہ کرنا۔ میری بڑی بے عزتی ہوگی۔

پھر صبر کرو۔ میری واپسی کا انتقاد کرو۔ ارغونی برق پاشش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

غفران اس کی اس شوخی پر اور وارفتہ ہو گیا۔

غفران اور ارغونی اتنی دیر تک وہاں کھڑے باتیں کرتے رہے کہ درخت کا سایہ بھی رخصت ہو گیا۔ تب
بہاں ہوا کہ ان کی گفتگو میں پورا دن گزر گیا ہے لیکن اس گفتگو کا غفران کو یہ فائدہ پہنچا کہ ارغونی کو اس کی
بات ثابت کا یقین ہو گیا۔

رات کو حسین بن عبد اللہ نے غفران کو بلا کر اسے مطلع کیا کہ:

”بستی کی حفاظت اب زیادہ ضروری نہیں رہی۔ صبح کو کٹھن کی روانگی ہے۔ بستی کی حفاظت پہ اب صرف ایک سو
اوپر ہیں گئے۔ باقی سوار کٹھن کے ساتھ آگے جائیں گے۔“

یہ حکم سردار اعلیٰ کا تھا۔

حسین نے نو سو سواروں کو بستی سے بلوایا۔ بقیہ ایک سو سواروں کی سرداری غفران کے سپرد کر دی گئی۔ لشکر کا صبح
روانہ ہوا۔ ارغونی باپ کو رخصت کر کے خیمے میں چلی گئی۔

غفران کے لیے بستی ویران سی ہو گئی۔ پھر بھی اس کے مجبور بنی بستی تھی۔ اس کی حفاظت اس کا فرض تھا۔ پھر ارغونی
نے انتہا کا حکم بھی دیا تھا۔

بستی اور شہر کا گاہ کا فاصلہ مشکل سے ایک میل تھا۔ پیدل کا راستہ صرف آدھ گھنٹہ کا تھا۔ لیکن سوار کو بھی یہ فاصلہ
بڑا لگنے میں طے کرنا پڑتا۔ کیونکہ سوار کو ایک چٹان کا پتھر کاٹ کر جانا پڑتا تھا اور راستہ بھی اونچا نیچا اور پتھر پلا تھا۔
پتھر سواروں کے ساتھ صوبہ معمول پہرہ دے رہا تھا۔ اندازے سے رات نصف کے قریب گزر چکی تھی غفران
نے اپنے چٹان کے پاس کھڑا تھا۔ حواء کی نظر نشیب میں پڑی۔

نہ نشیب میں ایک شعلہ سا بلند ہوتا محسوس ہوا۔ وہ غور سے اس روشنی کو دیکھنے لگا۔ شعلہ نشیب سے اوپر
اٹھ رہا تھا۔

غفران نے کہا:

”ارغونی۔ مجھے افسوس ہے میں تمہاری دعوت قبول نہیں کر سکتا۔“

”کیوں۔ کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے؟“ ارغونی تنگ آ کر بولی:

”تم پہلے بھی تو میرے گھر آ چکے ہو۔“

”ہاں۔ میں تمہارے گھر آیا ہوں لیکن بابا کے ساتھ۔“ غفران اس سے باتیں کرتا ہوا ایک ماہر دروازہ

نیچے آ گیا۔

ارغونی ہنس کر بولی:

”اب میں سمجھ گئی۔ تمہارے سردار کو یہ خطوہ ہے کہ ہم تمہیں عیسائی نہ بنالیں۔“

غفران نے کہا:

”ارغونی ان باتوں کو چھوڑو۔ میں نے سنا ہے لشکر کے ساتھ تم بھی جا رہی ہو۔“

ارغونی مسکرا کر بولی:

”مسلمانوں نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ان کی خدمت کرنے میں اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے اعتراض

تمہیں تو خوشی ہونی چاہیے غفران۔“

غفران شرمندہ سا ہنسنے لگا:

”میں تمہیں منع تھوڑی کر رہا ہوں لیکن تمہیں معلوم ہے بستی کی حفاظتی فوج میں میں نے اپنا نام لگا دیا۔“

کہہ دیا تھا۔ تم چلی جاؤ گی تو میری طبیعت یہاں نہ لگے گی؟

”کیا تم میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو؟“ ارغونی نے سوال کیا۔

”جی تو میرا یہی چاہتا ہے لیکن.....“ غفران اس کا منہ دیکھنے لگا۔

ارغونی شرارت سے بولی:

”تم میرے بغیر یہاں بہت گھبراؤ گے؟“

”ہاں۔ بہت گھبراؤں گا۔“ غفران بے جبینی سے بولا۔

”تم یہاں میرے بغیر گھبراؤ گے۔ شاید تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔“ ارغونی نے جیسے اپنے

غفران جلدی سے بولا:

”ارغونی۔ کیا تمہیں اب بھی شبہ ہے۔ کیا تم مجھے دھوکے باز سمجھتی ہو۔“

”چچی بھی کیسی باتیں کر رہے ہو۔“ ارغونی شرارت سے بولی: ”میں تمہیں اپنے ساتھ لے چو گی۔“

غفران کو خطرے کا احساس ہوا۔ شب خوں! اس نے دل میں سوچا اور پھر تیزی سے اپنے ماتھے پر
پاس پیچھا نہیں ہوسکتا کیا۔ گاؤں کے دو ایک آدمیوں کو بھی جگا کر انہیں وہ شعلہ دکھایا۔ انہوں نے شہر
کی تائید کی۔

دم کے دم میں پوری بستی جاگ پڑی جو جس کے ہاتھ لگائے کہ میدان میں آگیا غفران نے ایک
کی طرف ملک کے لیے دوڑا یا اور خود تھکا سواروں اور بستی کے جوانوں کو ساتھ لے کر اس جگہ پہنچا جہاں
ہوسکتا تھا۔

شعلہ نشیب سے چڑھائی پر آگیا۔ غفران نے سواروں کو دائیں بائیں دو دور ملک پھیلا دیا تاکہ
کو اس کی صحیح تعداد کا اندازہ نہ ہوسکے۔ اندازہ تو اسے بھی حملہ آوروں کی تعداد کا نہ تھا۔ بستی کے بہت سے لوگ
بستی کو بچانے کے لیے مسلح ہو کر آگئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں تلوار کسی کے ہاتھ میں ڈنڈا، لاشی، مٹی، چھریں کے
لگا تھا وہ اٹھا لیا تھا۔

شعلہ اوپر آکر گر گیا۔
پھر ایک شعلہ دو تین چار ہزاروں شعلے بھڑک اٹھے۔ انہوں نے بستی میں آگ لگانے کے لیے
مشغول کو روشن کر لیا تھا۔ ان کی تعداد ہزاروں سے اوپر تھی۔ یہ اندازہ ایک گاؤں والے نے لگایا۔

ان کی ٹانگی تلواریں مشغول کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ حملہ آور تھاکے تمام گھوڑوں پر سوار تھے۔
وہ کامیاب ہوتا ہے جو اس قدر خاموشی سے مارا جائے کہ حملے سے پہلے کسی کو کانوں کاں خبر نہ ہو اور حملہ آور
نظر آئیں جب وہ سر پر پہنچ چکے ہوں۔
شب خوں اس وقت مارا گیا جب پوری بستی جاگ رہی تھی اور بستی کے محافظ تلواریں سونٹے ان کے استقبال
موجود تھے۔

مشغلیں روشن کرنے کے بعد حملہ آوروں نے جیسے ہی بستی کا رخ کیا۔ غفران نے اپنے آدمیوں کو اندازہ
ادھر حملہ آوروں نے بستی والوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے عجیب عجیب آوازیں نکالنا شروع کیں۔ ادھر
نے انداکبر کے ملک شگاف نغروں سے ان کا استقبال کیا۔

حملہ آوروں کے لیے یہ صورت حال بالکل غیر متوقع تھی۔ انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ بستی سے کچھ دور
کا پڑاؤ ہے لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ بستی کی حفاظت کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ اگرچہ حفاظتی دتے میں صرف سو سوار
تھے لیکن انداکبر کے نعرے دور دور سے اس طرح بلند ہوتے جیسے ہزاروں کانیکو حملہ آوروں کے ہاتھوں
نکل پڑا ہے۔

غفران کے راتیں بوند نہ رہیں اور نگاہیں کٹ کر غفران کو نشان تو گھوڑا بھی جیسے قید سے آزاد ہو گیا باب
نشانوں کا تعاقب ممکن نہ تھا۔ غفران کے ماتھے سے لیے ہوئے بستی کی طرف دابیں ہوئے۔ اس کے سر پر

دوہری، تہری پٹی باندھی گئی تھی لیکن خون اب بھی رس رس کو پٹی کے اوپر آ رہا تھا۔

زخمی غفران اپنے ساتھیوں کے ساتھ بستی میں پہنچا۔ سردار اعلیٰ موہنی بن نصیر طارق بن زیاد و حسین بن سہبہ نواب چلیے اور تمام آٹھ بڑے سردار شب خون کی اطلاع پا کر بستی میں پہنچ گئے تھے۔ ارغونی بھی اپنے ساتھ بستی میں واپس آ گئی تھی جوں جوں غفران کی واپسی میں دیر ہو رہی تھی توں توں اس کی آنکھوں میں ہنسنے آنسوؤں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

غفران کو داپس آتے دیکھ کر اس کا دل کھل اٹھا۔ چہرہ گلنار ہو گیا لیکن بھروسہ اداس ہو گئی۔ اس کا دل لگا غفران کے سر سے ہوتے خون نے اسے غلین کر دیا۔ جی چاہا کہ درڑ کر اس سے لپٹ جائے اور اس کی زخموں پر خود پٹی باندھے لیکن مسلمان سرداروں کی موجودگی نے اسے صبر پر مجبور کر دیا۔ وہ سینے پر ہتھ رکھ کر چپ چاپ کھڑی رہی۔

موہنی بن نصیر غفران کی بہادری اور شجاعت کی تعریف کر رہے تھے۔ گاؤں والوں نے انہیں پوری تفصیل آگاہ کر دیا تھا۔ حسین بن عبداللہ کو زیادہ خوشی ہوئی۔ غفران ان کا نائب تھا۔

غفران کے سر سے کافی خون بہ گیا تھا۔ پورا لباس خون سے تر تھا۔ غفران نے سردار اعلیٰ کو دیکھ کر ان کی تعظیم کو گھوڑے سے اتارنا چاہا لیکن فحش آگیا۔ لوگوں نے بڑھ کر سہارا دیا اور گھوڑے سے اتارا۔

موہنی بن نصیر نے حکم دیا۔
"اس جوان کو بستی میں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ہم اسے اپنے ساتھ سرفروسلے جائیں گے۔"

حسین بن عبداللہ نے اس وقت غفران کی جگہ دوسرا سردار مقرر کر دیا۔ غفران کا زخم اس کا علاج بن گیا۔ اسے موہنی بن نصیر کے ساتھ سرفرومہ جانا تھا۔ موہنی کے ساتھ ارغونی بھی تھی۔

موہنی بن نصیر نے فوج کے دوحے پہلے ہی کر دیے تھے۔ رات کے شب خون نے انہیں زیادہ متاثر کیا اور فوجوں کے درمیان جو دودھ کا وقفہ رکھا گیا تھا اسے مختصر کر کے صرف بارہ گھنٹے کر دیا گیا۔

طارق بن زیاد صبح کو روانہ ہوئے اور اسی شام موہنی بن نصیر نے کچھ سوار اسی بستی میں چھوڑ کر خود بھی بڑھادیے۔ مدد چاہتے تھے کہ دودھوں لشکروں کے درمیان کم از کم فاصلہ رہے تاکہ وقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد طلب کر سکیں۔

پادری، طارق بن زیاد کے ساتھ تھا لیکن گاؤں کے اوپر بہت سے لوگ بھی طارق کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اپنی مرضی سے لشکر کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انہیں قرب و جوار کے جاگیرداروں سے خطرہ تھا۔ ان کی سرکوبی کے انہوں نے طارق کو ان کے ٹھکانوں سے آگاہ کیا۔ یہ راہبر پادری سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئے اور ایسے

نیکو اسلام کو گزار کر گئے جن کا علم پادری کو بھی نہ تھا۔

یہ راستے اگرچہ زیادہ دشوار گزار تھے لیکن طلاقان راستوں سے گزر کر بہت جلد جاگیرداروں کے چھوٹے بستیوں تک پہنچ گئے۔ کچھ جاگیرداروں نے تو مسلمانوں کی محبت سے گھبرا کر اپنے قلعوں کے دروازے بند کر دیے اور باہر نکل کر ان کی اطاعت قبول کر لی۔ جنہوں نے سرکشی کی اور مقابلے پر نکلے ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔ موہنی بن نصیر اپنے لشکر کے ساتھ طارق کے پیچھے آ رہے تھے۔ طارق جاگیرداروں سے صلح کرتے جاتے

اور ان کی تصدیق موہنی بن نصیر کو کر دیتے۔ اس طرح مسلمان لشکر ارغوان کے سرحدی قلعوں اور جاگیرداروں کے قلعوں پر قابض ہو گیا۔ ان جاگیرداروں میں شب خون کا ہمیشہ ظہور رہتا۔ لیکن طارق اور موہنی نے ان کے وسیع علاقے میں پھیلا دیا تھا کہ شب خون کی کوششیں زیادہ تر بیکار ہو جائیں۔ تنگ و تاریک دروں کے گزرنے سے پہلے طارق ان دروں کے اوپر کی پہاڑیوں پر قبضہ کرتے تاکہ درے سے گزرتے وقت فوج پر اپنے حملہ نہ ہو سکے۔ ارغوان ہر لشکر کو ان دروں میں گھیر کر ختم کر دیتے تھے لیکن اس بار ان کا زور نہ چل سکا۔ پہاڑیوں پر قبضہ ہونے سے درہ خود بخود محفوظ ہو جاتا اور لشکر بغیر کسی حادثے اور پریشانی سے گزر جاتا۔

ارغوان کا دارالسلطنت سرفرومہ چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھیرا ہوا تھا اور ایسی سنگلاخ چٹانیں اور ہلے تھیں جن میں اگر ایک آدمی چھپ کر بیٹھ جائے تو وہ سود و سوداؤ میں پرمون پتھر رکھ کر ختم کر سکتا تھا۔ طارق نے پہاڑوں کی یہ ترکیب بھی ناکام بنا دی۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو پہاڑیوں پر پھیلا دیا اور پیچھے ہونے کی آمینوں کا بھینک کر پیچھے ہی خاتمہ کر دیا۔

پورے صوبہ ارغوان کے شکست خوردہ سپاہی بھاگ بھاگ کر سرفرومہ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے قلعہ میں پہنچ کر انہوں کی بہادری کی داستانیں کچھ ایسے انداز میں بیان کیں کہ وہاں کا لشکر پہلے ہی دل چھوڑ بیٹھا۔ قلعہ کا ہی صرہ کر دیا گیا۔

موہنی بن نصیر نے نہایت نرم شرطوں پر قلعہ حوالے کرنے کا مطالبہ کیا مگر سرفرومہ کا قلعہ دار اور گزرگاہ کی خاطر نہ اتنا تھا۔ اس نے ان نرم شرائط کو مسلمانوں کی کمزوری پر تحمل کیا اور سفارت کو سخت جواب دے کر واپس آ دیا۔

موانے جنگ کے اب کوئی اور چاہ نہ تھا۔ پس طارق بن زیاد نے شمال سے اور موہنی نے جنوب سے حملہ شروع کیا۔ نکلے والے دو دن سے زیادہ لڑائی ہوئی اور مسلمانوں نے بزدلی و شہسہر سرفرومہ پر قبضہ کر لیا۔

بہاں پورے صوبہ کے جاگیردار اکٹھے تھے۔ ہر جاگیردار کے اپنے ذاتی غنا تھے جن کی تعداد ہزاروں تک

پہنچتی تھی۔ گورنر مارا گیا۔ جاگیا وارہ گرفتار کر لیے گئے۔
 موملے نے اعلان کر دیا کہ جو غلام اسلام قبول کر لے گا وہ خود بخود غلامی کے بندھن سے آزاد ہو جائے گا۔
 پراس اعلان کا ایسا اثر ہوا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اب ان کا مرتبہ مسلمانوں کے برابر تھا۔ وہ ان کے ساتھ
 کھانا کھاتے۔ ناز پڑھتے اور اٹھتے بیٹھتے۔ آقا اور غلام کی تفریق ختم ہو گئی۔
 موملے نے سر قوم میں بہت سے مسلمان آباد کیے۔ مسلمانوں کو عیسائی عورتوں سے شادی کرنے کی عام اجازت
 لکھی۔ جن عیسائی عورتوں کے مرد مارے گئے تھے یا جن کو گورنر سے شادی کی اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی، انھوں نے غلام
 مسلمانوں سے شادیاں کر لیں اور گھر بھلے بچے گئیں۔

مرفوعہ بنانے کا اعلان کر دیا۔
 جس مجلس میں یہ اعلان ہوا اس میں حسین موجود نہ تھے۔ ارغونی اور پادری وہاں دست بستہ حاضر تھے۔ ارغونی
 نے اعلیٰ سے درخواست کی کہ اس خوشخبری کو حسین بن عبداللہ تک پہنچانے کی سعادت اسے بخشی جائے۔
 ارغونی نے اجازت دے دی۔
 ارغونی بیجاگم جہاں حسین کے خیمے پر پہنچی۔ اندر داخل ہوئی تو حسین کے پاس غفران کو بیٹھے دیکھا۔ دونوں کی
 پہچان ہوئی اور ہجک گئیں۔
 ارغونی نے ادب سے کہا،
 نہیں حسین بن عبداللہ، گورنر سر قوم کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتی ہوں۔
 حسین اور غفران چونک کر اسے دیکھنے لگے۔
 غفران نے سنبھل کر کہا،

ارغونی یہ تین محلوں ہے۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟

ہاں غفران۔ میں نے جو کہا ہے وہ سچ ہے۔

ارغونی سکرار ہی تھی۔ اسے حسین بن عبداللہ کے گورنر بنائے جانے کی واقعی بہت خوشی تھی۔ حسین کے سواروں
 اس کا دور اس کے پاس کی جان اور عزت پر مبنی تھی۔
 حسین نے اس سے پوچھا،

اس وقت تم کہاں سے آرہی ہو۔

ارغونی اب بھی سکرار ہی تھی۔ بولی،

نیرے اور میرے باپ کے عمن، میں اس وقت اس محفل سے آرہی ہوں جس محفل میں سپہ سالار اعلیٰ موملی بن نصیر
 گورنر سر قوم بنانے کا اعلان کیا ہے۔ میں نے یہ مشورہ آپ تک پہنچانے کی اجازت حاصل کی ہے۔

حسین اور غفران کو اب یقین آ گیا غفران نے بھی حسین کو مبارکباد دی۔

حسین نے ارغونی سے کہا،

ارغونی! یہ مبارک خبر لانے پر تمہیں کیا انجام دوں۔ میرے پاس مولے غلام اور پیارے کے کیلے ہے۔

ارغونی سنبھل کر ہو گئی۔ بولی،

اے گورنر آپ کے اسامات مجھ پر اور میرے باپ پر اس قدر زیادہ ہیں کہ ہم دونوں اپنی جان دے کر بھی
 مانیں انکار نہیں۔ آپ کے غلام اور پیارے کے سوا اور کسی چیز کی خواہش نہیں۔

غفران کے سر کا زخم بھر چکا تھا۔ اب وہ فوجی خدمت کے قابل تھا۔ موملی بن نصیر نے مسلمانوں کو شادی کی اجازت
 دی تو اس نے بھی دینی زبان سے اپنے سپہ سالار حسین بن عبداللہ سے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کیا غفران کو حسین بھی بہت
 چاہتے تھے اور اب تو موملی بھی اس پر ہر مان تھے۔ ارغونی نے غفران کی تیار داری بھی کی تھی اور اس کی دیکھ بھال ہے؟
 وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا تھا۔

حسین کو اس شادی پر اعتراض نہ تھا لیکن وہ اور موملی دونوں ارغونی کے باپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ارغونی
 کا باپ کٹر قسم کا پادری تھا اور پادریوں پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنا اسلامی روایات کے خلاف تھا۔ حسین چاہتے تھے ارغونی
 اور غفران کی شادی، پادری کی اجازت سے کی جائے۔

حسین بن عبداللہ اسی ادھیر میں تھے کہ لشکر اسلام کو آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا کہ کوچ کی تیاریاں ہونے
 لگیں۔ غفران بہت پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پادری اور ارغونی، لشکر اسلام کے ساتھ آگے بڑھ جائیں گے اور
 پھر اسے موقع نہ مل سکے۔ اس نے اپنے اس خدشہ کا اظہار حسین سے بھی کر دیا۔ حسین بھی حکومند تھے۔ وہ ڈرنے
 لگے کہ اگر انھوں نے پادری کو بلا کر اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی تو شاید بات اور بگڑ جائے اور ملک بے
 پادری موملی سے شکایت کر دے۔

پھر قدرت نے اس کی سبیل خود ہی پیدا کر دی۔ مرفوعہ سے کوچ کرنے سے پہلے موملی کو اس علاقے کا انتظام
 کرنا تھا۔ اس کے لیے انہیں ایک تجربہ کار منتظم کی ضرورت تھی۔ اس عہدے کے لیے ان کی نظر انتخاب حسین بن
 پر پڑی۔ انھوں نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ سب ہی نے اس انتخاب کو پسند کیا۔ موملی نے حسین بن نصیر

گورنر حسین کو کچھ خیال آگیا۔ انہوں نے غفران کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔
حسین نے کہا:

”ارغونی۔ مجھے ایک بات کئی دن سے پریشان کر رہی ہے۔ اگر تم واقعی مجھے اپنا ہم دردمختی ہو تو مجھے اجازت دو کہ میں اپنی انجمن تماشے سامنے پیش کروں۔“
”گورنر محترم۔“ ارغونی اور زیادہ متوجہ ہوئی:

”اگر میرے سامنے انجمن بیان کرنے سے آپ کی پریشانی دور ہو سکتی ہے تو میں آپ سے التجا کروں گا۔“
”آپ مزدور کیسے۔ میں آپ کی پریشانی دور کرنے کے لیے خود کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے لیے تیار ہوں۔“
”شاباش ارغونی۔ تم نے میری ادھی لجن تو پہلے ہی دور کر دی۔“
ایک لمحہ سوچنے کے بعد حسین بولے:

”ارغونی میں چاہتا ہوں اگر تمہاری مرضی ہو تو میں اپنے نائب غفران کو تمہارا جیون ساتھی بنا دوں۔“
ارغونی شرم سے ہلکائی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن الفاظ حلق میں اٹک گئے۔
حسین مکرانے ہوئے بولے:

”ارغونی۔ لڑکی اگر کسی بات پر خاموش ہو جائے تو ہم اسے نیم رضامندی سمجھتے ہیں۔“
ارغونی ہمت کر کے بولی:

”گورنر مالی نظام! آپ کے احکامات پہلے ہی مجھ پر بہت زیادہ ہیں۔ اب کسی مزید احسان کی درخواست کرنے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔“

حسین اس جواب سے بڑے خوش ہوئے۔ بولے:

”ارغونی! تم نے میری پریشانی دور کر دی۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔“
ارغونی نے آہستہ سے کہا:

”محترم گورنر۔ میری اجازت میرے بابا کے حکم کے تابع ہے۔ آپ کو ان کی رضامندی حاصل کرنے کی التجا کروں گی۔“

”کیوں نہیں ارغونی۔“ حسین نے کہا:

”سعاوت مند بیٹیاں ماں باپ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتیں۔“
اسی وقت خیمے میں ارغونی کا باپ داخل ہوا اور جھک کر تعظیم بجالایا۔

”آئیے پادری صاحب۔ میں آپ جگہ کو باور داتا ہوں۔“ حسین نے خوش دلی سے کہا۔

پادری احسین کے گورنر بنائے جانے سے بہت خوش تھا۔ اس نے کہا:

”اے سرفروغہ کے مالی مقام! گورنر۔ آپ کے لئے اعزاز کی نوید میری بیٹی نے آپ تک پہنچادی لیکن مجھ سے بیگناہ۔ اور دل چاہا کہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارکباد پیش کر دوں۔ آپ میری اور میری بیٹی بابا کو قبول فرمائیے۔“

پادری کی اس گفتگو کے دوران میں حسین نے اشارہ کر کے ارغونی کو یہی اس طرح خیمے سے باہر بھیج دیا جس طرح ارغونی کی آمد پر غفران کو بھیجا تھا۔

حسین نے ہنس کر کہا:

”عزیز پادری صاحب! میں اپنے عظیم مرتبہ کے لیے خود کو اہل تو نہیں سمجھتا لیکن خدا نے بزرگ و برتر کے حکم ماننے جب یہ اعزاز مجھے بخش دیا ہے تو میں پوری کوشش کروں گا کہ خود کو اس کا اہل ثابت کر دوں۔“
پادری نے خوشامد کا انداز اختیار کر لیا۔ بولا:

”اب ایسا نہ فرمائیے۔ یہ تو اہل سرفروغہ کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں آپ جیسا مالی دماغ اور انصاف پسند حاکم

حسین نے ایک دم بات بدلی۔ بولے:

”پادری صاحب! آپ کی بیٹی بڑی پیاری ہے۔ اس نے ہر موقع پر ہم لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔“
”ہم تو آپ کے غلام ہیں گورنر صاحب۔“

پادری نے اور زیادہ چالوسی کی:

”آپ کے احکامات ہم زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔“

حسین محنت سے بولے:

”نہلا ایک نائب ہے غفران۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“

”نہایت خوبو، سپنلا اور بہادر جوان ہے۔ پادری کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

”یہی پادری صاحب آپ نے درست فرمایا۔“ حسین نے کہا:

”اگر آپ پسند کریں تو وہ آپ کی عیال کی کرنے پر آمادہ ہے۔“

حسین نے بغیر کسی لپیٹ کے صاف طور پر غفران کے لیے ارغونی کا رشتہ مانگا۔ پادری چپ ہو گیا اور کچھ نہ بولا۔

”میرے اس کے جواب کا انتہائی رنج کیا۔“ لے: ”ارغونی آپ کی ایک ہی اوں رہے۔“ اگر وہ رضامند ہو جائے

تو شاید آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

نہی نہ۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پادری کو مجبوراً کہنا پڑا۔
حسین نے فوراً کہا:

میری بیٹی ارغونی رضامند ہے بشرطیکہ آپ اجازت دیدیں۔
پادری افسردہ سا ہو گیا۔ پھر بولا:

”محترم گورنر۔ بیٹی تو پرایا دھن ہوتی ہے۔ ایک نہ ایک دن تو اسے دوسرے گھر جانا ہی ہے۔ میں خود بھی اس بات کو عموماً کہتا ہوں کہ ارغونی، غفران کو پسند کرتی ہے لیکن ارغونی میری اکیلی اولاد ہے۔ میں اسے دیکھ دیکھ کے بڑا ہوں۔ وہ آنکھوں سے دور ہو گئی تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔ غفران فوجی آدمی ہے۔ آج یہاں کل دیہاں۔ یہ سوچ کر دل بیٹھ جاتا ہے۔“

آپ ٹھیک فرما رہے ہیں محترم۔ حسین نے پادری کی ہاں میں ہاں ملا دی:

آپ کی جگہ میں ہوتا تو میرے بھی یہی جذبات ایسی خیالات ہوتے۔ ہاں اگر ایسا انتظام کر دیتا جائے کہ ارغونی آپ کی آنکھوں سے دور نہ ہو۔ آپ اس سے روز مل سکیں، پھر تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
بالکل نہیں۔ اب اسے جو جائے تو میں ابھی ارغونی کی شادی کر دوں۔ پادری نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا۔
پادری صاحب! حسین نے بھی صاف الفاظ میں اعلان کیا:

میں آپ کو یقین دلانا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ ارغونی شادی کے بعد بھی وہیں رہے گی جہاں آپ ہوں گے۔ آپ چاہیں تو اس کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ارغونی ایک دن کے لیے بھی آپ سے جلد نہ کی جائے گی۔

پادری بھی خوش ہو گیا اور حسین بن عبداللہ کو بھی اطمینان نصیب ہو گیا۔ پادری کے جانے کے بعد حسین اپنے خانیقہ حقیقی کے سامنے مسجد سے ملے گئے کہ انہما شکر کر لے گئے۔ پھر جلدی جلدی تیار ہو کر سردار اعلیٰ کی طرف چلے۔



موقوفہ میں اسلامی شکر کے دروازے کھلے کھلے تھے جہاں سے دونوں سرداروں نے ایک ساتھ عذاب رخ کیا۔

کوچ کے وقت موقوفہ کے گورنر حسین بن عبداللہ مقامی سرداروں کے ساتھ مصلیٰ اور طارق کے شکر کوادنا کئے۔ حسین بن عبداللہ کے ساتھ ارغونی اور غفران بھی تھے۔ ارغونی اور غفران کا ہمت کر دیا گیا تھا۔ ارغونی گنہگار

پر عبور نہیں کیا گیا لیکن وہ اسلامی روایات اور مسالحت سے اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ وہ اپنے باپ کے مشفق بہ اسلام ہو گئی۔ پادری سے نہ تو کیا گیا اور نہ ہی اس نے مذہب تبدیل کیا۔
حسین نے وعدہ کیا تھا کہ ارغونی شادی کے بعد بھی باپ کے قریب ہی رہے گی۔ انہوں نے اپنا وعدہ پورا ہونے کے باپ کو موقوفہ کا بڑا پادری مقرر کر دیا۔ انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ غفران کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ موقوفہ ہی میں رہ گیا۔

غفران کا راستہ دشوار گزار اور خاردار علاقوں سے گزرتا تھا۔ شکر اسلام نے سب سے پہلے جلیقہ پر قبضہ کیا۔
غفران کو کسریاں پر اس قدر پیچھے لہرایا گیا۔

یہ دونوں صوبے عیسائی مذہب کے بڑے مرکز تھے اور اب تک طویلہ کی شمشادیت کا دم بھرتے تھے۔
ان کے ہانے کے بعد یہ صوبے خود مختار ہو گئے اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس بادشاہت کا خاتمہ ان کے ہاتھوں ہو گیا۔

یہاں بھی مولیٰ نے اسلامی روایات کا مظاہرہ کیا۔ نہ کھیتیں برباد کی گئیں نہ آبادیاں جلائی گئیں۔ بوڑھے اور جوانوں کو کوئی تکلیف نہ دی گئی۔ مجیدوں اور پادریوں کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ علاقہ چھوڑنے والوں کو سامان لے جانے کی اجازت دی گئی۔ ہاں، جاگیر دارانہ نظام ختم کر دیا گیا۔ کاشت کاروں میں زمین تقسیم کی گئی۔ جو غلام تھے انہیں آزاد کر کے برابری کا دھچکا دیا گیا۔

اگرچہ وقت بھر مسلمان گورنر مقرر ہوئے۔ مجلس مشاورت میں مقامی لوگوں کی اکثریت رکھی گئی۔ مسلمانوں کو گھر سے باہر عیسائی خاتون سے شادی کی عام اجازت دی گئی۔

جس وقت موسمی شمالی ہمسایہ میں بحر متوسط کے ساحل پر پرشکوہ فوج کر کے فرانس کی سرحد دریاے رڈونہ پہنچے تھے۔ اس وقت انہیں دربار خلافت دمشق سے ایک حکم نامہ موصول ہوا تھا کہ مزید فتوحات میں وقت اور سلاطین کا جائیداد ہر دوسرا دروازہ خلیفہ ولید کی سلامی کو حاضر ہوں۔

اس وقت مغربی ہمسایہ فتح نہ ہوا تھا اور مصلحت وقت یہ تھی کہ بغیر مغربی علاقے فتح کیے، واپسی کا ارادہ نہ کیا جائے۔ مولیٰ نے خلیفہ کے حکم کو بالکل اسی طرح درغوبہ اعتقاد نہ سمجھا جس طرح خلافت بن زیاد نے ان کے ہاتھوں کی تھی۔

مولیٰ ہمسایہ کو روندتے ہوئے اس ملک کی آخری حد تک پہنچ گئے۔
ہمسایہ کا علاقہ ختم ہو چکا تھا اور مولیٰ کے سامنے فرانس کے پادشاہ پیرس کی شکست خوردہ فوجیں تھیں۔ یہ فوجیں دوسرے سے بالکل پیوستہ نظر آتی تھیں۔ صرف کہیں کہیں اکا دکا در سے اور تنگ گھاٹیاں دکھائی

اسی مقام پر کھڑے ہو کر موسیٰ نے ایک حسین خواب دیکھا۔

انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کا لشکر فرانس پار کر کے اٹلی، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، یونان کے

شمال سے گزر کر دمشق کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

یہ پورے اور مکی یورپ کی فتح کا بڑا حسین خواب تھا۔

لیکن —

یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ موسیٰ نے فرانس میں داخل ہو کر کچھ علاقے فتح بھی کیے۔ وہ ابھی ارض الکبیرہ (جبل ابرانی) تک پہنچے تھے کہ فرانس کے سرحدی علاقوں کا گورنر قارلہ ایک لشکر جو اگلے کہ مسلمانوں کو دے لے لے آگے بڑھا۔

مسلمانوں کے پاس اس وقت کہ ٹی زیادہ قوت نہ تھی۔ وہ حصن نوٹن میں خیمہ زن تھے۔ موسیٰ نے فرانس کے کچھ علاقے کے آگے نہ بڑھ سکا۔ قارلہ نے ایک محفوظ مقام ادبونا واپس آگئے اور ایک پارک کے دامن میں خیمہ زن ہوئے۔ قارلہ بن زیاد اس وقت اسٹورگا میں تھے۔ موسیٰ نے انہیں فوری طور پر ادبونا پہنچنے کا حکم دیا تاکہ مشترکہ فرانس میں داخل ہو کر نئی فتوحات کا آغاز کر سکیں۔

سرحدی گورنر ادبونا قارلہ نے اپنے منظم لشکر کے ساتھ قلعہ ادبونا کا محاصرہ کر لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کا قلعہ بند ہو کر مدافعتی جنگ کرنا پڑی۔

قارلہ زیادہ دن تک محاصرہ برقرار نہ رکھ سکا۔ اسے اطلاع ملی گئی کہ ایک اور مسلمان لشکر بڑی تیزی سے بلوچ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ قارلہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا تاکہ سرحدی علاقوں کی چوکیاں اور قلعے مضبوط کرے اور مسلمانوں کو آگے نہ بڑھنے دے۔

طابق بہت جلد موسیٰ نے آکر مل گئے۔ موسیٰ نے ایک باپھر فرانس اور یورپ کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اصل موسیٰ ہسپانیہ سے دمشق تشریف لائے تاکہ بحری سفر اور طویل سفر سے انہیں چھٹکارا مل جائے اور یورپ کے تاریک براعظم بھی نور اسلام سے روشن ہو جائے۔

لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ وہ فتح یورپ کے خواب ہی دیکھ رہے تھے کہ دوبارہ دمشق کا دورہ آئے ابولہر اس حکم کے ساتھ موسیٰ کے پاس پہنچا کہ مزید پیش قدمی کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی تمام بھی آگے نہ بڑھا۔

اس سردار فدا و شوق پرچم کو خلیفہ ولید کے حکم کی تعمیل کا عملی ثبوت پیش کریں۔

یہی بن نعیر کو ہسپانیہ سے واپسی دلا تھا اور بارہا دمشق میں علاقائی سازشوں کا نتیجہ تھی۔ خلیفہ وقت ولید کے ہاتھ تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ ولید کے دور حکومت میں اسلامی سلطنت کی حدود میں جس قدر وسعت ہوئی مثال نہ پہلے ملتی تھی اور نہ بعد میں اس کا جواب ممکن ہے۔ بنی امیہ کی اس عظیم سلطنت اور بدہ اور وسعت کا سہرا ایک فرد واحد کے سر ہے۔

یہ انا کا گورنر حجاج بن یوسف تھا۔

وہی حجاج جسے تاریخ اسلام میں سب سے بڑا جابر اور سفاک بیان کیا گیا ہے جس نے ہزاروں غلامے بنائے۔ حجاج کی اس سفاکی کا تجزیہ یہ تو مورخ ہی کر سکتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس شخص نے اسلام کے پہلے پہل پیدا کیے جنہوں نے ایشیا اور یورپ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ یہ تمام جنرل حجاج کے دست و پاؤں سے نکلتے۔

اٹھارہ سال محمد بن قاسم، حجاج کا داماد تھا جس نے سندھ کے ساحل دیبل پر قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی پرچم اٹھائے۔ ممان تک پہنچ گیا۔

اس کا دوسرا جنرل قتیبہ بن مسلم، مشرق کی طرف چلا اور چین کی سرحد پر پہنچ کر شہنشاہ چین کو راج دینے پر مجبور کیا۔

تیسرا جنرل موسیٰ بن نعیر، شمالی افریقہ فتح کرتا ہوا بحرِ خلافت تک پہنچا۔

اس کے علاوہ طارق بن زیاد نے پورے ہسپانیہ کو روند کے رکھ دیا۔

کاش موسیٰ بن نعیر کو ہسپانیہ سے واپس نہ بلایا جاتا۔ اگر موسیٰ بن نعیر کھلی آنکھوں دیکھا خواب تعبیر ہو جاتا تو یورپ کا وہ نقشہ نہ ہوتا جو آج ہے مگر موسیٰ علاقائی سازشوں کا شکار ہو گئے۔

حجاج بن یوسف کا ۹۴ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس کے مرتے ہی اس کے دشمنوں کو کھل کھینے کا موقع ملا۔ ان کے دشمنوں سے خلیفہ کے کان بھرے گئے۔ خلیفہ سے کہا گیا کہ موسیٰ ہسپانیہ اور افریقہ کا خود مختار بادشاہ بن چکا ہے۔ اگر وہ یورپ میں داخل ہو گیا تو پورا یورپ اس کے زیرِ نگیں ہو جائے گا اور پھر وہی محفوظ نہ رہ سکے گی۔

خلیفہ اس خبر میں آگیا۔

نہ موسیٰ کو ہسپانیہ سے طلب کر لیا!

یہاں یہ ہو گا جیسے مردار طارق بن زیاد نے آپ کے حکم بھی تعمیل کے بجائے ہمسایہ میں مزید فتوحات
کرائیں۔ پھر آپ نے طارق بن زیاد کو معاف کر دیا۔ شکوک رفع ہو گئے۔ یہی صورت آپ کے اور خلیفہ کے
بین میں آئے گی۔ اسے بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ آپ اپنے فعل میں مخلص اور خلیفہ وقت کے

نواب جو لیں کی گفتگو بڑی مدلل تھی لیکن موسیٰ قائل نہ ہوئے۔ بولے،
نہیں جو لیں۔ انکار کی پشت پر کتنی ہی بڑی مصلحت کیوں نہ ہو۔ انکار انکار ہے۔ یہی انکار
دیکھ لیں ہے۔

حسین بن عبد اللہ نے پھر زبان کھولی۔ ذرا چڑکے بولے:
اے مردار اعلیٰ! جب آپ نے عدو بار خلافت میں جانے کا پہلے ہی فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ہمارے مشورے
کا اثر نہ رہتا ہے۔ ہم آپ کا حکم بجالانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔
موسیٰ افسردگی سے بولے:

”میں! مجھے تم لوگوں کے جذبات کا اندازہ ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دمشق سپرچ کر میں کسی بھی
بت میں گرفتار ہو سکتا ہوں لیکن میں نے عمر بھر جس خلیفہ کا نام لیا ہے اس سے ٹک حواسی نہیں کر
تا۔ جو مملکت، شہرت اور دولت مجھے حاصل ہے اس سے زیادہ کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔ میری عمر اتنی
کے قریب ہو رہی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دمشق سپرچ کر میں خلیفہ سے اپنے بکدوش کیے
کا درخواست کروں گا تاکہ گوشہ نشین ہو کر بقیہ زندگی یا والد میں گزار سکوں۔“

موسیٰ کے اس اعلان کے بعد کسی سردار نے بولنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی فیصلہ تو موسیٰ نے
کر دیا تھا۔

موسیٰ نے سرداروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ سب مر جھکے خاموش بیٹھے تھے۔ ایک ایک انہیں طارق بن زیاد
الگا۔ طارق چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی رائے کا اب تک اظہار نہ کیا تھا۔
موسیٰ نے پوچھا:

”طارق! سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ مجھے اخوس ہے کہ میں ان کے مشورے سے اتفاق نہ کر سکا
تو کچھ بھی نہیں کیا۔ تمہارا مشورہ ہمیشہ صائب اور درست ہوتا ہے۔“
طارق اسی طرح مر جھکے ہوئے بولے:
”مجھے اپنے آقا کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ حکم ہمدلی کسی طرح مناسب نہیں۔“



موسیٰ بن نصیر نے واپسی سے پہلے ہمسایہ کے تمام مسلمان گورنروں اور بڑے سرداروں کو اپنے
پاس طلب کیا۔ وہ ان سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔

جب تک اس سردار کا اختیار اشخاص اکٹھے ہو گئے تو موسیٰ نے ان کے سامنے دربارِ دمشق میں ہمسایہ
سازش کے خدشہ کا اظہار کیا۔

گورنر سر قوسہ حسین بن عبد اللہ بڑے زیرک اور باصلاحیت انسان تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے
اپنی رائے کا اظہار کیا۔

حسین نے کہا:

”اے مردار اعلیٰ! دمشق میں آپ کے خلاف جو سازش ہو رہی ہے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ
ہر بار میں آپ کے ہمدردوں کی تعداد کم ہے۔ آپ کے ولی نعمت حجاج بن یوسف اللہ کو پیارے ہو چکے
میں اور ان کے مخالفین آپ کو زک دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حالات میں آپ کا دمشق جاننا
مناسب نہیں۔“

موسیٰ کو حسین کی یہ صاف گوئی شاید ناگوار گزری۔ گہرے بولے:
”حسین! تمہارے الفاظ سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ میں تمہاری ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن تمہاری
رائے سے اتفاق نہیں ہو سکتا۔“

موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز بولے:
”اے پدر محترم! حسین نے جو کچھ کہا اسے آپ بغاوت کی تحریک اور تلقین کہہ سکتے ہیں لیکن یہ ایک
ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی عقلمند آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔“

موسیٰ نے نواب جو لیں کو مخاطب کیا:
”نواب جو لیں! یہی خلیفہ کی حکم ہمدلی تھی ہوئی بغاوت نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاس طاقت ہے
جبراً دمشق نہیں لے جایا جاسکتا لیکن میں خلیفہ ولید سے بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“
نواب جو لیں شاید کسمی۔ بیٹے ہی موقع کی تلاش میں تیار خوراً بولا:

”اے مردار اعلیٰ! اگر آپ دمشق واپس جانے کے بجائے یورپ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھیں تو کیا

موسلی مسکرائے۔ بولے:

”طارق! ہمیں تمہارا مشورہ پسند آیا۔ واپسی کی تیاری شروع کرو۔“

گورنر، ضروری ہدایات حاصل کر کے اپنے اپنے صوبوں میں چلے گئے۔ موصی بن فیصل نے ایشیلیہ (عمران) بنایا۔ ایشیلیہ کے حاکم موسلی کے بیٹے عبدالعزیز تھے۔ عبدالعزیز اگرچہ مکہ پر سپانیہ کی فوجوں سے شادی کے بعد قدرے عیش و عشرت کی طرف مائل ہو گئے تھے لیکن بڑے شجاع، مدبر، منظم اور ویدارا انسان تھے۔ موسلی نے ہسپانیہ کی حکومت ان کے سپرد کی اور واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

انجام فائزین

جہان عزیز! نکھیں کھولو! نذر بردار شوہر نے لگ لگاتے ہوئے کہا۔

پلوں لگ لگادی مکہ کی فوجوں کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ جب کبھی عبدالعزیز کا ہاتھ اس کے پہلو کی طرف ہٹا کہ اپنی ہنسی برداشت نہ کر پاتی اور بے ساختہ کھل کھلا کر ہنس پڑتی لیکن اس وقت اس نے بڑے ضبط سے لپکا اور فریاد ”ہوں“ کہہ کر کوٹ بھلا لیا۔

امیر ایشیلیہ عبدالعزیز نے اسے پھر پھیرا:

”میں دوبارہ جارہا ہوں۔ مجھے خوشی خوشی رخصت کرو۔ ممکن ہے واپسی پر تمہارے لیے کوئی بڑا تحفہ ملے گا۔“

مکہ کی لڑائی لڑ کر پیٹھ مٹی۔

مکہ کی آنکھوں میں سرخ سرخ دھڑ سے زگیں بیاں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ مکہ کی لڑائیوں سے بے خوابی تھک رہی تھی۔

موصی بن فیصل ہسپانیہ سے جلتے ہوئے کچھ دن کے لیے ایشیلیہ میں ٹھہرے تھے۔ انھوں نے اپنا پڑاؤ قلعہ ”امیران“ میں ڈالا تھا۔ جس دن سے موسلی نے اپنے لاؤنڈری کے ساتھ ایشیلیہ میں قدم رکھا تھا، مکہ کا حصے ممکن نہ ہوئے تھے۔ مکہ کے ساتھ ہسپانیہ کی دولت سے لڑے ہوئے چھوٹے اور گاریاں تھیں۔ مکہ کو قلعہ تھا کہ موسلی ہسپانیہ کی فوجوں کے ساتھ دولت و مشق لیے جا رہے تھے۔

مکہ کی فوج میں بولی: ”تمہارا باپ تمہیں یا مجھے اور کیا دے سکتا ہے۔ . . . ہسپانیہ کے نزلے تو

دشمنی جانتے ہیں:

ملکہ کی تلخی عبدالعزیز کے دل میں تیریں کر گئی۔

ملکہ جب بھی موٹی کا ذکر کرتی تو اس کے لہجے میں تحارت بھگتی نظر آتی۔ اس نے کبھی ایک کبھی دوسری عزت سے نہ لیا تھا۔ نام تو عبدالعزیز کا مجھوہ عزت سے نہ لیتی۔ اسے ذمہ تھا کہ وہ ہسپانیہ کی سابق ملکہ ہے۔ عبدالعزیز کو بھی دہریا دہ تر لفظ "تم" سے مخاطب کرتی۔

چار دن سے عزیز اور ملکہ میں کھٹ پٹ تھی۔ ملکہ، موٹی کی آمد کے سوگ میں اٹوٹی کھوٹی لیے پڑی ہوئی کو اس کا احساں تھا لیکن وہ جھگڑے کو ہرانہ دینا چاہتے تھے۔ ملکہ ان کی بیوی ہی نہیں مجبور بھی تھی۔ عزیز ضبط کرتے ہوئے بولے:

"ملکہ..... قبلہ! احضور آج واپس جانے والے ہیں۔ روانگی سے پہلے وہ علاقوں اور گورنروں پر رڈ بدل کریں گے۔ کیا پتہ کہ تمہارے شوہر کو ایشیلیہ سے بھی بڑا صوبہ مل جائے۔" ملکہ نے عزیز کو بے دیکھا جیسے انہوں نے ملکہ کی توہین کی ہو۔ چپک کر بولی:

"امیر ایشیلیہ یہ بھول جاتے ہیں کہ میں پورے ہسپانیہ کی ملکہ رہ چکی ہوں۔ صوبیدار یاں تو میں دیکھتی خیرات میں ایشیم کرد یا کہ کرتی تھی۔ میری نظر میں یہ جیسریز کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ میں بھیک لینا پسند نہیں کرتی۔" کیا کہہ رہی پوچی نا؟

عبدالعزیز آخر کہاں تک برداشت کرتے۔ ان کا لہجہ بھی ترش ہو گیا: "میں موٹی بن نصیر کا بیٹا ضرور ہوں لیکن اس سے ہٹ کر خود میری بھی اپنی ایک الگ شخصیت ہے۔ ہسپانیہ کے بعض اہم علاقے بندوبست خیر حاصل کیے ہیں۔ مجھے جو ملے گا وہ بھیک نہیں امیری شجاعت کا مددگار۔" عبدالعزیز جھٹ کر کھڑے ہو گئے۔

ملکہ نے عبدالعزیز کو ہاتھ سے نکلنے دیکھا تو فوراً ہی نرم پڑ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھانے لگی۔

عبدالعزیز نے پوچھا: "میرا ایشیلیہ..... مجھ پر نصیب کیوں چھوڑ کر نہ جلیے؟"

عبدالعزیز نے کچھ چار باتیں، ملکہ کے کمرے میں رہتے ہوئے بھی تنہا نہیں کائی تھیں۔ ملکہ کے کمرے کے دروازے پر ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیا لیکن ملکہ کے "تغیر" کے کک ابھی باقی تھی۔

عبدالعزیز پُر وقار لہجے میں بولے:

"جان عزیز..... میں نے تم سے محبت کی اور تمہاری مرضی سے یہ شادی ہوئی لیکن مجھے یہ سوچنے پر مجبور ہے:

میں نے تم سے رشتہ جوڑنے میں غلطی کی اور....."

ملکہ نے جھٹ سے عزیز کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی:

"نہ..... نہ..... نہ..... ایسی بات منہ سے نہیں نکالتے۔ میں نے جسمِ جنم مانتہ دینے کا مددہ میری زندگی تم سے وابستہ ہے۔ تمہارے ساتھ جیوں گی اور تمہارے ساتھ ہی مردیگی لیکن کیا کرد میں یہ نہ سمجھ سکتی کہ میرے ملک کی تمام دولت دشمنی چلی جائے۔"

ملکہ کی آنکھیں جھپک پڑیں۔ اسے عزیز سے محبت تھی لیکن اپنی قوم اور ملک اسے عزیز سے کہیں زیادہ عزیز تھا۔

عبدالعزیز نے ملکہ کو تھکنے کی کوشش کی:

"دیکھو ملکہ..... ہر انسان وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہے۔ زندگی کے مدد و بدر پر کسی کا اختیار نہیں۔ فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو گدا تو خدا ہی بنا سکتا ہے۔ مجھ میں یہ طاقت تو نہیں کہ تمہیں دوبارہ ہسپانیہ کے بادشاہ بن سکوں لیکن یہ یقین رکھو کہ جس قدر دولت تم کوگی، میں تمہارے قدموں میں لا ڈالوں گا؟"

ملکہ کے دل کی بھڑاس تو آنسوؤں کے ساتھ بہ گئی تھی۔ وہ بولی:

"مجھے دنیا کی دولت سے کوئی محبت نہیں۔ میری دولت تو صرف تم عزیز..... صرف تم۔"

عبدالعزیز نے پہلے تو ملکہ کی محبت سے دیکھا پھر اپنے غلطی ہو گئے اور لگاؤ کی باتیں کرنے لگے۔ ملکہ کو

یہ بات کا انکار تھا اس نے ملکہ کی بات چھیڑ دی:

"تمہارے احضور کب واپس آئیں گے؟"

"تال چھ مہینے تو لگ ہی جائیں گے۔" عبدالعزیز نے اندازہ لگایا:

"پہلے وہ قیرواں بائیں گے۔ پھر مصر ہوتے ہوئے دمشق۔ بڑا طویل سفر ہے۔ اتنا وقت تو ضرور لگے گا؟"

ان کی واپسی تک ہسپانیہ کی بادشاہت کون سنبھالے گا؟ ملکہ نے دل کی بات الفاظ میں ڈھال دی لیکن اس

سے اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

عزیز نے مسکراتے ہوئے کہا:

"بادشاہت نہیں امارت کو ملکہ۔ ہم بادشاہت پر یقین نہیں رکھتے۔ اس عظیم منصب کے لیے طارق بن زیاد سے

بڑا کڑا معاہدہ نہیں قبلہ! احضور نے فتوحات کی ٹیک کی لیکن آواز طارق نے کیا اور وہی اس کے صحیح

ملکہ کے دل کو دھچکا لگا۔ وہ خاموشی سے کچھ سوچنے لگی

عزیز نے کہا:

”ملکہ! شاید تم سوچ رہی ہو کہ ہسپانیہ کی امارت کسی میاؤنی کو ملنی چاہیے لیکن منصب کے لیے دلچسپی کے بجائے خدمات پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تاثر نہیں کہ طارق بن زیاد کے بعد اگر کوئی منصب کے قابل ہے تو وہ یہودی سردار مغیث الرومی ہے۔“

ملکہ ایک سرواہ بھرتے ہوئے بٹلا،

”مجھے نہ طارق بن زیاد سے اور نہ مغیث الرومی سے کوئی دلچسپی ہے۔ طارق تمہارے اہل حضور کا نام ہے۔ آقا اور آقا زادے کی موجودگی میں ایک ظلم کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں دیا جاسکتا۔ وہاں مغیث الرومی تو وہی ہے۔ اس کی حکومت ہم نصرانی قبیلہ نہیں کر سکتے؟“

عزیز نے ملکہ کا مزاج برہم ہوتے دیکھا تو ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

”ملکہ! اپنے پرانے دستور کو بھول جاؤ۔ امارت نہ تو یہودی نصرانی کو دیکھتی ہے اور نہ آقا و ملا کے یہ توصلہ ہے خدمت اور قابلیت کا۔ تمہارے عبدالعزیز کا نمبر ان دونوں کے بعد ہی آتا ہے۔“

عبدالعزیز، ملکہ کی الجھی زلفوں کو پھیلتے ہوئے دروازے کی طرف چلے گئے۔

عزیز کے جانے کے بعد ملکہ آپ ہی آپ بڑبٹائی:

”یہ تمہاری سوچ ہے عزیز! لیکن میں جانتی ہوں کہ ہسپانیہ کا بادشاہ کون ہو گا اور کسے ہونا چاہیے۔“
ملکہ نے قالی بجا کر اپنی کینیر خاص کیستری کو بلایا۔ کیستری جیسے پہلے ہی سے منتظر تھی۔ وہ فوراً سامنے آواہ بجالائی۔

ملکہ نے حکم دیا:

”وینز کو فوراً حاضر کیا جائے۔“

کینیر سلام کر کے لٹے بیروں واپس چلی گئی۔

وینز نے ایک عمر رسیدہ نصرانی جرنل شہد ملکہ نے عبدالعزیز سے کہہ کر اپنی حفاظت خاص کے لیے نصرانی کا ایک دستہ قلعے میں مقرر کرا لیا تھا۔ وینز لے اسی دستے کا سردار تھا۔

ملکہ نے آہستہ آہستہ مسلمان کینیزوں کے بجائے نصرانی کینیزیں بھی قلعے میں بلانا شروع کر دی تھیں۔ کینیزوں نے

نصی اور ملکہ کی رازدار اور کینیر خاص کے فرائض انجام دیتی تھیں۔

کینیر ہی نے داخل ہو کر وینز لے کے آئے کی اطلاع دی۔

ملکہ نے اسے خوراً اندر بلا لیا۔

”میرا بھی یہی مقصد ہے ملکہ عالیہ! وینز لے نے مردہ آواز میں کہا۔“

ملکہ نے حکم دیا:

جلال طرٹ سوار دوڑا دیے جائیں۔ تمام نصرانی سرداروں کو پھانسا دیا جائے کہ اگر عبدالعزیز کے علاوہ

ہم اپنے ہم وطنوں سے یہی امید ہے۔ آج بڑھوسا بن نصیر انشلیلیہ سے واپس جا رہا ہے۔ اس کی واپسی

باجد ہوگی۔ اس مرحلے کے لیے وہ ہسپانیہ کی حکومت کسی اور شخص کو صوبہ جانے کا لیکن ہم اس کے

بچے میرا بادشاہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔“

”جو.....“ جرنل وینز لے نے گھبرا کر ملکہ کی طرف دیکھا۔

”ان وینز لے!“ ملکہ نصیہ کن انداز میں بولی:

”ہسپانیہ کا امیر یا بادشاہ صرف اور صرف عبدالعزیز ہو گا۔ صوبائی نے کسی اور کو امارت دی تو ہمیں تلواریں

چھین لیں گی۔“

”جسک ہے ملکہ عالیہ!“ جرنل وینز لے نے بڑی مشکل سے تھوک نکلنے ہوئے کہا:

”کوئی اور بادشاہ ہو اتوم اس کے خلاف مظاہرہ کریں گے۔“

”آپ باگل ہو گئے ہو وینز لے!“ ملکہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی:

”غصہ بڑا اور کمزور کیا کرتے ہیں۔ یوں تو ہم بغاوت کریں گے اور شمشیر کے زور پر عبدالعزیز کو

کوئی اور میرے مقرر ہو تو علم بغاوت بلند کیا جائے اور چاروں طرف سے نصرانی لشکر اکٹھا ہو کر اشبیلیہ پہنچے۔
اشبیلیہ میں عبدالعزیز کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے گا۔
ویرنے آداب بجالایا اور سہما سہما سا دلچسپ چلا گیا۔



موسلی نے قلعہ اشبیلیہ کے سامنے بڑے میدان میں اپنے نیچے گلوئے تھے۔ اس کے ایک کونے پر
ہسپانیہ کے تمام مسلمان، عیسائی اور یہودی سردار اشبیلیہ پہنچ گئے تاکہ ہسپانیہ کے فاتح کوشاں و غرور
سے الوداع کہیں۔ سب کے لیے الگ الگ نیچے لگائے گئے۔
تمام سردار صبح سے شام تک موسلی بن نعیر کو گھیرے رہتے۔ انہیں علم تھا کہ موسلی واپسی سے پہلے
لوگوں کو جاگیریں ملنا کرینگے اور بعض کے ہندے بڑھائیں گے۔ حقیقت بھی یہی تھی موسلی نے انہیں اکیلے غیر
طلب کیا تھا۔
موسلی کے پیش نظر ہسپانیہ کے انتظام کے علاوہ پرانے شاہی خاندان کے افراد کی وہ دروغ و تیراکی
تھیں جو انھوں نے طارق بن زیاد کی معرفت انہیں بھجوائی تھیں۔ موسلی بن نعیر نے اپنے طور پر ان کا شکریہ
کے بعد دربار خلافت سے ان کی منظوری بھی حاصل کر لی تھی لیکن ابھی تک انھوں نے اس کا اعلان نہیں کیا تھا۔
کسی بہتر موقع کے منتظر تھے اور اب ان کی الوداعی دعوت اس کا بہترین موقع تھا۔
یہ دربار فرشتی تھا۔ نہ کوئی مسند نہ گازیکی۔ نیچے میں صرف قالیمنوں کا فرش بچھا لیا تھا۔ کوئی تخت
دوسرے سے اونچا نہ تھی۔ موسلی بن نعیر، اپنے مستقر قیرواں میں بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے لیکن ہسپانیہ
میں انہوں نے سادگی اختیار کی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ طارق بن زیاد کی سادہ زندگی کا اثر ہو۔
موسلی نے اپنے دائیں جانب اپنے بیٹے عبدالعزیز کو بائیں جانب طارق بن زیاد کو بگڑے دی تھی۔ عبدالعزیز
کے ساتھ نیم دائرے کی شکل میں ہسپانیہ کے علاقائی حکمران، سرداران فوج اور عرب و بربر معززین اور
نشتیں تھیں۔ بائیں طرف اسی طرح یہودی اور عیسائی سرداروں کو بگڑے دی گئی۔ ان میں نبیث الرزق بن
شاہ و طبر (منبطیشہ) کا بھائی ابواس، منبطیشہ کے تین بیٹے المنذر، اوطاش، وقعه اور مرسیہ کا امیر نعیر بن
اشبیلیہ کے اسقف اعظم کو بھی دربار میں بلایا گیا تھا۔
موسلی کے بالوں کا مضرب اتر چکا تھا اور سردار و طرھی کے سفید بال ان کی ضعیف لعری کی نشان دہی کرتے تھے۔

موسلی نے قلعہ اشبیلیہ کے سامنے بڑے میدان میں اپنے نیچے گلوئے تھے۔ اس کے ایک کونے پر
ہسپانیہ کے تمام مسلمان، عیسائی اور یہودی سردار اشبیلیہ پہنچ گئے تاکہ ہسپانیہ کے فاتح کوشاں و غرور
سے الوداع کہیں۔ سب کے لیے الگ الگ نیچے لگائے گئے۔
تمام سردار صبح سے شام تک موسلی بن نعیر کو گھیرے رہتے۔ انہیں علم تھا کہ موسلی واپسی سے پہلے
لوگوں کو جاگیریں ملنا کرینگے اور بعض کے ہندے بڑھائیں گے۔ حقیقت بھی یہی تھی موسلی نے انہیں اکیلے غیر
طلب کیا تھا۔
موسلی کے پیش نظر ہسپانیہ کے انتظام کے علاوہ پرانے شاہی خاندان کے افراد کی وہ دروغ و تیراکی
تھیں جو انھوں نے طارق بن زیاد کی معرفت انہیں بھجوائی تھیں۔ موسلی بن نعیر نے اپنے طور پر ان کا شکریہ
کے بعد دربار خلافت سے ان کی منظوری بھی حاصل کر لی تھی لیکن ابھی تک انھوں نے اس کا اعلان نہیں کیا تھا۔
کسی بہتر موقع کے منتظر تھے اور اب ان کی الوداعی دعوت اس کا بہترین موقع تھا۔
یہ دربار فرشتی تھا۔ نہ کوئی مسند نہ گازیکی۔ نیچے میں صرف قالیمنوں کا فرش بچھا لیا تھا۔ کوئی تخت
دوسرے سے اونچا نہ تھی۔ موسلی بن نعیر، اپنے مستقر قیرواں میں بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے لیکن ہسپانیہ
میں انھوں نے سادگی اختیار کی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ طارق بن زیاد کی سادہ زندگی کا اثر ہو۔
موسلی نے اپنے دائیں جانب اپنے بیٹے عبدالعزیز کو بائیں جانب طارق بن زیاد کو بگڑے دی تھی۔ عبدالعزیز
کے ساتھ نیم دائرے کی شکل میں ہسپانیہ کے علاقائی حکمران، سرداران فوج اور عرب و بربر معززین اور
نشتیں تھیں۔ بائیں طرف اسی طرح یہودی اور عیسائی سرداروں کو بگڑے دی گئی۔ ان میں نبیث الرزق بن
شاہ و طبر (منبطیشہ) کا بھائی ابواس، منبطیشہ کے تین بیٹے المنذر، اوطاش، وقعه اور مرسیہ کا امیر نعیر بن
اشبیلیہ کے اسقف اعظم کو بھی دربار میں بلایا گیا تھا۔
موسلی کے بالوں کا مضرب اتر چکا تھا اور سردار و طرھی کے سفید بال ان کی ضعیف لعری کی نشان دہی کرتے تھے۔

ملکہ نے بے چہری اور سسے سے لہجے میں پوچھا:

اب زیادہ نہ ترسائیے۔ بتائیے کیا خوش خبری ہے۔ کس قلعے کی صوبداری آپ کو باجھور نے دی؟

صوبداری انہیں جی لوٹا۔۔۔۔۔ اباجھور نے مجھے پورے ہسپانیہ کی امارت سونپ دی ہے؟

مزید کی زبان سے ابھی یہ الفاظ پوری طرح ادا بھی نہ ہو سکتے تھے کہ ملکہ دوڑ کر ان سے پلٹ گئی۔ اور

دستی سے غور ہوتے ہوئے کہا:

موزین۔۔۔۔۔ ہسپانیہ کی شہنشاہیت تمہیں میری دعاؤں سے ملی ہے۔ خداوند یسوع مسیح ہم پر مہربان ہو

عبدالعزیز مسکرا کر بولے:

شہنشاہیت نہیں۔ امارت۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ملکہ ہنستے ہوئے بولی:

اب پورے ہسپانیہ کے سفید و سیاہ کے مالک تو تم ہو گئے نا؟

اس میں کیا شک ہے ملکہ۔ عزیز نے ملکہ کی بات کی تصدیق کر دی۔

ملکہ نے زور سے آواز لگائی:

”ارے کیسے خبری مرینہ، جوری۔۔۔۔۔ تم سب کہاں مگٹی ہو۔ جلدی سے آؤ۔“

ملکہ کی آواز سن کر عزیز نے بھرا مار کر ایک ساتھ کرے میں گھس آئیں لیکن عبدالعزیز کو دیکھ کر ٹھٹھک کے دروازے

عزیز کھڑی ہو گئیں۔

جی لوٹا، عبدالعزیز کو چھوڑ کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی اور عزیز دوسرے کہا:

”تم سب میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ۔“

عزیز اس کے پیچھے آ گئیں۔

جی لوٹا نے بلند آواز میں کہا:

”ہم ہسپانیہ کے نئے تاجدار شہنشاہ عبدالعزیز بن مولیٰ بن نفیر کو کو درنش پیش کرتے ہیں۔“

جی لوٹا، عبدالعزیز کے سامنے اسی حد تک جھک گئی کہ اس کا سر فرش کو چھونے لگا۔ یہ شہنشاہ ہسپانیہ کو

عبدالعزیز نے اس کی تقلید کی اور سب کی سب عزیز کے سامنے سر بسجود ہو گئیں۔

اسے پسینہ آنے لگا۔

بیٹوں کو بھی جاگیریں دیے جانے کا اعلان کیا گیا۔ ان افراد نے مسکانوں کی داسے، اورے، منجے، دنگ، زنجیر کے بڑے بیٹے، اندک، مغربی اندک میں ایک ہزار جاگیریں عطا ہوئیں۔ یہ جاگیریں اسپینہ کے تقریباً دوسرے بیٹے اور طباشیر کو اتنی ہی جاگیریں وسط ہسپانیہ میں دی گئیں۔ اس نے قرطبہ میں رہنے کی خوشنود تیسرے بیٹے و قعکہ مشرقی حدود میں طلیطکے اور گرد جاگیریں دیں۔

عظیم الشان کا بھائی پادری اور پاش قنذر صفت انسان تھا۔ اس نے اپنے بھائے ہسپانیہ کے کئی قلعے دیے۔ جاگیریں عطا کرنے کی خواہش کی۔ اس کی بیوی خواہش پوری کر دی گئی۔

مولیٰ بن نفیر نے سرداروں کے مشورے سے صوبداروں میں کچھ رد و بدل کیا لیکن اس طرح کہ ان کی ضرورت ضرورت بھی پوری ہو جائے اور لوگوں کی کم از کم دل شکستی ہو۔

مغل رات گئے برخواست ہوئی۔ مولیٰ کی روانگی اگلی صبح ملک ملتوی ہو گئی۔

ہر شخص اپنی جگہ خوش تھا۔ سب سے زیادہ خوشی عبدالعزیز کو تھی۔ انہیں علم نہ تھا کہ مولیٰ اپنے مافوق

بن زیاد اور مغیث الرومی کو دمشق لیے جا رہے ہیں۔ ان کی خوشی ایک نواسہ جس سے بھی کہ ان کی عجب ملنے

جس بات کی خواہش کی تھی وہ اپنے آپ ہی پوری ہو گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ طاق اور مغیث کے بعد امارت پر

حق تھا اور تمام دربار نے بلا غداراں کی تصدیق کر دی۔



عبدالعزیز قلعے میں پہنچے تو مسرت ان کے چہرے سے بھڑکی پڑتی تھی۔ وہ ایک شہنشاہ اور بادر شہنشاہ نے ان کی چال ڈھال میں ایک خاص قسم کی آن بان تھی لیکن پورے ہسپانیہ کی امارت کے تصور نے ان کی چال میں ایک عجیب طرح کی شان اور تمکنت پیدا کر دی تھی۔ آج ان کے پاس ملکہ کے لیے بہت خوش خبری تھی لیکن وہ سوچ رہا کہ کہیں ملکہ سو نہ گئی ہو اور وہ اسے یہ خوش کن خبر نہ سنا سکیں۔

جس وقت انھوں نے ملکہ کے کمرے میں قدم رکھا، ملکہ نے اسی وقت کر ڈھکی۔ عزیز تو بیٹے

پڑ مسرت لہجے میں بولے:

”جان عزیز۔۔۔۔۔ اٹھ کر عزیز کا استقبال کرو۔ تمہارے لیے ایک اہم خوش خبری ہے۔“

ملکہ جاگ رہی تھی۔ ملکہ نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔۔۔۔۔ عبدالعزیز کے اس جملے سے وہ

ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر جی لونا کو سجدے سے اٹھایا اور سینے سے لگتے ہوئے کہا:
"جان عزیز..... مجھے کیوں گنہگار کرتی ہو۔ سجدہ تو صرف خدا کے واسطے کیا جاسکتا ہے۔
"یہ سجدہ بھی خدایا کیسے میرے شمشاہہ!"

جی لونا اس وقت پھولے نہ مٹا رہی تھی:

"شمشاہہ دنیا میں خدا کا نائب ہوا کرتا ہے۔"

"نہیں جی لونا..... یہ ممکن نہیں۔ عزیز نے کہا۔"

"ان کینزوں کو حکم دو کہ سجدے سے سر اٹھائیں۔"

کینزوں کی پیشانی اب تک زمین کو چوم رہی تھیں۔

جی لونا نے عزیز کے گلے میں بانیں ڈالتے ہوئے کہا:

"یہ تو ہو گا میرے شمشاہہ۔ جی لونا عیسائی ہے۔ عیسائیت کے کچھ اصول تو آپ کو تسلیم کرنا ہوں گے۔"

کیا کہ رہی ہو جی لونا! عزیز پریشان ہونے ہوئے بولا:

"میرے باپ کو خبر ہو گئی تو یہ امارت مجھ سے چھین جائے گی۔ مسلمان اسے قطعی برداشت نہیں کر سکتے۔"

ملکہ نے ایک منٹ سمجھتے ہوئے کینزوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا:

"خبردار۔ محل کی کوئی بات محل سے باہر نہ نکلے پائے۔ محل کے اندر عبدالعزیز شمشاہہ ہوں گے۔ ان کی

تعظیم میں تمام شاہانہ طور پر نیٹے برتے جائیں گے۔ باہر اپنے دربار میں چاہے یہ امیر ہوں یا والدہ ہیں اسے

کوئی مطلب نہیں۔"

عبدالعزیز کو کوئی متعلق جواب نہ سوجھا۔ وہ بولے:

"جی لونا۔ قطعہ کے اندر تم جو جی چاہے کرو لیکن اس کی خبر باہر نہ نکلنا چاہیے۔"

"میں اس کا وعدہ کرتی ہوں شمشاہہ۔ جی لونا بڑے پیار سے بولی۔

عبدالعزیز کو پسلی بار شمشاہہ کا لفظ اچھا لگا۔

امارت یا شمشاہیت؟

وہ بھونچے ہوئے پھنس گئے!

موسیٰ بن نصیر نے ایشیلیہ سے قیرواں تک کے سفر کے دوران دولت اور مال کا سبب کی نمائش کا زیادہ
ہم پر کیا لیکن جب وہ قیرواں سے ملک شام آرواں ہوئے تو انھوں نے نمود و نمائش کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی نظر
بچا نہیں جاتی۔ آگے آگے نازک بدن، نازنا آفریں، نازنیتیں، ہسپانیہ، دوس میں نہیں اتیس ہزار پری جال
یہ رخ و صورتیں گاڑیں میں سوار تھیں۔ تالیفوں پر چلنے میں لوہے کھانے والی شہزادیاں معنی کا طریق میں بیٹھی،

برقی زانہ کا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے چار سو شہزادے اور وایان ریاست تھے۔ ان سب کا تعلق کا تھو قوم سے

ہو جہاں سے ہسپانیہ پر مگرانی کر رہے تھے اور اب سونے کے گوبند میں گریہ غلاموں میں خالی ہو گئے تھے۔

باہر واری کے اونٹوں کی کئی قطاریں تھیں۔ یہ اونٹ بڑی خوبصورتی اور نکستہ سے سجائے گئے تھے۔ ریشمی

بزرگ تھانوں کی بھولیں ان پر پڑی تھیں۔ اوپر ہوج اور عاریاں تھیں بن پر ہسپانیہ کے خزانوں کے علاوہ

نیزندہ تلواریں، ازبورات اور زر قیرواں برق بلوسات بار تھے۔

لوٹوں کے عقب میں تیس بیٹیتیں گاڑیں پر مونا چاندی، ہیرے جواہرات اور ہفت انگنوب کے پارچہ جات

روایتیں کی نمائش کا ایسا نور سامان لدا تھا جس کا نام بھی افریقہ یا عرب کے لوگ نہیں جانتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر اپنے حامدین افریقہ، مصر، عرب اور فوجی افران کے ساتھ جب قیرواں سے نکلے تو دیکھنے

والا لاکھیں کھلی ہوئی گئیں۔ ان کے جلوں کا تھو قوم کے سردار، مارلینہ کے عظیم المرتبت حکام، محافظین، خراج گزار

ادام کا ایک اتابا اگر وہ تھا کہ جس پر طیفہ وقت کے جلوس کا لگا ہوا تھا۔ ظاہر ہے اس کا مقصد سوائے شہرت

نہ تھا اور شان و شوکت کے اور کچھ نہ تھا۔

اس شانہ جلوس کے آخر میں ایک لاکھ غلام تھے جنہیں واقعی غلام بنایا گیا تھا۔ ان کے سروں پر بھی مختلف سامان

نمایا تھا غلاموں کی طویل قطاریں اگر جلوس کی عظمت دو با کر رہی تھیں تو دوسری طرف ان سے بے جانہ و دیگر کی

لوٹاں تھیں۔ اگر جلوس دیکھنے والے مرعوب ہو رہے تھے تو جلوس کے ترتیب دینے والا دماغ اور سر بھی مرعوب

ہوا کرتا تھا۔

انسان ہر صورت انسان ہے۔

موسیٰ ایک ہمارو، شجاع اور دیندار آدمی تھے لیکن افریقہ اور ہسپانیہ میں انہیں اس قدر طاقت حاصل ہو گئی تھی

ناتے قدر زمین پر نہ پڑتے تھے۔ وہ فرشتے تو نہ تھے اس لیے ان سے غلیظ بھی ہو جی۔

سب سے پہلے غلیظ طارق بن زیاد کی مرز نش تھی۔ طارق، برہنہ قوم کے محبوب سردار تھے۔ ان پر ہاتھ اٹھا کر

نہایت بڑے بڑے پادشاہان بنایا۔

مگر ہسپانیہ میں بعض مسیحائیوں اور یہودیوں نے ان کا دل کھول کر ساتھ دیا۔ والی سبتہ نواب جو لین، دیوہ کی

مردار غین اردو تے مسلمانوں کا ہر قدم پر ہاتھ دیا اور ان کے شانہ بشانہ لڑے۔

غینٹ اردو تو فاتح قرطیبہ تھا۔ اس کی فوج نے اربہ ہیلہ میں بہادری کی مثال قائم کی تھی۔ اس کی خدمت میں تقاضا تو یہ تھا کہ موسیٰ اسے ناموران فوج کے زمرے میں جگہ دیتے لیکن موسیٰ شاید غینٹ کے امیدواروں کے لئے کہ وہ طریق بن زیاد کا انتہائی وفادار دوست اور سردار تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے غینٹ اردو کو حکم دیا کہ وہ سونے کا گھونڈا گردن میں ڈال کر غلام والیان رہا کرے۔

یہ بہت بڑی زیادتی تھی طارق بن زیاد کو پہلے ہی ذلیل کیا جا چکا تھا۔ غینٹ اردو کیسے یہ حکم بھرنے پر راضی ہو گیا۔ غیور بہادی سردار یہ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اسے انکار کرنا بھی چاہیے تھا۔ موت کو گلے لگایا۔۔۔۔ لیکن موسیٰ کے دامن پر ایک ایسا دانہ چھوڑ گیا جو کبھی نہ مٹ سکے گا۔

قیرواں سے قاہرہ تک جلوس کو دیکھنے والوں کا یہ عالم تھا کہ راستے کے دونوں طرف تماشا بینوں کی دیرانی معلوم ہوتی کیا اہل شہر اور کیا اہل ایالتیں سحر اسے جو سنا، دیکھنے کے لیے بھاگتا تھا۔

جلوس پیچھے پیچھے تھا اور اس کی شہرت آگے آگے چل رہی تھی۔ ساحل سمندر کے پھیرے اور کشتیوں کی غول اپنا کام کاج چھوڑ کر جیسے جلوس کے راستے پر آجاتے۔ اس جلوس کی لمبائی اتنی تھی کہ اس کے گزرنے کی کئی گھنٹے تک جاتے۔ لوگ اپنے ہاتھ کھانا باندھ کر لاتے۔ چھوٹے دکانداروں نے پیسے کی دکانیں اپنے میں سجائی تھیں۔

جلوس کیا تھا ایک میلہ تھا، ایک تہوار تھا۔ بعض مقامات پر لوگ کئی دن پہلے پہنچ کر جلوس کا انتظار کرتے۔ جو دیکھنا دانتوں میں انگلیاں دبالتا۔ آنکھیں صبرت سے پھٹ جاتیں۔

جاہ و جلال کی غرور و نمائش نے موسیٰ بن نصیر کو واقعی مغرور کر دیا۔ چالو سوں اور خوشامدیوں کو کوئی بات نہ تھی۔ انہوں نے موسیٰ کی اتنی تعریف کی کہ ان کے فخر زمین پر نہ پڑتے تھے۔

جلوس قاہرہ میں پہنچ کر جب بنی کے کنارے پہنچا تو تمام راستے بند ہو گئے اور بڑی مشکل سے گلی میں دریا عبور کیا گیا۔

دار الخلافہ دمشق میں موسیٰ بن نصیر کی واپسی اور اس شاندار جلوس کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ وہی کہ آنے والی دولت کا تذکرہ جب دمشق کے بازاروں میں کیا جاتا تو لوگوں کو یقین نہ آتا اور وہ اسے کھن ایک سچے رجز و غلیفہ دلیہ بن عبد الملک کو بھی یقین نہ آیا کہ موسیٰ اندلس (ہسپانیہ) سے اس قدر دولت لے سکتے ہیں۔

ولید کا دلی موٹی کی طرف سے صاف نہ تھا لیکن اس کی واپسی نے اس کے تمام شکوک رفع کر دیے۔ اس نے یہ کہ وہ دمشق کے دروازے پر موسیٰ کو خوش آمدید کہنے کا لیکن موسیٰ کا جلوس بڑی سست و رفتاری سے نکلا اور ولید بن عبد الملک کی بیماری اتنی ہی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ صاحب فراش تھا اور قریب لڑکے ایک طرف شاہی طبیب اسے پچانے میں مصروف تھے۔

دوسری طرف ولید کا بھائی سلیمان بن عبد الملک اس کی جلد موت کا انتظار کر رہا تھا۔ سلیمان بن عبد الملک دلی مہر سلطنت تھا اور اسے پوری امید تھی کہ بھائی کی وفات کے بعد خلافت کا پاس کے سر پر رکھا جائے گا۔ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ آنے والی دولت کا حال جب سے اس نے سنا تھا اس کی بیت بے چین ہو گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ موسیٰ اتنی تاخیر سے دمشق میں داخل ہوں کہ ولید کا انتقال ہو چکا ہو۔

سلیمان سے زیادہ اس کے جواہروں کو اس کی فکر تھی۔۔۔۔ انہوں نے سلیمان کو مشورہ دیا کہ موسیٰ بن نصیر کو دیا جائے کہ وہ ولید کی وفات کے بعد دمشق میں داخل ہو۔

سلیمان اس وقت صرف دلی پر غور نہ کر رہا تھا۔ وہ موسیٰ کو حکم تو نہ دے سکا لیکن اس نے اپنا ایک معتمد موسیٰ کے پاس بھیج جس کے ذریعے موسیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی رفتار کسی جیلے ہانے سست کر لیں یا دمشق سے کچھ دور اس وقت تک ٹھہرے۔

سلیمان کے معتمد قاصد نے یہ پیغام جو ایک حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ جب موسیٰ کو پہنچا تو وہ بڑی الجھن میں پڑا۔ موسیٰ بن نصیر پر ولید بن عبد الملک نے شک کیا تھا۔ دربار اور خطبوں میں ان کی تحقیر کی گئی تھی۔ وہ ولید کے سامنے پہنچ کر اپنی معافی پیش کرنا چاہتے تھے لیکن دوسری طرف دلی مہر سلیمان بن عبد الملک کی دھکی آہٹیں

سلیمان کی حکم دلی، خلیفہ کی حکم مدنی تھی کیونکہ ولید کے بعد سلیمان کی خلافت یعنی تھی۔ موسیٰ بن نصیر نے ان کی باتیں۔ ان کے ہاتھوں کچھ معاملے بھی ہوئے تھے۔ وہ مغرور بھی ہو گئے تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود

خود غصے کے وفادار تھے۔ رنگ حلافا اور دیانت داری سے انحراف نہیں کرنا چاہتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر نے معتمد قاصد سے دھیمے لہجے میں کہا:

دلی مہر بہادر سے میرے ملاک کے بعد حق کرنا کہ میں خلافت اور اپنے دلی نعمت خلیفہ ولید کا وفادار ہوں۔ اگر دمشق پہنچتے پہنچتے خلیفہ کا انتقال ہو گیا تو میرے تمام آپ کے حضور میں پیش کر دی جائے گی۔

لیکن معتد قاصد نے سلیمان کے سامنے موسیٰ کا بیان اپنے الفاظ میں پیش کیا:
 اے امیر المومنین! حالانکہ ابھی سلیمان صرف ولی عہد تھا، خود سر اور مغرور غلام زاد سے موسیٰ نے بڑبڑایا ہے کہ میں ولید سے غداری نہیں کر سکتا۔ یہ دولت اس کی ہے۔

پھر اپنی طرف سے اس نے یہ ٹکڑا لکھا:
 "یا امیر المومنین! اس نے اپنے جلوس کی رفتار تیز کر دی ہے۔ وہ جلد سے جلد دمشق پہنچ کر تمام غزوات اور سامان و لیکچر پیش کرنا چاہتا ہے۔"

سلیمان بن عبد الملک یہ جواب سن کر غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا۔ ولید بن عبد الملک کے تمام اہل اوقاف و ولید کی زندگی سے ناامید ہو کر سلیمان کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان میں وہ درباری بھی تھے جنہوں نے موسیٰ بن نضر کے خلاف ولید کے کان بھرے تھے۔ اب انہوں نے ہونے والے خلیفہ کے گرد اپنا حلقہ بنالیا۔

ان میں سے ایک لکھا:
 "اس گستاخ کو ایسی سزا دیجیے کہ اس کی سات پشتیں یاد رکھیں۔"

دوسرے نے کہا:

"یا امیر المومنین! موسیٰ نے تو افریقہ اور ہسپانیہ میں اپنی خلافت قائم کر لی ہے۔ اس نے اپنے ایک بھائی عبد العزیز کو پورے ہسپانیہ کا خود مختار بادشاہ بنادیا ہے اور پورے افریقہ کا امیر دوسرے بیٹے عبد العزیز مقرر کیا ہے۔"

تیسرے نے اس کی ہاں میں ہاں مل کر کہا:

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے امیر المومنین۔۔۔۔۔ پچھلے سال میں قیروان گیا تھا۔ کیا ٹھٹھا تھا موسیٰ کے ہزاروں غلام اور کینیزیں اس کے محل میں ہیں۔ ایسی خان سے رہتا ہے کہ عقل و دماغ رہ جاتی ہے۔ ایسی خان تو دمشق کے خلیفہ کی بھی نہ ہوگی۔"

درباریوں کے اس گروہ میں موسیٰ بن نعیم کا کوئی ایک بھی ہمدرد نہ تھا۔ ہر ایک اس سے خار کھینچتا تھا۔ سلیمان، موسیٰ سے جلاتو ہوا ہی تھا۔ ان کی باتوں نے سلطنت پر تیل کا کام کیا۔

سلیمان نے کہا:

"میرے وفادار و فکر مت کرو موسیٰ سے پائی پائی اور پل پل کا حساب لیا جائے گا۔ مر و دفن!"

انتظار کرو۔

ایک درباری نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا: "امیر المومنین۔۔۔۔۔ موسیٰ، حجاج بن یوسف کا پروردگار۔"

حجاج کی طرح ظالم اور خود مر ہے۔
 ایک اور نے گڑبگائی:

"قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم بھی حجاج ہی کے گڑگے ہیں امیر المومنین۔۔۔۔۔ یہ لوگ دمشق کی خلافت پر اتارے ہوئے ہیں۔ خلیفہ کی تو پر داہی نہیں کرتے۔"

ایک درباری نے تو ایسا زہر میں بچھا ہوا تیر جلدیا کہ سلیمان تڑپ کر مہر گیا۔
 اس نے کہا:

"امیر المومنین کو یہ تو ضرور یاد ہو گا کہ موسیٰ نے حضور کی دلی عہد کی سخت مخالفت کی تھی۔ یہ تیر یا کل نشانے پر بیٹھا۔"

سلیمان ٹھنڈی سانس لے کر بولا:

"ہاں مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے۔ وہ لوگ بھی یاد ہیں جو میری مخالفت میں پیش پیش تھے۔"

موسیٰ بن نعیم کے بارے میں دمشق پہنچنے سے پہلے ولی عہد سلیمان اور اس کے حواریوں کے اس طرح کی خیالات تھے۔ ان کے خلاف نفرت کا لاداکر رہا تھا۔ سلیمان کے کان بھرے جا رہے تھے۔

موسیٰ بن نعیم پر لگے جانے والے الزامات میں سے بعض میں حقیقت بھی تھی لیکن یہ الزامات ایسے نہ تھے جو اس کی خدمات اور وفاداری کو یکسر بھگا کر اس کے خلاف یکطرفہ فیصلہ کیا جاتا۔



قدرت نے خلیفہ وقت ولید بن عبد الملک کی عمر میں پچاس دن کا اضافہ کر دیا۔

یاد تو یہ حال کہ خود کو روٹ بھی نہ بدل سکتا تھا۔ غذا تو ایک طرف دو باجی حتیٰ سے نہ اترتی تھی۔ اس کے بھائی غلامانہ لگاؤ سے ناامید ہو گئے تھے۔ کوئی دم تھا کہ جاتا تھا اور کہاں یہ کیفیت کہ ایک بیٹے کی مسلسل غشی سے اس طرح بھر کھل دیں جیسے کوئی نیند سے بیدار ہو رہا ہے۔ دعا مانگنے والوں کے چہروں پر رون کی آگئی اور لبوں پر خوشی کا عالم نمود کر آیا۔

ولید نے آنکھیں کھولتے ہی شاہی طبیب سے سوال کیا:
 "موسیٰ کہاں تک پہنچا ہے؟"

طبیب نے ستانت سے جواب دیا: "یا امیر المومنین! موسیٰ بن نعیم کا جلوس حدود شام میں داخل

ہو چکا ہے۔

ولید نے اطمینان کی سانس لی اور بولا:

”کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم نجات پانے کو دمشق کے دروازے پر پہنچ کر خوش آمدید کہیں؟“

”خدا کی ذات سے ہر چیز ممکن ہے امیر المومنین۔“ طبیب نے خلیفہ کو تسلی دی:

”جس ذات نے آپ کو ہم کہیں کھولنے کی طاقت دی ہے۔ وہی ذات والا صفات آپ کو چلنے پر بھی

کی طاقت بھی عطا کرے گا۔“

خلیفہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نفاہت نے اٹھنے نہ دیا اس نے کہا:

”ہمیں سہارا دے کر بٹھایا جائے۔“

خلیفہ ولید کو ٹیکوں کے سہارے بٹھایا گیا۔ طبیب نے دو اکا پیالہ پیش کیا۔ ولید نے بڑے اطمینان

سے دیا۔

طیب نے پوچھا:

”امیر المومنین اپنی بیماری میں کچھ افادہ محسوس کرتے ہیں؟“

”کیوں نہیں؟“ ولید مسکرایا:

”ہمیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم بالکل اچھے ہیں۔“

”الحمد للہ۔۔۔۔۔“ طبیب کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

اس رات پورے دمشق میں چراغاں کیا گیا اور مساجد میں شکرانے کے نوافل ادا کیے گئے۔

خلیفہ ولید کی طبیعت بڑی تیزی سے بحال ہو رہی تھی۔ وہ ہمہ وقت مولیٰ کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا تھا۔

مولیٰ کا آمد کا بے چینی سے انتظار تھا۔

مولیٰ بھی دمشق پہنچنے کے لیے کچھ کم بے چین نہ تھے۔ انھوں نے اپنی رفتار واقعی تیز کر دی تھی۔

تھے کہ اپنے فائے نعت کی زندگی میں دمشق پہنچیں۔ اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات کازالہ کر دیں۔

ساتھ لائی ہوئی تمام دولت ان کی نذر کریں۔



وہ جمعہ کا مبارک دن تھا، جب مولیٰ بن نصیر نے دارالخلافہ دمشق میں قدم رکھا۔ خلیفہ کو اگلے ہی دن

مدینا پہنچائی جا رہی تھی۔

بقیہ کے دن خلیفہ نے بہت فخر کی کہ دو مہینے کا استقبال کرنے شہر کے دروازے پر جلنے کا یکن شاہی

نے ہی منت سماجت کر کے اسے نہ جانے دیا۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر جامعہ دمشق میں نماز جمعہ ادا کرنے کی

پائی۔ طبیب نے ڈرتے ڈرتے اجازت دی۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں مرض کا دوبارہ حملہ نہ ہو جائے۔

خلیفہ ولید بن عبد الملک اور جامعہ دمشق کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ ولید کی ذات کی اس وقت تک تکمیل نہیں

ہو سکی۔ دمشق کی اس عظیم الشان اور رفعت نشاں مسجد کا ذکر نہ کیا جائے۔

دیباہی امور سے قطع نظر، خلیفہ ولید نے اپنے دور حکومت میں دین کے دوا لیے کام کیے ہیں جو اس کی

خیر کے فحاشی کہہ سکتے ہیں۔

اس کا پہلا کام مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی از مرز تعمیر ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر زمیں ولید نے

میں اہل کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد کی صرف قبلہ رو دیوار اور اس پر

یا کبرائیں دور میں ۴۵ ہزار اشرفیوں کا خرچ کیا تھا۔

ولید کا دوسرا اہم کارنامہ جامعہ اموی یا جامعہ دمشق کی تعمیر ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کی تعمیر پر

تین لاکھ سو سال کا خرچ صرف ہوا جس کا اندازہ چھپن لاکھ اشرفیاں لگایا جاتا ہے۔

مسجد کی تعمیر کے لیے رصیفہ پاک و بھلت، افسانہ اور روم وغیرہ سے کارگیر اور تعمیر کا سامان منگوایا

تھا۔ تعمیر روم نے اس کی تعمیر کے لیے منبت کاری کا سامان بھیجا تھا اور صرف قبرستان سے اٹھارہ ہزاروں پر

نہ ہزاروں کا آرائشی سامان آیا تھا۔ مسجد کے لیے سنگ مرمر اور سنگ سحاق ان ملکوں سے منگایا گیا جو

اس کے لیے مشہور تھے۔

جامعہ دمشق کو بارہ ہزار مزدوروں نے نو سال میں تعمیر کیا۔ اس میں اتنی وسعت تھی کہ بیک وقت

ہزاروں آدمی غذا ادا کر سکتے تھے۔ تمام عمارت سنگ مرمر کی تھی جس پر مختلف رنگوں سے بونقلی کی گئی

تھی۔ دیوار پر منبت کاری اور طلائی، لاجوردی کام تھا۔ ترمین کا یہ حال تھا کہ مسجد کے اندر چھ سو فندہ بلیں

اس کے اندر بچھ دی گئیں۔

فرض یہ کہ مولیٰ بن نصیر کو اسی مسجد میں اپنے آقا کے سامنے سرخو ہونے کا موقع نصیب ہوا جس وقت مولیٰ

ان کے قریب پہنچے تو جمعہ کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ مولیٰ اور ان کے تمام ساتھی سواریاں چھوڑ کر اپنے

مذہب کے حضور سر بسجود ہو گئے۔ بار برداری کی تمام سواریاں، اوٹ گاڑیاں، چھوڑے، سب اپنی اپنی

جگہ پر بند ہو گئے۔

نماز کے اختتام پر خلیفہ کو اطلاع دی گئی کہ موسیٰ بن نعیر بھی مہضوں میں گمانا واکر رہے ہیں۔
خلیفہ نے بڑی بے تابی سے پلٹ کر دیکھا۔ موسیٰ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خلیفہ کی طرف آ رہے تھے۔
موسیٰ قریب پہنچ کر تعظیم بجالائے۔ ولید نے اپنے دونوں بازو موسیٰ کی طرف پھیلا دیے۔ موسیٰ بڑھ کر ولید کے
سینے سے لگ گئے۔

گلے لگاتے وقت خلیفہ ولید کی آنکھیں ابھری ہو گئیں۔ یہ اشتباہ مذمت تھے۔ خلیفہ نے غدار پر غور
کی باتوں میں اُم کو موسیٰ پر شک کیا تھا۔ ان اشکوں نے تمام گلے شکوے دھو ڈالے۔ موسیٰ کے بعد طارق بن زید
اور ان کے چاروں سے ملے جن کے زور بازو سے سپانہ فوج ہوا تھا۔
ولید نے موسیٰ سے آہستہ سے کہا:
"موسیٰ... ہم تم سے بہت شرمندہ ہیں؟"

امیر المومنین بشر مندہ نوید ناچیز ہے جو جلد آپ کی قدمبوسی کے لیے حاضر نہ ہو سکا۔ موسیٰ نے سر جھکا کر
جواب دیا۔

خلیفہ نے موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:
"ہمارے ساتھ چلو۔ بیٹھ کر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"
موسیٰ نے عرض کی:

"امیر المومنین کو دوبارہ رحمت اٹھانا پڑے گی اس لیے اتنا حس ہے کہ واپسی سے پہلے مجھے مالِ کربلا کا
نذرانہ پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔"

خلیفہ وقت میں بیٹھ گیا اور حکم دیا:
"جامعہ دمشق کے باہر دربار لگایا جائے۔"

اراکینِ سلطنت تعین حکم کے لیے دوڑ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چوہدریاں لگ گئیں۔ شانِ نیک تھی۔
فرش بچھ گیا اور مسند آراستہ کر دی گئی۔

ولید موسیٰ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد سے نکل کر شامیلہ کے نیچے آئے اور اپنی مسند سنبھال لی۔ خلیفہ
نے موسیٰ کو اپنی دائیں جانب جگہ دی۔ بائیں طرف ولی عہد خلافت سلیمان بن عبد اللہ تھا۔ موسیٰ کی اس عزت کو
پر سلیمان دل ہی دل میں جل بھن رہا تھا۔

سلیمان کے برابر طارق بن زید بھی بیٹھ گئے۔
موسیٰ بن نعیر نے دمشق میں داخلے سے پہلے اپنے ایک مردار کو سمجھا دیا تھا کہ نذرانہ پیش کرتے وقت

بہاوی چیر پیٹے اور کرنسی چیزیں بعد میں نالی جلے۔

مردانے اس ترتیب کو نہ صرف ذہن نشین کر لیا تھا بلکہ یادداشت کے لیے ایک مکمل فہرست بنالی تھی۔
بند ولید نے دربارِ ماکا یا تھا اس لیے ہر ایک کو اس میں شرکت کرنے اور مالِ غنیمت دیکھنے کی اجازت تھی۔
بار کے دونوں طرف بدو در تک لوگ دور دیہ کھڑے تھے۔ از دہام کا یہ عالم تھا کہ تھالی پھینکیں تو سر کے سر جھلے
پڑیں اٹھ آیا تھا۔

سب سے پہلے چوہدری (بعض کے مطابق چوہدری) غلام سروں پر سونے کے طباق اٹھائے خلیفہ کے سامنے
کے گئے۔ سونے کے ہر طباق میں ایک تاج رکھا تھا۔ چوہدری تاج ہر پانیہ کے گزشتہ چوہدری شہنشاہوں کے
تاج سے پہلے تاج سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی تھا۔ یہ تاج کیا تھے مسیکٹوں اور ہزاروں ہیرے جواہرات
کا مجموعہ تھا۔ ہر ہیرا اور جواہر بے مثال اور نادر روزگار تھا۔ ان ہیروں کو اتنی نفاست اور سلیقے سے چڑھا
یا تھا کہ ایک ہی ہیرا دکھائی دیتا تھا جس میں سے مختلف رنگ پھوٹتے نظر آتے تھے۔

تاجوں کی نمائش کے بعد سونے چاندی کے ظروف کے کمر غلام حاضر ہوئے۔ ہر غلام کے سر پر سونے یا چاندی کا
پیرا جاری رہتا تھا۔ اتنا بھاری کمر غلام کو پسینہ آ کر رہا تھا۔ برتنوں کی تعداد کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ کئی سوئیں بلکہ کئی
ہزار غلام خلیفہ کے سامنے سے گسکا کھنٹی طرف اٹھائے گزر گئے۔ پھر پارچہ جات آنا شروع ہوئے۔ دیباہ اور
نادر لنت کے جھنگلے اور جھنگلے تھان کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں نہ ٹھہرتی تھیں۔ ان تھانوں کی تعداد بھی کئی
ہزار تھی۔

دن بھر رہا تھا اس لیے خلیفہ نے حکم دیا کہ غلام سامان لے کر جلدی جلدی گزریں۔
سونے چاندی کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ یہ جس طرح چھکڑوں پر بار کیا ہوا تھا اسی طرح خلیفہ کے سامنے
کھڑا لایا۔ ان سونے چاندی کی اینٹوں کا وزن کسی جگہ درج نہیں۔ شاید اس لیے نہیں کہ جواہرات تک چھکڑوں
کا شمار نہ لگائے گئے تھے۔

نادر اور تاباں اشیا کی آمد شروع ہوئی تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان چیزوں کی تفصیل کے لیے
بہاگ باب چاہیے۔ اس کا اندازہ صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سب سے زیادہ معمولی چیز ایک
تھانہ جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا اور یا قوتِ زہر جہد اور دوسرے قیمتی جواہرات اور موتوں سے
تھانہ کیا گیا تھا۔

مصلحہ کا اذان ہوئی تو نماز کے لیے یہ پہلے روک دیا گیا۔ مسجد اور مسجد کے باہر صفیں ترتیب پانگین اور
نہایت تھی۔

پھر خلیفہ کے سامنے چار سو سردارانِ ہسپانیہ پیش کیے گئے جن کے گلے میں سونے کے طوق پڑے تھے۔
 ان میں بھی کوئی تھیں لیکن چال میں اب بھی شکست تھی۔

خلیفہ نے پوچھا،

”کیون گگ ہیں؟“

مولیٰ نے جواب دیا،

”ایہ المومنین! یہ ہسپانیہ کے وہ سردار ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور شکست کھانے کے ہمتیار

ہوئے۔“

خلیفہ نے حکم دیا،

”ان کے طوقِ عامی اتار دیے جائیں۔ یہ چاہیں تو شاہی لشکر میں فوجی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ جو
 ہسپانیہ جانا چاہیں انہیں ہسپانیہ کی فوج میں ان کے حربے کے مطابق عہدے دیے جائیں۔ ان کی ہمدردی سے
 نڈا اٹھانا آسانی ہوگی۔“

اسی وقت سسہری زنجیریں اور طوق اتارے گئے اور سب کو آزادی حاصل ہو گئی۔

سب سے سرفہر خلیفہ کے سامنے ہسپانیہ کا سب سے زیادہ نادر تحفہ پیش کیا گیا۔ اس تحفے کے پیش
 کرنے سے دربارِ خلافت میں ایک نیا تہنہ پیدا ہو گیا۔ یہ نادر و نگار اور تبرک تحفہ تھا۔ ائمہ سلطانی، اس
 تحفے کی یہ روایت مشہور تھی کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک رحل بھی تھی
 اہل سلطانی، طارق بن زیاد کو طلبہ سے دورانِ کوکوں سے ملی تھی جو طلبہ سے بھاگ رہے تھے۔ اس میز کے
 زینہ پاؤں تھے۔ اس میز میں اس قدر جواہرات لگے تھے کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قوسِ قزح کے رنگ کے
 گڑے جواہر کو تراش کر بنائی گئی ہے۔

اس کے بارے میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ ہسپانیہ کا جو شہنشاہ تخت پر بیٹھا، وہ اظہارِ عقیدت کے طور پر
 ہاتھ لگانے کے بہترین ہیرے جواہرات اس میں جڑا دیتا۔ اس طرح یہ میز ہر دور کا عجمہ بن گئی تھی۔

طارق بن زیاد نے اس کا جو تحفہ یا یہ سونے کا بنوایا تھا لیکن جس وقت انھوں نے مولیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کا
 امیر مقرر کیا تو اس نے یہ تحفہ اپنے پاس رکھ لیا۔ طارق بن زیاد جو تحفہ یا یہ اپنے ساتھ پوشیدہ
 کر لیا تھا اس نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

ائمہ سلطانی، خلیفہ کے حضور پیش کی گئی تو دیکھنے والوں کو حیرت کا دورہ سا پڑ گیا۔ ہر شخص انگشت

نہا

نہا کے بعد کنیزانِ ہسپانیہ کی باری آئی۔ یہ امیر تہذیبوں اور رئیسِ زادیاں تھیں۔ مختلف شکل و صورت
 اور رنگ و روپ والی مگر سب بے مثال اور ایک سے ایک لاجواب سینہ۔ صغریٰ تکان اور امیری کے فرائض
 باوجود جوانی کی شادابی چہروں سے چھوٹی پڑتی تھی۔ ان کے گلے میں پڑی ہوئی سونے کی زنجیریں ان کی شاندار تھیں۔
 لیکن وہ لوگ جو زنجیر کے لطفِ شاعر سے گونہ سمجھتے تھے انہیں یہ زنجیر ایک زیور ہی معلوم ہوتا تھا۔
 امیر تہذیبوں کی کاٹیاں آنا شروع ہوئیں تو بس اتنی ہی چلی گئیں۔

خلیفہ نے ہمت سے پوچھا،

”امیران اور حسینانِ فرنگ کی تعداد کتنی ہوگی؟“

”تیس ہزار یا امیر المومنین۔“ مولیٰ نے بڑے فخر سے کہا۔

”تیس ہزار.....“ خلیفہ حیرت سے بڑبڑایا اور حیرت سے مولیٰ کا منہ دیکھنے لگا۔

مولیٰ کا سر غرور سے بلند تھا۔

خلیفہ نے پوچھا،

”کیا ان میں ہسپانیہ کے شاہی خاندان کی خواتین بھی ہیں؟“

”جی نہیں امیر المومنین۔“ مولیٰ نے جواب دیا،

”یہ سب ان نامور سرداروں کی بیویاں اور بیٹیاں ہیں جو میدانِ جنگ میں مارے گئے اور ان کا گناہ
 وارث نہ رہا۔“

خلیفہ نے حکم دیا،

”ان سب کو آزاد کیا جائے۔ یہ جس مسلمان سے چاہیں شادی کر سکتی ہیں۔ جو ہسپانیہ میں رہنا پسند
 کریں انہیں ان کے ملک واپس پہنچایا جائے۔“

”لیکن یہ تو بال غنیمت میں حاصل ہونے والی کنیزیں ہیں امیر المومنین! یہ امراضِ خلیفہ کے بھائی ہیں
 نے اٹھایا

ولید انھا کو دیکھ کر دھڑکے اور بے وقار ہو گیا۔ یہ بات پر وہ چڑ گیا اور بولا،
 ”یہ کنیزیں اس لیے بنائی گئی تھیں کہ ان کے وارثوں نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان کے
 یہی مزا کافی ہے کہ انھیں اتنی دور تک کنیز بنا کر لایا گیا۔ ہم نے انہیں آزاد کیا۔ ہمارے حکم میں دخل دینے
 کی ضرورت نہیں ہے۔“

ولید کی سخت گیری بھی مشہور تھی۔ سلیمان گھبرا گیا۔ پھر اس نے بولنے کی جرأت نہ کی۔

خلیفہ نے پر اشتیاق نظروں سے نیکو دیکھتے ہوئے کہا:
"یہ میرا تو واقعی لاشی ہے۔"

مولیٰ بن نصیر بڑے غرور سے بولے:

"یا امیر المومنین۔ یہ مادہ سلیمانی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی منبرک میز۔ یہ مجھے طلحہ کے معرکے کے دوران حاصل ہوئی تھی۔"

پتہ نہیں، یہ الفاظ مولیٰ کی زبان سے سہواً نکلے یا انہوں نے جان بوجھ کر طارقی کی کارگزاری کو پسند کیا ہے۔
ڈالنے کی کوشش کی۔

طارق بن زیاد، دربار میں سلیمان بن عبد الملک کے برابر بیٹھ گئے۔ مولیٰ کے اس جھوٹ پر انہیں بڑا غصہ آیا۔ پھر مولیٰ کے خلاف ان کے دل میں جو غبار بھرا تھا، جو عداوت تھی، اس کا انتقام لینے کا انہیں ایک جبینہ منصوبہ آ گیا۔ ممکن ہے کہ انہیں سلیمان بن عبد الملک نے شہ دی ہو۔

طارق بن زیاد بولے:

"یا امیر المومنین! غلام کا کارنامہ اپنے آقا کا کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مادہ سلیمانی اس غلام کو طلحہ کے معرکے میں حاصل ہوئی تھی۔ میرے آقا مولیٰ بن نصیر تو اس وقت تک سپاہ پہنچے بھی نہ تھے۔ اس کا چوتھا پابا میں نے سونے کا بڑا تھاکا۔ اگر حکم ہو تو پیش کیا جاوے۔"

طارق بن زیاد کے اس اظہار سے دربار میں ہلچل مچا گیا۔ مولیٰ کے مخالفین کو بغلیں، بگڑے ہوئے اور غلامی سب سے زیادہ خوش سلیمان بن عبد الملک تھا۔

مولیٰ بن نصیر اس حقیقت کی تردید نہ کر سکے۔ اس اظہار سے مولیٰ اور طارق کے اختلافات بھی کھل کر سامنے آ گئے۔ مولیٰ بن نصیر نے وقت کی نزاکت کا احساں کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔

بد قسمتی سے خلیفہ کو مادہ سلیمانی کی خبر اسی وقت مل گئی تھی جب یہ طارق کو طلحہ کے معرکے کے دوران حاصل ہوئی تھی۔ خلیفہ نے مولیٰ اور طارق کے اختلافات کی بویاں مگر اس نے اس کو ہوا دیے کی کوشش نہ کی۔ اس نے اس بارے میں مزید کوئی گفتگو نہ کی۔

ولید بن یزید بولے:

"طارق! ہماری خدمات کا بھی ہمیں اعتراف ہے۔
موسى بن نصير طرقي کے گھونٹے پکڑ کر رہ گئے۔ طارق اب ان کے ہاتھ سے انکس چکے تھے۔ وہ ان کا بگاڑ سکتے تھے۔

ولید بن عبد الملک کو کچھ خیال آ گیا۔ انہوں نے مولیٰ سے پوچھا:

"موسیٰ ہی خاندان کے افراد کی درخواستیں ہیں پیش کی گئی تھیں۔ ہم نے ان پر احکامات صادر کیے تھے۔ ان پر ایک عمل ہو سکا؟"

"یا امیر المومنین! مولیٰ کا لہجہ زندہ ہوا تھا۔ شاید انہیں طارق بن زیاد کی باتوں سے تکلیف پہنچی تھی: احکامات پر پورا پورا عمل کیا گیا۔ سابق شمشادہ و طبر (عظیمیہ) کے تینوں لڑکوں المبدأ، اوطاش اور یارگیر میں دسے دی گئیں۔ شمشادہ کے بھائی نے ایک شہر کے اسقف کا اہمہ منبجالیہ۔ تھوڑو میر کو رسیہ کی گورزی پر بحال کر دیا گیا اور نواب جوہن کی ہسپانیہ کی جاگیر انہیں واپس کر دی گئی۔"

"جو ان اللہ" خلیفہ کے منہ سے نکلا:

"مولیٰ! ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تم نے اپنے کردار سے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی خود تردید کر لی ہے۔ تم نے تمام ہوا ورنہ لاپچی..... ہمیں تمہاری وفاداری میں بھی کوئی شبہ نہیں۔"

مولیٰ بن نصیر کی طبیعت میں طارقی کی باتوں سے جو افسردگی پیدا ہو گئی تھی، ولید کی گفتگو سے وہ ختم ہو گئی۔

یہی طرح پھر شمشادہ کی باتوں نے لگے:

ولید نے حکم دیا:

"ہم فاتح ہسپانیہ کو تین خلعتوں سے نوازتے ہیں۔ خلعتیں حاضر کی جائیں۔"

شمادہ کی ملازمین بڑے مزاج شناس ہوتے ہیں۔ وہ اصل ان کی ملازمت ہی مزاج شناسی پر منحصر ہوتی ہے۔ شمشادہ نے دربار کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اس میں خلعتوں کی تقسیم ضرور ہوگی۔ اس نے ان کا اہتمام پہلے کر لیا تھا۔ خلیفہ کے منہ سے خلعتوں کا نام سننے ہی تین خلعتیں حاضر کر دی گئیں۔

خلیفہ ولید نے چاندی کی سیبی میں رکھی خلعتوں کو ہاتھ سے چھو کر مولیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ مولیٰ نے خلعتوں کو ہاتھ سے لے کر لے لیا۔

خلیفہ نے مولیٰ کے لیے پچاس ہزار نقد اثرو فیوں کے انعام کا بھی اعلان کیا۔ مولیٰ اور طارق کے ساتھ ان کے سرداروں نے ہسپانیہ میں کاروائیے نمایاں انجام دیے تھے، انہیں فرداً فرداً خلعتیں عطا ہوئیں اور انعامات بھی دیے گئے۔ مولیٰ بن نصیر کے بیٹوں کے مراتب میں اضافہ کیا گیا۔

تاہم انہیں طارق بن زیاد کا ذکر جامعہ دمشق کے دربار تک کرتی ہیں۔ اس کے بعد ان کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔

خلیفہ ولید نے طارق بن زیاد کو بھی خلعت عطا کی اور دار الخلافہ دمشق میں ایک سجاسیا یا محل رہائش کے لیے

بخش دیا۔ پھر طارق کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ وہ گمناہی میں ڈوب گئے۔ طارق ہسپانیہ واپس نہیں گئے بلکہ ان کا اولاد کا ہسپانیہ میں پتہ چلتا ہے جو الحمد للہ کے آنے تک وہاں موجود تھی۔



”الحمد للہ..... دنیا دھوکے کی جگہ اور باطل کا گھر ہے۔ رونے والے کو ہنسائی اور ہنسنے والوں کو رلاتی ہے۔ بے خوف کو خوفزدہ کرتی ہے اور خوفزدہ کو امن دیتی ہے۔ دولت مند کو محتاج کرتی ہے اور محتاج کو دولت مند کرتی ہے۔ اہل دنیا کو مائل کرنے والی، دھوکا دینے والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔

عباد اللہ..... کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اسے اپنا رہنما مانو کہ وہ اپنے ماقبل کتابوں کی ناسخ ہے اور خود اس کو کسی کتاب نے منسوخ نہیں کیا ہے۔

سلمان بن عبد الملک نے اپنی عالمانہ اور فاضلانہ تقریر ختم کی۔ دو بار میں ہر طرف سے جہاں اللہ الارباب سبحان اللہ اور آمین کی آوازیں بلند ہوئیں۔

سلمان بن عبد الملک کے تخت خلافت پر بیٹھنے کی یہ پہلی تقریر تھی۔

ولید بن عبد الملک نے جمادی الثانی ۹۶ھ میں انتقال کیا۔ ولید کی اٹھارہ اولادیں تھیں لیکن اس کے باپ عبد الملک نے ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس لیے ولید کے انتقال کے بعد سلیمان کو تخت خلافت حاصل کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔

سلمان کی تقریر کا ہر لفظ وینڈاری اور اخلاق حسنہ کا کھلا ثبوت تھا۔ واصل یہ سب کچھ حضرت عمر بن عبد العزیز کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ سلیمان کی ولید کی زمانے میں وہ اس کے مشیر تھے اور اب مشیر و وزیر کے لقب پر فائز ہوئے۔

اسی فیض صحبت کا اثر تھا کہ تقریر کے فوراً بعد سلمان نے اعلان کیا: ”بلا تخصیص تمام قیدی رہا کر دیے جائیں۔ جلیس خالی کر دی جائیں۔“

جلیس خالی ہو گئیں.....

خونی، قاتل، ڈاکو، چور، اچکے اور حکومت کے باغی، سب ہی آزاد ہو گئے۔ ان میں سیاسی قیدی اور مذہبی گناہ بھی ہیں گے لیکن سلیمان نے سب کو آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے والوں کے عزیز و اقارب نے خوشیاں منائیں اور سلیمان کو دعائیں بھی دیں۔

کہتے ہیں کہ فیض صحبت اور کردار ہم نشین اپنا اثر دکھاتے ہیں۔

عمر بن عبد العزیز نے اپنے کردار و اطوار اور نیک مشوروں سے سلیمان کو متاثر فرود کیا لیکن فطری جبلتیں یا تو بڑی نہیں ہوتیں یا پھر ان پر آہستہ آہستہ رنگ چڑھتا ہے۔ سلیمان میں انتقام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان تمام اشخاص کو غرمت تیار کر لی تھی جن سے دے دلا ہمدی کے زمانے میں اختلافات رہے تھے یا انہوں نے کسی وقت اس کی مخالفت کی تھی۔ مخالفین کی اس بات میں حجاج بن یوسف کا نام بھی تھا۔

حجاج بن یوسف نے سلیمان کی ولید کی شدید مخالفت کی تھی اور ولید بن عبد الملک کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بے اعشارہ بیٹوں میں سے کسی کو ولی عہد مقرر کرادے لیکن ولید ایسا نہ کر سکا۔ یہ بات کھل گئی اور اس کی خبر سلیمان کے ان تک پہنچ گئی۔ سلیمان نے حجاج کا نام اسی لیے سرفروغ سے رکھا تھا۔

حجاج بن یوسف خوش قسمت تھا کہ سلیمان کی تخت نشینی سے پہلے ہی مر گیا اور نہ خدا معلوم سلیمان اس کا پلہ بھرنے کا۔ حجاج کے قریب ترین اور وفادار سردار قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نعیر تھے۔ سلیمان کو حکم تو ہر صورت لینا ہی تھا۔ قتیبہ بن مسلم شہل میں تھا۔ اس کا قتل اگرچہ برا اور امت سلیمان کے حکم سے نہیں ہوا لیکن پھر وہ سلیمان کا جذبہ انتقام کا سر کر رہا تھا۔

حجاج کا جیتنا محمد بن قاسم، سندھ عبید کر کے ملتان پہنچ چکا تھا۔ سلیمان نے اسے معزول کر دیا اور ہر طرح کی تکلیفیں دے کر قتل کر دیا۔

موسیٰ بن نعیر، دمشق میں موجود تھے۔ ولید بن عبد الملک نے صرف چالیس دن پہلے انہیں تین خلعتیں اور پیسے ان کے بیٹوں کے ہمدون کا اضافہ ہوا تھا لیکن اکتالیسویں دن کا سورج ان کی گرفتاری کا پروانہ لے کر طلوع ہوا۔

موسیٰ کو گرفتار کر کے پایہ زنجیر کر دیا گیا۔

والی افریقہ اور فاس ہسپانیہ موسیٰ بن نعیر، طوق و سلاسل میں الجھا ہوا دربار میں پیش کیا گیا تو کتنی ہی گراؤ و بے باکیوں کے بعد کتنی ہی سرد آہیں نکلیں۔

بیانت نہیں:

یہ الزام بھی غلط اور بے بنیاد تھا۔ سلیمان کو دراصل صدمہ اس بات کا تھا کہ موٹی کو پچاس ہزار اشرفیاں نقد ہدیہ کی گئیں۔ اس نقصان کو اس نے خیانت کا نام دے دیا۔

اسی سال بڑھکے حوصلے میں کوئی فرق نہ پڑا۔ اس نے کہا:

”یا امیر المومنین..... میں نے ہسپانیہ میں جو کچھ خرچ کیا، وہ یا تو اسلامی لشکر پر خرچ ہوا یا پھر مفتوحہ زمین اور عوام کی بہبود پر خرچ ہوا۔ میں نے کئی ہوائے مژگیں تعمیر کیں۔ شفا خانے اور مدارس کھولے۔ یہ سب عوام اور لشکر کا دل جیتنے کے لیے کیا گیا تاکہ نئے ملک میں نئی سلطنت کو استحکام ہو۔ میں نے اپنی ذات پر تو ایک بڑی خرچ نہیں کیا۔“

سلیمان بن عبد الملک اس جواب سے اور چرچاں پا گیا۔ موٹی بن نصیر نے اخراجات کی جو تفصیل بیان کی، اس پر اس کو ملحق ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ وہ اور بڑا فروختہ ہو گیا اور گمراہ ہو گیا: ”تم سرکش اور خود مرہے، تیری باتوں سے بغاوت کی بُرائی ہے۔“ موٹی نے فوراً جواب دیا:

”یا امیر المومنین! میں نے نہ خود سری کی ہے اور نہ سرکشی۔ حالانکہ میں ایسا کر سکتا تھا۔ میں افریقہ کا والی ہسپانیہ کو میں نے بڑی شمشیر فتح کیا۔ میرے پاس اتنی طاقت تھی کہ اگر میں بغاوت کر بیٹھتا تو افریقہ اور ہسپانیہ کی حکومت میرے ہاتھ سے کوئی نہ چھین سکتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا..... میں نے اپنے اہل قلعے نعت و طاقت و وقت سے تنگ حرامی نہیں کی۔ میں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور تمام مال غنیمت لے کر قدم بوسہ دینے حاضر ہو گیا؟“

موٹی کا ہر جواب جامع اور مدلل تھا لیکن شخصی حکمرانوں کی یہ خرابی ہے کہ ان کی زبان کا نکلا ہوا ہر حکم بڑھکے۔

خلافت راشدہ کے بعد اسلامی خلافت نے بادشاہت کا روپ دھار لیا تھا۔ ہر خلیفہ اپنے آپ کو خود مختار و مطلق تھا۔ نہ وہ عدالت کا پاس کرتا تھا اور نہ وزیروں، مشیروں کی بات سنتا تھا۔ سلطان نے دیکھا کہ دربار میں بعض لوگ موٹی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے انہیں اس کے ساتھ لڑنا ہوا اس لیے سلیمان نے ایک سینا الزام تراشا۔

اس نے کہا:

”موٹی! کیا تیری نظر میں ہسپانیہ سے شام تک نیزے سے سوا کوئی اور معزز نہیں جو تونے اپنے ایک بیٹے کو

عمر بن عبد العزیز نے سلیمان کو کیسے کیسے نہ بچایا ہو گا۔ وہ بیشتر بھی تھے اور دزیر بھی..... لیکن معلوم ہوا ہے کہ سلیمان نے ان کی ایک نہ سنی خوردہ اتنی حال کے اس جلیل القدر سردار کو اتنی ذلت کے ساتھ دربار میں نہ لایا جاتا۔“

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے موٹی پر خود فرد جرم عائد کی اور موٹی پر حقارت سے نظر ڈالتے ہوئے کہا: ”اے نصیر کے شیطان بیٹے! تونے ہماری حکم عدلیہ کی کیسے جرأت کی؟“ موٹی کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ اسوں نے سر اٹھایا اور حوصلے سے کہا: ”یا امیر المومنین! میں نے آج تک خلیفہ وقت کی کبھی حکم عدولی نہیں کی۔ مجھے اس حکم سے آگاہ کیا جائے؟ امیر المومنین نے صادر فرمایا اور میں بجا نہ لایا؟“

سلیمان غصے اور نفرت سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے موٹی کے خلاف بہت سے الزامات تراش رکھے تھے لیکن پہلا الزام لگاتے وقت ہی ٹھوکر کھا گیا۔ وہ کیسے کہتا کہ اس نے قاصد کے ذریعے موٹی کو حکم دیا تھا کہ اس وقت دُشمن لڑے کہ دُشمن پہنچتے پہنچتے خلیفہ ولید کا انتقال ہو چکا ہو تاکہ مال غنیمت کا وہ وارث بنے۔ مال غنیمت انے پہلے نہ مال کیونکہ اب تو لچکا تھا پھر بھی اسے موٹی سے دشمنی ہو گئی تھی۔

سلیمان ذرا الجھا پھر کچھ سوچتے ہوئے بات پلٹ دی اور بولا: ”ہماری حکم عدلیہ نہیں بلکہ سائق خلیفہ ولید بن عبد الملک کی حکم عدلیہ۔ جب تجھے ہسپانیہ سے واپس آنے کا حکم دیا گیا تو تونے کتنے میں تاخیر کیوں کی؟“ ”وجہ تاخیر موجود تھی یا امیر المومنین؟“

موٹی بن نصیر کھگئے کہ ان کی قسمت پٹا کھا چکی ہے۔ سلیمان انہیں عزم کر دینے پر تیار ہوا ہے۔ ایسے دم کی بیک مانگنا بے کاہ ہے۔ ان میں حوصلہ پہلے ہی موجود تھا۔ حالات کی اس سنگینی نے انہیں اور حوصلہ نہ بنادیا۔

موٹی بن نصیر نے بڑے حوصلے سے وضاحت کی:

”یا امیر المومنین! جس وقت سائق خلیفہ کا حکم نامہ مجھے ملا..... تو مجھے اس وقت ہسپانیہ فوجوں سے جنگ میں الجھا ہوا تھا اور فتح باطل قریب تھی۔ اگر میں جنگ ادھوری چھوڑ کر ہسپانیہ آتا تو افواج اسلام کی قیمتی جانوں کے نقصان کا بردہست خطہ تھا..... فتح حاصل ہوتے ہی میں عازم دمشق ہو گیا۔“

وہاں کا جواب بڑا مدلل تھا لیکن جب سنے دربار کا کان بد کرے تو اس کا کیا علاج: سلیمان نے گرج کر دوسرا الزام عائد کیا: ”مال غنیمت کا نصف حصہ ہسپانیہ ہی میں خرچ

ہسپانیہ، دوسرے کو راکش اور تیسرے کو تیونس کا والی مقرر کیا۔

درباریوں کے رچھٹے ہوئے چہروں پر رونق سی آگئی۔

یزید بن حبیب نے کہا:

امیر المومنین نے خادانِ خلافت کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشی کہ جو احسانِ عظیم کیلئے اس کے یہ

بہادرانہ تشکوِ پیش کرتے ہیں۔

سیمان نے جیسے یزید بن حبیب کے شکریہ کے الفاظ سنے ہی نہ تھے یا پھر ایک کان سے سی کہ دوسرے

پر۔

یا حکم جاری ہوا:

”موسیٰ پر دو لاکھ دینار جرمانہ کیا جاتا ہے۔ جب تک ادا ہوگی نہ ہو، موسیٰ کو قید میں رکھا جائے۔“

دو لاکھ دینار کی ادائیگی موسیٰ کے لیے قطعی ناممکن تھی۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب ہی ضبط کیا جا چکا تھا۔

اپنے بڑے کمپڑوں کے علاوہ ان کے پاس ایک بھٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ خلیفہ ظلم پر مائل تھا تو اراکینِ مصلحت موسیٰ

بے پروا بن کر باندھ چکے تھے۔

یزید بن حبیب نے ایک بار اور جرأت کی:

امیر المومنین نے موسیٰ کی جسمانی سزا معاف کر کے اراکینِ دولت پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اراکینِ دولت کو

سزا ہونے کی رقم ادا کرنے کی انہیں اجازت دی جائے گی۔ یہ ایک ادراحتان ہوگا۔

”نہیں حبیب..... یہ نہیں ہو سکتا۔“

سیمان نے درخواست سختی سے رد کر دی:

”جرمانہ موسیٰ کو ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اسے بھیک مانگنا پڑے۔“

اب خلیفہ کے منہ کون تاتا کہ کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔

خلفائے ہواہیت اور مظاہرے عباسیہ (ماسواچند) کے اسی رویہ اور مطلق العنانی نے نہ صرف خلافت کے

ناگوار بنائے بلکہ اسلام کے زہریں اصولوں کو بھی بری طرح پامال کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز، سلیمان کے وزیر و مشیر تھے لیکن سلیمان کی مطلق العنانی اور اکارین و سردارانِ فوج

”سلیمان نے جو سولہ کیا“ اس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے اور تقریباً گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ سلیمان کے

ظلم و غفلت کے دوران ان کا نام کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

نقی بن نعیر پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

”کر دربار رسوا ہوئے۔ جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ ولید نے جو دیا، سلیمان نے چھین لیا بلکہ دہل

سیمان کا ہر سوال یا جملہ انتہائی حوصلہ شکن تھا لیکن موسیٰ کے قدم جس طرح میدانِ جنگ میں جے رہے تھے

اسی طرح دربار میں بھی قائم رہے۔ ان کے قدم ذرا بھی نہ ڈگمگائے۔ سیمان ان کے حوصلے پر کوئی قرب نہ لگا سکا۔

موسیٰ نے کہا:

”امیر المومنین! میرے بیٹوں نے ہسپانیہ، مصر، مورقہ، مروانیہ اور موسیٰ اقصیٰ کو زیرِ نگیں کیا۔

اس لیے مجھے اپنے معزز ہونے پر فخر نہ ہوگا تو اور کسے ہوگا۔“

”موسیٰ کا تاہم مال و متاع ضبط کر لیا جائے۔“ خلیفہ سیمان نے فاتحِ ہسپانیہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

دربارِ تھرا اٹھا....

کئی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

لیکن سیمان کو ٹوکنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ درباریوں نے اگر کچھ کیا تو صرف اتنا کہ وہ رحم طلب نظر دے

خلیفہ کو دیکھنے لگے۔

سیمان کو یہ خاموش البتہ ناگوار گزری۔

دوسرا حکم صادر ہوا:

”موسیٰ کو روزانہ دوپہر کے وقت ظہر سے عصر تک برہنہ پادیت پر چلایا جائے۔“

اللہ اللہ! یہ انجام تھا فاتحِ ہسپانیہ کا۔

وہ امیرِ مدینہ حلیل القدر سردار، جس کے ناک سے افریقہ اور ہسپانیہ میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ چچلانی

دھوپ میں گرم ریت پر چلتا رہا۔

پیروں میں پھلے پڑتے اور پھرتے رہے۔

زخم کپتے رہے۔

یہ سزا موقوف ہوئی لیکن یہ حکم دیا گیا:

”موسیٰ کو دربار کے سامنے ستون سے باندھ دیا جائے۔“

یہ ستون بے پتھر کا تھا اور دن کے بیشتر حصے میں اس پر دھوپ رہتی تھی۔ حسبِ حکم موسیٰ کو دربار کے اوقات کے

دوران روزانہ اس ستون سے باندھ دیا جاتا۔ گرم پتھر کے ستون نے ان کی کھال کو جھلا کر رکھ دیا مگر خلیفہ کو دم

نہ آیا۔

اس کے انتقام کی آہ اب تک ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔

دینار کاٹا وان لگا کر امیں بالکل ہی مفلس اور قفاش بندایا۔

موسلی پر ان مخالف کم و داستان دشتی میں عاک ہوئی۔ پھر افریقہ ہوتی ہوئی ارض ہسپانیہ پہنچی۔ ہسپانیہ کی ولایت ان کے بیٹے عبدالعزیز کے ہاتھ میں تھی۔ انھیں باپ کے مصائب کا علم ہوا لیکن وہ کچھ نہ کر سکے کیونکہ ہسپانیہ کے حالات کسی اور ہی ڈگر پر چل پڑے تھے۔

عبدالعزیز کی بیوی، سابقہ شہنشاہ ہسپانیہ کی بیوہ ملکہ اسے جی لونا بڑی تیزی سے ہسپانیہ کی سیاست پر چھاتی چلی جا رہی تھی۔

یزید بن حبیب، موسلی کا بھی دوست تھا۔ اس نے امیروں سے وعدہ کیا کہ موسلی کو معافی دلانے کی پوری

بڑی کوشش کرے گا۔

یزید بن حبیب نے ایک دن خلیفہ کو بہت خوش دیکھا۔ اس نے موقع منیت جانا اور بھرے دربار میں سفارش

لئے ہوئے کہا:

ایا امیر المؤمنین! موسلی کو اپنے کیسے کی بہت منراں چکی۔ اب بدگمانی مالی التجا کرتے ہیں کہ موسلی کی ضعیف عمری

پیش نظر انھیں معاف کر دیا جائے۔

سلیمان کا مزاج ایک دم بڑا گلد وہ بولا:

نبیب! جرم و منراں کے بارے میں ہم کبھی کبھی سفارشی نہیں سننا چاہتے۔ ہم پہلے موسلی پر بہت رحم کر

لیے ہیں کہ اس کی زندگی اب تک سلامت ہے۔

موسلی بن نعیر، دربار کے ملنے گرم سنگی ستون سے بندھ تھے۔ خلیفہ کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی تو

پاسے التجا کی:

ایا امیر المؤمنین! اس اذیت سے موت بہتر ہے۔ میں امیر المؤمنین سے موت کی درخواست کرتا ہوں۔

سلیمان بھاری آواز میں بولا:

”نہیں موسلی.... موت تمہارے جرموں کی منراں سے بہت کم ہے۔ تم زندہ رہو گے۔ ہم تمہارے قتل کا الزام

نہیں لگائیں چاہتے۔“

یزید بن حبیب نے پھر ہمت کی:

”ہم تمام اذخاد اراذل تخت، امیر المؤمنین کے الحاف حضورانہ سے رحم کی اپیل کرتے ہیں۔“

امیر لونا اور وزیروں کی ایک ہی وقت میں یہ دوسری اپیل تھی۔

سلیمان سوچ میں پڑ گیا۔ ذرا خاموش رہنے کے بعد حکم دیا:

”موسلی کو ستون سے کھول دیا جائے۔“

ان پر مصائب کے پھاڑ ٹوٹ پڑے۔ مال و متاع ضبط، کوڑی کوڑی کو محتاج، جو دیکھا عبرت پکڑتا ہوئی اور

عبدالعزیز کے کچھ بھروسہ دار و بار دشتی میں موجود تھے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ایک ہزار فادار و اذخاد

کے راستے سے ہسپانیہ بھیجا کہ وہ موسلی کے بیٹوں بیٹوں کو ان حالات سے آگاہ کرے جو موسلی بن نعیر پر لگے

رہے تھے۔

صبار فادار قاصد ایک طویل بری اور بحری مسافت طے کر کے ایشیلیہ میں داخل ہوا۔ افریقہ میں اسے زیادہ

وقت لگا تھا۔ موسلی کے دو بیٹے قیروان اور طنجه میں موجود تھے۔ انھوں نے قاصد کو کافی دنوں تک روکے رکھا۔

دونوں آپس میں صلاح مشورے کرتے رہے تاکہ اگر خلیفہ ان پر ہاتھ ڈالے تو متدیہ قدم اٹھایا جائے۔ انھوں نے

قاصد کے ذریعے اپنے اس ارادے سے عبدالعزیز کو مطلع کیا۔

قاصد ایشیلیہ میں شام کے وقت پہنچا۔

ایشیلیہ والوں کو دشتی کے حالات کی کوئی خبر نہ تھی۔ شہر اور قلعے میں بظاہر ہر سکون تھا لیکن عبدالعزیز اور

ملکہ ہسپانیہ اسے جی لونا کی شادی نے سوار دن کو سبے چین کر رکھا تھا۔ ان کو شدید شدہ یہ خبر مل چکی تھی کہ ملکہ

عیسیٰ کی کنیزیں، عبدالعزیز کو سمدہ کرتی ہیں۔ انھوں نے کچھ اور باتیں بھی سنی تھیں جن کی تصدیق ابھی باقی تھی۔

اس دن ملکہ کی لونا کی منگہ تھی۔ اس نے عمل سرا کہ خوب آراستہ کر لیا تھا۔ شام کو اس کا راجہ بندے نے

میں چراغ افروز کئے۔

ملکہ نے عزیز سے وعدہ لیا تھا کہ آج شام آئندہ دربار سے جلدی اٹھے گا تاکہ اس کی سالگرہ کی مناسبت

میں چراغ افروز کئے جائیں۔

ملکہ نے عزیز سے وعدہ لیا تھا کہ آج شام آئندہ دربار سے جلدی اٹھے گا تاکہ اس کی سالگرہ کی مناسبت

میں چراغ افروز کئے جائیں۔

ملکہ نے عزیز سے وعدہ لیا تھا کہ آج شام آئندہ دربار سے جلدی اٹھے گا تاکہ اس کی سالگرہ کی مناسبت

میں چراغ افروز کئے جائیں۔

ملکہ نے عزیز سے وعدہ لیا تھا کہ آج شام آئندہ دربار سے جلدی اٹھے گا تاکہ اس کی سالگرہ کی مناسبت

میں چراغ افروز کئے جائیں۔

شریک ہو عزیز پرچی لوٹا کی محبت کا اتنا اثر تھا کہ وہ اس کی ہر بات بے چوں و چرا مان لیا کرتا تھا۔
جی لوٹا کی بے پناہ محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود عبدالعزیز کی دینداری میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اپنا
انتظام میں بھی پوری دل چسپی لیتا اور عدل و انصاف میں کوئی کوتاہی نہ کرتا کیونکہ صبح ہی سے اس کا دل بیٹھا ہوا
تھا۔ کوئی بات اچھی نہ لگتی تھی صبح کو جب اس کی محبوب مکہ نے خبر دی کہ آج اس کی سالگرہ ہے تو جو عزیز
کچھ زیادہ خوشی کا اظہار نہ کر سکا۔

اس وقت بھگوان اپنے سرداروں کے ساتھ اداس اداس دربار میں بیٹھا تھا جب اسے دشمن سے ملنے
والے قاصد کی اطلاع دی گئی۔

عبدالعزیز کا دل ایک نامعلوم خوف سے دھڑکنے لگا۔ اس نے قاصد کو فوراً طلب کر لیا۔ قاصد دربار میں
حاضر ہو کر تعظیم بجالایا۔ عزیز نے قاصد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا لیکن قاصد خاموش نظریں نیچی کیے کمر
رہا۔

عبدالعزیز نے پوچھا:

”اے قاصد تیرا نامبارک ہو لیکن تو خاموش کیوں ہے؟“

قاصد نے نظریں اٹھا کر درباریوں کو دیکھا پھر ہمت سے بولا:

”اے امیر محرم! اگر اس دربار تک دشمن کی کوئی خبر نہیں پہنچی تو مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے
کہ میرا نامبارک نہیں اور میری عود نامبارک خبر تجلیے میں سنا ناچاہتا ہوں۔“

عبدالعزیز کے کچھ کہنے سے پہلے ہی تمام درباری ایک ایک کر کے دربار سے نکل گئے۔ سب سے آخر میں
ایوب باہر جانے کے لیے اٹھا۔ ایوب، عبدالعزیز کا قریبی رشتہ دار اور گرام دوست تھا۔

”تم میرے پاس بیٹھے رہو ایوب۔ عبدالعزیز نے افسردگی سے کہا۔

ایوب چپ چاپ بیٹھ گیا۔

ہر طرف خاموشی چلی گئی۔

عبدالعزیز سر جھکاٹے بیٹھا تھا۔ اس کی محبت نہ پڑتی تھی کہ وہ قاصد سے نامبارک خبر کے بارے میں
دریافت کرے کیونکہ یہ خبر اس کے باپ کے مارے جانے یا خود اس کی معزولی کے سوا اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔

اس خاموشی کو ایوب نے توڑا۔ اس نے قاصد کو مخاطب کیا:

”اے قابل احترام قاصد.... ہمیں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے انتقال اور خلیفہ سلیمان بن عبد

کے تحت خلافت پر بیٹھنے کے علاوہ اور کسی شخص خبر کی اطلاع نہیں ملی۔“

”قاصد نے سر جھکاٹے ہوئے امیر ہسپانیہ کی طرف دیکھا اور زبان کھولی:

”ہسپانیہ کے دیندار اور بادشاہ امیر عبدالعزیز کو دربار خلافت دمشق میں اس کے ہمدردوں نے یہ
یہ اطلاع پہنچی ہے کہ فاتح ہسپانیہ، مجاہد کیرموسی بن نعیر نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے کتاب
انکار پر متحیر و دلیل کیے گئے۔ ان کے تمام اعتراضات اور مال و متاع ضبط کیا گیا اور اب وہ قید و بند کی
دین برداشت کر رہے ہیں۔“

”خدا رحم فرما!“ بے ساختہ عبدالعزیز کے منہ سے نکلا اور آنکھوں میں اشک بھر گئے۔

قاصد نے مزید انکشاف کیا:

”آپ اور موسی بن نعیر کے ہمدردوں کی خواہش ہے کہ آپ اپنی حفاظت کا مناسب انتظام کر لیں۔ خلیفہ
بن کتاب کسی وقت بھی آپ پر نازل ہو سکتا ہے۔“

ایوب نے پوچھا:

”کیا خلیفہ نے امیر عبدالعزیز کی معزولی کے احکامات جاری کر دیے ہیں؟“

یہی سوال خود عبدالعزیز قاصد سے پوچھنے کے لیے بے چین تھا۔

قاصد نے کہا:

”خلیفہ نے یہ قدم اب تک تو نہیں اٹھایا لیکن اس کا امکان موجود ہے۔ خلیفہ کو بتایا گیا ہے کہ اگر
ہسپانیہ کو معزول کیا گیا تو ہسپانیہ میں بغاوت ہو جائے گی کیونکہ افریقیہ کی پوری بربر فوج آپ پر جان
بٹھائی ہے۔ وہ آپ کی معزولی برداشت نہ کر سکے گی۔“

عبدالعزیز نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ عبدالعزیز کے دوست اور بھائی ایوب نے دیکھا کہ امیر
عزیز بہت غمگین ہیں اور گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس نے قاصد سے گفتگو کا فرض اپنے سر لے لیا۔

ایوب نے دریافت کیا:

”امیر ہسپانیہ کے ہمدردوں نے ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کیا مشورہ دیا ہے۔ ہم بغاوت کر کے
مقام قائم کر لیں یا دربار خلافت سے تعلق برقرار رکھیں؟“

اس مسئلے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا گیا۔“ قاصد نے بتایا:

”ہمدردوں نے صرف یہ مشورہ دیا ہے کہ سرداروں کی زیادہ سے زیادہ دلداری کر کے انہیں اپنے قابو
میں رکھیں۔ اور اپنے مخالفوں پر نظر رکھی جائے۔“

عبدالعزیز کو اس خبر سے بڑا اطمینان ہوا کہ دربار خلافت میں اس کے ہمدرد بھی موجود ہیں۔ دراصل جو

لوگ دربار خلافت میں تھے، ان کا کوئی زور نہ چل سکا۔ وہاں موسیٰ کے مخالفوں کی تعداد زیادہ تھی مابین نہیں چاہتے تھے کہ موسیٰ کے بعد ان کے بیٹے کسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔

عزیز نے قاصد سے پوچھا:

میں اپنے ہمدردوں کا بہت شکر گزار ہوں۔ مجھے ایسے نام بتاؤ تاکہ جب کبھی ان سے ملاقات ہو تو میں اس مشورے اور اطلاع کے لیے ان کا شکریہ ادا کر سکوں۔

اس کی مجھے اجازت نہیں۔ قاصد نے صفحہ جواب دیدیا:

دوبار خلافت اس وقت ماز شوں کا اٹھارہ بنا ہوا ہے۔ اگر خلیفہ کو موسیٰ بن نصیر کے ہمدردوں کا علم ہو جائے تو وہ فوراً قتل کر ادے گا۔

عزیز نے اس بات پر زور نہ دیا اور بولے:

تم واپس دمشق کب جا رہے ہو؟

”دمشق؟“ قاصد نے مسکراتے ہوئے کہا:

”امیر محترم! میں دمشق سے سر پرکھن باندھ کر نکلتا تھا۔ اب میں دمشق کیسے واپس جا سکتا ہوں؟“ سرداروں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اس کی اطلاع دوبار خلافت پہنچ جائے گی۔

عزیز نے حیرت سے پوچھا:

”تمہارے آنے کی وہاں کون خبر لے جائے گا؟“

قاصد نے کہا:

”امیر محترم! میری عمر دوبار کے رنگ ڈھنگ دیکھتے گزری ہے۔ دوبار دمشق کا ہوا ایشیلہ کا کسی دوبار کے ناکا دوبار قابل اعتماد نہیں ہوتے آپ کے سرداروں میں دوچار یقیناً ایسے ہوں گے جو غیب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپ کی غیبت کریں گے۔“

دمشق سے آنے والی خبر بڑی تشویش ناک تھی لیکن عبدالعزیز نے اپنے غم و غصہ پر فوراً قابو کر لیا۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت ان کی ذرا سی غلطی ان کے اور ہسپانیہ کی نئی سلطنت کے لیے ایک طوفان کھڑا کر دے گا۔ انھوں نے جھونک جھونک کر قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

قاصد سے گفتگو کے بعد عبدالعزیز نے درباریوں کو اپنے پاس بلانے کے بجائے وہ خود اپنے لیے ہر مے اس کمرے میں گئے جہاں تمام سردار دوبار سے اکٹھے بیٹھ گئے تھے۔

عبدالعزیز نے بڑے مسرور و محکم کا مظاہرہ کیا اور بولے:

برے دست و بازو اور ہسپانیہ کے فخر۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے۔ ہم اس کے بندے ہیں۔ اس کی مصلحتوں کو نہ تو ہم سمجھ سکتے ہیں اور نہ دخل دے سکتے ہیں۔ یہ تو فیروز کو خاک سے اٹھا کر تخت پر بٹھا دیتا ہے تو کبھی شاہ کو تخت سے کھینچ کر فرش پر پینچ دیتا ہے والد محترم موسیٰ بن نصیر، خلیفہ وقت سلیمان بن عبد الملک کے مقرب ہوئے۔ وہ نہ تو دنیاوی بات سے محروم کر دیے گئے۔ دوبار دمشق میں ان کے دشمنوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ درست باتیں ڈرتے ہیں والد محترم اس وقت قید تہائی میں مبتلا ہیں۔ قاصد ہی جانکاہ خبر لے کر یہاں تک پہنچے ہیں میرے والد صاحب کے ایک پرانے نمک خوار نے بھی ہے۔

حالی کی پوری صورت حال آپ کے سامنے ہے۔ آپ غور فرمائیے۔ میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ ہسپانیہ کی فتح آپ کے زور و بازو کا نتیجہ ہے۔ خلافت دمشق نے اس میں کوئی مدد نہ کی۔

عبدالعزیز نے نہایت بدترانہ اور دشمنانہ طریقے سے دمشق کے حالات کو اپنے ماتحتوں کے سامنے بیان کیا اور فیصلہ بھی ان پر چھوڑ دیا۔

سرداروں میں بعض سردار تو ایسے تھے جنہیں موسیٰ بن نصیر سے باپ کی طرح محبت تھی کچھ سردار عبدالعزیز سے نفرت کرتے تھے لیکن بعض سردار ایسے بھی تھے جن کا تعلق طارق بن زیاد کے پیسے لشکر سے تھا۔ انھوں نے نصیر نے طارق بن زیاد سے ناراض ہو کر اس پر کوڑا اٹھایا تھا تو یہ سردار اس وقت بھی سخت براؤتہ تھے۔ ان کی تہمتیں سرداروں طارق بن زیاد کے ساتھ تھیں۔۔۔۔۔ ان سرداروں نے بھی عزیز کی تقریر سے غور کیا لیکن انہیں تعجب تھا کہ عزیز نے اپنے پورے بیان میں طارق کا نام کبھی نہ لیا تھا۔ موسیٰ ان ایک ساتھ گئے تھے۔ جب موسیٰ پر عتاب نازل ہوا تو طارق بھی مقرب ہونا چاہیے تھا۔

ایک سردار نے پوچھا:

”امیر عالی مقام! مجاہد کبیر۔ فاتح ہسپانیہ پر جو غلہ ہوا اور ہورکا ہے اس کا میں دلی رنج ہے۔ اس پر مذہب و ایمان نے فرخ کی بینا درکھی اور موسیٰ نے اس کی تکمیل کی۔ خلیفہ نے موسیٰ بن نصیر کے ساتھ جب یہ ملوک جلاوطن کر دیئے تو زیاد تو زیادہ غضب کا نشانہ بنے ہوں گے۔“

عبدالعزیز سمجھ گئے کہ اس سوال کے پس منظر میں کون سا جذبہ کام کر رہا ہے۔ وہ بڑے سیاست دان اور دانشور تھے۔ اس وقت انہیں دوست دشمن ہر ایک کی ہمدردی کی ضرورت تھی۔ سوال کہنے والا طارق بن انھوں کا ہی تھا۔

عبدالعزیز نے کمالِ فرات و صلیت کا ثبوت دیا۔ فوراً بولے:

”اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طارق بن زیاد عقیقہ کے غضب سے محفوظ ہیں“

عبدالعزیز نے یہ کہہ کر طارق بن زیاد کے تمام دوستوں اور سرداروں کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ سردار

جس نے طارق کے بارے میں سوال کیا تھا، بولا:

”امیرِ محترم!..... ہسپانیہ ہمارا ہے۔ ہم ہسپانیہ کے حاکم ہیں۔ ہسپانیہ کو ہم عقیقہ کے انقت

نہیں کر سکتے۔ ہسپانیہ کی سرزمین پر طارق اور موسیٰ کی موجودگی نے اپنا خون بہایا ہے۔ اس پر صرف طارق اور موسیٰ

اولاد کا حق ہے۔“

موسیٰ اور عبدالعزیز کے ہمدردوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ ایک سردار نے کہا:

”اے امیرِ ہسپانیہ! عقیقہ سلیمان نے فاتحِ ہسپانیہ کو معنوب کر کے ان کی گرانقدر خدمات کا ثناء فرما

ہے۔ یہ خلافت کی بہت بڑی ناشکری اور احسانِ فراوانی ہے۔ یہ ان شہداء کی روحوں کی بھی تو جہنم ہے جو ان کے

ہسپانیہ کی فتح میں اپنے خون کی قربانی دی ہے۔ ہسپانیہ کو اموی خلافت کے ماتحت نہ رہنا چاہیے۔ آپ ہسپانیہ

آزاد اسلامی ریاست کا احاطہ کیجیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔“

ایک کم عقل امیرِ سرداروں کے ان جذبات سے وقتی فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن عبدالعزیز بہت تجھڑا

اسے خود بھی علم تھا اور اسے آگاہ بھی کیا گیا تھا کہ اس کے دربار میں خلافتِ دمشق کے ہمدرد بھی ہو سکتے تھے۔

نے بڑی صلیت سے کام لیا اور صحیحے بچے میں بولے:

”میں ہسپانیہ کے وفاداروں کا شکر گزار ہوں لیکن ہم دمشق سے بہت دور ہیں۔ وہاں کے صحیح مذاہب

ہمیں علم نہیں۔ کون ظالم ہے کون مظلوم اور کون ظالم کا ہے اور کون بے قصور، اس کا اندازہ کرنا ہمارے لیے مشکل

ہے اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں خلافتِ دمشق کا وفادار ہوں اور ہمیشہ وفادار ہوں گا میں اپنے آپ

انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ اگر خلیفہ نے مجھے معزول بھی کر دیا تو مجھے اس

کوئی افسوس نہ ہوگا اور میں بے عذر مارت سے الگ ہو جاؤں گا۔“

عبدالعزیز اور موسیٰ کے ہمدردوں کو عزیز کے اس اعلان کا برا اصد یہ ہوا لیکن وہ عبدالعزیز کی اس

دورانہ لیشی کو نہ سمجھ سکے کہ انہوں نے یہ اعلان کر کے خاندانوں کے منہ بند کر دیے

تھام سرداروں نے باری باری عبدالعزیز کے اس اعلان کی تائید کی اور اسے اپنی وفاداری کا یقین دلا

یہاں تک کہ وہ تمام سردار جو عزیز اور موسیٰ کی شادی کے سخت مخالف تھے، وہ بھی عزیز کے دوست بن گئے۔

یہاں سے غم انگیز اور گھٹے گھٹے ماحول میں کمی آگئی تھی اور عزیز مرداروں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے

پڑا تھا۔

ایک دن کے اتنے انہیں رات ہو گئی۔ عبدالعزیز نے وہیں تمام سرداروں کے ساتھ کھانا کھایا۔ حالانکہ

یہاں تک کہ جی لونا کے ساتھ کھانا کھاتا تھا اور آج تو ملکہ نے اس سے جلد واپس آنے کی درخواست کی تھی۔ آج

ملکہ نے عزیز کے قدم پکڑ رکھے تھے۔ وہ ملکہ کی درخواست پر عمل نہ کر سکا۔



عبدالعزیز کھانا کھا کر جب سرداروں کے ساتھ باہر نکلا تو اس کی حرم سرا اور قلعے کی تمام برجیاں چراغاں کا منظر

دیکھ رہی تھیں۔ پوری حرم سرا قلعہ نور بنی ہوئی تھی۔ قلعے کے برجوں اور فصیل پر برسی چراغ جلتے نظر آ رہے تھے۔

عزیز کے سرداروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ایک ایسے وقت پر جب فاتحِ ہسپانیہ

میں بہت خوشی کے اظہار میں پہنچ چکی تھی، یہ چراغاں اور یہ اظہارِ مسرت کچھ عجیب سا تھا۔

موسیٰ کے ہمدردوں کو چراغاں دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ وہ سمجھے کہ ملکہ نے موسیٰ بن نصیر کے معنوب و مقہور ہونے

کا انکار کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

عبدالعزیز اپنی جگہ سخت شرمندہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ چراغاں ملکہ کی ساگرہ کی خوشی میں کیا گیا ہے۔

ملکہ نے تو کیا کہتے اور کس طرح کہتے۔

سردار کچھ بہت غصے میں تھے لیکن چند لمحے پہلے جس امیر سے اطلاع و وفاداری کا عہد کر چکے تھے اس

کو جہز گیری کرتے ان کی زبان نہ کھل رہی تھی۔

ایک سردار خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ ذرا تلخ لہجے میں بولا:

”امیرِ محترم! کیا حرم سرا کے رہنے والوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ فاتحِ ہسپانیہ پر مصیبتوں کا پس

پڑا ہے۔ آج خود چراغاں کر کے کس بات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں؟“

عبدالعزیز کو گفتگو اور صفائی پیش کرنے کا نادر موقع ہاتھ لگ گیا۔ فوراً وضاحت کی:

”میرے دوستو! ابھی قلعے اور حرم کے کسی شخص کو اطلاع نہیں کہ فاتحِ ہسپانیہ کس عذاب میں مبتلا

ہیں۔ یہ چراغاں جو آپ لوگ دیکھ رہے ہیں یہ کبھی تو

کی سالگرہ کی خوشی کا ایک حصہ ہے۔ آج مکہ کا یوم پیدائش ہے۔ انھوں نے مجھ سے خوشی منانے کی اجازت منگی تھی۔ یہ سب میری اجازت سے ہو رہا ہے۔ اس میں سراسر میری غلطی ہے۔ تجھے چاہیے تھا کہ اس تقریب کو فوراً منسوخ کر دیتا لیکن میں اس اہم مسئلے پر آپ لوگوں سے گفتگو کرتا رہا اور اس تقریب کا خیال میرے ذہن سے بالکل نکل گیا۔

عبدالعزیز نے اپنی طرف سے چراغاں کے بارے میں پوری وضاحت کر دی تھی۔ بہت سے مردانوں کی وضاحت سے مطمئن ہو چکے تھے لیکن دشمن تو ایسی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ بات اس وقت تو رب کی گلیں اگلے چلے کر یہ چراغاں بھی عبدالعزیز کی مخالفت کا ایک جڑ بن گیا۔

عبدالعزیز محلہ میں داخل ہوئے تو ان کے منہ سے غصہ کے مارے جھگ سی نکل رہی تھی۔ انھوں نے دو غلاموں کو اور ایک کیز کو خواہ مخواہ پھٹکارا۔ ایک غلام کے ایک ہاتھ بھی پڑ رہا۔ عبدالعزیز نے حکم دیا کہ چراغ لگائی کو دیے جائیں۔ آرائشیں ختم کر دی جائیں۔۔۔۔۔ انھوں نے یوم پیدائش کی تمام آرائشیں ختم کر دیں۔ جی لوٹا کے مہمانوں کو فوراً محل سراخالی کرنے کا حکم دے دیا۔

مہر طرف بھگدڑ سی چل گئی۔
چراغ تیزی سے گلے کر دیے گئے۔

کیزوں نے گھبراہٹ میں روزمرہ پہنے والی شعوں اور قد ریلوں کو بھی لگ کر ناشرہ کر دیا۔ مہر طرف اندھیرا پھیل گیا اور جی لوٹا کے مہمانوں میں گھبراہٹ اور مراسیمگی پھیل گئی۔

عبدالعزیز، جی لوٹا کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے تھے۔ آج ان کے مزاج کی برہمی کی خبر جب مکہ کی بہنچانی گئی تو اسے تعجب سا ہوا۔ اس نے تمام مہمانوں کو چپکے سے رخصت کر دیا۔ اس رات وہ اپنی سالگرہ کے منے ایک عظیم جشن منانے کا ارادہ کر چکی تھی جس میں شراب و کباب اور رقص و موسیقی کا پروگرام بھی شامل تھا لیکن مصطفیٰ پر عزیز کے مزاج بگڑ جانے سے اس کا سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔

مکہ جی لوٹا کو جلد ہی عزیز کے مزاج کی برہمی کا سبب معلوم ہو گیا۔
موصیٰ بن نعیر بر دشمنی میں عقاب نازل ہونے کی خبر پورے قلعے میں پھیل گئی۔ عزیز کے مزاج کا رد عمل بالکل فطری تھا۔

جی لوٹا اس وقت اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی۔ جب تک تمام روشنیاں گلے نہ ہو گئیں اور محلہ میں جاگ اٹھا نہ دیا گیا۔ جب مہر طرف تازہ یک چلا گئی اور خاموشی طاری ہو گئی تو وہ اہم ہمت سے عبد العزیز کے کمرے میں آئی۔

مکہ نے عزیز کو بولنے کا موقع نہ دیا، وہ خود ہی شروع ہو گئی:

اے امیر سپانیہ! آپ کا غم درست ہے۔ میں آپ کی شریک حیات ہوں۔ آپ کا غم میرا غم ہے لیکن جو ہوا میں آپ کا کوئی ثقیور نہیں اور نہ آپ اس کے ذمے دار ہیں لیکن یہ خیال رکھیے کہ جو کام بے ارادہ ہو جائے یا کام جس کا امکان بھی نہ ہو، وہ آپ ہی آپ ہو جائے، اس میں آسمانی طاقت کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ یوں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کا زوال ہوتا ہے تو دوسرے کو بروج ملتا ہے۔ ایک عمارت ٹوٹ چھوٹ جاتی ہے اس کے کھنڈرات پر اس سے زیادہ شاندار عمارت ہو جاتی ہے۔

عزیز اس پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور ملک نے ان پر یہ تاثر قائم کر رکھا کہ اس دنیا میں اُس سے عزیز کا کوئی بھروسہ نہیں۔ عزیز اپنے دل کی بات یہاں تک کہ مملکت کے اہم راز بھی جی لوٹا سے نہ چھپاتے تھے۔

عزیز نے آخر درگی سے کہا:

اے جان عزیز! تم نے جو کام وہ درست ہے لیکن کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ گلیوں کے ساتھ گھٹن بھی پس پاتے۔ غلیفہ نے جس اچھی معزول نہیں کیا ہے لیکن کیا پتہ، اس کا دماغ کب گھوم جائے اور ہمیں ناکرہ گناہوں کا لڑا بھگتنا پڑے۔

جی لوٹا نے انہیں فوراً مشورہ دیا:

اے امیر سپانیہ! اسلامی لشکر آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ کا حکم مانتا ہے۔ اسی طرح نصرانی غلام اور نواسی میرے مطیع اور فرمانبردار ہیں عقل مند وہ ہے جو خطرے کی بو نہ سونگھتے ہی اس سے بھاڑ کے انقلابات کر لے۔

دشمنی یہاں سے بہت دور ہے۔ آپ اپنی شناسائیت کا اعلان کر دیجیے۔ کوئی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا۔۔۔۔۔ مکان آپ کے طرفدار۔۔۔۔۔ نصرانی میرے مطیع و غلام۔۔۔۔۔ دشمن کا خلیفہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

”جان عزیز! عزیز نے اُسے بھیجا: تم خلیفہ کی طاقت کو نہیں سمجھ سکتیں۔ خلیفہ دشمنی میں ہو یا توران

میں اس کے آدھی ہر جگہ موجود ہوتے ہیں جو طے کی خبریں اسے پہنچاتے ہیں۔



بعد العزیز جانتے تھے کہ طاقت ہی ایک ایسا حربہ ہے جو خلیفہ کی مخالفت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ پس
وہ نے ہسپانیہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے طرح طرح کی تدابیر اختیار کیں۔ بظاہر اس نے دمشق
وفاقت سے وفاداری کا اظہار کیا لیکن اندرونی طور پر انھوں نے خود کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی
بشک کی۔

بعد العزیز بعض مسلمانوں کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھے۔ خصوصاً وہ مردار جن کا براہ راست تعلق طارق
نہایت سے تھا۔ ان پر تو عزیز کو بالکل اعتماد نہ تھا۔ انہیں ہر گھڑی کسی نہ کسی غیر معمولی واقعے کا دھڑکا لگا رہتا۔
نیا اپنی جان کا بھی سخت خطرہ تھا۔ ایک تو ملکہ کی محبت، دوسرے خلیفہ سلیمان کی مخالفت میں وہ مسلمانوں سے
دور ہونے لگے۔ ان کا جھکاؤ روز بروز انھیں کی طرف ہونے لگا۔
جان کے خطرے کے پیش نظر عزیز نے شہر اشبیلیہ سے کچھ فاصلے پر بیت المال کی رقم سے ایک عظیم
ہی بنوایا جس کا نام انصاف رکھا گیا۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی واپسی سے اندلس ہسپانیہ کے نصرانی گورنروں اور سرداروں کو بیکار
پھر یہ امید پیدا ہو گئی کہ شاید وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے مسلمانوں سے واپس لے سکیں۔ ان کی اس امید کو
اس بات سے اور تقویت ملی کہ موسیٰ واپس جاتے ہوئے کچھ فوج بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن بعد العزیز
نے ہسپانیہ کی امارت سنبھالتے ہی ان کی امیدوں پر پانی پھر دیا۔
ہسپانیہ کے شمال مغربی علاقوں کے مرداروں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ بعد العزیز نے فوراً فیہ پکار
ان کا زور توڑ دیا۔

وہ ملاتے، چہرے پر عیسائی گورنر تھے اور بغاوت کے شعلے بھڑکا رہے تھے۔ ان کی جگہ مسلمان گورنر بچا
ان کی طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

بعد العزیز بہت بیدار مغز اور منظم ذہن کے مالک تھے۔ انہوں نے کسانوں کو رعایت دے کر ان کی بھرتی
حاصل کیں۔ جن غلاموں نے اسلام قبول کر لیا، انہیں آزادی دی گئی۔ جگہ جگہ سڑکوں کی تعمیر ہوئی۔ سکول کولے
گئے۔ عدالتیں قائم ہوئیں۔ کسی کے مذہب میں دخل نہ دیا گیا۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کے مقدسوں کے لیے ای
قوم کے جج بھی مقرر کیے گئے۔

بعد العزیز نے چند ہی دنوں میں حالات پر قابو پایا اور عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ اس قدر شفقت
سلوک کیا کہ وہ بعد العزیز کو اپنا محسن بلکہ باپ سمجھنے لگے۔

بعد العزیز نے مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی مراعات دے کر اپنا سہارا بنالیا۔ اگر دمشق میں موسیٰ بن نصیر کو
کا واقعہ پیش نہ آتا تو بعد العزیز نے ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں اتنی مضبوط کر دی تھیں کہ اسے
صدیوں تک نہ ہلایا جاسکتا۔

موسیٰ بن نصیر کے ساتھ خلیفہ سلیمان نے جو تحقیر آمیز سلوک کیا، ہسپانیہ کی سیاست اور ریاست پر ان کا
پر تا ضروری تھا۔

خلیفہ سلیمان، موسیٰ کو سزا دینے کے بعد ان کے بیٹے بعد العزیز سے تھوڑی فساداری کی امید کبھی طرح نہ کر سکا۔
بعد العزیز بھی اپنی جگہ مطمئن نہ تھے۔ وہ اس باپ کے بیٹے تھے جو دمشق میں قید تھا۔

انصاف راستہ دہ راستہ ہو گیا تو اس کی رسم افتتاح کی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔
اعلیٰ روایات کا اتفاق تھا کہ بعد العزیز اس موقع پر قرآن خوانی کر لیتے لیکن ملکہ جی نونا کے اصرار پر
ان کے برکت کے لیے ایک نصرانی بادی کو طلب کیا گیا۔
پہلے پوری نے دعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد اشبیلیہ کے قاضی کو بلوا کر معاویہ قرآن حکیم پڑھائی گئی۔
یہ ہر جگہ اس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی۔ جتنی مسلمانوں کو تکلیف ہوئی اس سے کہیں زیادہ نصرانی خوش تھے۔
ان کی ہمدردیاں بعد العزیز کے ساتھ بڑھنے لگیں۔
اس مختصر سی افتتاحی تقریب میں گنتی کے چند مسلمان بڑے مردار بلائے گئے تھے۔ نصرانی سرداروں کی تعداد
اس موقع پر بھی زیادہ تھی۔

اس تقریب کا اہتمام قصر کھ ایک چھوٹے سے کمرے میں کیا گیا تھا۔ قصر میں دیوان خاص، دیوان عام،

مہمان خانہ اور حرم سرا وغیرہ تعمیر ہوئے تھے لیکن جی لوہانے سرداروں کو کسی جگہ کی سرپرستی کرنے یا دیکھنے کا اجازت نہ دی۔ وہ چاہتی تھی کہ محل کی سرپرست عبدالعزیز کو کرانی جائے، اس کے بعد کسی اور کو دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد جی لوہانے عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ لیا اور خرمائے خرمائے سے بڑے خاص کی طرف لے چلی۔ عبدالعزیز اور ملکہ کے پیچھے کیزوں اور غلاموں کے نزل کے نول چلے آ رہے تھے۔ دیوان خاص کے دروازے پر پہنچے تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

بڑے دروازے پر حریری پردے آویزاں تھے۔ پردوں کے نیچے عورتوں کی جھاریں لگا گئیں ہیں جو اہلرات سے ہوتے تھے۔ جو اہرینوں سے ملکشاں کے رنگ پھوٹ رہے تھے۔

ملکہ کے اشارے پر پردے کھینچ دیے گئے۔ عبدالعزیز نے دیوان خاص میں تہہ نہ رکھا تو دم بخود رہ گیا۔ دروازے کے بالکل سامنے تخت شاہی بچھا ہوا جس کے پایوں پر لنگر لگائی ہوئی تھیں۔ زنگار مسند اور زرنگار گاڑی تھیں۔ تخت کے چاروں طرف جوہر کی لڑکیوں کو بھال لکھتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

تخت کے آگے سونے کی چوکی رکھی تھی۔ تخت کے چاروں طرف نہایت بیش قیمت کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سونے جاذبی کا کام کیا ہوا تھا۔ درمیان میں نرم قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ دیوان خاص کی بھت کے ساتھ بے شمار جھاڑ فائوس آویزاں تھے جن میں شعیب روشن تھیں اور ہلکے وقت بھی اس قدر روشنی تھی کہ باہر کی روشنی بھی ماند پڑی جاتی تھی۔

ملکہ جی لوہا، عبدالعزیز کی محویت اور حیرت سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس نے عبدالعزیز کے آواز کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ عبدالعزیز جیسے خواب سے چونک پڑے۔ ملکہ، عزیز کو تخت شاہی کے پاس لے گئی اور اسے سہارا دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ عبدالعزیز ایک نوزائیدہ انسان کی طرح وہ سب کچھ کرتا رہا جو ملکہ اس سے کوئی کر رہی۔

عبدالعزیز کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ملکہ بھی اس کے برابر بڑی تمکنت سے رونق افروز ہوئی۔ عبدالعزیز نے وہ سب کچھ دیکھا لیکن ہر چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔

ملکہ جی لوہانے کیزوں کو پھر اشارہ کیا۔ کیزوں نے فوراً سونے کا ایک بڑا طشت لاکر تخت کے سامنے رکھ دیا۔ ملکہ نے حیران پوشانہ طشت میں دو شاہی تاج جگمگاتے نظر آئے۔

ملکہ نے طشت سے بڑا تاج اٹھا کر کیز کو دیا اور خود اٹھ کر عبدالعزیز کے سر سے عائد کیا۔

بدلت پر رکھ کر جی لوہانے جلدی سے شاہی تاج عبدالعزیز کے سر پر رکھ دیا۔ عبدالعزیز کے منہ سے صرف "نہیں نہیں" نکلا لیکن انہوں نے کوئی مداخلت یا مزاحمت نہ کی۔ ملکہ نے تاج عشت سے اٹھا یا اور ایک کیز کی مدد سے اپنے سر پر جمایا۔

یہ تقاریر اور لغزب تھا۔ یوں گفتا تھا جیسے شہنشاہ اور ملکہ ہسپانیہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوں۔ ملکہ نے ایک قدر آدم آئینہ منگوایا اور اسے تخت شاہی کے سامنے اٹھا کر دیا۔ آئینے میں ملکہ اور عزیز کا عکس عجب بہادر سے رہا تھا۔

ملکہ نے مسکرا کر کہا: ڈرا آئینے میں دیکھیے۔ آپ کے سر مبارک پر یہ تاج شاہی اچھا لگتا ہے یا وہ بے ڈھنگا عائد ہے۔ عبدالعزیز کے دل میں شاید پہلی بار شیطانی دوسرہ پیدا ہوا۔ اس کا سر غرور سے تن گیا اور اس نے نظریں ہر اس طرح دیکھا جیسے اس کے سامنے تمام عالم سر جھکا کر نظر آ رہا ہے۔

اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ کبھی وہ سوچتا، شاید یہ خواب کا عالم ہے لیکن یہ تو کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ اس کے سر پر شہنشاہ ہسپانیہ کا تاج ہسپانیہ کی حقیقت ملکہ اس کے برابر تخت پر بیٹھی تھی۔

کچھ دیر بعد ملکہ نے آئینہ سامنے سے ہٹا دیا اور عبدالعزیز کے لیے شانہ لباس لانے کا حکم دیا۔ شاہی لباس اسے پہنایا۔ ملکہ نے عبدالعزیز کا ہاتھ اٹا کر اسے شاہی لباس پہنایا۔ جب عبدالعزیز تاج لگا کر اور بادہ پہن کر دوبارہ تخت شاہی پر بیٹھ گئے تو ملکہ تخت سے اتر کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

عبدالعزیز نے بڑی محبت سے ملکہ جی لوہا کو دیکھا۔ وہ ملکہ کی کارگزاری سے بہت مسرور نظر آ رہے تھے۔ ملکہ نے سر کو زراخم کیا اور کمالِ ادب سے کہا:

تم مجھ کو شہنشاہ ہسپانیہ عبدالعزیز کے حضور خلوص سے گزارش پیش کرتی ہو۔ یہ کہہ کر ملکہ پہلے گھٹنوں کے بل بیٹھی پھر تخت کے سامنے سر بسجود ہو گئی۔

انسان کو انسان کا سجدہ..... عبدالعزیز ایک بار تو کانپ اٹھا۔

عبدالعزیز نے زرتے بچے میں کہا:

نجان عزیز۔ مجھے گنہگار نہ کرو۔ میرے مذہب میں انسان کو سجدہ حرام ہے۔

اس روئے کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ مولیٰ کا تو وہ لچہ نہ بگاڑ سکے۔ وہ دمشق پہنچ کر نئے خلیفہ سلیمان کے چنگل میں گئے۔ ہسپانیہ میں ان کے بیٹے عبدالعزیز تھے۔ پس طارق کے ہمدرد عبدالعزیز کے پیچھے لگ گئے اور ان کی دینے کی تدبیریں کرنے لگے۔ عبدالعزیز کو ایسے سرداروں کا ضرور علم ہو گا لیکن وہ بڑے دانشمند اور مدبر تھے۔ انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ شکایت کا موقع ملے۔

عبدالعزیز، ہسپانیہ میں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہے تھے۔ انہیں خلیفہ سلیمان سے بھی خطرہ تھا اور بڑے باغی سرداروں سے بھی۔۔۔۔۔ انھوں نے اپنی طاقت بڑھانا شروع کر دی۔ ملکہ جی لونگی وجر سے ان کا باوندیسا بول کی طرف ہو گیا۔

عیسائیوں نے انہیں بہت سہارا دیا اور چند ہی دنوں میں عبدالعزیز کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ نہ تو دمشق کے خلیفہ کی ہمت ہوئی کہ عبدالعزیز کو معزول کرے اور نہ ہسپانیہ کے کسی سردار کو ان کے سامنے دم مارنے کا جرأت ہوئی۔

عبدالعزیز پہلے ہسپانیہ کے بے تاج بادشاہ بنے۔ پھر ملکہ جی لونگی کو کشش سے وہ واقعی تاجدار اور نشانہ ہسپانیہ ہو گئے۔ عبدالعزیز کو ہسپانیہ کا شاہی تلج اور ارغوانی لباس کچھ ایسا بھایا کہ وہ تنواروں اور ہتھیاروں پر ارغوانی لباس پہن کر اور سر پر ہفافہ کے بجائے شاہی تاج سجا کر دربار خاص میں جلنے لگے۔ ہسپانیہ کے مسلمان سردار، ملکہ جی لونگی کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے پہلے ہی خلاف تھے۔ عبدالعزیز اس نشانہ انداز نے انہیں اور برا فروختہ کر دیا۔

ہسپانیہ میں عبدالعزیز کے خلاف حکامانی سازشیں کا آغاز ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طارق بن زیاد دمشق میں بیٹھے تھے اور وہی ان سازشوں کی سربراہی کر رہے تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

طارق کے خاندان والے ہسپانیہ میں ضرور موجود تھے لیکن دمشق میں طارق کو کوئی متا حاصل نہ تھا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اعزازات برقرار رکھے تھے لیکن انہیں اس قابل نہ سمجھا گیا کہ کسی نئی حکمت کے لیے ان کی موت حاصل کی جائے۔ ایک سال گزر گیا۔۔۔۔۔

عبدالعزیز نے اپنے تدبیر و انائی، شعور، جواہر جاندار سی اور جہان کی زور پر کھڑے رہے۔ انھوں نے تاج بھی پہنا دیا اور ان کا ارغوانی لباس بھی

ملکہ سجد سے سر اٹھا کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔
"شہنشاہ کے مذہب میں سجدہ حرام ہے لیکن ملکہ کے مذہب میں تعظیم کا سجدہ فرض ہے۔ یوں بھی تو ہرگز
کا مجازی خدا ہو سکتا ہے اور اسے سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ پھر شہنشاہ تو خدا کا نائب ہوتا ہے اس کا سجدہ کرنا ہرگز
ہو سکتا ہے۔"
عبدالعزیز سوچ میں پڑ گیا۔
ملکہ دوبارہ بولی:

"شہنشاہ ہسپانیہ ہمارا سجدہ چاہے قبول نہ کریں لیکن آج سے ہسپانیہ کے تمام نصرانی مرد و زن ہسپانیہ
سجدہ کرتے رہیں گے۔"
ملکہ نے تمام کنیزوں اور غلاموں کو اشارہ کر دیا اور سب کے سب عبدالعزیز کے سامنے سجدہ میں
لگ پڑے۔

مولیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو سرداروں کے سامنے ذلیل کیا تھا اس کا افسوس طارق کو بھی تھا اور ان کے
بعض بربر سرداروں کو بھی۔

طارق بن زیاد نے اپنے اس افسوس اور دل میں بھی ہوئی عداوت کا اظہار پاکہ مجمعے میں اس وقت کیا تھا جب
مولیٰ بن نصیر نے مادہ سلیمان (حضرت سلیمان کی میز) کو پیش کرتے وقت اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک سے کہا تھا
یہ قیمتی اور متبرک تحفہ بھی انہیں غلطی کی فتح کے دوران حاصل ہوا تھا۔ طارق نے ان کے اس بیان کی بڑبڑ
تو دہر کرتے ہوئے میز کا چوڑھا پایہ پیش کر دیا تھا۔

یہ میز طارق بن زیاد کو غلطی سے بھاگنے والے لوگوں سے ملتی تھی۔ اس میں اس قدر ہیرے جواہرات
جڑے ہوئے تھے کہ یہ مجسم ہیرے کی معلوم ہوتی تھی۔ اُس وقت اس کے صرف تین پائے تھے۔ طارق نے میز کو
دینے کے لیے اس کا چوڑھا پایہ سونے کا بنوا دیا تھا۔ پھر جب انھوں نے مولیٰ بن نصیر کے آنے پر تمام مال خزانے
ساتھ یہ میز ان کے حوالے کی تو سونے کا پایہ علیحدہ کر کے اپنے پاس رکھ لیا یہی پایہ ان کے میان کا شاہ بن گیا۔
مولیٰ کو خلیفہ کے سامنے ٹرمنہ ہوا پڑا۔

طارق نے تو اپنی ذلت کا بدلہ لے لیا لیکن ان کے وہ ساتھی اور ہمدرد جو ہسپانیہ میں موجود تھے

آپ امیر المومنین سے بلند ہیں آپ شہنشاہ ہسپانیہ ہیں۔ میں آج آپ کو علی الاعلان شہنشاہ اور ہسپانیہ کہوں گی۔ تمام عیسائی آپ کو شہنشاہ کہیں گے۔ میں اعلان کرادوں گی کہ جو عیسائی دربار میں آئے وہ مجھ کے تعظیم بجالائے۔

عبدالعزیز میں شامانہ نمکنت تو اسی وقت پیدا ہو گئی تھی جب ملک جی لوٹا نے القصر کی تقریب میں پہلی بار اس کے راج رکھا تھا۔ القصر میں کینزوں اور غلاموں نے اسے سجدہ بھی کیا تھا۔

عبدالعزیز کے ہاتھوں میں بے پناہ طاقت آئی تو اس میں مطلق العنانی اور خود پسندی کی بڑبڑ بھی پیدا ہوئی۔ اس وقت ملک نے اسے ایک نئی راہ دکھائی تھی۔

اٹھارہ شکوہ اور جاہ و حشم کا جھگڑا راستہ.....!

عبدالعزیز کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

ملک نے اپنی بات پر زور دیا:

شہنشاہ کو کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ ہسپانیہ میں شہنشاہ کو سجدہ کیا جاتا ہے اور یہ رسم جاری ہو کر رہے گا۔

عزیز فکر مند لمحے میں بولا:

جان عزیز..... میں نے تمہاری درخواست کا احترام کیا ہے۔ یہ مسئلہ ذرا فوری طلب ہے۔ مجھے سوچنے اور دو۔ دربار میں مجھے سجدہ کیا گیا تو مسلم مرد اب گہرا اٹھیں گے۔ علمائے کرام مجھ پر کفر کا فتویٰ صادر کریں گے۔

ملک کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

وہ تیزی کی طرح سمجھ کر بولی:

کس کی مجال ہے جو آپ کے سامنے زبان کھولے۔ آپ نے سر پر تاج رکھا۔ کسی نے کیا کر لیا؟ ارغوانی تاج باس زیب تن کیا۔ کسی نے انگلی اٹھائی؟..... سجدے کی جو مخالفت کہے گے کہیں اس کی زبان کھینچا جائے۔

عبدالعزیز پتہ نہیں چلی لوٹا اسے اس قدر مرعوب کیوں تھا؟ ممکن ہے کہ یہ اس کی بے تحاشا اور بے محابہ رویہ تھی جو باہر ملک کی ان کوششوں کا رد عمل ہو جو اس نے ہسپانیہ کو عزیز کے قریب لانے کے سلسلے میں کی تھی۔

عزیز مسکرا کر بولا: "جان عزیز..... تم غصے میں پہلے سے زیادہ حسین نظر آتی ہو۔ پھر بھی غصہ ٹھوکر دو۔

زیب تن کیا لیکن کوئی چوں نہ کر سکا۔
ملک جی لوٹا کے اقتدار میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا گیا اور اس کی گفت عبدالعزیز پر مضبوط ہوتی چلی گئی۔

ملک ہسپانیہ کے جشن بھار دیکھ چکی تھی۔ اس کے کانوں میں رومناہ لکیری اور ایوان آئے شہنشاہ اور طیلطہ کے پرصرت نغمے اب بھی رس گھولتے تھے۔ وہ شامانہ ٹھٹھاٹھاٹ کی پروردہ اور عادی تھی۔ اسے عزیز کی بے کیف اور بھسکی ہسپانیہ زندگی سے نفرت تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عبدالعزیز بھی شہنشاہ راڈرک کی طرح دربار لگائے۔ دربار میں آنے والے اسے کورنش پیش کریں۔ وہ عبدالعزیز کے پہلو میں سر درازت نہی پر اس طرح بیٹھے جیسے وہ شاہ راڈرک کے زلے میں بیٹھتی تھی۔

ایک دن ملک جی لوٹا نے عبدالعزیز کو خوش دیکھ کر ادب سے کہا:
ایا امیر المومنین! آپ جب ارغوانی لباس پہن کر اور شہنشاہ ہسپانیہ کا تاج سر پر سج کر تخت شاہ پر قدم رکھتے ہیں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

عبدالعزیز نے ہنس کر کہا:

"جان عزیز..... عبدالعزیز کو یہ مقام اس کے حوصلے اور تمہارے خلوص سے حاصل ہوا ہے۔ اس وقت مجھے عیسائیوں کا پورا پورا تعاون حاصل ہے اور یہ سب تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے۔
جی لوٹا اٹھلا کر بولی:

"مجھے اس لفظ امیر المومنین سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ اس لفظ کا دائرہ اور طاقت بہت محدود ہے۔ اس سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صرف مسلمانوں کے امیر ہیں۔ حالانکہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں اصل طاقت تو عیسائی ہیں۔"

عبدالعزیز کو ملک کی باتوں پر بڑا پیار آیا۔ وہ بولے:

"جان عزیز! امیر المومنین کی طاقت سے تم واقف نہیں۔ یہ وہ عظیم طاقت ہے جس کے سامنے ہونے کا کچھ اب کبک حوصلہ نہیں ہو سکا۔ میرا دربار خلافت سے اب تک رابطہ قائم ہے اور میں طیلطہ دشمن اور اپنے باپ کے دشمن کو امیر المومنین کہنے پر مجبور ہوں۔ مجھ سے تم نے امیر المومنین کہنے کی اجازت لی ہے۔ میں نے تمہیں دے دی ورنہ اصل امیر المومنین تو خلیفہ دمشق ہے۔ میری حیثیت ایک علاقائی رہبر ہے۔
زیادہ نہیں۔"

جی لوٹا کی تیوریوں پر یوں پڑ گئے۔ وہ تڑپ کر بولی:

کے احکامات دے دیے تھے لیکن کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔ مخالفت کی چنگاری میں اتنی قوت پیدا ہوئی کہ بعد میں کچھ بڑی اٹھتی۔

دن شربت سے گزرا تو جی لونا اور عزیز کے جھلے اور بڑھ گئے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ لوگوں کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں۔

جی لونا نے عزیز کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ شہنشاہ ہی دنیا کی عظیم طاقت ہوا کرتا ہے۔ اس کی مخالفت کرنا تو جی لونا کے لیے بے فائدہ ہے۔

دن بخیریت گزر جانے پر عزیز کو جی لونا کے اس قول پر یقین کرنا پڑا۔

انصر میں شہنشاہیت کے اس ناکام کی کامیابی کی خوشی میں مکہ جی لونا نے ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا۔ مگر یہ جشن افراطی کے عالم میں ختم ہو گیا تھا اس لیے اس نے اس سے بڑا جشن کیا۔ اب وہ پوری طرح مکہ کے بارے میں روکنے ٹکنے والا کوئی نہ تھا۔

اس جشن میں مسلمان سرداروں نے بہت کم تعداد میں شرکت کی۔ عیسائی اور یہودی سردار جو درجہ جو شریک

ہوئے۔ ہسپانیہ میں طوایع اسلام کے بعد یہ پہلی محفل تھی جس میں رقص و سرود کا ہنگامہ برپا ہوا۔ ساز و آواز سے لے کر دو دو یار گونج اٹھے۔ مرد اور عورتوں نے ساز کی دھن پر جوڑے بنا کر چانچا شروع کر دیا۔ یہودی اور مسلمان شہنشاہ کے عادی تھے۔ وہ ایسی محفل میں شراب پینے سے کب باز آتے۔ خوب خوب مائلزہ ڈھانٹے گئے۔ اور جوانی کا ایسا سبب آیا کہ اس میں سب ہی بے گئے۔

بے حیائی اور بے شرمی نے رنگ جمایا۔ شرم و حیا منہ چھپا کر کونے میں بیٹھ گئی اور فخر و شہرت نے جیوں کو دیا کر دیا۔

یہ سب کچھ اس مسلمان امیر کے سامنے ہوا جس کی دینداری مشہور زمانہ تھی۔ اگر یہ حالات غیر سمجھتے تو یقین نہ ہو کہ مسلمان مورخوں نے بھی عبدالعزیز کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

محفل نشاط بعد مغرب شروع ہوئی۔ عشا کا وقت ہوا تو محفل اپنے شباب پر تھی۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آواز، ساز، گانے، شور میں دب گئی۔

عزیز کا وفادار غلام شریک مجلس تھا۔ اس نے عزیز کے کان میں غار مشک کی یاد دہانی کرائی عزیز بگھر بگھر اکر کھڑا ہوا۔ مکہ جی لونا نے اسے بہت روکا مگر عزیز کے دل میں شاید خوفِ خدا باقی تھا۔ . . . اس نے مکہ کو

تم جو چاہتی ہو، وہی ہو گا۔ عیسائی اگر تعظیم کے لیے سجدہ کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہوگی۔

مکہ جی لونا کے چہرے پر مسرت کی ہرخی نے غصے کی تہمت کی جگہ لے لی۔ اس کے دھکے دھمکے ہوئے رخسار لگا بسکی پکھڑیلوں کی طرح نرم پڑ گئے۔

اس نے فرزند مسرت سے عزیز کے گلے میں باہیں جا کر دیں۔

دوسرے دن سے دربار شہنشاہ کا نقشہ ہی بدل گیا۔

عبدالعزیز کی امارت، شہنشاہیت میں تبدیل ہو گئی۔ مکہ جی لونا نے اعلان کر دیا کہ تمام عیسائی سردار اور رعیت عبدالعزیز کی تعظیم شہنشاہ ہسپانیہ کی طرح بجالائیں گے۔ دربار میں جو پیش ہو گا وہ سجدہ کرے گا۔ پیش کرے گا۔

صبح کجب مکہ جی لونا نے عبدالعزیز کو شاہانہ لباس اور تاج پہنا کر دربار میں بھیجا تو اس نے ہسپانیہ کے پرانے شہنشاہوں کی یاد تازہ کر دی۔

حرم سرا سے دربار تک دونوں طرف صلیح محفوظ ذرق برق لباس پہنے کھڑے تھے۔ آگے آگے نقیب شہنشاہ عبدالعزیز کی آمد کی آوازیں گاتابیل رہا تھا۔ عبدالعزیز کے ساتھ مکہ جی لونا تاج پہنے چل رہی تھی۔ پورے کینیز میں اسے اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھیں۔

عبدالعزیز دربار میں پہنچے تو تمام عیسائی سردار اور امرا سجدے میں گر گئے۔ صرف مسلمانوں نے انہیں جھٹکے کیا اور اسلامی روایات کے مطابق تعظیم کا اظہار کیا۔

عبدالعزیز نہایت شان سے تخت پر بیٹھ گئے۔ مکہ کی خدمت تھی کہ وہ تخت پر عبدالعزیز کے ساتھ بیٹھا۔ لیکن اس کے لیے وہ ابھی رضا مند نہ ہوئے تھے۔ شاہی تخت کی پشت پر مکہ کے لیے ایک چھٹا تخت بھیجا گیا تھا۔

مکہ کے تخت کے سامنے ایک پردہ آویزاں کر دیا گیا تھا۔ مسلمان سردار دربار کا یہ رنگ دیکھ کر اور زیادہ بگڑ گئے۔ لیکن عبدالعزیز کے ہاتھ بہت مضبوط تھے۔ ان کے تمام عیسائی سردار ان کی پشت پر تھے۔ ان اوقات یہودیوں نے بھی وقت سے فائدہ اٹھایا اور عیسائیوں کے ساتھ ہو گئے۔

مسلمان سرداروں کا ایک گروہ ہر حالت میں عزیز کا ساتھ دینا چاہتا تھا لیکن مخالف گروہ کسی قدر کھل کر رہے آگیا۔ دربار کے اندر اور باہر عبدالعزیز کی مخالفت ہونے لگی۔

عبدالعزیز نے پہلے روز کے دربار میں شاہانہ انداز سے تمام کام نمٹائے۔ جی لونا نے یہی فیصلہ کر دیا کہ حکم دے رکھی تھا کہ فوج کو صورت حال قابو میں رکھنے کے لیے تیار رکھا جائے۔ عزیز نے بھی فوج کو امن و امان پر

کہاں اور کس وقت نماز پڑھتی ہو۔

کہی نہ انہی مکارانہ انداز میں ایک آہ بھری اور بولی:

اے میرے تاجدار... آپ کے مکان مردار پہلے ہی میرے خلاف ہیں۔ آپ کے کان بھرتے رہتے ہیں اتوار کو کیسا جانے لگوں تو وہ اور چرائیا ہو جائیں گے۔ آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں کو مذہبی آزادی رکھی ہے لیکن میری عبادت پر پابندی ہے۔ میں اگر القصر کے کسی کونے میں اپنی عبادت گاہ بنانے کی درخواست دیتا تو شاید آپ بھی جازت دینے میں نائل کر دیں میں آپ کے دن پار پر آج نہیں آنے دیتا چاہتی آپ کا حکم اور نبی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ عبادت ہو یا نہ ہو آپ مجھ سے خوش رہیں۔ یہی میری خوشی ہے۔

ملکہ جی لونائی سحر بیانی.... وہ بھی کمال اداکاری کے ساتھ، عزیز کے دل پر اثر کیسے بغیر نہ سکی۔ ملکہ بڑھنے کے بعد ان کے عہد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کا تیر نشانہ سے کتنی درد لگے۔

ایزنا بد اس وقت رام ہو جاتا لیکن ایک کینز نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ایوب بن حبیب لخمی اسی وقت ملاقات فرمایا ہیں۔

ملکہ جانتی تھی کہ ایوب، عزیز کے دوست اور ایک با اثر مسلم دار ہیں۔ پھر اسے ان کا اس وقت آنا ناگوار گزارا۔ وہ بہت اہم مسئلے پر گفتگو کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عزیز پر چھڑے ہوئے تاثر سے فوراً بھاگے اور القصر میں ایک عیسائی خانقاہ (کیلسا) تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کرے۔

ملکہ جی لونائی بڑے معشوقانہ انداز میں بولی:

تاجدار! یہ پانیہ! آپ کا پورا دن تو ملکی انتظام اور اپنے احباب میں گزرتا ہے۔ رات کا یہ تھوڑا وقت ہے۔ اس میں بھی لوگ چین نہیں لینے دیتے۔ کیا آپ کو بھی میری یہ جی تعلق پسند ہے؟

عزیز مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

"ایوب کسی ضروری کام سے آئے ہوں گے۔ وہ میرا زیادہ وقت نہیں لے گا۔ میں ابھی واپس آتا ہوں؛

ملکہ جی لونائیوں کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ پھر اس نے اپنی جاسوس کینزوں کو اشارہ کیا۔ جاہل کینزوں نے اس کے کمرے کے گرد اپنی جگہ سنبھال لی عزیز جب کسی سے گفتگو کرتے، اس کی پوری تفصیل ان کینزوں کے ہونٹوں پر پہنچ جاتی۔

عزیز نے ملکہ جی لونائی کے گھر میں داخل ہوئے۔ ایوب بن حبیب نے گھر کے تغیر کی۔ عزیز نے انھیں گلے لگا کر

عزیز نے سنبھالت پوچھا: "میرے عزیز دوست.... کون سی اہم ضرورت تھیں اس بے وقت

ملکہ اس وقت تو خاموش ہو گئی مگر دوسرے دن اس نے اس جھڑکی کا ایسا زبردست انتقام لیا کہ

میں نہ صرف عبدالعزیز بلکہ خود ملکہ جی لونائی بھی صدمہ ہو کر رہ گئی۔

دوسرے دن عبدالعزیز و بار سے واپس آنے کے بعد حسب معمول خوش گیسوں میں منغل تھا کہ عزیز نے اذان بلند ہوئی۔ ملکہ نے فوراً اپنے سر پر رومال ڈال دیا اور خاموش ہو کر نہ نکلیں بند کر دیں۔

عبدالعزیز اس کے اس تغیر پر دل میں بہت خوش ہوا۔ پہلے تو یہ ہوتا کہ اذان سننے پر ملکہ کا ہر عضو ہرجا نا اور وہ ہر ممکن طریقے سے یہ کوشش کرتی کہ کسی طرح عزیز نماز پڑھنا بھول جائے۔ کج اذان کے اعزاز میں اس نے ملکہ کا یہ حال دیکھ کر تو اسے گمان ہوا کہ شاید ملکہ اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے۔

اذان ختم ہوئی تو ملکہ نے آنکھیں کھولیں اور مسکرا کر بولی:

"میرے بڑا بچہ.... جلدی کیجیے کہیں آپ کی نماز قضا نہ ہو جائے۔"

عزیز نال ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

"جان عزیز! کیا تمہیں علم ہے کہ قضا نماز کسے کہتے ہیں؟"

"کیوں نہیں سننا؟ ہمسایہ۔"

ملکہ جی لونائی نے محبت کے بھر پور تیر چلائے:

"میں مسلمان نہ سہی۔ میرا تاجدار تو مسلمان ہے۔ ایک بیوی کو اپنے شوہر کے مذہب سے کچھ نہ کھڑا

واقف ہونا چاہیے۔"

عبدالعزیز کو اپنے سوال کا جواب نہ ملتا تھا۔ ملکہ خاموش ہوئی تو اس نے سوال دہرایا:

"تو پھر تاجدار قضا کا کیا مطلب ہے؟"

"نماز پڑھ کیسے تو جواب دوں گی۔"

ملکہ نے عزیز کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

عزیز نماز سے فارغ ہو کر واپس آگئے.... اتنے ہی انہوں نے پھر وہی سوال کیا۔

ملکہ بڑے فسقیانہ انداز میں بولی:

"شنشنا و اعلیٰ مقام.... جو کام وقت پر نہ کیا جائے وہ قضا کہلاتا ہے۔ ماس سے کام کا امتیاز

جانتی ہے اور اصل مقصد پورا نہیں ہوتا۔ پس جس کام کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے وہ اسی مقررہ وقت پر کرنا چاہیے

میں بھی نماز پڑھتی ہوں لیکن صحیح رہنما میں میرے ہونے کی وجہ سے عہد پر پڑھ جاتی ہے۔"

عزیز نے پوچھا: "جان عزیز.... عیسائی تو انوار کے انوار اجتماعی طور پر کیلیسا میں جا کر نماز ادا کرتے

دیکھنے لائی ہے؟

ایوب نے بھی اسی بے تکلفی سے جواب دیا:

ایوب نے بے دھوک جواب دیا:

ایوب نے بھی اسی بے تکلفی سے جواب دیا: "اس کا تعلق ہے کہ میں امیر سب پانیہ کو ان غزوہ

سے آگاہ کروں، جن کا جال تیزی سے انصر کے گرد پھیلتا جا رہا ہے۔

عزیز نے ضل دیا:

ایوب! میں خطرات میں تو اسی وقت گھر گیا تھا جب پدر بزرگوار کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے خلاف ہے۔ سب پانیہ کے کچھ مفاد پرست اس کے آلہ کار ہیں۔۔۔۔۔ لیکن ایوب! تم اطمینان رکھو میری اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ عقیقہ پتھر پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کرے گا اگر ایسا ہو تو سب پانیہ کی شکست کا مندرجہ جواب دے گا۔

بے شک امیر عترم نے بہت زیادہ طاقت حاصل کر لی ہے۔

ایوب نے پھر پتھر کرکنا شروع کیا:

ایوب نے جلدی سے کہا: "بوتلوار امیر عبدالعزیز کے حق میں بلند ہوتی رہی وہ مخالفت میں بلند نہ ہوگی۔ میں آج سے تمام انتظامی معاملات

بنا تعلق کر لوں گا۔ امیر مطلق رہیں، میں جلد ہی واپس قیواں چل جاؤں گا۔"

عبدالعزیز کے قدم ہانہ خدے سے باہر نکل چکے تھے۔ پتہ نہیں انھوں نے ایوب کے الفاظ سنے یا نہیں! ایوب بن حبیب کو عبدالعزیز اور مولیٰ بن نعیر کے وفادار سرداروں نے اپنا ناندہ بنا کر بھیجا تھا۔ ایوب کو عزیز نے ہر سختی سے جواب دیا، اس کے بعد مزید گفت و شنید کی گنجائش نہ رہ گئی۔

ایوب نے واپس جا کر سرداروں کو مطلع کر دیا کہ عزیز جس راستے پر چل پڑے ہیں اس سے واپس آنا اب ٹہری نہیں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

ایوب نے اس دن کے بعد دربار میں جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشین ہو گئے۔



عبدالعزیز نے شاہی تاج سر پر رکھا۔ سب پانیہ شہنشاہوں جیسا اغوائی لباس پہنا۔ عیسائیوں کا سجدہ بھی بائیس میں ان کی مصلحت تھی، اس کا کوئی تاریخی حوالہ نظر نہیں آتا۔ ان کے شاہانہ طور طریقے مسلمان سردار اور علماء کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔ ان کے مخلص دوست ان کے لئے بیگنے یا پیر شہنشاہ کے گزرتے ہیں شامل ہو گئے۔

ان کا ان توں کی عبدالعزیز کو ضرر نہ ہوگی لیکن وہ زعم باطل میں مبتلا ہو گئے۔ مکہ کی دنیا کی محبت کا پردہ ان کی

مقابلہ میدان جنگ میں ہونے دشمن کا چہرہ صاف نظر آتا ہے لیکن آستین کے مانیوں سے مقابلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ آپ کی پشت پر پورا عیسائی لشکر موجود ہے لیکن مسلم سردار آپ سے شاک ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے معاف کریں تو میری عرض کروں کہ مسلم سردار اور علماء کو ملکہ کی پڑھتی ہوئی طاقت اور آپ پر ان کی مضبوط ہونے گرفت قطعی پسند نہیں۔

عزیز پسو بدلتے ہوئے بولے:

"آخر مسلم زعماء کو ملکہ سے کیا پر غاش ہے۔ وہ غلوں کی ماری ہوئی ہے۔ اس کی مصلحت چھٹی گئی۔ وفار عترم ہوگا میں نے اس کے زخموں پر پھیلا رکھنے کے لیے اس سے وعدہ کیا ہے۔ یہ اس کا خلوص ہے کہ تمام عیسائی سردار میرے مطیع ہو گئے ہیں۔ عیسائیوں کی سازشیں اور بغاوتیں ختم ہو گئیں۔۔۔۔۔ پھر ملکہ کی مخالفت میری سمجھ سے باہر ہے۔ ایوب! الفاظ سے تم ہی کہو، کیا ملکہ ہمارے ساتھ مخلص نہیں؟

ایوب نے فوراً کہا:

"اگر میرا الفاظ پوچھتے ہیں تو مسلم امرا اور سردار القصر میں ہونے والے غیر متحرکی نقص و سرور کی غفلت و غفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان سرداروں میں صرف وہی سردار نہیں جن کا کردار مشکوک ہے بلکہ اب تو مجاہدین مولیٰ بن نعیر کے ہمدرد ہیں آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ جن کے نام پر القصر میں جس قسم کی بے حیائی کا مظاہرہ کیا، اسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔"

علق پر پڑ گیا یا پھر عیسائیوں کی فوجی طاقت پر انہیں اتنا گھمٹا ہو گیا کہ انہوں نے مخلص دوستوں کا مشورہ بھی نہیں نہ کیا۔

مکہ جی کوٹنے ایک نیا گل کھلایا اس نے عبدالعزیز کو مجبور کر کے القصر میں عیسائی خانقاہ کی تعمیر کی اجازت دے کر لی۔

بعض موزین کا خیال ہے کہ شاہی محل القصر اور خانقاہ، ایشیلیہ کے شہر سے کچھ فاصلے پر تعمیر کی گئی تھی۔ القصر کے احاطے میں بڑے انتہا آسے بنائی گئی اور اس کا نام کنیتہ رہنیا یا خانقاہ سینٹ امینار کھا گیا۔ شہر کے بڑے پوری کو اس خانقاہ میں تعینات کیا گیا۔ خانقاہ میں کنواری خاتونیں اور راسبات بھی آگئیں اور اذان کی آواز سافٹ کلیسا کے گھنٹے کی آواز بھی القصر میں گونجنے لگی۔ مسلمانوں کا کلیسیا شہر کی ہو گیا۔

انہیں شہیدوں کا خون رائیگاں ہوتا دکھائی دیا۔ مسلمانوں کی رواداری اور انتظام کشی کی وجہ سے دھرم دھرم عیسائی مسلمان ہو رہے تھے۔۔۔۔۔ لیکن اب امیر ہسپانیہ کے محل میں عیسائی عبادت گاہ قائم ہوئی تھی جہاں ٹیٹ (عیسائیت) کی تعلیم و ترویج کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اب عیسائیوں کو مسلمان ہونے کی ضرورت تھی۔ صبح کو جب عبدالعزیز نماز پڑھنے چلے جاتے تو مکہ جی کوٹا، احرام سراسر خانقاہ کا رخ کرتی خانقاہ اور مرکز کے درمیان ایک خوب صورت باغیچہ نما عمارت پر نماز سے واپس آتے تو اس باغیچے میں اس وقت تک جھگڑا ہوتا کہ جب تک مکہ خانقاہ سے عبادت کر کے واپس نہ آتی۔

جس طرح ہندو عقیدہ میں یہ بات موجود ہے کہ دریائے گنگا میں نہانے سے تمام گناہ دھوئے جاتے ہیں، نصرانیت، عیسائیت کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کلیسا کے پادری کے سامنے گناہ کا اظہار کر کے معافی مانگ لی جے تو گناہ عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

عیسائی جو دن بھر گناہ کرتے، وہ صبح دم پادری کے پاس جا کر معاف کرا لیتے۔ مکہ کا جیسی دستور تھا، مکہ کے سامنے اپنے گناہ بیان کر کے معافی حاصل کر لیتی تھی۔

ایشیلیہ جی کیا، ہسپانیہ کے تمام بڑے بڑے مسلم مرداروں کے لیے عبدالعزیز کے یہ طریقے نافذ برداشت ہو گئے۔ سازش اور بغاوت کی چنگاری بھڑک اٹھی لیکن مسلم سردار اپنے آپ کو عزیز کے سامنے سجدے سمجھتے تھے۔ انہیں سانس کی ضرورت تھی اور یہ سہارا خلیفہ دمشق سلیمان بن عبدالملک کا تھا۔

مسلم مرداروں نے باغی مشورہ دیا اور دمشق بھیجنے کے لیے ایک وفد تیار کیا۔ اس وفد کے ذریعہ ایک تفصیلی خط بھیجا جس میں عبدالعزیز پر خاص طور پر تین بڑے بڑے الزامات عاید کیے گئے:

پہلا الزام یہ تھا کہ موسیٰ بن نعیر کے زوال اور معتوب ہونے کے بعد عبدالعزیز نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ بغاوت کو کامیاب بنانے کے لیے عزیز نے شمشادہ شریق (راڈرک) کی بیوہ سے شادی کر کے نصرانی سرداروں کی باگ دہاری کو اپنا فہرہ بنالیا ہے۔

دوم یہ کہ عبدالعزیز نے شمشادہ ہسپانیہ کا تاج سر پر رکھا ہے اور اغوانی رنگ کا شاہی لباس پہننا شروع کیا ہے۔ یہ تاج اور عیسیٰ اغوانی دراصل اصول اسلام کے خلاف سازش ہیں۔ نیز یہ کہ عزیز نے دربار شاہی آراستہ و پرستہ کرنے کی خلیفہ دمشق سے اجازت بھی حاصل نہیں کی۔

تیسرا الزام یہ تھا کہ شہر ایشیلیہ کے قریب بیرون باب القریہ، عزیز نے ایک شاندار ایوان بابت اعمال سے رقم کٹھن کرنے کے اپنے عیش و آرام کے لیے تعبیر کرایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس قصر کے احاطے میں ایک خانقاہ بھی بنائی گئی ہے جہاں عیسائیت کی تعلیم و اشاعت ہوتی ہے۔

باغیوں کے اس وفد کی عبدالعزیز کے کانوں میں بھی بھینک پڑ گئی۔ کچھ دن بعد خلیفہ سلیمان کی خلافت کی صدر نشینی کا سکہ ہونے والی تھی عبدالعزیز نے فوراً اپنے ہمدردوں کا ایک وفد اپنے شہر تاحیتی تحائف کے ساتھ دوبارہ خلافت میں بھیجا۔ اس وفد کے قائد محمد بن حبیب تھے۔ ان کے ساتھ اسمعیل بن مالک اور اسمعیل بن ابی عبد اللہ تھے۔ عزیز نے انہیں تاکید کی کہ خلیفہ کو تحائف پیش کرنے کے بعد ان (عبدالعزیز) کی مکمل وفاداری اور اطاعت کا یقین دلائیں۔ ان پر لکھنے والے الزامات کی پوری پوری تردید کریں۔

دوبارہ خلافت، دمشق میں دونوں وفد آگے پیچھے پہنچے۔ باغی چلے پہلے تھے۔ وہ پہلے پہنچ گئے۔ انھوں نے تحریری الزامات کے علاوہ زبانی طور پر بھی ملک مچا کر عبدالعزیز کی بیعتوں کا رد کیا دیا۔

خلیفہ سلیمان تو پہلے ہی ایسے کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے اب تک اس لیے خاموشی اختیار کر رکھی تھی کہ عبدالعزیز کے خلاف ہسپانیہ سے کوئی آواز نہ اٹھتی تھی۔ باغیوں نے خلیفہ کو اپنے تعاون کا یقین دلایا اور اسے سخت قائلانے کا مشورہ دیا۔

عزیز کے دونوں بھائیوں کو پہلے ہی معزول کیا جا چکا تھا لیکن خلیفہ موسیٰ بن نعیر سے اس قدر متفرق تھا کہ ان کے قتل کے ہرزو کو تیار کرنے پر آمادہ تھا۔

بالفرد کے ایک ہفتے بعد عبدالعزیز کا وفد معہ بیش قیمت تحائف کے، دمشق پہنچ گیا۔ خلیفہ نے تحائف کو ملنے پر یہ بالکل فاسد نہ ہونے دیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس نے وفد کو ملنے کو کہہ کر ہسپانیہ کو بھیج دیا۔

موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ہسپانیہ سے بہت سے سردار آئے تھے جو موسیٰ بن نصیر کے معزول ہونے کے بعد ہی میں رو گئے تھے۔ خلیفہ نے ان میں سے باج سرداروں کو تھکے میں طلب کیا۔ یہ سردار لرزان و ترماں غلیف کے ہاتھ انہیں اپنی کم بختی نظر آ رہی تھی۔ خاص کر جزل حبیب بن عبیدہ القری اور جزل زیاد بن بدر زیادہ گھبرائے جو بڑے تھے۔ دونوں سرداروں کے متعلق مشہور تھا کہ یہ موسیٰ کے خاص دوستوں اور احباب میں سے ہیں۔

خلیفہ نے حبیب کو مخاطب کیا:

”جزل حبیب..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم موسیٰ کے قریبی و متعلق ہیں، تم ہم نہیں ایک ہم نہ ہو سیر و گونا چاہتے ہیں کیا تم تم پر اکتفا کر سکتے ہیں؟“

حبیب کو خوف کے مارے پسینے پھوٹ رہے تھے۔ اسے امید کی کرن نظر آئی تو فوراً بولا:

”ایا امیر المؤمنین! جب تک موسیٰ ہمارے سردار تھے ان کی اطاعت ہم پر فرض تھی لیکن اطاعت خلیفہ کے سامنے کسی اور اطاعت یا فرمانبرداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امیر المؤمنین حکم دیں تو میں اپنی گردن کاٹ کر تدوین میں ڈال دوں!“

خلیفہ نے زیاد بن بدر کی طرف دیکھا:

”زیاد۔ تم پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے؟“

زیاد نے فوراً جواب دیا:

”امیر المؤمنین! جس شخص سے خلیفہ کا اکتفا ڈھل جائے اُسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔“

ناچیز کو غدار سمجھتے ہیں تو مجھے فوراً قتل کر دیا جائے۔“

سلیمان نے مسکرا کر کہا:

”نہیں زیاد..... اگر میں تم پر اکتفا نہ ہوتا تو تمہیں تھلیے میں بلانے کے بجائے جلا کے حوالے کر دیتا۔“

ہوتا۔ ہم نے تم سب کو خلافت کا وفادار سمجھتے ہوئے ہی یاں طرہا لیے۔“

تمام سرداروں کی جان میں جان آئی۔

خلیفہ نے تالی بجائی۔

ایک خادم حاضر ہوا۔

خلیفہ نے ہاتھ سے کچھ کہا۔

نبوکوا پس گیا..... پھر فوراً ہی ایک سردار لٹافہ لاکر خلیفہ کو دست دیا۔

خلیفہ نے لٹافہ حبیب کی طرف بڑھا دیا۔

حبیب نے وہ لٹافہ لے کر آنکھوں سے لگایا۔ پھر اسے بوسہ دیا۔

سلیمان نے رعب دار آواز میں کہا:

”اس لٹافے میں ہمارا ایک فرمان بند ہے۔ تم سب انہی وقت ہسپانیہ روانہ ہو جاؤ۔ ایشیلیہ پہنچ کر اس لٹافے

بھونا اور جو کچھ اس میں درج ہے، اس کی اسی طرح تعمیل کرنا جیسے ہم خود تمہارے ساتھ ہیں.....“

کلم بدلتی نہ ہو۔

تمام سردار سر جھکا کر خاموش کھڑے رہے۔

خلیفہ نے انہیں کئی اور حکم نہ دیا اور انہیں رخصت کر کے محل کے اندر چلا گیا۔



عبدالعزیز کا وذا ایشیلیہ پہنچ چکا تھا۔ وفد نے عزیز کو یقین دلایا کہ خلیفہ سلیمان کا دل اس کی طرف سے بالکل

مان ہے اور کوئی خطر سے کی بات نہیں۔ عبدالعزیز اپنے وفد کی کامیابی سے بہت خوش اور مطمئن ہو کر دشمنوں کی طرف

سے بالکل نافل ہو گیا۔

دو دن بعد خلیفہ کا بھی وفد فرمان خلافت کے سینے سے لگائے ایشیلیہ پہنچ گیا۔ تمام سردار خلیفہ کا فرمان دیکھنے

کیلئے بے چین تھے۔

حبیب بن عبیدہ نے لٹافہ چاک کر کے فرمان نکالا۔ اور خود پڑھنے لگا۔ فرمان کی عبارت پڑھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔

اور اٹھ پیروں میں ایسی کپکپاہٹ پیدا ہوئی کہ فرمان اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ تمام سردار جن کی نظر پر اس

پرچی ہوئی تھیں، حبیب کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

جزل زیاد بن بدر نے بہت کر کے فرمان زمین سے اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے وقت اس پر بھی وہی عالم

فاری ہو گیا جس سے حبیب دوچار ہوا تھا۔

باری باری سب نے خلیفہ کے فرمان کو پڑھا اور دم بخود رہ گئے۔

حبیب بن عبیدہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا:

”دوستو! کس قدر غم ہے کہ عبدالعزیز کے قتل کا حکم نامہ مجھے دیا گیا ہے۔ حالانکہ خلیفہ کو اچھی طرح معلوم

ہے کہ موسیٰ بن نصیر میرے مرقی ہیں اور عبدالعزیز میرے گھر سے دوست ہیں۔“

جزل زیاد بن بدر بولا: ”کم بخت دشمنوں نے موسیٰ بن نصیر کا بیچا اب تک نہیں چھوڑا۔ عبدالعزیز جیسے

مدبر اور بہادر انسان کا قتل بہت بڑا ظلم ہے۔

تیسرے نے کہا:

”گمراہ ہیں کیا کرنا چاہیے؟“

جزل حبیب بن عبید نے بڑی جلدی فیصلہ کر دیا۔ عبا پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

”موسلی اور عزیز کے تعلقات اور کارنامے ایک طرف لیکن یہ خلیفہ کا حکم ہے۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔“

ممکن ہے کہ جزل حبیب کا یہ فیصلہ اس کے ساتھیوں کے لیے حیرت ناک نہ ہو لیکن تیو سومال گزرنے

بعد بھی ہیں یہ فیصلہ بڑا حیرت انگیز دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ زندگی کی قدر میں کیا پیمانہ قرار

غیر مستقل ہوتی ہیں۔ مصلحت انہیں ہمیشہ پامال کر رہی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو دکن کا عاقل اور جنگال کامیر جیو ہری

کا حصہ نہ بنتے۔

جزل حبیب کے اس فیصلے سے صرف اتفاق ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسے فوری عملی جامہ پہنانے کے لیے ترکیبیں بنی

جانبے لگیں۔

فرمان میں درج تھا کہ عزیز کا سر قلم کر کے دوبار خلافت میں پیش کیا جائے۔

عبدالعزیز کے یہ تمام احباب، عبدالعزیز کے سر کا تحفہ دوبار میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے

بے چین ہو گئے۔ آخر طے ہوا کہ عبدالعزیز کو دوسرے دن کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔



ملکہ نے عبدالعزیز کے تمام جاننا و معلوموں کو برخاست کر کے ان کی جگہ خوبصورت لہرائی کیزوں کو متحرک

دیا تھا۔ القصر، خانقاہ اور عبدالعزیز کی حفاظت پر بہترین عیسائی دستے تعینات تھے۔

ملکہ کو عبدالعزیز کی جان بہت عزیز تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عبدالعزیز کی بقا اس کے دفاع کی ضمانت ہے اور

عبدالعزیز کا خاتمہ اس کی عظمت کا اختتام ہو گا۔ ملکہ نے اسی لیے القصر کو ایک مضبوط لہرائی قلعے میں تبدیل کر دیا۔

عبدالعزیز جس طرح عیسائیوں میں مقبول تھا اسی طرح اپنی تہمت غلطیوں کے باوجود مسلمان عوام اور بعض

مسلم سردار، عبدالعزیز کا دامنیت سمجھتے تھے۔

ملکہ کے تمام اہل قلعہ کا علم تھا کہ وہ اس خدشے کو دل سے نہ نکال سکتی تھی کہ عبدالعزیز کسی وقت جوتی ہو سکتے

ہیں نہ یہ تمام انتظامات اسی انداز کے لیے کیے تھے۔

جزل زیاد اور جزل حبیب، القصر کے حفاظی انتظامات سے واقف تھے۔ القصر پر کھلے بندوں حملہ کرنا موت کو

دینے کے مترادف تھا۔ اس سے خاندان جگمگ بھی شروع ہو سکتی تھی۔ انہوں نے القصر پر حملہ کرنے کی غلطی نہ کی۔

یہ القصر میں عبدالعزیز سے بڑے نخوس اور بیار سے ملے۔ انہوں نے خلیفہ کی طرف سے عبدالعزیز کے لیے

خوابشات کا پیغام دیا۔ عبدالعزیز نے انہیں بڑی محبت اور خلوص سے رخصت کیا لیکن یہ ان کی آخری

بیت تھی۔

نہاں فجر کے بعد عبدالعزیز حبیب عادت باغ میں چلے گئے۔ وہ باغ میں اس وقت تک سیر کرتے رہتے جب تک

خانقاہ سے عبادت کہہ کے واپس نہ آتی۔

عبدالعزیز خوش خوش باغ میں ٹہس رہے تھے۔ ملکہ، خانقاہ کے راہب کے ہاتھ پر بیت و استغفار کر رہی

ناراز دونوں کی موت، باغ کی جھاڑیوں اور درختوں میں بھیجی، دقت کا انتظار کر رہی تھی۔

ملکہ، خانقاہ کی بیڑیوں سے اتری۔

عبدالعزیز مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔

اسی دقت جھاڑیوں سے چند تندخو اور سفاک جوان برآمد ہوئے۔ انہیں رات کے کسی حصے میں وہاں پہنچا دیا گیا

بڑی تلواروں کو دیکھ کر ملکہ کا خون جگر ہو گیا۔ عبدالعزیز نے کچھ کہنا چاہا مگر حملہ آوروں نے اسے منہ بھی نہ کھولنے

پر مجبور کر دیا اور ایک لمبے میں درجن بھر تلواریں عزیز اور ملکہ ہی لونا کے جسموں میں پیوست ہو گئیں۔ ایک ظالم نے

عبدالعزیز کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔

”ملکہ ماری گئی۔“

عبدالعزیز قتل ہو گئے۔

ہر طرف ہی شور تھا۔

القصر کے عیسائی محافظوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ اڑتے تو کس کے لیے۔ ملکہ اور عبدالعزیز دونوں

نہاں ہو چکے تھے۔

القصر کے دروازے پر جزل حبیب بن عبید القہری اور جزل زیاد بن بدر، مسلمان دستوں کے ہاتھ نمودار ہوئے

انہماک کا دروازہ کھول دیا گیا۔

عبدالعزیز کا سر جزل حبیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ ملکہ کی لاش اور عبدالعزیز کی سر بریدہ لاش کو میدردی

پھر راز داران مارت، اشیائے قیمتی کے چھوڑے پر ڈال دیا گیا۔

معاذ کبر تھا۔ ہسپانیہ کی عظیم ترین ہستیوں کی لاشیں بے گور و گفن خون میں غفلان و بیچاں شام تک

ہسپانیہ کے پہلے دور میں طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور عبدالعزیز کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔
طارق بن زیاد کی جان بچ گئی لیکن ان کی فوجی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا۔
عبدالعزیز کی مدد سے قتل کر دیا گیا۔

عبدالحمید موسیٰ بن نصیر، ۹۷ھ میں پُرہول زندگی کی بندش سے آزاد ہوئے اس سن ہجری میں خلیفہ سیان مکہ
موسیٰ بن نصیر باہر زنجیر اس کے ساتھ تھے موسیٰ مکہ میں بدوؤں کے درمیان بھیک لگا کر تے اور پیٹ بھرنے کے
برایں پتلا سے تانوان کی رقم میں جمع کر دیا کرتے۔ دو لاکھ دینار کا یہ تانوان ان کی جان زار ادا نہ کر سکی۔ آخر
خانہ اس اور بے چارگی کی زندگی میں اس فرزند معید اور خادم توحید، سپہ سالار اعظم نے مدیستہ منورہ میں
غزوات اختیار کیا۔

سرباز پڑی رہیں کسی کو اتنا بھی ترس نہ آیا کہ ان پر ایک چادر ہی ڈال دے۔

رات ہوئی تو چند وفادار اور خدا ترس غلاموں نے دونوں لاشیں خانقاہ کی ایک کھڑی میں دفن کر دیں۔
اشبیلیہ میں سینٹ امینا کی خانقاہ اب بھی موجود ہے لیکن قبریں معدوم ہو چکی ہیں اور اس کو ٹھکان گاہ
بھی باقی نہیں جس کی خاک تلے ایک فہمیدہ اور فنونِ صیگر کی کاما ہر سردار سوار ہے۔
عبدالعزیز اپنی بعض خامیوں کے باوجود اگر کچھ دن اور زندہ رہتا تو ہسپانیہ کی حالت قابلِ رشک ہوتی۔
عبدالعزیز کا قتل جس قدر عبرت ناک اور سبق آموز ہے، اتنا ہی سفاکی اور نادانی کا منظر بھی۔

اشبیلیہ میں جو کچھ ہوا وہ تو ہوا لیکن اس واقعہ کے بعد اسے بازگشت کے طور پر دربار خلافت دمشق میں پہنچا
پیش آیا اس کے تصور ہی سے سخت سے سخت دل انسان لرزہ برآمد ہو جاتا ہے۔

جبریل حبیب بن عبید القہری، مجاہد ہسپانیہ عبدالعزیز کا سر لے کر خلیفہ کے پاس دمشق پہنچا خلیفہ
بڑے اہتمام سے یہ سر ایک سونے کے طباق میں رکھوا دیا۔ اس پر بیش قیمت سرو پوش ڈالا گیا۔ پھر جب دربار کا قیام ہوا
اس کے سامنے رکھا گیا۔

موسیٰ بن نصیر کو بھی دربار میں بلایا گیا اور انھیں اس ڈھکے ہوئے طباق کے پاس لاکھڑا کیا گیا اس وقت
خلیفہ سلیمان نے طباق پر سے سرو پوش ہٹانے کا حکم دیا۔
”خوشی کی نظر جیسے ہی اپنے پیارے بیٹے کے سر پر پڑی تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔۔۔۔۔ اور ان کی
پھٹنے لگا۔

خلیفہ سلیمان نے مسکرا کر کہا:

”موسیٰ! پہچانتے ہو۔۔۔۔۔ یہ سر کس کا ہے؟“

مجبور موسیٰ کیا جواب دیتے۔ انہوں نے آسمان کی طرف نظر بن اٹھائیں اور بولے:

”اے خداوند۔۔۔۔۔ جس ظالم نے فرشتہ صفت عبدالعزیز کا سر اتارا ہو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔“

اس کے بعد انہیں غش آگیا اور وہ جھک کر گر پڑے۔

ہسپانیہ کے اس دور کی داستان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک تمام فاتحین ہسپانیہ
بیان کر دیا جائے۔

نشان نے اپنا کھڑا سب سے بڑے خیمے کی آڑ میں روک لیا۔

وہ سوار واقعی آہن پوش شہسوار سے بہت کم لوہے میں غرق تھا۔ ہاتھ پیرا گردن، ہچم کا ہر عضو لوہے
بنا ہوا تھا۔ آہن خود نے اس کے سر اور چہرے کو اس طرح چھایا تھا کہ آنکھیں تک نظر نہ آتی تھیں۔ سوار
آہن پوش نشان نے دیکھا کہ اس کے خود کے اوپر ایک سیاہ نقاب بھی پڑا ہے۔ عثمان کے جاسوسوں نے
یہ اسے نقاب پوش مخلوق کا نام آدیا تھا۔

(11)

خونی ہنی مون

نقاب پوش سیدھا سیدھا سہ خیمے کے پاس آکر نشان کے لیے یہی موقع سب سے بہتر تھا۔ وہ تلوار چمکا کر
پلہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔

”کون ہو تم؟“ عثمان نے گرج کر کہا۔

نقاب پوش شہسوار کے لیے یہ حادثہ ناگمانی تھا۔ وہ گھبرا یا لیکن جلد ہی گھوڑا رک کر کھڑا ہو گیا۔

”تم کون ہو اور ہمارے علاقے میں کیوں آئے ہو؟“ عثمان دوسری بار گرجا۔

نقاب پوش اب بھی خاموش رہا۔

جواب دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ نشان کا غصہ صبر کی حد سے گزرنے لگا۔

”خاید تم تلوار کی زبان سمجھتے ہو۔“ یہ کہتے ہوئے عثمان کی تلوار چلی اور شکل کی طرح نقاب پوش شہسوار کی
پٹ پٹ پٹ۔

عثمان کو اپنی شمشیر زنی پر ناز تھا۔ ناز کیوں نہ ہوتا۔ وہ برابر فیصلے کا سب سے مادر شمشیر زن تھا۔ اس کا دار
نقاب پوش شہسوار کا۔۔۔۔۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی تلوار دشمن کی گردن کے گے گرد پڑے ہوئے
نقاب کو کاٹنے کے بجائے، ڈھال سے ٹکرائی۔

عثمان نے جس تیزی سے وار کیا اس سے کہیں زیادہ پھرتی سے نقاب پوش نے بائیں جانب کمر سے لٹکی
ڈھال اٹھ کر دیکھنے کو بلند کر دیا۔ ہلکے زنا کی جی جی۔ ڈھال پر چمکا چڑا منڈھا ہوا تھا۔ عثمان کی تلوار نے ڈھال
ڈھال سے وقت ایک جھٹکا سا کھایا اور پھیل کر دوسری طرف ہو گئی۔

حیران کے ساتھ ساتھ عثمان نے دل ہی دل میں اپنے دشمن کی پھرتی کی داد بھی دی۔

نقاب پوش کی بیجنوی ڈھال تین فٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی تھی۔ یہ ڈھال حملے کو تو بخوبی روک سکتی تھی لیکن
انڈولنے کی وجہ سے حملہ کرنے میں حائل ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نقاب پوش، عثمان کے پیچ حملہ کو تو روک سکا۔
نقاب پوش کوئی کامیاب وار نہ کر سکا۔

عثمان کے ہاتھ لڑنے والوں نے اسے بہت جلد پریشان کر دیا۔ پھر ایک بار عثمان نے نقاب پوش کی تلوار کو

نہم خیمے خالی تھے۔

عثمان نے پہلے دور سے خیموں کا جائزہ لیا۔ پھر قریب آیا اور گھوڑے سے اتر کر ایک ایک خیمے پر نیک
کر دیکھا۔ خیموں میں صرف کھانے پینے کا سامان تھا۔ اس نے دریا پار سرنگ چوٹیوں کو دیکھا۔ شیب میں اتنی
بل کھاتی پڑی پگڈنڈیوں پر نظر ڈرائی۔ اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔
خیمے خالی۔ راستے ویران۔

عثمان الجھن میں پڑ گیا۔ واپس جلتے یا اس نقاب پوش اور آہن پوش مخلوق کا انتظار کرے جس کا اعلان
اسے قلعے میں پہنچائی گئی تھی۔

وہ یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ یہ اجنبی مخلوق کہاں سے آئی ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں؟

عثمان، قلعہ پارٹینس کا حکام تھا۔ خبر ملتے ہی وہ قلعے سے اکیلا چل پڑا۔ اس کا نائب پانچ سو سوار
ایک دستہ لے کر اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

عثمان گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

آہن پوش مخلوق کا انتظار کرنا خطرے سے کسی طرح خالی نہ تھا۔ عثمان اکیلا تھا اور دشمن کی تعداد کو کوئی
اندازہ نہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ خیموں کی قطاریں پار کرنے لگا۔

معاذ کی نفر ترائی میں ایک بڑی پگڈنڈی پر پڑی۔ ایک سوار بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔
تھا چڑھائی کے ٹیڑھے راستے پر اس کا گھوڑا یوں دوڑ رہا تھا جیسے میدان میں چل رہا ہو۔

دین دینا کے بہترین شمشیر زن کے ساتھ زور آزمائی سے محروم رہ جاتی۔ دوشیزہ نے فوراً جواب دیا اور
نظر سے عثمان کو دیکھنے لگی۔

عثمان تو پہلے ہی دل دے بیٹھا تھا۔ دوشیزہ کی باتوں میں اسے التفات کی بو آئی تو اسے حوصلہ ہوا۔ بولا:
"یہ تم میرے ساتھ چل سکتی ہو؟"

دوشیزہ کا چہرہ افسردہ ہو گیا۔ اس نے کہا:
"میں تمہاری قیدی ہوں۔ تمہارے حکم کی تعمیل تو کرنا پڑے گی۔"

عثمان نے اسے اداس دیکھا تو شرمندہ ماہو گیا۔ جلدی سے بولا:
"نہیں نہیں۔ میں تمہیں حکم نہیں دیتا۔ میں تو تمہاری مرضی معلوم کر رہا ہوں۔"

دوشیزہ کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ اس نے کہا:

"اگر تم میری مرضی معلوم کرتے ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیتی ہوں۔ میں تم جیسے بہادر کو ساتھ
لےنا نہیں چاہتی۔"

عثمان نے ہنسی کر کہا:

"اے ماہِ رُود! تم مجھے اپنے ساتھ لے جا کر وہ کچھ عزت و طاقت نہیں دے سکتیں جو مجھے یہاں حاصل ہے۔"
اس ماہِ رخ نے شوق سے جواب دیا:

"اور میرا خیال ہے کہ اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں اپنے ملک میں اتنا کچھ دوں گی کہ تم ادھر آنے کا خیال
نہ کر دو گے۔"

عثمان نے کہا:

"اگر میں یہ کہوں کہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ تم اس علاقے کی حکمران ہو سکتی ہو تو....؟"
دوشیزہ فوراً بولی:

"تو میں یہ کہوں گی کہ میں تم کو اس ملک کا ڈیوٹ بنادوں گی۔"

عثمان کی جبرانی بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ پاڑوں کے اس پار ملکِ فرانس کا صوبہ اکیوٹین ہے اور وہاں کا
بادشاہ ایلڈولیس نامی ایک تجربہ کار جرنل ہے۔

عثمان نے ہنسی کر کہا:

"تم تو توین بات کر رہی ہو جیسے ریاست اکیوٹین کی حکمران ہو اور ڈیوٹ کی بیوی بننا چاہو۔"

دوشیزہ بھی اسی شگفتگی سے بولی: "میں تمہارے اندازے کی داد دیتی ہوں۔ میں حکمران اکیوٹین نہیں

اپنی تلوار میں الجھا کر کچھ اس طرح جھکا دیا کہ نقاب پوش کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ تلوار گرے تب ہی نقاب پوش نے
ڈھال پھینک کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ اب وہ عثمان کے رحم و کرم پر تھا۔

عثمان نے ایک خونِ پاک ناخاناہ ہنسنے لگا۔ پوچھا:

"تمہاری جان بخشی کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ سچ بتاؤ تم لوگ کون ہو اور اس علاقہ میں کیوں گئے ہو؟"

نقاب پوش ذرا تذبذب کے بعد اپنے ہاتھ سر کی طرف لے گیا اور آہنی خود کی ٹریاں کھول کر خود کو سر
الگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی منبر سے ریشمی بالوں کی لٹیں ہوا میں اُھرنے لگیں۔

عثمان نے حیرت سے دیکھا کہ آہنی خود میں چھپا ہوا چہرہ ایک حسین دوشیزہ کا تھا۔ اس کے صحن کے کنارے
میں ایسا محو ہوا کہ درہنک اس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔

دوشیزہ بھی ٹٹکی باندھے عثمان کو دیکھ رہی تھی۔ زیر لب تبسم کے ساتھ بولی:

"تم مجھے قتل کر سکتے ہو لیکن قتل سے پہلے مجھے بتا جاؤ گے کہ مجھے زیر کرنے والا بہادر نوجوان کون ہے؟"

"اے پاڑوں کی دیوی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" عثمان نے محبت کے عالم میں سوال کیا۔

دوشیزہ نے پہلے برق پاش مگر محبت آمیز نظروں سے عثمان کو دیکھا پھر نظریں گھما کر مشرق کی طرف پیش
چوڑیوں کو دیکھنے لگی۔

عثمان کی نظریں اس کے رخِ زیبا سے کسی طرح نہ ہٹتی تھیں۔ اس نے کہا:

"میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا۔ تم پاڑوں کے اس بارانِ وادیوں کی مکہ برجینیں پر یوں اور جتوں کا دیں لگا رہے
تم یقیناً کوئی پری ہو اور راستہ بھول کر ادھر آ گئی ہو۔"

دوشیزہ مسکرا کر بولی:

"ہاں میں اسی ملک کی رہنے والی ہوں۔ میں اس میں کوئی پری نہیں بلکہ تمہاری طرح انسان ہوں اور شکار
کھیلنے کیلئے ادھر آ گئی تھی۔"

عثمان نے سوال کیا:

"کیا نہیں علم نہیں تھا کہ یہ علاقہ مسلمانوں کا ہے اور تم کسی حارثے کا شکار ہو سکتی ہو۔"

"ہاں۔ مجھے بتا لیا گیا تھا کہ یہ علاقہ دُشمنوں کا ہے۔" دوشیزہ نے ہارواٹ سے کہا:

"میں اسے اپنے شکار کے شوق پر قابو نہ رکھ سکی اور ادھر آ گئی۔"

عثمان نے تلوار نیام میں کر لی اور اپنا گھڑا نقاب پوش کے گھوڑے کے برابر لے آیا۔ چہرہ مسکرا کر بولا:

"اچھا ہوا کہ تم ادھر آ گئیں ورنہ میں دنیا کی حسین ترین دوشیزہ کے دیدار سے محروم رہ جاتا۔"

بہنہ زادی ایکویٹین ہوں اور ڈیوگ یوڈیس میرے والد صاحب ہیں۔

عثمان کو جیسے حیرت کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا:

کیا یہ سچ ہے کہ آپ بہنہ زادی ایکویٹین ہیں؟

آپ نہیں۔ مجھے لفظ "تم" سے مخاطب کرو بہادر نوجوان۔

بہنہ زادی مسکراتے لگی:

"میں خود بہادر ہوں اور بہادروں کو دل سے پسند کرتی ہوں۔"

عثمان اب ہلک گھبرا ہوا تھا۔ وہ بہنہ زادی کے صحن سے پسے ہی مرعوب تھا۔ بہنہ زادی کی شانہ ملکوت نے

اسے اور زیادہ مرعوب کر دیا۔ اس نے فدیو نامہ انداز میں کہا:

"بہنہ زادی ایکویٹین! مجھے معاف فرمائیے۔ میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے۔"

بہنہ زادی طبعاً بہت خوش مزاج اور شوخ تھی۔ فوراً بولی:

..... چلو۔ تمہاری یہی ضد ہے تو میں نے معاف کیا لیکن آئندہ میرے کسی حکم سے سرتابی نہ کرو۔

"سر تسلیم خم ہے بہنہ زادی عالیہ۔" عثمان نے اسی خوشی سے جواب دیا:

"غلام تو زندگی بھر آپ کی خدمت کے لیے آمادہ ہے۔"

یہ کہہ کر عثمان نے بھرپور نظروں سے بہنہ زادی کو دیکھا۔ بہنہ زادی نے نظریں تو لٹائی مگر جوانی کی شوخی پر جب

غالب آ گیا۔

بہنہ زادی نے نظریں نیچی کیسے کہ پوچھا:

"کیا میں معلوم کر سکتی ہوں کہ زندگی بھر میری خدمت کرنے کا خواہش مند کون ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ

تمہارے بڑے یا چھوٹے مرتبے اور رتبے کی وجہ سے مجھ پر کوئی اثر پڑے گا۔ میں تمہیں صرف تمہاری بہادری

کی وجہ سے پسند کرتی ہوں۔"

عثمان سوچ میں پڑ گیا۔

کیا وہ سچ بولی کہ اپنی شخصیت کا انہار کر دے یا بہنہ زادی کو دھوکے میں رکھ کر اسے اور زیادہ قہر

حاصل کرنے کی کوشش کرے؟

بہنہ زادی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا:

"نہت عجیب نوجوان! تمہارے ایک ادنیٰ سپاہی یا اٹھنا انصر ہونے کا میری ذات پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

میں تو صرف تمہارا نام پرستہ معلوم کرنا چاہتی ہوں تاکہ اگر پھر اس طرف آنا ہو تو تم سے ملاقات ہو سکے۔"

بہنہ زادی ایکویٹین! عثمان نے زبان کھولی:

"میں نے اپنا نام اور پتہ بتانے سے اس لیے گریز کیا تھا کہ اس کے انہار کے بعد ہم شاید اس قدر بے لطفی

نہایت کر سکیں۔"

بہنہ زادی ایکویٹین نے ایک ہر شباب قہقہہ بلند کیا اور ہر غرور لہجے میں بولی:

"معتن رہو جوان۔ اگر تم فاتح ہسپانیہ اور امیر اندلس نہ رہتے تب بھی تم سے مرعوب نہ ہوں گے۔"

بہنہ زادی کے انداز سے کی بھی راد تیا ہوں۔ عثمان نے جیسے اپنا بدل لیا:

میں فاتح ہسپانیہ تو نہیں مگر فاتح ہسپانیہ طارق بن زیاد کا بہت قریبی عزیز ہوں۔ سلطنت ہسپانیہ کی

بہنہ زادی میں اس کا شائبہ ہے۔ میں ایک زمانے تک امیر ہسپانیہ کے عہدے پر بھی فائز رہ چکا ہوں لیکن میری

پہلے مجھے نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے حکومت کے جھگڑے پسند نہیں آتے اور میں امارت چھوڑ کر اہل ہریرت

پہلے لگا..... میرا نام عثمان بن ابی لہع ہے۔ جہاں البزات اور یائے پاڑنیس کے علاقے اور تمام قلعوں

بہ خود مختار گورنر ہیں۔"

اب بہنہ زادی کے چہرے پر ہنس کی بارش تھی۔ احمد نے حیرت سے کہا:

"اچھا تو آپ عثمان پیدا آپ تو اس تمام علاقے کے امیر ہیں۔ دربار ایکویٹین میں آپ کا اکثر ذکر ہوتا رہتا

ہے۔ جہاں البزات کی خدمت میں سلام عرض دینا زہینش کرتی ہوں۔"

بہنہ زادی ایکویٹین نے بڑے انداز درباری سے اپنی گردن کو ذرا سا خم کیا۔

عثمان اس ادا پر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ بولا:

"بہنہ زادی ایکویٹین نے اعلان کیا تھا کہ میرا نام سننے کے بعد ان کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن مجھے

آپ سے مخاطب کیا جا رہا ہے۔"

بہنہ زادی شرمندہ سی ہو گئی۔ بولی:

"بہادر عثمان! کیا ہم اچھے دوستوں کی طرح رہ سکتے ہیں؟"

بہنہ زادی نے بہنہ زادی! عثمان نے فوراً کہا:

"نہاں آپ کی دوستی پر فخر محسوس کروں گا۔"

عثمان کے ذہن میں فوراً ایک خیال گزرا۔ بہنہ زادی اس وقت تنہا کیوں ہے؟ کیوں نہ اسے قلعہ چلنے پر مجبور

کر کے اسے قلعہ سے نکلنے سے روکا جائے؟ اسے قلعہ سے نکلنے سے روکا جائے؟

بہنہ زادی نے فوراً گندہ اور اوجھا تھا لیکن عثمان کی سرشت کا ایک پہلو یہ بھی تھا۔ عیاشی اور اقربا پروری اس

عثمان کو اور پیش آیا:
 "شہزادی۔ یاد رکھو، اگر تم نے مجھے گرفتار کیا تو میرا لشکر ایکویٹین کی اینٹ سے اینٹ بھاڑے گا۔ میں برباد ہوں۔ برباد ہوں۔ برباد ہوں۔ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا۔"
 شہزادی ہنس کے بولی:

"اے جہل البرزات کے امیر پہلے میں تمہاری قیدی تھی۔ اب تم میری قیدی ہو۔ جنگ اور محبت میں ہر بات
 "کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟"
 عثمان لا جواب ہو گیا۔

عثمان کی بھاری اور مداندہ جہالت شہزادی کے دل میں گھر کر چکی تھی اس سے عثمان کی بے بسی دکھی نہ
 "یہ اس نے نقاب پوشوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ تمام نقاب پوش اپنے گھوڑے موڑ کے پیچھے ہٹ گئے
 اور دور جا کھڑے ہوئے۔"

شہزادی ہنس کر بولی:

"عثمان! تم بالکل آزاد ہو۔ شہزادی جسے ایک بار دوست کہہ دیتی ہے اسے دھوکا نہیں دیتی یہ بات
 نامانوس کے خلاف ہے۔ تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے تمہیں باتوں میں الجھا کر ان سواروں کو بلا پایا ہے
 یہ قطعی غلط ہے۔ یہ میرے مخالف ہیں۔ یہ تو تمہیں جاننے بھی نہیں۔"

عثمان نے اطمینان کا سانس لیا۔ بولا:

"مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے شہزادی ایکویٹین۔ آپ کی اعلیٰ طرفی مجھے بے خبر یاد رہے گی؟
 عثمان نے اپنا گھوڑا موڑا۔

شہزادی نے کہا:

"امید ہے کہ تم شہزادی کو بھی یاد رکھو گے؟"

عثمان کے گھوڑے کا رخ شہزادی کی طرف ہو گیا۔ بولا:

"کیا میں شہزادی سے دوسری ملاقات کی امید رکھوں؟"

"کیوں نہیں؟" شہزادی نے جواب دیا:

"راست ایکویٹین تمہارا ایک دوست اور خود مختار بادشاہ کی طرح استقبال کرے گی اور استقبال کرنے

"اڑوں میں شہزادی ایکویٹین کو تم سب سے آگے پاؤ گے۔"

عثمان کے دل میں امید کا چراغ پھر سے روشن ہو گیا۔

کردار کے دو تاریک پولوٹھے عزیز و اقارب کو نوازنے کا مد کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔
 وہ برباد قوم کا فرد تھا۔ طارق بن زیاد کے ساتھ کئے دار نہ تھا۔ سردار اور سپاہی اس کے گدے پر بٹے
 اب بھی افریقہ سے سپاہیوں اور قسمت آراؤں کے جگمگاتے سپاہیہ کتے ان میں تھا۔ برباد قومین ورنے پر تھے۔
 ملنے کا رخ کرتے۔ عثمان انہیں ضرورت سے زیادہ نوازتا۔

یہی حال عثمان کا عیاشی کے معاملے میں تھا۔ صورت اس کی بہت بڑی کڑکھائی تھی۔

شہزادی ایکویٹین پر اپنی نظر پڑتی تھی اس نے اسے اپنے لیے پسند کر لیا تھا۔ اسے عورتوں کو پسند نہیں بہت ہوتی ہے۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟
 پھانسنے کے طریقے بھی آتے تھے۔ اس کی بھاری نے شہزادی کو متاثر کیا تھا اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ عثمان اس
 علاقے کا طاقتور اور خود مختار گورنر ہے، شہزادی ایکویٹین کا انکشاف اس کی طرف ڈر بڑھ گیا۔
 شہزادی نے اسے دوستی کی دعوت دی لیکن عثمان کے اندر اشدینان مائی اٹھا۔

اس نے شہزادی کو انکار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ شہزادی کی طرف بڑھا۔ اور قریب اور قریب اب اس میں اور شہزادی میں مرنے کا
 فاصلہ نہ تھا۔ وہ بڑی آسانی سے شہزادی کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے سکتا تھا۔ شہزادی اس کے ارادوں سے
 بے خبر ہے۔ پیار میری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
 عثمان کا ہاتھ شہزادی کی طرف بڑھا۔

شہزادی نے نہ جانے کیا سمجھ کر کوئی مزاحمت نہ کی۔ عثمان نے شہزادی کا ہاتھ اپنے اندر میں لے لیا لیکن
 اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش نہ کر ہی رہا تھا۔ سینکڑوں گھوڑے بھاگنے کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔
 نے فوراً شہزادی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور گھبراہٹ سے اڑا اڑا کر دیکھنے لگا۔

کئی سو نقاب پوش انہی سے گھوڑے بڑھاتے اور چلے آ رہے تھے۔ عثمان کے پیروں کے پیچھے یہ
 نکل گئی۔ رنگ فقی ہو گیا۔

سواروں نے قریب آتے ہی ان دونوں کے گرد گھیرا ڈال دیا اور ایک ساتھ بیس تلواروں کی ٹوکیں عثمان کے
 سفید عامے اور لمبے کرتے کو چھونے لگیں۔

عثمان نے تھراؤ نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔ وہ مسمک رہی تھی۔

عثمان نے شہزادی کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا:

"وہو کا فریب۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تمہارے خونخوار چہرے کے اندر ناگیاں یاد رہیں۔"

شہزادی مسکراتی رہی۔

بڑی بیار بھی نظر دے دیکھا اور کہا:
"یہ امیر عثمان کا انتظار کروں گی۔"
رافع نے چونک کر عثمان کی طرف دیکھا۔
عثمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

نشاد میں جلد نہ آسوں لیکن میرا نائب رافع بہت جلد آپ کے پاس آئے گا۔
شہزادی نے خود سر پر چڑھ لیا۔ پھر وہ ان نقاب پوشوں میں اس طرح مل گئی کہ اسے شناخت کرنا ناممکن ہو
آپ خود پر نقاب کا اضافہ اس نے اسی لیے کر لیا تھا تاکہ جب وہ اپنے دستے کے ساتھ چلے تو اسے کوئی بھی
نہ نہ کر سکے لیکن جب یہ نقاب پوش اجنبی راستوں سے گزرتے تو لوگ انہیں پرانے مشرقی سمجھ کر خوف
کھاتے۔



شہزادی کا باپ شاہ یوڈیس، ایک یوڈیٹن نہایت تجربہ کار اور سپاہیانہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ
کال گروہ تھا کہ دو سال پہلے اس نے مسلمانوں کو نابوں اور ٹولوس کے میدانوں میں شکست فاش دے کر
بازار میں سرحدوں سے پیچھے وکیل دیا تھا۔
شہزادی ایک یوڈیٹن اسی ہمارے جرنل کی اکلوتی اولاد تھی۔

یوڈیس کو شہزادی سے بے پناہ محبت تھی۔ بے جا محبت اور لاڈ پیار نے شہزادی کے اطوار بگاڑ دیے
تاکہ وہ بھی اخلاقی اور سماجی تمام پابندیوں سے آزاد تھی۔

ایک یوڈیٹن کا پورا علاقہ پرستان کے نام سے مشہور تھا اور اسے مغرب کا کوہ کان کہا جاتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا
تھا کہ دنیا کا حسن سمٹ کر اس علاقے میں آ گیا ہے۔ پھلوں کی بہتات تھی اور گھر گھر شراب کشیدگی جاتی تھی۔ مرد
نہ نہ کر کے عام لطف انداز تھے۔ میں داخل تھا۔ معبد کا میں اور گرجے حسین و جمیل عورتوں سے بھرے تھے جہاں
سوان وادعیش دی جاتی تھی۔

شہزادی پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لیے وہ اپنا بیشتر وقت میوے و تفریح میں گزارتی اور جنگلوں، پہاڑوں
اور کھلی بھرتی۔

عثمان گھوڑا موڑنے والا تھا کہ دور سے گرد کا ایک بادل سا اٹھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گرد کا دامن ہلکا ہوا
اور اس میں سے سوار نکلے گئے۔ سفید مٹنے اور لمبے لمبے کرتے۔ یہ سوار اگرچہ بڑی تیزی سے آ رہے تھے لیکن
ان کی رفتاروں میں نظم و ضبط تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میدان جنگ میں صفیں باندھ کر آگے بڑھ رہے
ہوں۔

شہزادی کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہوئے۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:

"شہزادی ایک یوڈیٹن فکر مند ہوں۔ عثمان بھی سے ایک بار دوست کہہ دیتا ہے اس کے ساتھ قریب نہیں رہتا۔
یہ لشکر میرا ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ دریائے پارٹیس کے قریب کچھ پلہ سوار نقاب پوش خیمہ زن ہیں تو میں اپنے
قلعے سے ایلہا ہی چل پڑا۔ اب یہ لشکر مجھے تلاش کرتا آیا ہے۔
شہزادی کی پریشانی دور ہو گئی۔

مسلم سوار قریب آ کر رک گئے۔ ایک سوار گھوڑا بڑھا کر عثمان کے قریب آیا اور ادب سے سنا لیا۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:

"رافع۔ یہ نقاب پوش ہمارے دشمن نہیں۔ یہ ریاست ایک یوڈیٹن کے لوگ ہیں۔ ان کی شہزادی شکایتیں
کھینچے بھروسے سدا دھڑکتی ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے عثمان کی نظر میں شہزادی کی طرف اٹھ گئیں۔ تمام نقاب پوش سواروں میں مرن شہزادی کا نقاب
انزا ہوا تھا۔ رافع نے بھی شہزادی کو دیکھا۔

عثمان نے شہزادی کو دیکھ کر کہا:

"شہزادی ایک یوڈیٹن آپ واپس جاسکتی ہیں۔ اگر کوئی پریشانی ہو تو ہمارے سوار آپ کو سرحد تک پہنچائیں۔
آئیں۔"

شہزادی نے ایک نقاب پوش کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ سب کو لے کر خیموں کے پاس گیا اور خیمے جلدی
اکھاڑے جانے لگے۔

شہزادی نے شکر یہ کہے طور پر سر زخم کیا اور بولی:

"میں امیر جبل البرزات کی اس ہربانی کے لیے شکر گزار ہوں۔ ہمارے سوار ان راستوں سے اچھی طرح واقف
ہیں۔ یہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔"

خیمے بڑی تیزی سے اکھاڑ کر گھوڑوں پر لاد دیے گئے۔ شہزادی نے آہنی خود سر پر رکھنے سے پہلے

شاہ یوڈیس کا دستور تھا کہ جب شہزادی کسی طویل سیر سپاٹے یا شکار سے واپس آتی تو وہ اس کی ہم سفر تفصیلی حالات بڑی دلچسپی اور توجہ سے سناتا اور اسے شاہ باغش دیتا۔

شہزادی ایکوٹین جس دن عثمان سے مل کر آئی اس کا باپ ٹولوس کے رومی طرز کے محل میں موجود تھا۔ ٹولوس، شاہ ایکوٹین کا دارالامارت تھا لیکن وہ یہاں بہت کم ٹھہرتا۔ اسے مسلمانوں کے حملے کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا اس لیے وہ عموماً طور پر سرحدی علاقوں کی دیکھ بھال میں وقت گزارتا تھا۔

شہزادی کو ٹولوس میں داخل ہوتے ہی دماں اپنے باپ کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ چاہے تو یہ تھا کہ وہ پہلے باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی لیکن شہزادی نے خود کو ان تکلفات سے آزاد کر رکھا تھا۔ وہ محل میں داخل ہو کے سیدھی اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔

وہ سفر کی تنگی سے چور چور ہو رہی تھی۔ اس نے باپ کی ملاقات پر اپنے رام کو ترجیح دی اور جانتے ہی آرام کرنے کے لیے بیٹ گئی۔

شاہ یوڈیس کو شہزادی کی واپسی کی اطلاع مل گئی لیکن اس نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ شہزادی کے مزاج سے واقف تھا اور اس کی مرضی میں کبھی دخل نہ دیتا تھا۔... لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ شہزادی مسلمانوں کے جنگل میں پھنس گئی تھی اور نقاب پوش محافظوں نے سخت جنگ کے بعد اسے آزاد کر لیا ہے تو اسے نکلے ہوئی۔ اس نے فوراً محافظ دستے کے سردار کو طلب کر لیا۔

نقاب پوش دستے کا سردار ڈگلس بڑا تند خو، جلد باز اور چڑچڑ سے دماغ کا جوان تھا۔ سوائے ہادری کے اس میں اور کوئی خوبی نہ تھی۔ اس ہادری کی بنا پر شہزادی ایکوٹین نے اسے اپنے دستے کی سرداری کے لیے منتخب کیا تھا۔

اس انتخاب سے ڈگلس میں تکبر پیدا ہو گیا۔ وہ شاہ یوڈیس کی فوج کے سپہ سالار کا چھوٹا بھائی تھا۔ شہزادی کے انتخاب نے اسے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ شہزادی اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اس کے دماغ میں بیخند بھی پیدا ہو گیا کہ شہزادی سے شادی کے بعد وہ ڈیوک آف ایکوٹین بن جائے گا۔

ڈگلس کمرے میں داخل ہوا۔ یوڈیس پریشانی کے عالم میں ٹپ رہا تھا۔ ڈگلس کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا: "ڈگلس! تمہاری مدد پر مسلمانوں سے ہوئی تھی؟"

ڈگلس نے بجائے جواب دینے کے اٹا ہوڈیس سے سوال کر دیا:

"کیا شہزادی عالیہ نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟"

"تم احقر ہو۔" شاہ یوڈیس جھٹکا: "اگر ہمیں معلوم ہو گیا ہوتا تو تم جیسے جاہل کو بلا کر پوچھنے کی کب

ڈگلس کی ساری اگر نکل گئی۔ منمنہ کے بولا:

"معزز ڈیوک... جبل البرات کا امیر عثمان ہمارے قابو میں آ گیا تھا لیکن... ڈگلس کتنے کتنے رکھا۔ ڈگلس... ڈیوک زور سے چیخا:

"ہم نے تمہیں پہلی بچانے کے لیے نہیں بلایا۔ صاف صاف بیان کرو کہ مسلمان امیر تمہارے ہاتھ آبا تھا تو بڑا کر کے کہوں نہیں لائے۔"

ڈگلس سمجھ گیا لیکن تھا موٹے دماغ کا۔ پھر غلطی کی۔ بولا:

"معزز ڈیوک۔ ہم اسے گرفتار تو کر لیتے لیکن شہزادی کی غلطی سے وہ بچ کے نکل گیا۔"

ڈیوک، شہزادی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کا رد وادار نہ تھا۔ ڈگلس کی بات سے وہ اور بھڑک اٹھا۔ اس کی گواہی:

"تم احقر ہو ڈگلس۔ مسلمان امیر تمہاری موت کوئی سے نکل جائگا۔ ہمیں واقعے کی تفصیل بتاؤ لیکن خیال رہے کہ شہزادی پر کوئی الزام لگایا تو تمہاری زبان کھینچ لی جلتے گی۔"

ڈگلس کی روح فنا ہو گئی۔ وہ خوف سے تھرا اٹھا۔ اس نے اٹک اٹک کر بتانا شروع کیا:

"معزز ڈیوک۔ جب ہم خیر گاہ پر واپس آئے تو شہزادی اور امیر عثمان باتیں کر رہے تھے۔"

"باتیں کر رہے تھے۔ کیا باتیں کر رہے تھے۔" یوڈیس کا غصہ کچھ کم ہو گیا۔

ڈگلس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"جی۔ یہ تو بہتہ نہیں کہ کیا باتیں کر رہے تھے۔ امیر عثمان بالکل اکیلا تھا۔ ہم اسے بڑی آسانی سے پکڑ سکتے تھے۔ شہزادی عالیہ نے ہمیں اسے گرفتار کرنے کا کوئی اشارہ نہیں کیا۔"

"اگر شہزادی کے چہرے پر نقاب تھا؟"

"جی نہیں۔ ان کے کھلے بال جو ابیں لہرا رہے تھے۔"

"بہت خوب۔" یوڈیس جیسے مطمئن ہو گیا:

"اس کا مطلب ہے امیر عثمان نے شہزادی کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔"

"ڈیوک محترم۔ شہزادی عالیہ اس بے دین سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ ڈگلس نفرت آمیز

نہیں ڈیوک محترم۔ شہزادی نے اسے ٹولوس آنے کی دعوت بھی دی ہے۔"

ڈیوک یوڈیس نے زوردار قہقہہ لگایا:

”اس کا مطلب ہے شکار جال میں پھنس گیا۔“

”ڈگلس حیرت سے ڈیوک کا منہ تنکے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوک شہزادی کی اس حرکت سے ناراض ہو گیا۔ لیکن اس پر اٹھا اتر ہوا۔“

”ڈیوک نے اسے گھورتے ہوئے کہا:

”ڈگلس اترے سپاہی ہو تم نہیں جانتے اور نہ تم سمجھ رہے ہو کہ دشمن کے سر کو تلوار سے ناکرے اور دشمن کے سر کو معلوت سے قدموں میں جھکا دینے میں کیا فرق ہے۔ بس تم جاسکتے ہو۔“

”ڈگلس ہکا بکا ڈیوک کو دیکھتا کر سے سے چلا گیا۔ ڈیوک کی باتوں کو سمجھنا تو الگ رہا اسے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ڈیوک نے کیا کہا ہے۔“

”ڈگلس کے چلنے کے بعد ڈیوک کا بے چینی اور بڑھ گئی اس نے بار بار کینیز کو شہزادی کے کمرے میں جبرائیل کو دیا۔ شہزادی اب تک سو رہی تھی۔ ڈیوک کو اب نشان اور شہزادی کی ملاقات کے تفصیلی حالات سننے کا اور زیادہ اشتیاق پیدا ہو گیا۔“

”دراصل یہ مضبوط ڈیوک آف ایکیوٹین نے خود بنایا تھا۔ قرطبہ میں مسلمانوں کے اجتماعات کی اسے براہِ نظر مل رہی تھیں۔ مسلمانوں کو وہ ایک بار شکست دے چکا تھا لیکن ان کی شجاعت سے غوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمان اپنی شکست کا بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔“

”فرانس کی مرکزی حکومت کو رنج تھا۔ تمام علاقے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر ریاست کا ڈیوک بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔“

”ڈیوک اس کو کشش میں تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کی لینا دو کا جملہ ہے۔ ورنہ اس کی ریاست اس علاقے میں نکلے کی طرح بہ جائے گی۔ اس نے تمام کیا ریاستوں کے حکمرانوں کو مسلمانوں کے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کے خلاف تھے اور کوئی متحدہ محاذ قائم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔“

”اپنوں سے مایوس ہونے کے بعد اس کی نظر جبل البرزات کے مسلمان حکمران امیر عثمان پر پڑی تھی۔ اسے یہ بتایا گیا تھا کہ امیر عثمان کی قرطبہ کی مرکزی حکومت سے ان دنوں رہتے ہیں۔ اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح جبل البرزات کو کم اس کا دوست ہو جائے کہ جو کہ جبل البرزات کے علاقے سے گزر کر کسی مسلمان شکر فرانس میں داخل ہو سکتا تھا۔ جیل شہزادی ایکویٹین، اس کی شہ پر مسلمانوں کے علاقے میں شکار کھینچنے کے بدلے سے داخل ہوتی تھی۔“

”شہزادی جیسے ہی سوچا کہ اس کی کینیز چائے نے ڈیوک کا پیچھا دیا:

”ڈیوک آپ سے ملاقات کے لیے بے چین ہیں۔“

”شہزادی مسکرائی۔ منسل کیا اور باس تبدیل کر کے باپ کے حضور میں پہنچی۔“

”بیٹی کی صورت دیکھتے ہی ڈیوک کی باچھیں کھل گئیں۔ بڑھ کر شہزادی کو گلے لگایا۔ پیٹھ پیچھتائی۔ شہزادی کے ہاتھ اچھے نہ تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھ کے بال خشک کرنے لگی۔“

”مفر کیسا بڑا شہزادی؟“ ڈیوک نے بے چینی سے پوچھا۔

”بہت اچھا۔ یہ کہہ کر شہزادی مسکرائے گی۔“

”کامیابی کا کتنا امکان ہے؟“

”موسم بہت اچھا ہے۔“

”باپ نے شہزادی کو کھینچ کر اس کا منہ چوم دیا۔“

”عثمان سے ملاقات ہوئی؟“

”جی ہاں۔ بڑا حسین جوان ہے۔“

”ڈیوک چونکا۔ غریب سے پوچھا:

”راؤ راست پر آجائے گا؟“

”شہزادی نے جواب دیا:

”الکوشش کرنا پڑے گی عثمان بہت ذہین ہے۔ شمشیر زن تو ایسا کہ دو منٹ میں اس نے میری تلوار بے کار۔“

”اللہ ایسا خوبصورت اور بہادر جوان ہمارے پوری ریاست میں موجود نہیں۔“

”شہزادی پچھلے جذبات کی رو میں مبتلا چلی گئی۔ جہانگیرہ ڈیوک اس کی باتوں سے کھٹکا لیکن اس نے اس کا فائدہ کیا۔“

”شہزادی کو غور سے دیکھتے ہوئے ہوا:

”تمہارا انتخاب ضرور درست ہو گا لیکن تم جن حالات سے گزر رہے ہیں تمہیں ان کا لحاظ رکھنا ہو گا۔“

”آپ بے فکر رہیں بابا حضور۔“

”شہزادی نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ کچھ اپنی غلطی کا بھی احساس ہوا لیکن یہ کہتی۔ وہ تو

”معاذوں مجھ کو تھی۔ عثمان کی وجہ سے اسے اپنے علاقے میں لے لیا تھا۔“

”تمہارا الکا قدم کیا ہو گا؟“ ڈیوک نے ذرا کھل کے کہا۔

”میں نے عثمان کو ایکویٹین آنے کی دعوت دی ہے۔“

ڈیوک مسکرایا بولا:

"اگر عثمان زمین ہے تو وہ دشمن ملک میں آنے کی حماقت نہیں کر سکتا۔ وہ مسلمان ہے اور مسلمان ہمارے لہجوں شکست کھا چکے ہیں۔ وہ ہم پر اعتبار کیسے کرے گا؟"

شہزادی نے شاید اس پہلو پر غور نہ کیا تھا۔ وہ فکرمند ہو گئی۔

"تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا اس نے؟"

"اسی نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"اب تک۔ کوئی عینہ، تاریخ مقرر کی؟"

"نہیں۔ کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔"

شہزادی جواب دینے کے بعد سوچنے لگی، واقعی اس نے غلطی کی۔ اس نے عثمان کو برسرِ دعوت ویٹھی اور اس نے جس سرسری طور پر حامی بھری تھی لیکن یہ دعوت بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ دو حکمرانوں کی ملاقات۔ دو نظریوں اور دو مذہبوں کا ملاپ جو پچھلے ایک سوچہ در سال سے باہم دست و گریبان تھے۔

ڈیوک نے کہا:

"بیشی اہم نے پانچویں بڑی خوش اسلوبی سے اجا کیا۔ اگلا قدم ہم اٹھائیں گے۔"

شہزادی کھیر گئی اس نے پوچھا:

"بابا حضور۔ کیا آپ عثمان کو کسی ہمدان سے یہاں بلا کر قتل کر دیں گے۔"

ڈیوک زور سے ہنسا۔ اس نے سمجھا:

"نادان شہزادی۔ جنگ میں صرف دشمن مارے ہی نہیں جاتے بلکہ اکثر خطرناک قسم کے دشمنوں کی ہمیں فحاش

بھی کرنا پڑتی ہے۔ اس وقت بھی عثمان کی موت سے زیادہ اس کی زندگی کی ضرورت ہے۔ ہم نے ایک بار مسلمانوں کے خون سے میدانِ جنگ سرخ کر دیا تھا۔ اگر خداوندِ مسیح کی رضائیں حال رہی تو اس بار ہم انہیں پسے سے کیوں زیادہ زبردست شکست دیں گے اور اس شکست کا سب سے بڑا امر وہ حاکم جن البرنات امیر عثمان ہو گا!"

شہزادی کو پوری طرح اطمینان نہ ہوا۔ پوچھا:

"اب آپ کیا قدم اٹھانا چاہتے ہیں بابا حضور؟"

ڈیوک بڑھکیں نے چہرے پر متانت پیدا کرتے ہوئے جواب دیا:

"تم نے عثمان کو دعوت دی لیکن وہ دعوت ایک دوست کی دوسرے دوست کے لیے تھی لیکن اب ایک ریاست کے حاکم اعلیٰ کی طرف سے دوسری ریاست کے خود مختار امیر کو دعوت دی جائے گی۔ ہم امیر عثمان کے پاس

ایک یوٹین کی طرف سے ایک مسرکاری سنارت بھیں گے۔ یہ سفارت عثمان کے پاس ہمارا دوستی کا ایک جگہ لگی اور اسے ٹولوس میں آنے کی دعوت دے گی۔

شہزادی خوش ہو کر بولی:

"بابا حضور آپ بہت عقل مند ہیں۔ میری دعوت میں کوئی وزن نہ تھا۔ عثمان اسے ایک رسمی دعوت نامہ بنا کر سکتا تھا لیکن اب اس کا انکار کرنا مشکل ہے۔ ایک تو آپ کا مسرکاری طور پر بلاوا، دوسرے

میں نے...."

شہزادی کہنے کہنے شرما گئی۔ حیا سے اس کی پیشانی سرخ ہو گئی۔

ڈیوک نے مسکرا کر کہا:

"ہم اپنی شہزادی کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔"

شہزادی ایک یوٹین باپ کی گود میں سوٹ گئی۔ بولی:

"بابا حضور۔ میں چاہتی ہوں امیر عثمان کے ساتھ کوئی فریب نہ کیا جائے۔ اگر وہ ہماری ریاست میں آئے

پناہ طلبہ استقبال ہو۔"

ڈیوک نے کہا:

"بیچارہ اگر عثمان نے ہمارے طرف دوستی کا ہاتھ بٹھا تو اس کا ایسا شاندار استقبال ہو گا جس کی مثال تاریخ نے گاہم عثمان کی ہر خواہش پوری کر دی گئی۔ وہ جو کچھ بھی ہم سے طلب کرے گا ہم بلاخبر اس کے پاس پہنچے گے۔ اگر وہ چاہے گا تو ایک یوٹین کی فوجیں اس کے دشمنوں کے غلام اس کے شانہ بشانہ لڑیں گی۔"

شہزادی غوطہ جھٹ سے ڈیوک کے گلے میں باہمیں ڈال کر بھول گئی۔

ڈیوک نے اسے ہونٹے مارے:

"میں اسی وقت سفارت بھیجنے کے انتظامات کا حکم دیتا ہوں۔"



جنرل البرنات کے علاقے میں بہت سے قلعے تھے۔ اگر میوں کے موسم میں عثمان، کوہستان پانچیس کے قلعے پر قبضہ کر لے گا تو اس کا جانا تھا۔ یہ قلعہ ہسپانیہ اور فرانس کی سرحد سے صرف میوں کے فاصلے پر تھا۔

یہاں کوہستان پانچیس کی برف پوش چوٹیاں، سرسبز ڈھلوانیں، ڈھلوانوں پر چلنے والے پتھروں سے

لدے ہوئے اشتیاق تلافی میں رہتا ہوا دریا نے پاؤں نہیں۔ عثمان گریوں کا پورا موسم اس نشاط انگیز مقام پر گزارا۔
عثمان اور شہزادی ایکویٹین کی ملاقات موسم گرما میں اس قلعے کے قریب ہوئی تھی۔ عثمان ان دنوں قلعہ
البرنات میں ٹھہرا ہوا تھا۔

شہزادی سے ملاقات کے بعد عثمان کے دل میں عجیب طرح کی بے چینی پیدا ہوئی تھی اس کی نظر سے
بے شہا حسین و جمیل عورتیں گزری تھیں لیکن شہزادی کے حسن میں جو کشش اور لہجہ تھا وہ اس سے پہلے کبھی نظر
نہ آیا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں عثمان اکثر شہزادی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ شہزادی کی دعوت پر بھی اس نے
اکثر غور کیا۔۔۔۔۔ لیکن دشمن ملک میں محض ایک حصہ انار سے اور کمزور ہمارے پر ہانا سراسر بے وقوفی
تھی۔ شہزادی سے اس کی صف ایک ملاقات ہوئی تھی وہ بھی سہراہ۔ اسے شہزادی کے دل کا حال معلوم نہیں
تھا۔ پھر بھی وہ شہزادی کو ایک بار اور دیکھنے کا خواہش مند تھا۔
ان حالات میں عثمان کی اس خوشی کے عالم کو بیان کرنا مشکل ہے جب اسے اطلاع ملی کہ ریاست
ایکویٹین کا سرکاری وفد اس سے ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔

سرحدی محب نے بتایا:

”بارہ نقاب پوش کوستان پاؤں میں سے جہل البرنات میں داخل ہوئے ہیں۔“

”انہیں گرفتار تو نہیں کیا گیا؟“ عثمان نے جلدی سے پوچھا۔

مخبر نے کہا:

”نہیں امیر محترم! انہیں ہم کیسے گرفتار کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے نیردوں پر سفید پھر پیرے ہاتھ
رکھے تھے۔“

عثمان نے مجر کو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر کچھ سوچ کر پوچھا:

”انہوں نے اپنے کئے کا کیا مقصد بتایا ہے؟“

”امیر محترم! ان کے ساتھ ساز و سامان سے بھرے کئی بڑے بڑے صندوق ہیں۔“ خبر نے بتایا:

”وہ کہتے ہیں ہم امیر البرنات کے لیے تحائف لائے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔“

”خاص کوئوں ہو گئے۔ تم کیا کہنا چاہتے تھے؟“ عثمان نے مجر کو ڈانٹا۔

مخبر ڈرتے ڈرتے بولا:

”امیر محترم! ہم نے بہت کوشش کی لیکن وہ اپنے سر سے نہ خود اتار گئے ہیں اور نہ چہرے سے نقاب۔“

ہمیں بالکل پتہ نہیں وہ کس شکل و صورت کے لوگ ہیں۔“

عثمان کے دل میں ایک خیال بھی کی طرح گزرا۔ ”کیس شہزادی ایکویٹین تو ان نقاب پوشوں میں شامل
ہیں۔۔۔۔۔ پھر شہزادی سے پہلی ملاقات کا پورا منظر اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔ وہ لہرائی ہوئی زلفیں،
بہ شوخ آنکھیں، شفیق رنگ۔ رضار۔ شہزادی دیکھنے میں ہی معلوم ہوئی تھی۔“

نام ملک عثمان کھلی آنکھوں سے حجت کے خواب دیکھتا رہا۔

غریب آفتاب کے وقت ریاست ایکویٹین کا وفد، محافظ دستے کے ساتھ قلعے میں پہنچ گیا۔ عثمان نے
ہزاروں کے ساتھ وفد کا استقبال کیا۔

تحائف کے صندوق کھولے گئے۔ مسلمان نام طور پر سفید حلیے اور سفید ہی کرتے پہنتے تھے لیکن تحفوں میں
بے بجائے ارغوانی ریشم کے تھان تھے۔ ارغوانی رنگ ہسپانیہ میں شاہی رنگ سمجھا جاتا تھا۔ ہسپانیہ کے
باقی شہنشاہ ارغوانی رنگ کا لباس پہنتے تھے۔ مولیٰ بن نعیر کے بیٹے اور ہسپانیہ کے پہلے امیر عبدالعزیز نے بھی
ایکویٹین کے اصرار پر ارغوانی لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔

عثمان کے لیے ایک مہرے کی بیش قیمت انگوٹھی اور ایک خنجر بھیجا گیا تھا جس کے دستے پر جواہرات جڑے
تھے۔

نقاب پوش خاموشی سے صندوقوں سے تحائف نکال کے عثمان کو پیش کر رہے تھے۔ عثمان کی نظریں بار بار
پوشوں کے چہروں پر پڑتی لیکن ان کے چہرے لانے خود میں پوشیدہ تھے، خود کے اوپر سیاہ جلی کے
پڑے تھے۔ سب کے لباس بھی یکساں تھے۔ عثمان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح معلوم کرے کہ ان میں کہیں
بالترتیب نہیں شہزادی کے بارے میں از خود نقاب پوشوں سے دریافت کرنا بھی خلاف اصول اور خود
عثمان کے خلاف تھا۔

عثمان نے نقاب پوشوں کو مخاطب کیا:

”تم میں وفد کا مردار کون ہے؟“

ایک نقاب پوش نے ایک قدم آگے بڑھ کر مرکزِ خام کر کے جواب دیا:

”میں سفارت کا مردار ہوں امیر محترم۔ میرا نام ڈاکس ہے۔“

عثمان مسکرایا۔ بولا:

”ڈاکس! ہم ان تحائف کے لیے ڈیو آف ایکویٹین کے شکر گزار ہیں۔“

ڈاکس نے کہا:

”امیر محترم! ان تحائف کے ساتھ ہمارے عالی مقام ڈیو آف ایکویٹین کے لیے محبت اور خلوص کا پیغام بھی

دکلس نے شکر یہ کے انعام میں اپنا سر جھکا دیا۔

عثمان بڑا ذہین تھا اس نے ہنس کے پوچھا:

بگڑ دکلس رات کو سوتے وقت تو تمہیں بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ اتنے بھاری خود کے ساتھ تمہیں نیند کیسے

ہوگا۔

دکلس نے فوراً تردید کی:

”نہیں امیر معزتم۔ رات کو ہم لوگ خود اتار دیتے ہیں لیکن یہ ضرور احتیاط کرتے ہیں کہ ہم پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ امید ہے کہ امیر اس طرح کا انتخاب یہاں بھی کر دیں گے۔“

عثمان نے کہا:

”نکڑ نہ کرو دکلس۔ ہم تمہارے لیے الگ الگ خیمے نصب کر دیں گے۔ خیموں کے پاس کسی کو جانے کی اجازت

ہوگا۔“

دکلس نے ایک بار پھر شکر یہ کے طور پر اپنا سر خم کیا۔

عثمان کے حکم سے قلعے کے ایک ویرانے کو نے میں خیمے نصب ہو گئے۔ ہر خیمے میں ضرورت کی ہر چیز تیار تھی۔ لگاوی گئی کھانے پینے کا سامان بھی دکان پہنچا دیا گیا۔ پھر خیموں کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ رابطے کے لیے ایک قلاب پوش پہرے داروں کے پاس پڑا رہا تاکہ اگر خیمے والوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کی معرفت خیموں میں

دکلس۔

رات کا کھانا قلاب پوشوں نے عثمان کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے دوران صرف دکلس، عثمان سے باتیں کرتا رہا۔ اہل نام قلاب پوش خاموش رہے کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ اس تمام عرصے میں عثمان کی نظریں چھوڑے قد

ارہے بدن والے قلاب پوش کا کسی نہ کسی طور جائزہ لیتی رہیں۔

کھانے کے بعد عثمان دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

اس کمرے میں قلاب پوشوں کو انعام دینے کے لیے نقد رقم کی قیدیں، ہوا ہرات کے ار اور انگوٹھیاں وغیرہ ایک میز پر رکھ دی گئی تھیں۔

عثمان نے سب سے پہلے دکلس کو طلب کیا۔ دکلس اندر آیا اور عثمان کا اشارہ پا کر سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عثمان دیر تک دکلس سے ریاست ایکوٹین اور ڈیوک کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ دکلس، عثمان کی باتوں سے بہت خوش ہوا۔ عثمان کا لہجہ دوستانہ اور محبت آمیز تھا۔ دکلس کی نظریں میز پر سجے ہوئے ہار انگوٹھیں اور

بھیجا ہے۔ انھوں نے اس خواہش کا بھی انکار کیا ہے کہ دونوں ریاستیں دوستوں کی طرح ان دہشتی سے بنے رضا مند ہو جائیں تو ریاستوں اور عوام دونوں کے لیے بہتر اور مفید ہوگا۔ عثمان نے کہا:

”ہمارے دل میں بھی ڈیوک اور ایکوٹین کے عوام کے لیے ایسے ہی جذبات ہیں۔“

دکلس نے سر کو ادھر ادھر گھمایا دیکھا۔ پھر بولا:

”امیر معزتم! ڈیوک آف ایکوٹین نے آپ کے لیے ایک ذاتی پیغام بھی بھیجا ہے لیکن مجھے پابند کر دیا ہے۔ یہ پیغام میں تمہاری میں پیش کر دوں۔“

عثمان نے چند لمحوں سوچنے کے بعد کہا:

”شک ہے۔ ابھی کچھ دیر بعد ہم تم سے ہر ایک کو الگ الگ اپنے ہاتھ سے انعام دلا کر ام دیں گے۔ اگر تم ہم سے تمہاری میں گفتگو کر سکو گے۔“

عثمان نے دیکھا کہ اس کی بات پر قلاب پوشوں نے کسی خاص رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ سوائے ایک قلاب کے۔ اس کا قد و قامت دوسروں کی بہ نسبت ہلکا اور چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ عثمان کی بات سن کے اس قلاب پوش نے جسم میں خفیف سی حرکت ہوئی جیسے اس بات سے وہ کچھ بے چین ہو گیا تھا۔ عثمان نے کہا:

”دکلس۔ جیسا تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی ہے لیکن ایک طرف تو تم دوستی کا پیغام لاتے ہو، دوسری طرف مجھے اپنے چہروں کو قلاب میں پوشیدہ کیے ہوئے ہو۔ ایک دوست کو اپنا چہرہ، دوسرے دوست سے چھپانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔“

دکلس گھبرا گیا۔ بولا:

”امیر معزتم۔ اس کے لیے آپ جیسا معاف فرمائیں۔ ہم آپ کی دل شکنی کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن ہم نہایت حکم سے مجبور ہیں۔ ہم اپنے قلاب صرف ڈیوک آف ایکوٹین کے سامنے اتارتے ہیں۔ ایکوٹین کے لوگ جانتے ہیں کہ ہم لوگ کون ہیں۔ قلاب پوش دستے میں جو لوگ شامل کیے جاتے ہیں۔ انہیں اپنے گھر جانے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ ان کا قیام شاہی محل کے اندر ہوتا ہے۔“

”ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے دکلس۔“

عثمان نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی:

”یہ ہمارے درباریوں کی محض ایک خواہش تھی۔“

پھر عثمان نے اک دم سوال کیا:

”ہاں۔ ہمارے ہر بان ڈیوکنے نے وہ کون سا خاص پیغام بھیج دیا ہے جسے تم لوگوں کے سامنے بیان کرنا نہیں چاہتے تھے؟“

ڈگلس نے گردن اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے پاس اندر کی طرف ایک کینز دست بستہ کھڑی تھی۔ عثمان نے اسے اشارہ کیا وہ باہر چلی گئی۔

ڈگلس نے کہا:

”امیر محترم! ہمارے ڈیوکنے کو معلوم ہوا ہے کہ آپ اور قرطبہ کے ٹسے امیر کے تعلقات کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پورے ہسپانیہ کی بادشاہی کے اصل حق دار آپ ہیں۔ قرطبہ پر دوسرے سردار نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ ڈیوکنے کا غلغلہ یہ پیغام ہے کہ امیر عثمان خواہش کریں، تو ایکسپوٹ کی ذمہ داری اٹھانے پر تعلقہ البرنات بھیج سکتی ہیں۔“

امیر عثمان کے لیے یہ پیغام بڑھیرت آگیا۔ وہ ۱۱۰ھ میں صرف پانچ ماہ کے لیے ہسپانیہ کا امیر رہ چکا تھا۔ اس کے بعد اس کی جگہ حذیفہ کو امیر مقرر کیا گیا تھا اور اسے جبل البرنات کے علاقے کی حکمرانی ملی تھی۔ جب سے اب تک قرطبہ میں جو بھی امیر ہسپانیہ مقرر ہوتا اس سے عثمان کو خواہ مخواہ کاغیر ہو جاتا تھا۔ اس وقت امیر ہسپانیہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن نفی دوم تھا۔ عثمان کو اس سے کد تھی۔ اس چھوٹی سی ریاست پر وہ قانع رہنے پر تیار نہ تھا۔ وہ خود کو دوسرے مسلمان امیروں سے برتر سمجھتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ یا تو اسے پورے ہسپانیہ کی امدت ملی جائے یا پھر وہ اس علاقے میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لے۔

ڈیوکنے آف ایکسپوٹ کا یہ پیغام اس کی امیدوں کے بالکل مطابق تھا۔ اس نے سوچا اگر اسے ڈیوکنے کی فوجی معاونت حاصل ہو جائے تو قرطبہ پر آسانی سے قبضہ کیا جاسکتا ہے۔

عثمان نے کہا:

”ڈگلس! تمہارے ڈیوکنے کے جذبات کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں لیکن یہ کیسے یقین کیا جائے کہ ڈیوکنے واقعی ہماری فوجی معاونت کر سکتا ہے؟“

ڈگلس نے اسے یقین دلایا:

”..... امیر محترم۔ ہمارے ڈیوکنے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ آپ حکم دیجیے۔ ہماری فوجیں ابھی البرنات کی طرف چل پڑیں گی۔“

امیر عثمان سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اس موقع کو کوئی طرح بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عثمان نے کہا:

”ڈگلس! یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ محض نامہ و پیام سے طے کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ڈیوکنے آپ ایکسپوٹ میں یا خود لشکر لایا جائے یا پھر.....“

عثمان نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

ڈگلس نے عثمان کو نیم رضا مندی یا تو بولا:

”اگر امیر اس پیش کش پر غور کرنے پر آمادہ ہوں تو براہ راست گفتگو کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔“

کس طرح؟ عثمان نے خیالات سے چونک کر سوال کیا۔

ڈگلس نے اپنی جیب سے ایک سر بھر نافذ نکال کر عثمان کی طرف بڑھایا۔ عثمان نے جلدی سے لفافہ لے کر ہاتھ لیا اور پڑھنے لگا۔

خدا پڑھنے کے بعد عثمان پھر سوچ میں پڑ گیا۔

ڈگلس نے کہا:

”امیر محترم! ڈیوکنے نے مجھے بتا دیا کہ یہ لفافہ اس وقت تک آپ کو نہ دیا جائے جب تک آپ ان کے شہر سے اور پیش کش پر خوشی سے غور کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اب آپ ارشاد فرمائیں کہ میں ڈیوکنے کو کیا جواب دوں؟ انولنے مزید فرمایا تھا کہ اگر امیر خفیہ طور پر ایکسپوٹ میں آنا چاہیں تو ہمارے سرحدی محافظ انہیں بحفاظت ڈیوکنے تک پہنچا دیں گے۔ اگر آپ اپنے سرداروں کے ساتھ آنے کے خواہش مند ہوں تو ڈیوکنے بذات خود سرحد پر آپ کا استقبال کریں گے۔“

عثمان، ڈیوکنے کا دعوت نامہ پا کر خوشی سے بھولا نہ سکا تھا۔ اس نے ڈگلس کو مجوزہ انعام کے علاوہ اور بھی بات کہہ دیا۔

عثمان نے ڈگلس کو رخصت کرتے وقت کہا:

”تم اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ اس دعوت نامے کا جواب تمہیں کل دیا جائے گا۔“

ڈگلس اپنا انعام سمجھاتا ہوا باہر جانے لگا تو عثمان نے کہا:

”اپنے ساتھیوں کو اندر بھیج دو تاکہ وہ بھی اپنا اپنا انعام لے جائیں۔“

ایکسپوٹ کے نقاب پوش ایک ایک کر کے اندر آتے رہے اور انعام حاصل کرتے رہے۔ عثمان ان سے ان کا

پاک پتہ پھر ادرہ دھڑک گئی کہ انعام کو سے کر رخصت کر دیتا۔

سب سے آخر میں جو نقاب پوش کمرے میں داخل ہوا وہ پستہ قد اور اکمرے سے بدن کا معلوم ہوتا تھا۔ کمرے میں

داخل ہوتے وقت بھی وہ کچھ جھجک رہا تھا۔

عثمان نے اسے مسکرا کر دکھا۔ قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا تو عثمان نے پوچھا:
”اے پراسرار نقاب پوش! تیرا کیا ہے؟“

نقاب پوش نے جواب دینے کے بجائے اپنا سر ہٹا لیا۔

عثمان کے چہرے پر شرارت کھیل رہی تھی۔ اس نے کہا:

”اے پرستان! ایکوٹین کی پری۔ تو انکیوں جھجک رہی ہے؟“

نقاب پوش نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

عثمان اپنی جگہ سے اٹھ کر نقاب پوش کے قریب گیا اور بڑے پیادے ہو کر:

”والی البرنات امیر عثمان! اپنی ہمان ملک سے شہزادی ایکوٹین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنا نقاب اتار دے۔
دربار صحن نے عشق کے سائل کی درخواست قبول کر لی۔

شہزادی ایکوٹین کے سینے، مسکراتے چہرے سے نقاب اور خود ہٹ گیا۔ وہ شرمخ نظر دے عثمان کو
دیکھنے لگی۔

عثمان، شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر مسند تک لے گیا اور اپنے پاس بٹھایا۔

شہزادی نے کہا:

”آخر تم نے میں پہچان لیا۔ ہم تو سمجھے تھے تم بھول چکے ہو گے۔“

عثمان نے شہزادی کا ہاتھ اپنے ماتھے میں لپیٹے ہوئے کہا:

”یہ گلاب رنگ چہرہ اور مخمور آنکھیں ایسی نہیں جنہیں بھلایا جاسکے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہارے دل میں بھی
وہی جذبات ہیں جو مجھے ہر وقت بے چین کیے رہتے ہیں۔ میں پہلی ہی نظر میں تمہیں پہچان گیا تھا۔ اسی لیے
میں نے تمہارے آدمیوں کو باری باری بلا کر انعام دیا۔“

شہزادی نے اپنی خاؤں کو پلکیں اوپر اٹھا میں اور جذبات سے پُر بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

”عثمان۔ تم سے ملنے کے بعد میں ایکوٹین پہنچی تو مجھے اپنا شہر اور اپنا محل اجنبی اجنبی سا لگا۔ میرا دل اچھٹا پٹا

رہنے لگا۔ دل بار بار کہتا کہ کوہستان پائرس پار کو اور پھر اسی وادی میں چل جہاں زندگی نے بار بار الفت کا پہلا سبق

پڑھایا تھا۔ میں نے کوشش کر کے بابا صفور کو تمہاری ملاقات کے لیے آمادہ کر لیا۔ پھر جب یہ سفارت رادھر

آنے لگی تو میں بھی خند کر کے اس کے ساتھ ہو گئی۔ کجمنت ڈگلکس نے میری سخت مخالفت کی تھی۔

”یہ ڈگلکس کون ہے شہزادی؟“ عثمان نے پوچھا۔ ”میں نے اس کی صورت تو نہیں دیکھی لیکن یہ اپنی جال

دراز سے اکھڑا اور بدتماش معلوم ہوتا ہے۔“

شہزادی نے بتایا:

”ڈگلکس، ایکوٹین کے سپہ سالار کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس وجہ سے صدر در بدر بدماغ اور متکبر ہے اور

مے پینے بارے میں کچھ اور بھی غلط فہمی ہو گئی ہے۔“

عثمان نے مسکرا کر پوچھا:

”کیس ڈگلکس ہمارا رقیب تو نہیں بننا چاہتا؟“

شہزادی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ بولی:

”مرد اپنے مطلب کی بات سمجھنے میں بڑے ذہین ہوتے ہیں۔“

شہزادی کا جملہ تمہونے کے ساتھ ہی ڈگلکس پر نہ تو اتار پڑا تھا۔ اس نے اس وقت
اس نے سر سے خود اتار کر پیچھے کا طرف کر لیا تھا۔ اس کی آنکھیں خون بہوتی ہو رہی تھیں۔

شہزادی اور عثمان ڈگلکس کے آنے کی خبر اس وقت ہوئی، جب وہ کمرے کے درمیان پہنچ چکا تھا۔ وہ
قد بڑھاتے ہوئے دھاڑا:

”دیکھ امیر عثمان۔ اپنے رقیب کو اچھی طرح دیکھ لے۔ تو نے میری محبت پر ڈاکہ ڈال ہے۔ میں تجھے

زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

عثمان کی نظر اس پر پڑی تو گھبرا کر اکھڑا ہو گیا اور تیزی سے جست لگا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

شہزادی نے ڈگلکس کو ڈانٹا:

”کیا کرتا ہے ڈگلکس.... تلوار چھینک دے۔“

ڈگلکس نے سنی اس کی کردی۔ وہ آگے بڑھتا رہا اور عثمان کی پیچھے ہٹتا رہا۔ عثمان بالکل خالی ہاتھ تھا۔ اس کمرے

میں کوئی تلوار بھی نہ تھی۔ عثمان کی جان کا خطرہ دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ موت اسے سامنے کھڑی

لکھائی دے رہی تھی۔

شہزادی نے جب محسوس کیا کہ عثمان کے بچنے کی کوئی امید نہیں اور کوئی دم جاتے ہوئے ڈگلکس کی تلوار عثمان

کے سر پر گر کر اسے دو نیم کر دے گی تو شہزادی نے سمجھتے اپنی کمرے سے خنجر کھینچا اور ڈگلکس کے سینے کا نشانہ

بنا دیا۔۔۔۔۔ لیکن ڈگلکس کے سینے پر آنی ہوئی اور زنجیر تھی۔ خنجر صرف پشت کی طرف سے مارا جاسکتا تھا۔ پھر ایک بار

ڈگلکس کی پشت اس کے نشانہ میں آ گئی۔ اس نے خنجر اٹھا کر نشانہ یا سینہ شہزادی کے خنجر سے پہلے ہی ڈگلکس کی

ہڈیوں میں ایک اور خنجر پیوست ہو گیا۔

رافع مکرانے لگا۔ شہزادی کی پریشانی دور ہو گئی۔ عثمان کی اس تدبیر پر وہ بھی مسکراتے لگی۔
عثمان نے شہزادی کو تاکید کی:

”شہزادی! تم اپنے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ ڈگلس کو امیر نے اپنے پاس روک لیا ہے اور اب وہ قطعاً پارٹینس
راہ ریاست ایکسپوٹین کے رابطہ ناظم کے فرائض انجام دے گا۔“

”تم بہت عقلمند ہو عثمان! شہزادی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

عثمان نے اپنے نائب کو شہزادی کے بارے میں ایک دو باتیں بتائی تھیں۔ رافع کو معلوم تھا کہ عثمان،
شہزادی کے حسن سے پہلی ہی ملاقات میں متاثر ہو گیا تھا لیکن شہزادی کی عثمان کے کمرے میں موجودگی اور
اس کی موت ابھی تک اس کے لیے معمر ہی ہوئی تھی۔

رافع نے فوراً عثمان کے حکم کی تعمیل کی اور ڈگلس کی لاش دوسرے کمرے میں اٹھوالے گیا۔
شہزادی اور عثمان پھر لگاؤ اور دل بستگی کی باتیں کرنے لگے۔

شہزادی کے پوچھنے پر عثمان نے بتایا:

”میں ڈیوک آف ایکسپوٹین کا دعوت نامہ مل گیا ہے۔ ہم بہت جلد ٹوئس پسچ کر ڈیوک سے گفتگو
کریں گے۔“

”میں تمہارا انتظار کر دوں گی عثمان! شہزادی نے یہ جملہ کچھ اس قدر ہنستا ہوا کہا کہ عثمان کا دل چاہا کہ
بڑھ کر لگے لگائے۔۔۔۔۔ لیکن اسی وقت کمرے میں ایک نقاب پوش داخل ہوا۔

عثمان نے نقاب پوش کو دیکھ کر کہا:

”ڈگلس! تمہیں نئی زندگی مبارک ہو!

عثمان کے نائب رافع اور موجود ڈگلس نے بالکل غرضی طرز سے اپنے سر کو گھٹنوں سے نیچے ٹک جھکا دیا۔
”اگر کسی آگئی۔ بولی:

”تمہارا نائب تو بڑا اچھا اور کامیاب معلوم ہوتا ہے۔“

عثمان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

شہزادی چہرے پر نقاب لگا کر چلی گئی۔ اس نے ساتھی نقاب پوشوں کو بتایا کہ ڈگلس کو امیر عثمان نے
اس ایکسپوٹین کے رابطہ ناظم کے طور پر اپنے پاس روک لیا ہے۔

دوسری رات عثمان اور شہزادی ایکوٹین کی ایک طویل ملاقات ہوئی۔ عثمان نے شہزادی کو بتایا کہ ڈیوک سے
لش کے وقت شہزادی کو اپنے لیے مانگے گا۔ شہزادی کو کیا عذر ہو سکتا تھا اس کے اور عثمان کے درمیان

یہ خنجر دروازے کی طرف سے کھینچ کر مارا گیا تھا۔

خنجر اتنی طاقت سے پھینکا گیا تھا کہ پیٹھ سے گزر کر ڈگلس کے دل میں اتر گیا۔۔۔۔۔ ڈگلس کے ہاتھ
دار چھوٹ گئی۔ وہ چکر اکر زمین پر گرا۔

شہزادی اور عثمان دونوں کی نظریں ایک ساتھ دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ دروازے کے اندر امیر
خان کی کثیر کھڑی مسکراہٹ تھی۔ شہزادی نے دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اٹھا کر اسے
سنائی۔

ڈگلس دو تین مرتبہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

شہزادی کو اس کے مرنے کی خوشی تو ہوئی لیکن وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ جب دوسرے نقاب پوشوں
ڈگلس کے مرنے کی خبر ملے تو کوئی اور جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔

عثمان شہزادی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ غور سے دیکھ رہا تھا۔ شہزادی نے ڈگلس کی لاش سے نظریں ہٹا کر
عثمان کو اس طرح دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ اب کیا ہو گا؟

عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا:

”شہزادی! تمہیں اس بد بخت کی موت سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کو علم بھی نہ ہو گا کہ ڈگلس پر کس
گزری۔ ڈگلس مرنے کے بعد بھی دیکھنے والوں کے سامنے چلتا پھرتا نظر آئے گا؛

شہزادی نے تعجب سے پوچھا:

”مگر یہ تو مر چکا ہے عثمان۔ یہ زندہ کیسے ہو گا؟“

عثمان نے کہا:

”دیکھو شہزادی! تمہارا ڈگلس ابھی زندہ ہوا جاتا ہے۔“

عثمان نے اپنی کینیز کے ذریعے اپنے نائب رافع کو بلوایا۔ رافع نے ڈگلس کی لاش خروش پر پڑی دیکھ تو
حیران نظروں سے عثمان اور شہزادی کو دیکھا۔ ایک تو نقاب پوش کی لاش۔ دوسرے شہزادی کی موجودگی۔ دونوں
چیزیں اس کے لیے حیران کن تھیں۔

عثمان نے رافع سے کہا:

”رافع! یہ لاش شہزادی کے ساتھ آنے والے نقاب پوش مردار ڈگلس کی ہے۔ اس نے ہم پر حملہ کیا لیکن
اپنی جان گواہی دینا۔ اس وقت سے ڈگلس مر۔ تم اس کا لباس اتار کر خود پہن لو۔۔۔ اور شہزادی کے
میاں سے رخصت ہونے تک ڈگلس کا کاردار ادا کرتے رہو۔“

جب کے پردے پسے ہی اٹھ چکے تھے۔ شہزادی نے یقین دلایا کہ اگر عثمان نے اسے مانگا تو ڈیوک کا وہ خود مانگا نہ کہے گی۔

تیسرے دن ریاست اکیوٹین کی شہزادی اور وفد اقلعہ پائربنس سے کامیاب و کامران اپنے سرکرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت عثمان نے وفد کے ارکان کو بہت سے تحفے عطا کر دیے۔



شہزادی اکیوٹین کی واپسی کے دو مہینے بعد عثمان اپنے نائب رافع اور پندرہ سواروں کے ساتھ کوہستان پائربنس کے دروں کو سیر کر کے جزیری فرائس کی ریاست اکیوٹین کی حدود میں داخل ہوا۔

شہزادی اکیوٹین نے اپنے باپ پوڈیس، ڈیوک آف اکیوٹین کو عثمان کی متوقع آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ ڈیوک نے عثمان کے استقبال کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ عثمان کی طرف سے اطلاع ملنے ہی وہ اپنے سرداروں کے ساتھ سرحد پر پہنچ کر عثمان کو خوش آمدید کہے گا۔

اس سلسلے میں اس نے سرحد کے محافظوں کو بتا دیا کہ عثمان کا قاصد جس وقت سرحد پر آئے اسے عزت کے ساتھ فی الفور دارالسلطنت ٹولوس پہنچایا جائے۔ لیکن عثمان اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے ریاست اکیوٹین میں داخل ہو گیا۔

دراصل شہزادی اکیوٹین کے ساتھ اس نے جو حسین لمحات گزارے تھے۔ اس نے عثمان کو بے چین کر دیا تھا اور اب وہ جلد از جلد اس ماہ پارہ کو اپنے حرم کی زینت بنالینا چاہتا تھا۔

سرحد کے محافظوں کو جب معلوم ہوا کہ آنے والوں میں خود امیر عثمان، حاکم جبل البربات موجود ہے تو انھوں نے آنکھیں فرش راہ کر دیں اور انھیں نہایت احترام و عزت کے ساتھ ڈیوک کے پاس لے چلے۔ احتیاط کے طور پر انھوں نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے ڈیوک آف اکیوٹین کو عثمان کے آنے کی اطلاع بھی بجا دی۔

سرحد پار کر کے جب عثمان نے آریس کے علاقے میں قدم رکھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ علاقہ سبز وادیوں اور گلپوش درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ مرغزاروں کو دیکھ کر آنکھوں میں تڑاوت سی آجاتی تھی۔ اس علاقے میں مرن گل بوٹے ہی نہ تھے بلکہ ہاں ہر طرف حسن کا دریا بہتا ہوا نظر آتا۔ یہاں کی عورتیں۔ ایک سے ایک حسین۔ ایک سے ایک دلربا۔ دیا جان کا حسن جیسے یہاں سمٹ کر آگیا تھا۔

آریس سے آگے پیرے کس کا علاقہ تھا۔ یہ علاقہ بھی اتنا ہی دلکش اور لفریب تھا۔ اس علاقے میں بڑے

چند لوگ کھیت تھے۔ عورتیں اپنے حسن و جمال کا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ شاید اس حسن و دلکشی کی وجہ سے ان علاقوں کو بسک کہا جاتا تھا۔

اکیوٹین کا سرسبز اور ہر اہجر علاقہ کوہستان پائربنس اور گردن کے درمیان واقع تھا۔ اس علاقے میں رومی طرز کی اور ساٹھ ساٹھ فٹ بلند محرابیں تھیں۔ رومیوں کے بعد یہاں گوتم قوم کی عمل داری ہوئی۔ پھر شارلین نے اس پر چادیا۔ یہ حکومت فرائس کی ایک ذیلی خود مختار ریاست تھی۔

ڈیوک آف اکیوٹین، شہزادی اور ریاست کے بڑے بڑے سرداروں نے ٹولوس سے ایک منزل آگے بٹھ کر ہن کا استقبال کیا۔ یہ استقبال اس قدر شاندار تھا کہ اس طرح کبھی شہنشاہ فرائس کا بھی استقبال نہ کیا گیا تھا۔ ڈیوک نے امیر عثمان کو بڑی گرمجوشی سے سینے سے لگایا اور اپنے سرداروں سے اس کا تعارف کر لیا۔ شہزادی خوش و خرم تھی۔

امیر عثمان کو ذرا دیر غلوں سے دیکھ رہی تھی۔ ٹولوس کا شہر قصر روم نے آباد کیا تھا۔ شہر کے گرد ایک بڑی فصیل تھی۔ شہر کے دروازے پر امیر عثمان کا استقبال دی کی سبیلوں اور شہر کی عورتوں نے کیا۔

حسن و جمال کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر امیر عثمان کے گرد اکٹھا ہو گیا لیکن شہزادی کا اس خود اپنا جواب آپ تھا۔ باہری جمال اور زہرہ جبین کے درمیان شہزادی بالکل اس طرح دک رہی تھی، جیسے ستاروں کے درمیان چاند نہ۔

عثمان بھی خوبصورت اور درجہ مرد تھا۔ ٹولوس کی عورتیں اسے دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کے کانٹوں پر لی جا رہی تھیں۔

مسلمانوں کی آمد سے ہسپانیہ کے عشرت گدے تو ختم ہو چکے تھے لیکن یورپ اور خصوصاً فرائس میں اسلام کی تائیں پہنچی تھی اور وہاں شراب و شرب کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ عثمان کی پُر تکلف دعوت میں شرب کے ساتھ ساتھ شراب لایا گیا۔

ہسپانیہ میں کسی مسلمان کو شراب پینے کی اجازت نہ تھی لیکن جب ٹولوس کی ضیافت میں عثمان اور اس کے ہمراہوں کو شراب پیش کی گئی تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک تو شراب، دوسرے شراب پلانے والی دو شہزادیں ایک سے بالواسطہ اور تو یہ ششک۔ اس طرح شراب دوا تہ بن گئی۔

جب ساقی لڑکیاں سامنے بھر کر عثمان کے ساتھیوں کو پیش کرتیں تو وہ شراب کے ساتھ انہیں بھی پینے کے لیے مہین ہو جاتے۔ اس چمٹا چمٹائی میں سامنے ٹوٹے اور شراب بکھر جاتی۔ دیکھنے والے ایک زوردار قہقہہ لگا کر اس ناخوشگوار لذت افروزی کرتے۔ کوئی کسی کو منع نہ کرتا۔ اس جام میں سب ایک ہی جیسے تھے۔

عثمان کے لیے ایک نذرناک مسند لگا گئی تھی اور وہ اس شان سے بیٹھتا جیسے وہ محض ایک عالم گزرنے والے کا گھر ہے۔ اس وقت اسے اپنے گزرنے پر غصہ آ رہا تھا اور پورے ہسپانہ کا میر ہونے کی خواہش اسے بے چین کر رہی تھی۔

شہزادی ایکویٹین اس کے پسلوں میں بیٹھی اسے شراب کے جام بھر کر پیش کر رہی تھی۔ عثمان بالکل بے پروا تھا وہ مسلمان ہے اور شراب اس کے مذہب میں حرام ہے۔ شہزادی کے گرم سانسوں کا نشہ ہی کیا کہ تھا کہ شراب نے اسے تیز کر دیا۔ بے خود کر دیا۔ وہ بکھنے لگا۔

جنگل کی مشعلوں کی چکا چوند، ہر چہرے سے چھوٹی ہوئی صحن کی کرنیں، شہزادی کی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی شراب۔ ان تمام چیزوں نے اس کے اعصاب میں تناؤ پیدا کر دیا۔ بربر قوم کی جلتی وحشت اس پر سوار ہو گئی۔

امیر عثمان نے بھری محفل میں شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایکویٹین کا سپہ سالار نکولس نے اسے عثمان کی یہ حرکت بہت بری لگی۔ اس نے غصے سے ڈیوک کی طرف دیکھا ڈیوک کا چہرہ وسپاٹ تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالار سے آنکھیں ملائیں۔ اس کے ساتھ ہی بھرا ہوا جام نکولس کی طرف اچھال دیا۔ یہ اس کا جواب تھا۔

پھر ڈیوک نے اس کی طرف سے پیٹھ لگائی۔ نکولس کی جوان عمر میں شامینا بھی اس عقل میں موجود تھی۔ وہ بھاگ کر بجائی کے پاس گئی اور اس کے کانوں میں بولی،

”بھیا.... مصلحت سے کام لو۔ جو بات ڈیوک کہنا گوارا نہیں اس کے لیے تم اپنی جان کیوں ہٹاؤ گے؟“

”مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت ہے شامینا! نکولس غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

”شامینا نے کہا،

”ہم سب کو مسلمانوں سے نفرت ہے، ڈیوک کو بھی.... لیکن عثمان کی مدد ہمارے لیے ضروری ہے۔ ایکویٹین کی کئی عثمان کے ہاتھ میں ہے.... بھیا تمہیں ضبط سے کام لینا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ نہیں ہوتا۔ عثمان نے شہزادی کا ہاتھ پکڑا ہے۔ اگر وہ تمہاری ہی ہونے کا ہاتھ پکڑے تو بھی تمہارے چہرے پر شکن نہ پڑنی چاہیے؟“

اس وقت عثمان کا نائب رافع اپنے جگہ سے جھرتا ہوا اڑا اور شامینا کے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نکولس کا سینہ نفرت کی آگ سے دھک اٹھا لیکن شامینا ہنستی ہوئی رافع کے ساتھ چلی گئی۔

رافع عثمان کے بائیں جانب بیٹھا جام پر جام اٹھاتا تھا۔ اس کی نظر شامینا پر اسی وقت سے تھی جب اس نے بیٹھا سے صدر دروازے پر استقبال کرنے والی خواتین میں دیکھا تھا۔ شامینا بڑی بے تکلفی سے رافع کے سامنے ڈالے ساغریں کھانے لگی۔

خزوزے کو دیکھ کر خزوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ شہزادی ایکویٹین اور شامینا کو شریک محفل ناز نیندوں نے اس میں دیکھا تو وہ بھی کھل کھیلے۔

ان کی محفلوں کا تو یہ عام دستور ہی تھا۔ شراب میں بھی عقل کی دشمن اور جیا کی بری ہوتی ہے۔ سارکی دھیمی دھیمی میں تیزی آگئی۔ پھر اس نے شور کا روپ اختیار کر لیا۔ ساغر سے، آفرنگ لٹانے اور چور ہونے لگے۔ محل کا وسیع ہال بھاگتا۔ میزیں الٹ گئیں۔ فرش سمٹ گیا۔ ہنگامہ ناؤ نوش، بکھتے ہاتھ اور لڑکھڑکتے قدم دوسرے کمروں، گیلریوں، درجوں پر پھیل گئے۔ گریمیل کے چاک، دامن کے چاک سے مل گئے۔

ایک ٹوٹا ہوا بد تمیزی تھا.... ہر لحظہ ایک نیا پردہ اٹھتا اور نیا منظر پیش کرتا تھا۔ ڈھلتی رات تک شیطاں تھقتے لگتا رہا۔

تہذیب و شرافت چلتی اور شرم و حیا آنسو بہاتی رہی۔ موزی شمعیں جلتی بجھتی اور بھڑکتی رہیں۔

اپنے پرانے کی تمیز منٹ چکی تھی۔ اپنے تو اپنے تھے ہی اپراٹھے بھی اپنے ہو گئے۔ اظہارِ محبت نوازی میں نکولس کے شاہی محل اور امرا کی حرم سراؤں کے دروازے کھانوں پر کھل گئے۔ میزبان کے اہل دربار خواب گاہوں میں محفلیں جیتیں۔ دور شراب چلتا۔ ستر اور بے ستر سرا ہا بھٹکتے اور وہ بے شرمی ہوتی جیسے بیکار شرم بھی پانی پانی ہو جاتی۔

محکم ہے یہ سب کچھ قصداً کیا گیا ہو۔ ممکن ہے ڈیوک نے عثمان کو عشرت کے جال میں پھانسنے کے لیے یہ اہتمام کیا ہو۔

کیا جال میں پھنسنے والے اندھے تھے یا عقل سے کو رہے؟ تاریخ نگاہ ہے کہ جب بھی مسلمان اپنی روایات سے کٹ کر شراب و شباب کے غریب میں گرفتار ہوئے، سوائے کائنات کا نہ دیکھنا پڑا۔

اس لیے وہاں کے آٹے دن بدلتے ہوئے امیر اس طرف کوئی توجہ نہ دیتے اور عثمان اپنی من مانی کرتا رہا۔
عثمان، شہزادی کے پاس سے جھٹایا ہوا لٹک کر باہر آیا۔ مرکز کے قاصد نے تعظیم بحالہ کے بعد ابراہیم
نامہ عثمان کی طرف بڑھا دیا۔

عثمان نے بڑی لاپرواہی سے خاک کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ سخا کی تحریر بہت مختصر تھی۔
بسم اللہ کے بعد لکھا تھا:

عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی، امیر سپہ پانیہ کی طرف سے

حاکم جبل البرزات عثمان بن ابی نعته (ابن عبیدہ) کے نام!

سپہی سینا، نابون اور ٹولوس کے میدانوں میں کھیت رہنے

والے مسلمانوں کی لاشیں اور روجیں ہم سے اپنے خون کا امتحان

طلب کر رہی ہیں۔ لشکر اسلام جہاد کے لیے تیار ہو چکا ہے جب یہ

لشکر جبل البرزات پہنچے تو اپنی فوج بھی اس میں شامل کر دو اور سامان

جنگ تیز رسد کی فرامی کا بندوبست کرو!

یہ مختصر تحریر پڑھ کر عثمان کے ہوش جلتے رہے۔ اس کی امیدوں پر اس پر لگئی۔ امیر سپہ پانیہ نے ہوا
چکنا چور ہو گیا۔ عثمان کے لیے یہ موقع نہایت نازک تھا۔ اگر عافان الکا کرنا تو اس کی عذاری کارزار نش ہو جاتا اور اگر
امیر قرطبہ کے کہنے پر عمل کرتا تو ڈیوٹ آف ایکویٹیٹن کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی اور اس کی
خود مختاری کا منصوبہ بھی خاک میں مل جاتا۔۔۔۔۔ پھر شہزادی ایکویٹیٹن اس کے پہلو میں تھم لے نا خوش اور ناراض
کرنا تو اس کے بس میں تھا ہی نہیں۔

ادھر عثمان خط پڑھ کے سوچ میں پڑا تھا۔ ادھر قرطبہ کا قاصد اس کے چہرے کے آثار چڑھاؤ بڑے غور سے
دیکھ رہا تھا۔ امیر قرطبہ کو عثمان کی حرکتوں کی کچھ نہ کچھ خبر ہو گئی تھی۔ اس نے قاصد کو تاکید کر دی تھی کہ وہ عثمان کا جواب
لانے کے علاوہ اگر ممکن ہو سکے تو اس کے بارے میں اور معلومات حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے۔

عثمان آدمی ذہین تھا۔ اس نے خود کو سنبھالا اور مسکرا کر کہا:

”امیر قرطبہ کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیا جائے کہ عثمان، جہاد میں دل و جان سے حصہ لے گا اور
امیر کے حکم کی پوری تعمیل ہوگی!“

قاصد نے کہا:

”امیر سپہ پانیہ نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ آپ کتنی فوج لشکر اسلام میں شامل کر سکیں گے؟“

اس نے دیکھے لکھے میں کہا:

”فوج ضرور جانے گی جتنی بھی ممکن ہو سکے گی۔ رسد کا بھی انتظام کیا جائے گی۔“

پھر ذرا اٹھ کر عثمان نے پوچھا:

”امیر قرطبہ کب تک روانہ ہوں گے؟“

قرطبہ کا قاصد عثمان کی باتوں سے مطمئن نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ لشکر اسلام کوچ کرنے ہی والا ہے لیکن اس

کو گول مول سا جواب دیا:

”ابھی تو جہادوں طرف سے فوجیں اکٹھا ہو رہی ہیں۔ امیر کو آپ کے جواب کا بھی انتظار ہے!“

عثمان نے دوسرا سوال کیا:

”اب تک قرطبہ میں کتنی فوج جمع ہو چکی ہے؟“

قاصد نے اس کا جواب بھی گول کر دیا۔ بولا:

”محترم والی جبل البرزات، میں عرض ایک قاصد ہوں۔ میرا کام پیغامات لے جانا اور جواب لانا ہے۔ فوج

اللہ کا کھجے کوئی اندازہ نہیں۔“

عثمان کو بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ لشکر اسلام کی تعداد سے ڈیوٹ آف ایکویٹیٹن کو باخبر کرنا چاہتا تھا۔ عثمان نے

اب بار پھر کوشش کی۔ پوچھا:

”تمہیں یہ تو علم ہو گا کہ سپہ پانیہ کے کتنے علاقوں سے کمک پہنچ چکی ہے۔ ان کی تعداد کا تو تمہیں ضرور

درا ہو گا۔“

قاصد نے سر پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کیں جیسے وہ اندازہ لگا رہا ہو پھر بولا:

”والی محترم۔ چارچھ ہزار فوج تو اب تک قرطبہ پہنچ ہی چکی ہوگی۔“

حالانکہ قاصد کو اچھی طرح علم تھا کہ تقریباً ایک لاکھ جاہدوں کا لشکر قرطبہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے حکم کا

نہ ہے۔

عثمان کندھے اچکاتے ہوئے بولا:

”اگر قرطبہ میں پچاس ہزار کا لشکر بھی ہو تو اتنی مختصر تعداد کے ساتھ فرانسی پر حملہ کرنا میرے خیال میں

غیر قابلہ مطلب نہیں۔“

عثمان کوشش کرنے کے باوجود اپنے دلی جذبات پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

قاصد نے کہا: ”والی محترم! یہ باتیں آپ لوگوں کے سوچنے کی ہیں۔ مجھے واپس جانے کی اجازت

مرحمت فرمائی جائے۔

”انہی صلیب جلدی ہے یہ عثمان نے رمی انداز میں کہا:

”دو پانچ ان آکرام کر کے چلے جانا“

حالا نکہ وہ قاصد کو فوراً دفع کر دینا چاہتا تھا تاکہ اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی تدبیر کرے۔ مگر خود واپسی کی جلدی تھی۔ اس نے دوبارہ اجازت مانگی۔ عثمان نے اب کوئی حرج نہ کی اور اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔

قاصد نے عثمان کی باتوں اور عثمان کے درباریوں کے چہرے سے ان کے ارادوں کا بہت کچھ اندازہ لگا لیا۔ لیکن جب وہ جبل البرزات سے نکلا تو ایک تیز رفتار سوار اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا اور قلعے سے کچھ دور پہنچ کر ایک ویران جگہ پر قاصد کو روکا۔

قاصد کو دیکھ کر شاید اس کا پیچھا کرنے والا کوئی ٹیڑھا یا پھر عثمان نے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے یہ سوچ کر اس نے میان سے تلوار نکالی اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔

سوار نے قاصد سے کہا:

”اے برادر۔ زمین چور ٹیڑھا ہوں۔ نہ تمہارے پاس کسی بری نیت سے آیا ہوں۔ میں تم سے صرف ایک سوال پوچھتا ہوں۔ اگر تم خدا کو لا شریک اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا برحق نبی مانتے ہو تو میرے سوال کا جواب دو۔ قاصد نے فوراً اپنی تلوار میان میں ڈالی اور اظہار شرمندگی کرتے ہوئے بولا:

”الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے انصاف ہے کہ میں نے ایک مسلمان پر شبہ کیا:

سوار کے چہرے پر مفرخی دوڑ گئی۔ اس نے پوچھا:

”اے مسلمان بھائی! پھر یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا امیر، سپاہیہ کی اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے نعرے بلند کر رہا ہے تو تم ایسے امیر کو کیا کہو گے؟“

قاصد اس سوال پر چلک اٹھا۔ بولا:

”میرے بھائی! تمہیں کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔ میرا امیر عبدالرحمن بن عبداللہ ایک سچا اور دین دار آدمی ہے۔ اس نے تو نعرے بلند کرنے کے خلاف جہاد کا حکم دے دیلے۔ پھر جلد وہ نعرے بلند کرنے سے روک دے گا۔“

سوار نرمی سے بولا:

”تم سچ کہتے ہو میرے بھائی! لیکن فرض کرو اگر ایسا ہو جائے تو تم کی کرکے؟“

قاصد بڑے جوش سے بولا: ”اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میرا امیر، سپاہیوں سے ساز باز کر کے اسلامی حکومت کو

تباہ کرنا چاہتا ہے تو خدا کی قسم اس کے خلاف اٹھنے والی پہلی تلوار میری ہوگی۔ یقین کرو کہ اگر میرا بھائی یا بیٹا سپاہیہ کی حکومت کے خلاف سازش کرنے کی کوشش کرے تو میں اپنے ہاتھ سے اسے قتل کر دوں گا۔“

”جبراک اللہ۔ سوار کے منہ سے ایک دم نکلا:

”بھائی! مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ بات میں نے امیر سپاہیہ عبدالرحمن بن عبداللہ کے بارے میں نہیں کہی تھی بلکہ اس کا تعلق والی جبل البرزات عثمان سے ہے۔“

قاصد نے گھبرا کر پوچھا:

”تو کیا عثمان، نعرے انہوں سے ساز باز کر رہا ہے؟“

سوار نے اوجھڑا کر دیکھ کر کہا:

”برادر۔ یہ باتیں کرنے کے لیے یہ جگہ کسی طرح مناسب نہیں۔ تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں تمہیں تفصیل بتاؤں گا۔“

قاصد کو تو جبل البرزات بھیجا ہی اسی لیے گیا تھا، وہ فوراً رضامند ہو گیا اور سوار کے ساتھ اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ میزبان سوار کا مکان قلعے کے باہر ایک چھوٹی سی آبادی میں تھا۔ یہ دونوں جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔

گھرانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میزبان نے اپنے قاصد کو کھانا کھلایا۔ پھر گفتگو کا آغاز کیا۔

میزبان نے کہا:

”میں تمہیں اسلامی سلطنت کا وفادار اور سچی خواہ سچہ کہ یہ باتیں بتا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے قلعہ کے باہر عثمان سے اس کا ذکر کیا تو وہ تمہیں انعام سے نوازے گا اور میرا سر قلم کر دے گا لیکن مجھے اس کی ذرا پروا نہیں۔ میں اسلامی سلطنت کی تباہی اور عثمان کی غداری ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔“

قاصد بولا:

”برادر۔ تم نے مجھے ممان بنایا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے میزبان کے خلاف زبان کھولے۔ میں یقیناً لاتا ہوں کہ جو کچھ تم مجھے بتاؤ گے وہ ایک متبرک راز کی طرح میرے سینے میں دفن رہے گا اور اس راز کو میرے

لہذا اجازت کے بغیر کسی سے بیان نہیں کروں گا۔“

میزبان کے چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔ اس نے بڑے کرب کے ساتھ کہا:

”اے قریب کے قاصد۔ سنو۔ عثمان نے امیر قرطبہ سے غداری کی ہے۔ وہ بے دین ہو گیا ہے۔ عثمان میرے ہی بھائی کا ایک فریب ہے لیکن تمام بربر قبائل اس کے ساتھ نہیں۔ وہ اگر امیر قرطبہ کے خلاف تلوار اٹھاتا تو شاید ہم اس کا ساتھ دیتے۔“

اس نے فرانس کے ڈیوک آف اکیوٹین سے ساز باز کر لی ہے۔ ڈیوک کی بیٹی سے شادی کر کے

خطبہ شہزادی اکیوٹین نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا ہے۔ آپ فوراً اپنی جماعت کے آدمیوں کو بھیج کر دونوں خط حاصل کیے۔ اس شخص کریں۔ آپ نے یہ خطوط حاصل کر لیے تو پھر آپ قرطبہ پہنچ کر عثمان کو غدار ملت ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

باب نے قاصد سے کہا:

عثمان بہت چالاک ہے۔ اس نے تمہیں مصلحت کر کے واپس بھیج دیا اور اب ڈیوک کو فرائس پر جے کی خبر بھجوا رہا ہے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ ہمارا کامت چھوٹا ہے لیکن ہم اس کے منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ اسے چند آدمی سرحد پر لگے ہیں۔ وہ خط ضرور حاصل کر لیں گے۔

قاصد بے مبری سے بولا:

برادر۔ اب مجھے اجازت دو۔ میرا قرطبہ پہنچا ہے حد ضروری ہے۔

میزبان نے اسے اجازت دی:

"اچھا بھائی فی امان اللہ۔ تم امیر سے یہ بھی کہہ دینا کہ جہل البرنت میں ملک و ملت کے شدید اثرات کی ایک عجات ہو رہی ہے۔ اگر ہمیں مرکز سے مدد دی جائے تو ہم عثمان کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔" قاصد نے بالکل سچی باتیں اور پوری رفتار سے قرطبہ کی طرف گھوڑا دوڑنے لگا۔



سپانیہ کا امیر عبدالرحمن اپنے قاصد کی زبانی جہل البرنت کا حال سن کر سخت پریشان ہوا۔ اسے عثمان کی ننداری پر افسوس لہوا اور غصہ بھی آیا۔

ایک دن عابدین کا لشکر کوچ تیار کرنے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن عثمان کے فتنے کی وجہ سے عبدالرحمن کو وقتی طور پر ارادہ ملوئی کرنا پڑا۔

دوست الحمن میں گرفتار تھا۔ اس کے لشکر میں عربی، مصری، شامی، بربر، ہر ملک کے سپاہی شامل تھے۔ عثمان کی ہلاکت خبر وہ عام بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ بہت سے نہیں اس جزیرہ کا لشکر پر کیا اثر پڑتا۔

کہتے ہیں کہ اگر انسان کا ارادہ نیک ہو تو قدرت خود بھی مدد پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

قاصد کو قرطبہ سے آتے تین دن گزر چکے تھے۔ فوج کے سردار بے چینی سے رونا کھنا کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ عبدالرحمن اپنے طور پر اب تک کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ قرطبہ میں ایک فرشتہ رحمت نازل ہوا۔ یہ تھا عثمان کا بھیجا ہوا

اسے قلعہ میں لے آیا ہے۔ ڈیوک کی بیٹی نے اپنا بیساف مذہب بھی تبدیل نہیں کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈیوک اور عثمان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے جس میں ایک دوسرے کی فوجی مدد کرنے کی شرط موجود ہے۔

قاصد کے لیے یہ باتیں بالکل نئی تھیں۔ اسے یہ تو شک ہوا تھا کہ عثمان مال ٹول کر بچا جاتا ہے لیکن اسے اس بات کا ذرا بھی خیال نہ آیا تھا کہ عثمان نے اسلامی سلطنت سے کھلی غداری کی ہے۔

قاصد نے دیکھا کہ اس کے میزبان کی آنکھیں شدید جذبات سے نم نہاں ہو گئی ہیں۔ اس نے اسے تسلی دی: "میرے دوست! اس خبر سے میرے دل کو جو درد پہنچا ہے اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر تم اجازت دو تو میرا قرطبہ پہنچ کر ان تمام باتوں سے امیر عبدالرحمن کو باخبر کر دوں گا کہ اس فتنے کا سر کھینچنے کا بندوبست کیا جائے۔ میزبان آنسو پونچھتے ہوئے بولا:

"برادر! تم اجازت کی بات کرتے ہو۔ میں خود تم سے درخواست کرتا ہوں کہ فوراً قرطبہ پہنچ کر امیر کو تمام حالات سے آگاہ کرو۔ اگر فرائس کا ڈیوک اس کی مدد کر گیا تو یہ جتنی گاری ایک ایسا شعلہ بن کر بھڑکے گی جو.... جو...." قاصد فوراً جانے کے لیے تیار ہو گیا:

"مجھے اجازت دو میرے دوست۔ تم جو چاہتے ہو انشاء اللہ ویسا ہی ہو گا۔ نہ ہم ڈیوک کے قدم پانیہ میں آنے دیں گے اور نہ اس پوشیدہ بغاوت کو پسپے دیں گے۔"

میزبان نے اسے روکے ہوئے کہا:

"میزبان! عثمان کے محافظ دستے میں ہے۔ اگر تم ایک دن اور ٹھہراؤ تو کچھ اور باتیں بھی معلوم ہو سکیں گی۔ عثمان تمہارے آنے کی خبر ڈیوک کو ضرور بھجوائے گا۔"

میزبان کی بات ختم ہوئی تھی مگر اس کا بیٹا گھوڑا بھاگتا ہوا آ پہنچا۔ قرطبہ کے قاصد کو دیکھ کر وہ ذرا پریشان ہوا لیکن باپ نے اسے ملحق کر دیا:

شبیبے میں نے انہیں تمام باتیں بتا دی ہیں۔ یہ اپنے دوست اور سلطنت کے وفادار ہیں.... لیکن تم اس وقت لیسے لگائے۔ تمہیں تو رات میں آنا تھا۔

میزبان کے جوان بیٹے نے کہا:

"ابا جان! میں ایک نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں مگر...." نہ جانے کیا سوچ کر فوجوان کہتے کہتے رہ گیا۔ "میرے بیٹے تم بے فکر ہو کر کوہ باپ مسکرا کر بولا:

"قرطبہ کے قاصد کو ہم نے اسی لیے رکھا ہے۔ ہر اہم خبر ہمیں فوراً امیر عبدالرحمن کو پہنچانی چاہیے۔ بیٹے نے ملحق ہو کر کہا: "عثمان نے ابھی ابھی دو سو فرائس بھیجے ہیں۔ ان کے پاس ایک تو عثمان کا خط ہے اور

ایک سوار.... لیکن اس سوار کے ہاتھ عثمان نے امیر ہسپانیہ کو جو خط بھیجنا تھا اس نے عبدالرحمن کی مشکل آسان کرنے میں مدد کی۔ وقت بہت کم ہے۔ تمہیں آج رات کسی وقت جبل البرزات روانہ ہونا ہے۔

کردی۔

والی جبل البرزات عثمان نے بڑی غلطی، چالاک اور مکاری سے اپنے خط میں امیر ہسپانیہ کو یہ بات یاد کرنے پر ابھاری۔

کی کوشش کی تھی کہ اس وقت فرانس پر حملہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس نے ایک طرف تو فرانس کی زبردست مخالفت کرنے کا شروع کیا:

کاڈنٹڈ اپنا تھا۔ دوسری طرف امیر کو اس بات سے خوفزدہ کیا تھا کہ وادی ابھرد کے برابر قبائل اور جبل البرزات کے لوگ فرانس سے جنگ نہیں چاہتے۔ اگر ان پر جنگ مسلط کی گئی تو بغاوت کا امکان ہے۔

عبدالرحمن کو فوراً ایک نیا راہ سوجھی۔ اس نے فوراً عثمان کو جواب لکھا:

امیر عبدالرحمن کی طرف سے

اپنے غلصہ دوست عثمان کے نام!

بسم اللہ کے بعد معلوم ہو کہ تمہارا مشورہ نہایت درست ہے

ہمارے تمام سرداروں نے بھی تمہاری رائے سے اتفاق کیا ہے۔ ابھی

تک ضرورت کے مطابق لشکر بھی اکٹھا نہیں ہو سکا اس لیے یہ ممکن کم از کم

چھ ماہ کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔

تمہارا قیام سرحد فرانس کے قریب ہے۔ دشمن پر اچھی طرح نظر

رکھو اور جب دشمن کو غافل اور کمزور پاؤ، فوراً ہمیں مطلع کر دینا کہ تمہارے

مشورے سے فرانس پر حملہ کیا جاسکے۔ ہم تمہارے غرض اور نیک

مشورے کے شکر گزار ہیں۔

امیر عبدالرحمن نے عثمان کے پیام کو بلا کر خط دیا اور اسے انعام دے کر رخصت کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے معتمد سردار ابن زیان کو طلب کیا۔ ابن زیان ایک جوان عمر مرد تھا اور اسے

پہلے بھی کئی اہم کام سونپے گئے تھے۔

امیر نے کہا:

"ابن زیان! ہمیں تم پر اعتماد ہے۔ امید ہے تم ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ گے۔"

ابن زیان ادب سے بولا:

"میرے سر! میری زندگی آپ کے اعتماد کے ساتھ ہے جب تک زندگی باقی ہے یہ اعتماد بھی رکتا نہیں۔"

رہے گا:

امیر ہسپانیہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

پانچ سو سواروں کا دستہ لے کر ہمارے قاعد کے ساتھ جبل البرزات جاؤ گے۔ یہ قاعد ایک اچھا سپاہی ہے

اسے کہے جاتے ہیں چکر کاٹ کر جاؤ گے تاکہ عثمان کو قتل کرنے کی خبر نہ ہو سکے۔ عثمان اس وقت قلعہ البرزات میں

تھے۔ خبری میں اس پر حملہ کرو گے۔ پھر اس کی گرفتاری یا قتل، جو بھی صورت ہو کر گذرے۔

ملکی نہیں ہوگی امیر محمد۔ ابن زیان نے سینہ تان کر کہا۔

کہہ جاسکتے ہو۔ امیر کا حکم ختم ہو گیا۔

ابن زیان جانے لگا تو امیر کو کچھ اور خیال آیا۔ اس نے رو کر کہا:

خیال ہے۔ تمہاری روانگی کی خبر کسی کو نہ ہو۔ ہمارا رہبر تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ ہم شکر لے کر تمہارے

پہنچا لبرزات پہنچ رہے ہیں۔ عثمان پابہ زنجیر یا اس کا سر ہمیں قلعہ میں ملنا چاہیے۔ جاؤ خدا تمہیں

بہت سے۔

ابن زیان کی روانگی بڑی خاموشی سے ہوئی۔

ان پانچ سو سواروں کا دستہ قرطبہ سے طرح نکلا جیسے کمان سے سن سے تیر نکلا گیا ہو۔ ایک لاکھ کے

پانچ سو کی کمی کا کسی کو احساس تک نہ ہوا۔

ابن زیان راستے سے پچ کر اور کہیں چکر کاٹ کر چھوڑا۔ جبل البرزات کے قریب وہ پانچ سو سواروں کے

ساتھ شام کے وقت پہنچا۔ سورج کی آخری کرنیں قلعہ البرزات پر پڑ رہی تھیں۔ انہیں یہ وقت مناسب نہ معلوم

تھا۔ ان کا مشیر جمعہ انھوں نے قریب کی پہاڑیوں میں گھرا۔ سواروں کی تھکن بھی دور ہو گئی اور انہیں سوچنے

لگا۔

مجھ کا ذنب کے وقت ابن زبان کے سواروں نے کمریں لیں۔
 صبح صادق ہوئی تو سواروں کا دستہ بڑی آہستگی سے قلعے میں داخل ہو گیا۔ قلعے میں خاموشی اور بے رونگی تھی۔ انکار کر دیا اور اپنے سواروں کے ساتھ ابن زبان پر ٹوٹ پڑا۔
 بہت کم لوگ بچے پھرتے نظر آئے۔ انیس کسی نے مذکورہ ٹوکا۔

ابن زبان کے سواروں نے عثمان کی محل مرا کا حاصرہ کر لیا۔ محل مرا کے دروازے پر صرف ایک پرہیزگار
 ابن زبان کو بڑا تعجب ہوا۔ پھر اس کا یہ تعجب اخروگی میں تبدیل ہو گیا۔
 پرہیزگار نے بتایا کہ عثمان اپنی یورٹ بھی کولے کر گیسٹرم لیوا جا چکے ہیں۔ جرم سراہیں مین سلیمان کو اس بلے کو دیکھنے گئے۔
 میں شکار جال سے نکل چکا تھا۔
 ابن زبان سرکڑ کر رہ گیا۔
 عثمان کے آچھ ٹیڑے سواروں کو گرفتار کر لیا اور اسے خانہ پرہیزگار بٹھا دیا گیا۔ سورج بلند ہوا تو بی بی فتح ہوئی۔

داعوں کو ظلم ہوا کہ قلعے پر قریب کے فوجیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔
 ابن زبان نے نین سوسا زلعہ البرنات میں انتقام کے لیے چھوڑے اور باقی سواروں کے ساتھ ذرا گیسٹرم میں ٹک گیا۔ شہزادی ایکوٹین ہاتھ جوڑ کر ابن زبان کے سامنے آئی۔ اس نے شہزادی کی زندگی کی بھیک مانگی۔
 رخ کیا۔ اس کے ساتھ چار مقامی رہبر بھاگے۔
 ابن زبان کو بتایا کہ عثمان اس سے ڈر کر نہیں جاکر بلکہ گیسٹرم لیویا جی مون منانے گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہوئی۔ ابن زبان نے عثمان کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔ عثمان کے ساتھیوں نے ہتھیار بھینک کر اطاعت

عثمان کو جب امیر عبدالرحمن کا خط ملا تو اسے یقین ہو گیا کہ امیر قریب کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اب امیر غدار اپنے گھیر کر دار کو پسپا کیا۔
 کے شور سے بے خبر زانیس پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اسی مون کا ارادہ وہ چلے ہی کر چکا تھا۔ قریب
 سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنی محبوب بیوی، شہزادی ایکوٹین کو لے کر گیسٹرم لیویا چلا گیا۔

رہبروں نے ابن زبان کی تیج رہبری کی لیکن ابن زبان کو گیسٹرم لیویا میں بھی ناکامی ہوئی۔ عثمان کو ابن زبان کے
 قلعے پر قبضہ کی خبر ایک سوار کے ذریعہ مل گئی۔ جس وقت ابن زبان نے قلعے پر قبضہ کیا، یہ سوار فوراً وہاں سے جاگ نکلتا تو ابن زبان قلعہ جبل البرنات واپس پہنچا تو اس کی لشکر بھی قلعے کے سامنے نمودار ہوا۔ ابن زبان نے
 اور عثمان کو آنے والے خطرے سے جاگاہ کیا۔

عثمان کے پاس صرف سوار تھے۔ اس میں مقدمے کی طاقت بھی نہ تھی۔ وہ شہزادی کو لے کر الزامی کے قریب پہنچا، یہ سوار فوراً وہاں سے جاگ نکلتا تو ابن زبان قلعہ جبل البرنات واپس پہنچا تو اس کی لشکر بھی قلعے کے سامنے نمودار ہوا۔ ابن زبان نے
 جھاگ نکلا۔ ہنی مون منانے کے بجائے اب اسے اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔

ابن زبان اس ناکامی پر اوجھلا اٹھا۔ اسے تو عثمان کو زندہ یا مردہ ہر حالت میں پکڑنا تھا۔ اس نے بہت شہزادی ایکوٹین کو چند سواروں کی حفاظت میں قریب بھیج دیا اور لشکر اسلام نے فرانس کی سرحد کی طرف
 باری اور عثمان کی تلاش میں پہاڑی دروں میں داخل ہو گیا۔

اب کیسٹ یہ بتی کہ عثمان آگے آگے تھا اور ابن زبان اس کے پیچھے پیچھے۔ یہ دوڑ چار دن جاری رہی۔ آخر ابن زبان نے عثمان کو ایک وادی میں گھیر لیا۔

(12)

عشرت کدہ

پیدا کر رہی تھی۔ میس اور نفرتی تھنے یوں بلند ہو رہے تھے جیسے کوئی خواب میں چونک پڑتا ہو۔

مشرق کی اندر سبھا مغرب میں جمی ہوئی تھی۔ رافع اس اندر سبھا کا راجہ اندر تھا۔ شامینا اس کے قریب بیٹھی ہوئی
بکے جام جبر جبر کرا سے پلا رہی تھی۔

رافع، شب پانیہ کے صوبہ جل البرکات کے گورنر نشان کا نائب تھا۔ جنوری فرانس کے ڈیوک، یوڈیس نے نشان کا
یہاں کرنے کے لیے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی تھی لیکن شخصیت کے وقت ڈیوک یوڈیس نے رافع کو اپنے
پر کیا تھا۔

رافع کا بظاہر عمدہ تو ایک رابطہ افکار تھا لیکن ڈیوک کو شاید رافع میں نشان سے زیادہ غریباں نظر آتی تھیں۔ وہ اس
کی اہم وقت پر کام لینا چاہتا تھا۔

رات بیک رہی تھی، اس کے ساتھ عقل کی گھاگھی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ رافع کو شراب پلاتے دیکھ کر آسٹریلیا کے
بہادر جو شہر آیا۔ وہ اٹھ کر بدست ہفتی کی طرح شامینا کے پاس پہنچا اور رقص کی دعوت کے لیے اس کی طرف اپنا ہاتھ
ٹپا۔ چاک شامینا نے اپنا ساغر ہوا میں کچھ اس انداز سے اچھا لکھ سپہ سالار اسے گرفت میں لینے سے قاصر رہا۔ ساغر

ممر کے سنگی فرش پر رقص کا آغاز ہو چکا تھا۔

فرانس کے مینلے نوجوان اپنی پسند کی دوشیزہ کو ہم رقصی کی دعوت دے رہے تھے۔ جو دوشیزہ کے لیے ساتھ فرش پر گر کر بکھر گیا۔

ہوتی، اپنے ہاتھ میں لڑتے بلوری جام کو ہوا میں اچھال دیتی۔ فرنگی تہذیب میں اٹھارہ رضا مندی کا یہ مذہب ملا۔ دیکھنے والوں نے قہقہہ بلند کیا۔ آسٹریٹیا سپہ سالار منہ لٹکاٹے اپنی جگہ والیں چلا گیا۔ شامینا مسکرا کر پھر
نقارہ ہر جوان کی کوشش ہوئی کہ ساغر کو فرش پر گرنے سے پہلے اپنی گرفت میں لے لے۔ اگر ساغر پھر سے اپنے غلاب ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جنوری فرانس کی دوسری ریاست نیو سٹریا کا سپہ سالار شامینا کے پاس آیا۔ رافع نے اسے بڑی تیز
پورے ہل میں ساغر ہوا میں اچھال رہے تھے اور ایک چھنا کے کے ساتھ ٹوٹ رہے تھے۔ ساغر کے گزرنے سے دیکھا لیکن شامینا نے پہنچے ہوئے ساغر کو ہوا میں اچھال دیا۔ یہ ساغر بھی فرش پر گر کر ٹوٹ گیا۔

ہی جیاتی وچو بند خادموں میں فرش صاف کر دیتے جس خوش قسمت کے ہاتھ میں ساغر اچھا تا وہ دوسرا ہاتھ اپنی طرف
کی طرف بڑھاتا۔ چورسرا اپنی جگہ سے اٹھتا اور پھر دونوں سامنوں کے گرداب میں پھرنے لگتے۔

اس عقل کی جان اور میزبان شامینا تھی۔ شہزادی ایکسویٹین کی رازدار سیلی۔ شہزادی ایکسویٹین اپنے شوہر شامینا کی کیلکٹ کے ساتھ بھی رقص کی سعادت حاصل کر چکا تھا۔

کے ساتھ رخصت ہو کر مسپانیہ جا چکی تھی۔ اب پورے فرانس میں شامینا کے حال جہاں آرا کا طوطی بول رہا تھا۔ شہزادہ شامینا اسے اپنی طرف کتے دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ رافع کی موجودگی میں کسی اور کے ساتھ رقص کر
ایکسویٹین کو شامینا پھر شہزادی ہونے کی فوجیت تھی ورنہ یہ حقیقت تھی کہ پرستان نہاد ہوں، آریس ادبیری میں رافع کی دل شکنی کسی طرح منظور نہ تھی۔ وہ رافع کو دل سے چاہتی تھی اور ڈیوک آف ایکسویٹین کا حکم بھی تھا کہ وہ رافع
کی صحبت ترین پری شامینا ہی تھی۔

اپنے قابو میں رکھے۔

معاذی قلعہ بورڈو کا یہ بڑا ہل اس وقت حسن و شباب کے سمندر میں تبدیل ہو گیا تھا جس میں ہلے ہلے

کے تہ جسم طوفانی لہریں ہوں کر اٹھتے۔ سادوں کے زیر دہ میں سب پر کشش اسنا اپنے زیادہ تبدیل کرتے تھے
طرف گرداب ہی گرداب ابل پڑتے۔ خانوں سے پھوٹنے والی توں قمر جیسی روشنی غنایں کیف انگیزی اور انتظار

نماکھنیزین کی نظریں برگنڈی کے سپہ سالار اور شامینا پر لگ گئیں۔
مگر ان شامینا کے ہاتھ سے بغیر اچھا۔ ہوا میں ملن ہوا لیکن اوپر سب کمر ساٹنے دایں بائیں کچھ اس طرح
ہوئیے جیسے کوئی غور مرقی ہاتھ سے گھبرا رہا ہو۔ سالار برگنڈی نے بڑی کوشش کی مگر ساغر خلی کی طرح اس کے انھوں

ہاتھوں سے پھیل کر فرش سے ٹکرایا۔

شامینا نے اطمینان کا سانس لیا۔ رافع کے پہرے پر رونق اگئی۔ محفل سے گھٹے گھٹے قہقہے اٹھے۔ شاید لوگوں کو سالار بگڑی پرائیوس ہوا تھا۔ یہ اس کی پہلی ناکامی تھی۔

قلعہ بورڈیو کی یہ ضیافت اور محفل رقص و سرود اور اصل ایک سٹ پاسی مصلحت کے تحت منتقل کی گئی تھی۔ ڈیوڈ آف ایکوئین اپنی بیٹی کی شادی عثمان کے ساتھ کر کے عارضی طور پر مسلمانوں کی طرف سے مٹھن ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں سے جنگ کا اسے سابقہ تجربہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کی سیلابی فوجوں نے اگر فرانس کا رخ کیا تو انہیں نہ تو نشان زد کر سکے گا اور نہ وہ خود تقنا مقابلہ کر سکے گا۔ فرانس کی مرکزی حکومت اور جنوب کی دوسری ریاستوں سے بھی اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ پس اس نے بہتری اسی میں دیکھی کہ مرکز اور دوسری ریاستوں کا تعاون حاصل کر لے تاکہ مسلمانوں کے جھکی صورت میں ایک متحدہ و قدامت کیا جاسکے۔

ڈیوڈ آف ایکوئین کو معلوم تھا کہ اگر اس نے ٹورس (بعض نے ٹورس لکھا ہے) میں وائیان ریاست اور مرکز کے نمائندوں کو مشورے کے لیے دعوت دی تو کوئی بھی اس کی بات پر کان نہ دھرے گا۔ اسی لیے اس نے یہ ذراوی فرانس کی حسین و جمیل و شیرازہ شامینا کے سپرد کی۔

شامینا شہزادہ قحہ صید تھی۔ چنانچہ جب اس نے آسٹریلیا، نیوٹرپا، بگڑی اور مرکز کے اعلیٰ نمائندوں کو ایک غیر سیاسی دعوت میں ٹورس کے قلعہ بورڈیو میں آنے کا پیغام بھیجا تو مشرت کے شہزادے شامینا کی دعوت رد نہ کر کے ریاستوں کے ڈیوڈ (فیوڈلارڈ) کو اس میں شریک نہ ہونے کی بات لیکن انھوں نے اپنے سپہ سالاروں کو بورڈیو جانے کی اجازت دے دی۔

فرانس کی مرکزی حکومت پر شہنشاہ قحہ چارم برائے نام حکمران تھا۔ تمام علاقائی ڈیوڈ آزاد حکمران بن بیٹھے تھے اور صرف علاقائی طور پر اسے شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ شہنشاہ کی کوئی اہمیت نہ تھی لیکن اس کا وزیر یا عظم اور سپہ سالار چارلس مارٹل بڑی اہمیت کا مالک تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ڈیوڈ بے پن ڈی ہرسٹال کی ناجائز اولاد تھا اور اس کی عیادت اسے (SFAHIDE) طوائف زادوں سے بھی بدتر تھی۔۔۔۔ لیکن طبیعت کے کچھ چورے پن اور جعلی بدکاریوں کے باوجود یہ شخص بڑا باہاد تھا۔ فرانس پر جرمنی کی طرف سے جتنے حملے ہوئے۔ اس نے ان کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔

شہنشاہ قحہ چارم نے چارلس مارٹل کو اپنے نمائندے کے طور پر بورڈیو کی دعوت میں شریک ہونے کی درخواست کی لیکن چارلس مارٹل نے صاف انکار کر دیا۔ ناجائز اولاد ہونے کی وجہ سے اس کا سر اپنے ہم جلسوں میں نہ اٹھا اور وہ امریکا مضمون میں شرکت سے ہمیشہ گریز کرتا۔

شامینا کی کوشش سے یہ محفل منعقد ہوئی تھی۔ وہ کسی کا دل بھی نہ توڑنا چاہتی تھی۔ اس کی کوشش سے تین مخالف

بہن کے سپہ سالار ایک پھٹ کے نیچے اکٹھا ہوئے تھے ورنہ یہ ریاستیں تو ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں۔ شامینا نے آہستہ سے رافع سے کہا:

”پیارے رافع۔ ذرا دیر کی اجازت دے دو میں تمہارے خاطر عدالت کسائی“۔

رافع نے براہ منہ بنا کر شامینا کو دیکھا۔ شامینا سمجھ گئی کہ رافع کو اس کا جاننا گوارا نہیں۔ بولی:

”رافع۔ میں تمہاری بہن۔ صرف تمہاری۔ ان کم بختوں کی مدد مجھے حاصل کرنا ہے۔ ذرا سی دلداری کرنے میں کیا ہرج یہ سب مجھے دیکھنے میں آگئے ہیں۔“

رافع کی سمجھ میں اس کی بات آگئی۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے اجازت دے دی۔

شامینا، رافع کے پاس سے اٹھ کر آسٹریلیا کے سالار کے پاس گئی۔ جگہ اس کے کان میں کچھ کہا۔ سپہ سالار نے ہن ہن کر اپنا سر ہلایا۔

شامینا نے ایک جام بھرا۔ پھر اپنا پرکشش سراپا سپہ سالار کے اوپر اس حد تک بھکیا جیسے اب وہ اس پر گر پڑے۔ سپہ سالار نے گھبرا کر شامینا کو سنبھالنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیے۔ ٹھیک اسی وقت شامینا تنص نے انداز میں تیزی سے چکر کھا کر اس طرح سیدھی ہو گئی کہ سپہ سالار پکڑ کر نہ گیا۔۔۔۔ اور اس کے شامینا کی طرف بڑھے اپنے ہاتھ بڑھے کے بڑھد گئے۔

حاضرین محفل نے شامینا کے اس انداز دلبری کی دل کھول کر داد دی اور سالار ہاٹ تھیں کے نعروں اور زبانیوں سے لوٹا اٹھا۔

پھر نیوٹرپا کے سالار کے پاس جا کر شامینا نے جام بھرا اور سپہ سالار کے سر سے دو ٹاپ اوچا ہاتھ کر کے بھرا ہوا زچہ ڈھریا۔ نیوٹرپا کے سردار نے اپنا سر بچانے کے لیے گردن دوسری طرف کر لی لیکن شامینا نے کمال عمارت سے ہٹے ہوئے جام کو بچ بچ میں اچکایا اور اس سے ایک قطرہ شراب بھی باہر نہ گر سکی۔ شامینا کے اس کمال پر بھی لوگوں نے ہوا دی۔

شامینا سے شکست کھانے والا تیسرا نمائندہ بگڑی کا سپہ سالار تھا۔ شامینا، شراب سے بھرا ہوا گلاس لے کر منہنی ہوئی اس کے پاس گئی۔ اس نے گلاس کو بائیں اسی طرح ہوا میں اچکایا جس طرح نیوٹرپا کے سپہ سالار کے لیے اچھا لاقہ لگا۔ بہنیں جا کر دائیں بائیں پیچھے لے کھائے لیکن نفع نہ ہوئے۔ اسے پہلے شامینا نے اسے اپنی پیچھے پھٹی پر اس طرح روک دیا کہ وہ شامینا کے گلاس میں نیس کوئی پھول ہے۔

شامینا کے اس کمال پر پوری عقل حیران رہ گئی۔ لوگوں نے خوب تائیاں بیٹھیں اور تعریف کے ڈھنگ سے برساتے شامینا نے اپنے دلچسپ کلمات کا انظار کر کے تینوں مخالف سرداروں کے دل جیت لیے۔ ان کے دل میں شامینا

کی طرف سے اگر کچھ شرمندگی یا نفرت پیدا ہوئی تھی تو وہ خود بخود دور ہو گئی۔

شامینا دہس آ کر پھر رافع کے پاس بیٹھ گئی۔

شراب کی تیزی اپنا رنگ دکھانے لگی۔ اس کا نشہ ہزار ہائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لیے اسے ام الجائیش کہا گیا ہے۔

لوگوں کے قدم بسکے گئے، ہاتھ پیروں کی لورزش بڑھ گئی، شرم کے پردے تو موجود ہی نہ تھے، اگرنگی تو ان کی آنکھوں میں کچھ حجاب باقی تھا تو وہ رنگ محفل کی نذر ہو گیا۔ چھینا، چھٹی اور پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔

رافع کو ہر غلطی پیدا ہو کر اس کی محبوبہ کو کہیں کوئی اڑا لے جائے۔ اس نے آہستہ سے شامینا کا ہاتھ پکڑا اور ہال کے برابر ایک کمرے میں چلا گیا۔

”شامینا! مجھے یہ باتیں پسند نہیں! رافع نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

شامینا کی آنکھوں کے ڈورے بھی شراب کی مستی سے سرخ ہو چکے تھے۔ اس نے غور نظروں سے رافع کو دیکھ کر پھر اس پر ہلکتے ہوئے بولی:

”کیا غلطی ہوئی تھی مجھ سے مسلم نوجوان؟“

رافع چپکی لیتے ہوئے بولا:

”تم سے تو غلطی نہیں ہوئی لیکن یہ کیا طریقہ ہے۔ جس نے جس کا چاہا، ہاتھ پکڑ لیا۔ ہماری تہذیب اس کی اجازت نہیں دیتی۔“

شامینا نے ایک ہلکا سا ہنسنے لگا۔ دوسرا جام رافع کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

”رافع! تمہاری تہذیب تو شراب کی بھی اجازت نہیں دیتی۔“

رافع کا سارے کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ ایک لمحے کے لیے کانپا۔ اس کی روح کے تمام راز جیسے ایک ساتھ بچھڑ گئے۔ روح سے اٹھنے والی آواز شامینا کے شیطانی قہقروں میں ڈوب گئی۔ اس نے قہقہراتے ہاتھ سے جام نیا اور ایک ہی سانس میں سلیقے سے اتار لیا۔

”یہ بزمِ نشہ ہے رافع۔“

شامینا کہہ رہی تھی:

”یہاں کوئی کسی کی کلیکت نہیں۔ زندگی، عشرت کا نام ہے۔ میں نے تو پورا عشرت کدہ تمہارے حوالے کر دیا ہے۔

آسٹریٹا، نیوسٹر یا اور سیٹی بھنا کی کون سی حسیں ہر جہاں اس محفل میں نہیں۔ یہ پیرستان ہے رافع، پیرستان۔ تم اس کے رعبہ پورا رہو۔“

رافع نہ صرف شامینا کے حسن کا اسیر تھا۔ نشہ میں مدہوش ہونے کے باوجود بولا:

”شامینا! میں صرف تمہیں چاہتا ہوں اور صرف تمہیں اپنا نا چاہتا ہوں۔“

”میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں رافع۔“ شامینا شراب پیسنے کی عادی تھی، ہوش مندوں کی طرح بولی:

”لیکن ابھی میں سب کی کلیکت ہوں۔ یہ بڑے بڑے سردار صرف میرے نام پر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں ان کی ہر خوشی اور آرزو پوری کرنے پر مجبور ہوں لیکن یہ صرف تم پوچھو جس کی وجہ سے میں نے ان سے پرہیز کیا۔ ان سے دور رہی ورنہ یہ تو وہ سردار ہیں کہ اگر شمزادی ایکوٹین بھی یہاں ہوتی تو ان کے ساتھ رقص کرنے میں غور کرتی۔“

”میں تمہارا شکر گزار ہوں شامینا! رافع نے اس کی گزلیوں کو درست کرتے ہوئے کہا:

”اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم صرف اور صرف میری ہو جاؤ۔ عثمان نے شمزادی ایکوٹین سے شادی کی ہے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

شامینا سنجیدہ ہو گئی۔ بولی:

”رافع! تم میں اور عثمان میں بڑا فرق ہے۔ عثمان، ہسپانیہ کے ایک علائقہ کا خود مختار حاکم ہے۔ شمزادی اس کی ملکہ بن گئی ہے۔“

رافع کے ہاتھوں کے طوطے ہی نہیں اڑے بلکہ ہاتھ سے ساغر بھی چھوٹ گیا۔ گھبر کے بولا:

”تو کیا تم مجھ سے شادی نہ کر دو؟“

شامینا نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

”تم کہہ سکتے ہو کہ میرا مرتبہ شمزادی ایکوٹین کے برابر نہیں بلکہ ڈیوک کے سالاہ کی بہن ہوں لیکن شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس وقت پورے فرانس میں مجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی دو شہزادہ نہیں۔ اس بات کا اعتراف خود شمزادی ایکوٹین بھی کر چکی ہے۔“

رافع افسردگی سے بولا:

”تو پھر میں تمہاری طرف سے ہاوس ہو جاؤں شامینا!“

رافع کی آواز میں بڑا درد تھا۔ شامینا کی باتوں سے اس کے دل کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ غامیہ کو پلکے دہ اپنا دھڑا دھڑا دھڑا اور خود اپنے کو بھی بھول گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شامینا کے ساتھ شادی کر کے فرانس ہی میں رہ جائے گا۔ لیکن اس کے خواب کے تانے بانے بکھر گئے۔

شامینا نے اس سنجیدگی سے جواب دیا:

”رافع! تمہارے دوست اور امیر عثمان کے سر پر تاج ہے۔ شمزادی ایکوٹین کے سر پر بھی تاج رکھا جائے گا میری

کے پاس ہے۔

رافعہ نے وضاحت کی:

"عثمان کو صرف بربر فوجیوں کا گھنٹہ ہے لیکن تمام بربر قبیلے میرا دم بھرتے ہیں۔ میں جس طرف جاؤں انہیں گھما دوں..... فرانس اور ہسپانیہ کی جنوب مشرقی سرحد پر بربر قبیلوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ وادی ایبرو پر بربر قبیلے کے لوگ قابض ہیں۔ میں ایک لمحے میں عثمان کو نکال باہر کر سکتا ہوں۔ عثمان کو میری ضرورت تھی۔ اس نے اسی لیے مجھے اپنا نائب بنایا ہے۔"

شامینا کے لیے یہ بالکل نئی اطلاع تھی۔ اسے رافعہ سے کس حد تک دلچسپی، انس یا محبت تھی اس کا حال تو اس کا دل ہی جانتا تھا لیکن اس خبر سے رافعہ میں اس کی دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی۔

شامینا نے بالکل سرسری طور پر پوچھا:

"اس کا مطلب ہے کہ تم عثمان کو صلیب کے تحت سے بے دخل کرنے کے خود وہاں کے حکم بن سکتے ہو؟"

شامینا کا سوال بڑی اہمیت رکھتا تھا لیکن اس نے انداز ایسا اختیار کیا جیسے یہ کوئی خاص بات نہ ہو۔ رافعہ کو اچھے اہمیت جتنے کا موقع مل گیا۔ اگر نہ کرنا:

"شامینا اگر تم شہزادی ایکویٹس کو بیوہ دیکھنا پسند کرو تو یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ وادی ایبرو کے بربر قبائل، جس البرکات کی امارت مجھے دینا چاہتے تھے لیکن میں نے خود ہی عثمان کو وہاں کا والی مقرر کرنے کی حمایت کی تھی۔"

شامینا کو جو معلوم کرنا تھا، وہ اس نے کر لیا۔ بات ملتے ہوئے بولی:

"خیر اس سلسلے میں پھر کبھی اور بات ہوگی۔ میں نے تمہیں اپنے لیے پسند کیا ہے رافعہ۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

ڈیوک تمہیں جس امتحان میں ڈالیں گے میں تمہارا ساتھ دوں گی لیکن تمہیں تھوڑا عرصہ کرنا ہوگا۔ یہ سمجھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی

میں ہم سب کا بھلا ہے۔ اگر مسلمان فرانس پر قابض ہو گئے تو نہ ہم رہیں گے اور نہ کوئی تمہیں پوچھے گا۔ ہماری قسمت فرانس

سے وابستہ ہے۔ ہمیں فرانس کو ہر قیمت پر بچانا ہے۔"

شامینا کی گفتگو نے رافعہ پر واضح کر دیا کہ شامینا کا حصول اس کے لیے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ خود

اپنے طور پر عیسائیوں کے لیے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیتا۔

قلعہ بورڈیو کی ضیافت کے منگائے تین روز جاری رہے۔

رافعہ نے ان محفلوں میں شرکت سے خود ہی گریز کرنا شروع کر دیا۔ وہ جان گیا کہ شامینا نے پہلی شب تو اس کی وجہ

سے علاقائی سپہ سالاروں سے بے اعتنائی برتی تھی لیکن شاید اب وہ میراؤن کی خاطر وزارت سے پہلو تہی نہ کر سکے گی۔

اور ہوا بھی یہی!

بھی یہی خواہش ہے۔ میں بھی کسو تا جدار کسکھ بنا چاہتی ہوں۔"

رافعہ کی رہی سہی امید کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مردہ آواز میں بولا:

"شامینا! اگر تمہیں کسی حکمران اور تاجدار کی خواہش تھی تو پھر تم نے مجھ غریب پر اتنی فوارش کیوں کی۔ مجھے اس

قرب کیوں آنے دیا کہ میں تمہیں اپنا بھتیجا بناؤں؟"

"میں بھی تمہیں اپنا ہی سمجھتی ہوں رافعہ۔" شامینا نے اسے تسلی دی۔

رافعہ کے مردہ دل میں امید کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ کانوں میں شنائیاں سی بجھنے لگیں۔ اس نے خوش ہوتے

ہوئے پوچھا:

"کیا سچ۔ تم سچ مجھے اپنا بھتیجا ہو۔ میں تمہیں حاصل کر سکوں گا؟"

"گوشتش سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے رافعہ۔"

شامینا نے پینتر ابدل:

"میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں رافعہ۔ میری شادی یوڈیس، ڈیوک آف ایکویٹس کریں گے۔ وہ میری بڑی سے بڑی

قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دعوت اسی سلسلے میں دی گئی ہے۔"

رافعہ کی امید کا چراغ پھر جھلنے لگا۔ دل گرفتگی سے بولا:

"میں تو بالکل خالی ہاتھ ہوں شامینا۔ میں کس طرح قیمت ادا کروں گا؟"

شامینا اسے امید ویم کے چکر میں الجھاتے ہوئے بولی:

"میرا جب تک پتھر میں چھپا رہے ہیرا نہیں نکلتا۔ تمہیں بھی بہت سی غویاں پوشیدہ ہیں رافعہ۔ فیصلہ تو ڈیوک

کو کرنا ہے لیکن میں تمہیں ڈیوک کے سامنے اتنا مر بند کر کے پیش کرنا چاہتی ہوں کہ وہ انکار ہی نہ کر سکیں۔"

شامینا نے اسے الجھایا اور وہ الجھ کر رہ گیا۔

رافعہ کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"شامینا کو درد ہوتے ہوئے بھی مجھ میں ایک خوبی یا طاقت ہے۔ اس کا میں اظہار بھی کر سکتا ہوں لیکن شاید تم

اسے پسند نہ کرو۔"

"کتنی طاقت ہے تم میں؟" شامینا نے دلچسپی سے پوچھا۔

رافعہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا:

"میں عثمان کی محرومت کا تئہ لٹ سکتا ہوں؟"

شامینا نے اسے تعجب سے دیکھا۔ پوچھا: "وہ کس طرح؟ تم تو اس کے ماتحت ہو۔ ساری فوجی طاقت عثمان

شامینا نے صبراً بولی آکا ز میں جواب دیا:

"محترم ڈیوک میرا بیانی ملک کے مفاد پر قربان ہو گیا ہے تو میں اسے شہید کہوں گی۔ ہاں اگر رافع نے اسے تنہا لے لیا ہے تو میں اس کا خون ان کے انتقام کوں گی لیکن رافع جو کچھ ظاہر میں نظر آ رہا ہے وہ نہیں ہے۔ یہ کھوٹا بندہ بھی نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔"

"اچھا، تمہیں اس کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے؟" ڈیوک نے تعجب سے پوچھا۔ رافعی سے گزر کر دونوں ڈیوک کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ڈیوک کے دل میں اک خلش سی پیدا ہو گئی۔ اس نے پھر سوال کیا:

"تم رافع کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں؟"

شامینا، ڈیوک کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی:

"جہاں ڈیوک۔ ہسپانیہ کی وادی لیبروسے تو آپ واقف ہوں گے۔"

ڈیوک سوچتے ہوئے بولا:

"مجھے صرف اتنا بتا گیا ہے کہ وادی لیبروس میں وہ لوگ آباد ہیں جو مسلم حملہ آور طارق بن زیاد کے ساتھ فریقے سے آئے تھے۔"

شامینا نے ڈیوک کی بات کی تصدیق کی:

"جی محترم ڈیوک۔ یہ لوگ افریقہ کی بربر قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ طارق کی اصل طاقت ہی بربر لوگ تھے۔ اور آج بھی اس قوم کے آثاروں پر ہسپانیہ کی مسلم حکومتیں اٹھتی رہتی ہیں۔ رافع اسی قوم کا فرد ہے۔"

"لیکن..... ڈیوک ذرا غور کر لیا:"

"ہماری سرحد کے اس پار تودارا البرکات کی حکومت ہے اس کا حاکم عثمان ہے۔ معاہدے کے ذریعہ وہ ہمارا حلیف بن چکا ہے۔"

"محترم ڈیوک..... شامینا نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"ریاست دارالبرکات کی حدود میں بربر قوم کی اکثریت ہے۔ رافع اس قوم کا مرد ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس کی قوم اُسے حاکم بنانا چاہتی تھی لیکن اس نے خودیہ اعزاز اس نے خود عثمان کو پیش کر دیا۔"

حاکم دارالبرکات اب ڈیوک کا دادا بن چکا تھا۔ ڈیوک اب تک رافع کو ایک مہرہ سمجھتا تھا لیکن اب اسے رافع کی طرف سے ایک مہم باخیز پیدا ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

"شاید تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ رافع، عثمان سے زیادہ طاقتور ہے۔"

شامینا نے بہت کچھ کہنے کے بعد بھی کچھ نہ کھویا۔ وہ ایسی محفلوں اور ان کے غاہرو باطن، رسوم و اطوار سے بخوبی واقف تھی اور تہذیبی طور پر یہ باتیں فطری اور ضروری خیال کرتی تھی۔ "...ہاں، اس نے حاصل بہت کچھ کیا۔ چند لمحوں کی ہم نشینی کے صلے میں ہر سپہ سالار نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی ریاستوں کے حکمرانوں کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنے اختلافات جلد کر وقت ضرورت ڈیوک آف ایکویٹین کی مدد کریں۔"

شامینا کا مقصد یہ تھا۔ ڈیوک آف ایکویٹین نے اسے اسی مقصد کے لیے بورڈ بھیجا تھا۔ اس سوسے بازی میں ڈیوک کو نفع ہی نفع حاصل ہوا اس کے پاس سے کچھ نہ گیا۔



ڈیوک آف ایکویٹین نے فورس کے محل میں شامینا کا پرتپاک استقبال کیا۔ وہ شامینا سے مل کے اس قدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی کی جدائی کا غم بھی بھول گیا۔ اس نے شامینا کو اپنی بیٹی کی طرح گلے لگایا۔

جس وقت ڈیوک شامینا کو گلے لگا رہا تھا تو دل اندر سے جیسے کہہ رہا تھا کہ جو کام شامینا نے کیا، وہ کام شاید اس کی بیٹی بھی نہ کر سکتی۔

رافع، شامینا کے ساتھ ساتھ تھا۔ ڈیوک نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس نے شامینا کا ہاتھ پکڑا اور اسے اندر کی طرف لے گیا۔

شامینا کو فوراً رافع کا خیال آیا۔ اس نے قدم روک کر رافع کو دیکھا۔ رافع اس کے پیچھے اندر آنے کے لیے قدم زول رہا تھا۔

شامینا نے مسکرا کے کہا:

"رافع، تم سفر کی تنگانی میں مبتلا ہو۔ ذرا آرام کرو۔ میں ڈیوک کی گفتگو کے بعد تمہارے پاس آ جاؤں گی۔"

رافع جہاں تھا وہیں رک گیا۔

ڈیوک نے آگے بڑھتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا:

"شامینا۔ ہم نے تمہیں رافع کی تواضع کا حکم دیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اسے سر پر چڑھاؤ۔ رافع محض ہمارا ایک مہرہ ہے۔ کھوٹا سا سکہ۔ شاید کبھی کام آجائے ورنہ تمہارے بھائی ڈگلس کا انتقام اس کے خون سے یا جلیگا۔ ڈگلس کے نام پر شامینا آج ہی میری بیٹی گئی۔"

ڈگلس کو جن البرکات کے والی عثمان نے اپنے بہاں روک لیا تھا لیکن عام خیال تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے ملاقاتی ڈیو کوں کو دعوت نامے بھیجے تھے لیکن میں محض ایک سید سالار کی بہن ہوں،
ڈیو کی بہن یا بیٹی نہیں..... لیکن میرا خیال ہے کہ اگر دعوت نامے آپ کی طرف سے بھیجے جاتے تو ریاستی
بینک شرکت کی امید کی جاسکتی تھی۔
تم غلط سوچ رہی ہو شامینا۔

ڈیو کی برہم ہو گیا:
"یہ تمام ڈیو کی انتہائی خود سر میں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ فرانس کی مرکزی حکومت نے اپنا معمولی ٹائٹل بھیجنے کی
بجائے گوارا نہیں کی۔"

انہیں محترم ڈیو کی شامینا نے منہل کر کہا:
"شاید میں آپ کو اطلاع دینا بھول گئی۔ شمشاہہ فرانس کا فاضل زبانی پیغام لے کر آیا تھا۔ یہ پیغام شمشاہہ قیصری چام
یا کائناتے وزیر اعظم چارلس مارٹل کی طرف سے تھا۔ وزیر اعظم نے اپنے پیغام میں شکوہ کیا تھا کہ مرکزی حکومت کے کسی ذمہ دار
کو ہانے کے لیے ریاست کے سربراہ کو درخواست کرنی چاہیے تھی۔ میرا خیال ہے کہ چارلس مارٹل کا یہ شکوہ دراعظمین
بجائے۔ میں نے پیسے ہی القاب کی تھی کہ تمام سربراہوں کو آپ اپنی طرف سے مدعو کریں۔"

ڈیو کی آہٹ اکیوٹین کو چارلس مارٹل کی طرف سے قاعدہ کے لیے خبر سے بڑی مسرت ہوئی۔ مارٹل اس قدر بطینت
درخواست کر رہا تھا کہ ریاستی حکمرانوں کے خطوط کا جواب دینا تو درکنار اگر کوئی ڈیو کی، شمشاہہ فرانس سے ملاقات کے لیے بھی
ہانا مارٹل کے حکم سے اسے مفتوں انتظار کرنا پڑتا۔

در اصل جرمین دہشت پسندوں کو شکست دینے کے بعد چارلس مارٹل نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ اس کے
ماننے شمشاہہ فرانس بھی منہ کھولنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ تمام افواج مارٹل کے قبضے میں تھیں۔ اس نے عیسائی پادریوں کو نالو
بے جواب دیے تھے۔ کئی ایک کو برسرِ قتل کر دیا تھا۔

شامینا، اگر میں ضرورت کے وقت چارلس مارٹل سے فوجی مدد طلب کروں تو کیا وہ آمادہ ہو جائے گا؟ ڈیو کی نے
ناخوش اس طرح پوچھا جیسے وہ اس کی فوجی میشر ہو۔

شامینا نے اس کا دماغ ٹھکانے دیکھا تو مسکرا کر کہا:

ڈیو کی آہٹ اکیوٹین آپ کو اپنی عظمت اور مرتبہ کا علم نہیں۔ آپ سرحدی علاقے کے حکمران ہیں۔ سمندری اور
بڑی دونوں راستوں کے آپ محافظ ہیں۔ بہ کار چارلس مارٹل جتنا بہادر ہے اتنا ہی عقلمند بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ
آپ اس سے کوئی درخواست کریں یا اس سے ملاقات کے لیے جائیں تو وہ آپ سے بہت احسان سے پیش
آئے گا۔

شامینا بڑی عیا ری تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈیو کی، رافع کو عثمان سے افسل سمجھنے پر کسی طرح راضی نہ ہوگا۔ اس نے
فوراً اس خطرے کی کاٹکی بولی:

"میرا مقصد یہ ہرگز نہیں۔ رافع، عثمان کا نائب اور انتہائی وفادار دوست ہے۔ میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر
آپ رافع کو اپنی ہر باتوں سے نوازتے رہے تو ہسپانیہ کی بربر قوم ہمیشہ آپ کے قدموں تلے رہے گی۔
شامینا نے بڑی عیا ری اور مکاری سے ڈیو کی کے شکوک رفع کر دیے۔
ڈیو کی خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

"شامینا، تم تو ہمارے قصور سے بھی زیادہ عقلمند لگیں۔ بورڈ ڈیو کی ضیافت کے لیے ہم نے تمہارا انتخاب کر کے
کوئی غلطی نہیں کی۔"

"اور رافع کو اپنی گرفت میں رکھ کے بھی ڈیو کی نے کمال دانائی کا ثبوت دیا ہے۔" شامینا نے ڈیو کی کو اور زیادہ
باس پر چڑھا دیا۔

"میشر چوڑا اس مسئلے کو۔" ڈیو کی نے بات کا رخ بدلا:

"تمہارے خاصہ دوں کے ذریعے ہیں تمہاری کامیابی؟" فوجی ہستی میں لیکن اب جبکہ ہمارے دشمن اپنے ٹھکانوں
پر پہنچ چکے ہیں، تم کیا محسوس کرتی ہو؟ کیا مسلمانوں کے متوقع خطرے سے فرانس کی دوسری ریاستیں بھی اسی طرح خطرہ
میں یا وہ سوچ رہی ہیں کہ یہ صرف ڈیو کی آہٹ اکیوٹین کا مسئلہ ہے۔"

"ڈیو کی محترم کا شبہ اور اندازہ درست ہے۔ شامینا سمجھ گئی سے بولی:

"پہلی ملاقات میں تو ہر سید سالار اسے محض ایک ضیافت ہی سمجھ رہا تھا لیکن جب میں نے انہیں فردا فردا تفصیل
کے ساتھ آگے والے خطرے سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس پر کان دھرے اور پھر اسے ایک مشترکہ مسئلہ سمجھ کے
گفتگو کی۔"

"انہوں نے کسی مشترکہ فوجی کمان کا خیال ظاہر نہیں کیا؟ ڈیو کی نے صاف الفاظ میں دریافت کیا۔

یہ خیال میں نے خود ان کے سامنے پیش کیا تھا۔" شامینا نے ہلکا بھلکا کہا:

"سالار ان فوج نے اس خیال کی تائید کی لیکن وہ باختیار تو نہیں۔ وہ اپنے حکمرانوں سے گفتگو کر کے ہیں مطلع
کریں گے۔"

ڈیو کی کچھ جھٹکا گیا۔ بولا:

"اگر وہ بے اختیار سمجھے تو پھر انہوں نے یہ دعوت قبول کرے گی، کیوں کہ ان کے حکمران کیوں نہیں آئے؟"

"اور آپ نے اس ضیافت میں کیوں شرکت نہیں کی؟ ڈیو کی محترم؟" شامینا نے الٹا ڈیو کی سے سوال کر دیا:

اسی دوران ایکسپرٹن کے سپہ سالار کے آنے کی خبر دی گئی۔

نکولس، شامینا کا بڑا بھائی تھا۔ شامینا نے ابھی تک بھائی سے ملاقات نہیں کی تھی۔ وہ بورڈ لوے واپس پر سیدھی ڈیوٹ کے ساتھ بیاں چلی آئی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈیوٹ کی خشک باتوں سے اسے الجھن بھی ہو رہی تھی۔ ڈیوٹ ابھی کچھ دیر اور اس کا دانا چرنا لیکن نکولس کی آمد کی وجہ سے اس نے شامینا کو اجازت دے دی۔
شامینا باہر آ کر بھائی سے ملی اور کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد سیدھی رافع کے پاس پہنچ گئی۔



شامینا نے رافع کو اپنے ہی مکان میں جگہ دی تھی۔ اس کا بھائی رافع کو ابھی نظر سے نہ دیکھتا تھا لیکن یہ حکم تو ڈیوٹ کی طرف سے تھا پھر وہ کیسے مخالفت کرتا۔

رافع کا ختام شامینا کے برابر والے کمرے میں تھا۔ وہ دونوں دن اور رات کا زیادہ وقت ایک ساتھ ہی گزارتے۔ شامینا کی اکثر راتیں تو رافع کے کمرے ہی میں باتیں کرتے، قہقہے کھیلتے اور زلفوں کے الجھنے سلجھنے میں گزار جاتیں۔ رافع بھاگ کر کمرے کے دروازے پر آگیا۔ اس نے شامینا کے دونوں ہاتھ اس قدر تیزی سے پکڑے کہ شامینا اپنا توازن بھی برقرار نہ رکھ سکی۔ اگر رافع اسے قوری طور پر اپنی باہوں کا سہارا نہ دیتا تو شاید وہ گر ہی جاتی۔

”ہوش میں آؤ رافع۔ یہ کیا دیوانگی ہے۔“ شامینا مصنوعی غصے سے بولی۔ حالانکہ ایسی باتوں میں جھولنا اس کا معمول تھا۔

”شامینا مجھے بتاؤ۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟“ رافع نے عجیب و غریب انداز میں اسے بھنجوڑ ڈالا۔

”کیا بتاؤں؟“ شامینا اٹھلا اٹھی۔

”پہلے تم ہوش میں آؤ تو کچھ بتاؤں بھی۔“

رافع نے بڑی سعادت مندی سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ مخمب ہو کے بولا:

”اب بتاؤ۔ میں بالکل ہوش میں ہوں۔“

”کیا بتاؤں۔ کچھ پوچھو تو سہی۔“ شامینا کو اس کی وحشت اور بوکھلاہٹ پر ہنسی آگئی۔

رافع مردہ آواز میں بولا:

”شامینا۔ میں نہیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ میں کون سا ایسا کام کروں جس سے تمہارا ڈیوٹ

پورا نہیں مجھے بخش دے۔“

”واہ۔ میں کوئی مدد کرنے کی چیز ہوں۔ جو چاہے بخش دے۔“ شامینا اٹھلا کے بولی۔

رافع اس کی طرف کھٹکے تھوٹے بولا:

”میرے لیے تو تم دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہو۔ مگر ڈیوٹ تو تمہارا سودا کرنا چاہتا ہے۔“

”تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے رافع۔“

شامینا کی آواز جیسے ٹھس لگی:

”ڈیوٹ میری قیمت مقرر کر سکتا ہے لیکن آخری فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے اور میرا فیصلہ۔۔۔۔۔ اور شامینا

بسم کی جگہ لگنے لگی۔

شامینا کو اتنا خوش دیکھ کر رافع کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے کہا:

”اور تمہارا فیصلہ شاید میرے حق میں ہوگا۔“

شامینا ک دم سنجیدہ ہو گئی جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ بولی:

”رافع۔ تمہیں واقعی مجھ سے بہت محبت ہے؟“

”اس میں شبہ کیلے۔ آؤ انا کے دیکھو۔“

”ایک بات پوچھوں۔ سچ بتاؤ گے؟“

”کیوں نہیں تم سے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں۔“

شامینا نے اس کے کانٹے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”اچھا تو پھر جس کو سب سے زیادہ چاہتے ہو اس کی قسم کھا کر بتاؤ کہ میرا بھائی ڈگلس کہاں ہے؟“

رافع کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

وہ ایسا گھبراہٹ سے سینے کے نیچے سے قطرے اس کی پیشانی پر بھجک اٹھے۔ اس نے گردن جھکالی۔ شامینا

آنکھیں ملنے لگی اسے جرات نہ ہو رہی تھی۔

یہ سوال شامینا نے اس سے پہلے ہی کیا تھا لیکن اس وقت رافع، شامینا کا اتنا والا و مشیڈا نہ تھا۔ وہ بڑی صفائی

سے بات ٹال گیا تھا لیکن جب شامینا نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا تھا کہ ڈگلس بڑے آرام سے قلعہ البرکات میں رہ

رہا ہے لیکن اس وقت جھوٹ بولنے کی اسے ہمت نہ ہو رہی تھی۔ الفاذا اس کے حلق میں اٹک رہے تھے۔

”بس۔ ایسی پر محبت کا دعویٰ تھا۔“ شامینا انتہائی غصے سے بولی۔

”میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔“ رافع نے ایک ایک کر کے کہا: ”لیکن پہلے تم

مجھے معاف کر دو۔

شامینا بھڑک اٹھی۔ چیخ کر بولی:

"کدے کی معافی مانگ رہے ہو۔ کیا تم نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے؟"

"نہیں نہیں شامینا۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

رافعہ خوشامد کرنے لگا:

"میں معافی اس بات کی مانگ رہا ہوں کہ میں نے تمہیں پہلے حقیقت سے آگاہ نہیں کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ تم حقیقت

جان کر مجھ سے بھی نفرت نہ کرنے لگو۔"

شامینا کو یہ تو یقین ہو گیا کہ اس کا بھائی مارا جا چکا ہے۔ وہ بڑے دل گردے والی عورت تھی۔ پھر رافعہ کے

پاس بیٹھ گئی۔ بولی:

"رافعہ۔ تم جس حقیقت کو چھپا رہے ہو، وہ یہ ہے کہ میرا بھائی ڈگلس کسی کے ہاتھ سے مارا جا چکا ہے اور وہ

ہاتھ تمہارا نہیں ہے۔"

بات کھل چکی تھی۔ رافعہ منبھل کر بولا:

"شامینا۔ میں بڑے افسوس کے ساتھ تمہارے اس خیال کی تصدیق کرتا ہوں:

"لیکن اسے کیوں قتل کیا گیا۔ کون ہے اس کا قاتل؟" بھائی کی محبت نے اس پر دیوانگی طاری کر دی۔

"عثمان۔ شہزادی ایکویٹن کا شوہر۔" رافعہ نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

"عثمان۔ عثمان نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔" شامینا دیوانگی کے عالم میں بولی:

"عثمان۔ میں تجھے کبھی معاف نہ کروں گی۔ میں انتقام لوں گی۔ تو زندہ نہیں رہ سکتا عثمان۔ خداوند یسوع مسیح

تجھے پر اپنا قہر نازل کرے۔ میں تیرے سر سے تاج چھین لوں گی۔ تیرے عمل میں آگ لگا دوں گی۔"

شامینا دیر تک دیوانوں کی طرح بڑبڑاتی رہی۔

رافعہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اسے کس طرح سمجھنے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر شامینا نے قتل

کی تفصیل پوچھی تو وہ کیا بتائے گا۔ ڈگلس کے قتل کا ذمہ دار تو عثمان تھا لیکن ڈگلس کی موت دواصل عثمان کی کینز کے خنجر

سے ہوئی تھی۔ رافعہ نے فیصلہ کیا کہ وہ کینز کے بجائے عثمان ہی کو ڈگلس کا قاتل ظاہر کرے گا۔

شامینا کے ذرا ہوش ٹھکانے ہوئے تو اس نے وہی سوال کیا جس کی امید رافعہ کو تھی۔ شامینا نے کہا:

"رافعہ۔ تم نے یہ اچھا کیا۔ اگر تم نے مجھے اس کی اطلاع پہلے دی ہوتی تو میں..... وہ کہتے کہتے رہی۔ پھر ذرا

ٹھہر کے پوچھا: "مگر یہ سب ہوا کیسے۔ عثمان کی ڈگلس سے کیا دشمنی تھی؟"

رافعہ جواب کو ذہن میں ترتیب دے چکا تھا۔ اس نے بتایا:

"شامینا دراصل یہ سب کچھ رقابت کی وجہ سے ہوا عثمان پہلی ملاقات میں شہزادی پر عاشق ہو گیا تھا۔ پھر

شہزادی، ڈگلس کے ساتھ قلعہ البرکات گئی۔ شہزادی، ڈگلس کو باہر چھوڑ کے عثمان سے ملنے اندر چلی گئی۔ ممکن ہے کہ

ڈگلس کو شہزادی اور عثمان کی محبت کا پسے سے علم ہو گیا۔ جب ان دونوں کے ہنس ہنس کر باتیں کرنے کی آواز ڈگلس نے

سنی تو برداشت نہ کر سکا اور اندر چلا گیا۔ عثمان نے اپنے محافظوں کی مدد سے ڈگلس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔"

"تم نے یہ سب کیسے دیکھا رافعہ؟" شامینا نے چونک کر پوچھا اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

رافعہ نے بغیر کسی گھبراہٹ کے فوراً جواب دیا:

"میں اس وقت اپنے گھر میں تھا۔ قتل کے بعد عثمان نے مجھے بلوایا اور لاش کو نہایت پرستیدگی سے ٹھکانے لگانے

کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ عثمان نے مجھے یہ بھی حکم دیا کہ میں ڈگلس کے کپڑے پہن کر چہرے پر نقاب چڑھا لوں۔ میں نے

اس کے حکم کی تعمیل کی اور جب تک شہزادی ایکویٹن قلعہ میں رہی، میں ڈگلس کے لباس میں گھومتا پھرتا رہا۔ شہزادی کے

کسی دوسرے نقاب پوش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا کہ ڈگلس کے کپڑوں میں، میں موجود ہوں۔"

رافعہ نے بے جھجک گفتگو کی تھی۔ شامینا کا شبہ خود ہی دور ہو گیا لیکن اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس کی

آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ گئی۔ رافعہ اسے جتنی تسلی دیتا وہ اتنا ہی اور روتی۔

اتنے میں خادمہ نے اطلاع دی کہ سپہ سالار نکولس، شامینا کو بلا رہے ہیں۔

شامینا آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی۔ چلتے چلتے رافعہ سے بولی:

"میں کی خبر نکولس کو نہ ہونی چاہیے۔ رافعہ۔ وہ پہلے ہی تمہارے خلاف ہے۔"

شامینا اپنے بھائی کے پاس پہنچی تو کبھی سمجھی سمجھی۔ نکولس کو شبہ ہوا کہ شاید سفر کی ٹکان نے شامینا کو

نڈھال کر دیا ہے۔ اس نے پیار بھر سے اسے کہا:

"شامینا۔ کچھ اپنی منجھی سی جان پر رحم کرو۔ تم نے اتنا لمبا سفر کیا ہے۔ اتنے ہی ڈیوٹیک کے پاس بیٹھ گئیں۔ اب

رافعہ سے باتیں کر رہی ہو۔ جادو پسند آرام کرو۔ میں پھر بات کروں گا۔"

شامینا نے پھلکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا:

"بھائی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ڈیوٹیک نے تو مجھے بڑے گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔

میں تو آپ کے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔"

نکولس مسکراتے ہوئے بولا:

"ڈیوٹیک تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔ کیا پور ڈیوٹیک ضیافت کا میاب رہی؟"

بوڑھا اور اسٹریٹیا کے سپہ سالار کس طبیعت کے لوگ ہیں۔ تم بوڑھوں میں ان لوگوں سے مل چکے ہو۔
بھائی۔ آپ تو چارلس مارٹل کے پاس جا رہے ہیں۔ پھر یہ دوسروں کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟ شامینا
نے ذرا الجھتے ہوئے پوچھا۔

نکولس نے بتایا:
ہے مجھے ان ریاستوں میں جانا ہوگا پھر چارلس مارٹل سے ملوں گا۔ ڈیوک مجھے پناہ خاص نہایتہ بنا کے بھیج رہے
ہیں۔ مجھے ڈیوک کا ایک خط بھی چارلس کو پہنچا ہے۔
خداوند لیو سے پیسے خیر کریں۔ شامینا بولی:
چارلس بڑا نصیحت آدمی ہے۔ برگنڈی، نیوٹر یا اور اسٹریٹیا کے سپہ سالار بڑے خوش اخلاق ہیں۔ ان کے
پیسے الگ الگ خط دے دوں گی۔ مگر آپ کو جانا کب ہے بھائی؟
شامینا اگلے ہفتے۔ نکولس نے کہا:

ڈیوک اپنی بیٹی کی طرف سے بہت پریشان ہے۔ ایک مہینے سے انہیں شہزادی کی کوئی خبر نہیں ملی۔ انہوں نے
شہزادی کی عثمان سے شادی کر کے سنت غلطی کہ ہے۔ عثمان کو میں نے دہری سے دیکھا ہے لیکن وہ مجھے کوئی اچھا آدمی
نہیں لگا۔

عثمان مجھے بھی اچھا نہیں لگا بھائی۔ شامینا خاؤں میں گھورتے ہوئے بولی:
میرا بس چلے تو میرا قتل کر دوں۔

آہستہ بولو شامینا! نکولس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا:

عثمان ڈیوک کا داماد ہے۔ اس نے سن لیا تو تمہارا دشمن ہو جائے گا۔

شامینا جذبات میں آگے کہہ تو گئی لیکن فوراً ہی سنبھل گئی بولی:

”بھائی جو تمہارے وہ بڑا ہی کھلے گا۔ چلے وہ ڈیوک کا داماد ہو یا اس کا باپ ہو۔ عثمان اچھا آدمی نہیں۔ اسے
قتل ہو ہی جانا چاہیے۔“

شامینا شہزادی دیر میٹھ کر پھر رافع کے پاس چلی گئی۔ اب وہی اس کا واحد سارا رہ گیا تھا۔



ڈگلس کو قتل کی خبر کا شامینا پر شدید رد عمل ہوا۔ اس کا دل بھگ گیا۔ پہلے جیسی پنک پنک اور پیک پیک

”جی ہاں بھائی جان۔“ شامینا نے بھی مسکرائے کی کوشش کی:

”مجھے خود بھی اتنی کامیابی کی امید نہ تھی۔“

”اب ڈیوک نے مجھے ایک نیا حکم دیا ہے۔“ نکولس نے ذرا بے دلی سے کہا۔

شامینا کا دل دھڑک اٹھا۔ اس کا ایک بھائی مارا جا چکا تھا۔ دوسرے بھائی کو وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ
دیکھنا چاہتی تھی۔

”کیا حکم چاہیے ڈیوک نے؟ میں آپ کو حکم سے باہر نہ جانے دوں گی۔“ شامینا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”میں حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں شامینا۔“ نکولس پر مزہ دگ سے بولا:

”مجھے باہر جانا ہی پڑے گا۔“

”کہاں بھیجا جا رہا ہے آپ کو؟“ شامینا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”چارلس مارٹل کے پاس۔“

”میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔“

”ڈیوک بہت ضدی ہے شامینا۔“

شامینا چیخت پڑی:

”نہیں نہیں بھائی۔ آپ باہر نہیں جاسکتے۔ میں ڈیوک سے پوچھوں گی ڈگلس کہاں ہے۔ ڈگلس کو واپس بلوایا جائے
جب تک ڈگلس واپس نہیں آتا آپ مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔“

اور شامینا، بھائی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ نکولس کو یہ نہ بتا سکی کہ ڈگلس مارا جا چکا ہے لیکن اسے رونے کا بہانہ مل گیا اور اس نے آنسو بہا کر دل کا غبار
دھکا کر لیا۔ نکولس کو یہی گمان رہا کہ شامینا اپنے بھائیوں سے بہت محبت کرتی ہے۔

نکولس اسے تسلی دیتے ہوئے بولا:

”شامینا، تم ایک سالہ کی بہن ہو۔ تمہارا دل مضبوط ہونا چاہیے۔ میں نے تو تمہیں مشورے کیے بلوایا تھا۔“

تم نے رونا دھنا شروع کر دیا۔

شامینا نے کہا:

”ڈگلس کی جدائی سے میرا دل پیٹے ہی پٹے ہو رہا ہے۔ آپ بھی چلے جائیں گے تو میں کیلے کیسے رہوں

گی۔ آپ ڈیوک سے کہہ کر کسی اور کو چارلس مارٹل کے پاس بھیج دیں۔“

”یہ شامینا! نکولس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ . . . میں کوئی بہانہ نہیں کر سکتا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ برگنڈی

رہی رہنا دیکھا اور رکھ رکھاؤ کی طرف سے بھی وہ لا پرواہ ہو گئی۔ وہ اپنا سارا وقت رافع کے پاس گزارتی۔ رافع اسے ہر طرح کی تسکین دیتا لیکن شامینا کا غم کسی طرح کم نہ ہوتا۔

نکولس کا سفر کچھ دنوں کے لیے ملتوی ہو گیا تھا۔ ڈیوک کف ایک بیروٹین کو خبر ملی تھی کہ سرحد پار مسلمان علاقے میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ مسلم فوجوں کے اجتماع کی افواہ بھی گرم تھی۔ ڈیوک نے نکولس کو روک لیا تھا۔ ایسے خطرناک حالات میں وہ نکولس کو اپنے سے جدا کرنا دانشمندی نہیں سمجھتا تھا۔

نکولس بھی شامینا کی طرف سے حکمران تھا۔ اس کی کھد میں نہ آتا تھا کہ یہ ایک دم اسے کیا ہو گیا ہے۔ پہلے اسے رافع پر شبہ ہوا لیکن جب اس نے دیکھا کہ رافع جو بیس گھنٹے شامینا کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو اس کا دل صاف ہو گیا۔ رافع، شامینا کی خدمت کیوں نہ کرتا۔ اس دنیا پر غیر میں اس کا اگر کوئی بہرہ دہتا تو وہ صرف شامینا ہی تھی۔ ڈیوک نے شامینا کو کچی بار بلوایا مگر وہ نہ لگتی۔ نکولس نے کہلوا یا کہ شامینا بیمار ہے۔ ایک بار ڈیوک خود اسے دیکھنے آیا۔ شامینا نے بہت کم گفتگو کی۔ چہرے سے بھی وہ بیمار لگتی تھی۔ ڈیوک کو اس کی بیماری کا یقین ہو گیا اور اس نے شامینا کو بلوانا چھوڑ دیا۔

ایک صبح رافع کو شامینا کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آئی۔ یوں لگا جیسے وہ بالکل اچھی ہو۔ پہلے ہی کی طرح کھلا کھلا چہرہ۔ شہتی ہوئی شہرتی آنکھیں۔ حالانکہ شامینا کبھی تمام آرات جاگتی رہی تھی۔

رافع نے محبت سے کہا:

”شامی۔ شکر ہے تمہارے چہرے پر رونق تو آئی۔ اب کیا حال ہے تمہارا؟“

رافع جب بہت جذباتی ہو جاتا تو شامینا کو شامی کہتا۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے اس نے شامی کا لفظ اتنی بار استعمال کیا تھا جیسے وہ شامینا تو بھولی گیا تھا۔ شامینا کو بھی شامی کہلوانا اور سننا زیادہ اچھا لگتا تھا۔

شامینا نے رافع کے ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ بولی:

”رافع۔ آج میں بالکل اچھی ہوں۔ میں نے اپنے غم کا علاج ڈھونڈ لیا ہے۔“

وقت سب سے بڑا علاج ہے شامی۔“ رافع نے تسکین دینا چاہا۔

”یہ الیاس جرم سے جو گھر سے گھرے زخم کو بھر دیتا ہے۔“

شامینا مسکرائی۔

اس کے چہرے پر ایک عرصے بعد یہ مسکراہٹ دکھائی دی تھی۔ بولی:

”رافع۔ میرے لیے وقت نہ مہرہم ہے اور نہ علاج۔ میرا زخم تو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔“

علاج تو میں نے خود ڈھونڈ لیا ہے۔“

رافع اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

شامینا نے اعلان کیا:

”میں ہسپانیہ جاؤں گی۔“

رافع نے اسے حیران ہو کر دیکھا:

”تم.... تم ہسپانیہ جاؤ گی.... کیوں؟“

شامینا کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ بولی:

”میں ڈھکس کا انتقام لینے جاؤں گی۔ عثمان کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گی۔“

رافع کی حیرانگی خوف میں بدل گئی۔ ہسپانیہ جانے کا خیال ہی حاکم تھا۔ انگریز۔ نہ کہ عثمان سے انتقام لینے کا

خیال۔ عثمان کی تشہیر زنی سے رافع واقف تھا۔ دو چار آدمی اس پر قابو نہ پاسکتے تھے۔ شامینا کی کیا حیثیت تھی۔

رافع نے شامینا کی مخالفت کرنے کے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کی:

”ٹھیک ہے شامی۔ تم مزور جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا لیکن عثمان بڑا چالاک ہے۔ وہ فوراً سمجھ جائے

کہ تم ڈھکس کی تلاش میں مئی ہو اور پھر.... اس کمبخت سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔“

رافع کی بات معقول تھی۔ شامینا خود ہی قابل ہو گئی۔ انتقام کا اٹھا ہوا طوفان دب گیا۔ وہ ٹھکے ٹھکے انداز

پہنچا:

”پھر کیا کروں رافع۔ انتقام کی آگ مجھے اندر ہی اندر جلا سٹے ڈال رہی ہے۔ عثمان کو زندہ رہنے کا کوئی حق

نہیں.... میں اسے قتل کرنا چاہتی ہوں۔“

”تمہارا انتقام میں لوں گا شامی۔“ رافع نے شامینا کے کان میں کہا:

”میں دلازمہ بات جاؤں گا۔ عثمان میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ اس نے مجھ پر بھی ظلم کیا ہے۔ وہ تمہاری ایکویٹین

سے شادی کر کے ایسا چلا گیا۔ کیا مجھے ساتھ نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس نے مجھے جان بوجھ کر بیاں چھوڑا ہے۔“

”صرف تم ہی میرے سچے دوست ہو رافع۔“ شامینا جذبات سے مغلوب ہو گئی۔ اس نے کپکپاتے ہوئے رافع کے

ہاتھ پر رکھ دیے۔

رافع نے کہا:

”شامی! میں نے تم سے محبت کی ہے لیکن میں تمہارے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی محبت قربان

کروں گا۔“

”یہ کیا کہہ رہا ہے رافع؟“ شامینا نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا: ”تم مجھ پر اتنا بڑا احسان کرو گے

تو کیا میں تمہیں بھول جاؤں گی۔ تم واپس آؤ گے تو میں تمہاری راہ میں آنکھیں پچھاؤں گی رافعہ۔
 رافعہ پھینکی ہنسی پہنتے ہوئے بولا،

”شامی! میں واپس نہیں آؤں گی۔ میں واپس آ بھی کیسے سکتا ہوں۔ عثمان کے قاتل کو ڈیوکی فرانس میں کیسے داخل ہونے دے گا۔ اس کی بیٹی کا سہاگ میرے ہاتھوں اڑے گا۔ وہ مجھے کیسے قبول کرے گا؟
 ادھر تو شامینا کا خیال ہی نہ گیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ رافعہ نے اگر عثمان کو قتل کر دیا تو ڈیوکی اس کا دشمن ہو جائے گا۔ اس کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شامینا اسی ادھیڑ میں تھی کہ ڈیوکی کا بلاوا آ گیا۔ ڈیوکی نے شامینا کو بلانا چھوڑ دیا تھا۔ اس اچانک طلبی سے وہ پریشان ہو گئی۔
 ”ڈیوکی کے پاس کون کون ہے؟“ شامینا نے اپنی تسلی کے لیے چوہدری سے پوچھا۔

چوہدری نے جواب دیا:
 ”صرف سپ سالار بہادر ہیں ان کے پاس۔“
 شامینا کی الجھن بڑھ گئی۔ ٹکوس صبح ہی صبح ڈیوکی کے پاس کیا کہنے گیا؟ شامینا نے چوہدری سے دوایک اور سوال کیے لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔ اس بے چارے کو خبر ہی نہ تھی۔

”تم بھی ساتھ چلو رافعہ! شامینا نے رافعہ سے محض رسوا کہا۔

چوہدری کو جیسے اک دم کچھ یاد آ گیا۔ اس نے جلدی سے کہا:

”ڈیوکی بہادر نے کہا تھا کہ آپ اکیلی تشریف لائیں۔ کوئی اور ساتھ نہ ہو۔“

شامینا کے لیے یہ بات اور زیادہ تعجب انگیز تھی۔ اس نے پوچھا:

”کیا ڈیوکی نے کہا ہے کہ رافعہ کو ساتھ نہ لایا جائے؟“

چوہدری نے سوچتے ہوئے اپنی بات دہرائی:

”جی۔ انھوں نے کہا تھا کہ آپ اکیلی تشریف لائیں۔ کوئی اور ساتھ نہ ہو۔ بس مجھ سے تو یہی کہا تھا۔“

شامینا جھگڑی کہ چوہدری کو کسی بات کا علم نہیں۔ جو اسے حکم ملے وہی بار بار دہرا رہا ہے۔ اس نے رافعہ کو دیکھ کر

چھوڑ ڈالا اور چوہدری کے ساتھ ڈیوکی کی طرف چل پڑی۔

ڈیوکی کو ٹہلنے دیکھ کر شامینا ٹھٹکی۔ جب ڈیوکی پریشانی کے عالم میں ہوتا تو بہت تیز تیز ٹہلتا۔ اس وقت کے ٹہلنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ شامینا گھبرا گئی۔ اس کا بھائی ٹکوس سر جھکاٹے ہاتھ باندھ کھڑا تھا۔ شامینا بڑھکے آگے بڑھی۔

بولا:

”غضب ہو گیا شامینا۔ رافعہ کہا ہے؟“

شامینا کا سارا جسم کانپ اٹھا۔ کئی خیالات ایک ساتھ اس کے ذہن سے گزرائے۔

کیا غضب ہو گیا؟

غضب کا رافعہ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

شاید رافعہ کی موت آگئی ہے؟

شامینا نے اور بھی بہت کچھ سوچا لیکن اسے تو جواب دینا تھا۔ شامینا مری مری سی آواز میں بولی:

”رافعہ اپنے کمرے میں ہے۔“

شامینا نے ”غضب“ کے بارے میں جان بوجھ کر نہ پوچھا۔

”جانتی ہو شامینا؟“ ڈیوکی نے ایک ہاتھ شامینا کے کندھے پر رکھ دیا:

”ہماری بیٹی.... تمہاری بھانجی کا سہاگ اچھڑ گیا۔“

مرست کی ایک لہر شامینا کے دل میں اٹھی۔

”شاید عثمان مر گیا۔“ شامینا نے سوچا۔ ٹھٹکن آواز بتاتے ہوئے بولی:

”صبر سے کام لیجیو ڈیوکی۔ عثمان کو کیا ہوا؟“

”قتل ہو گیا عثمان۔ مسلمانوں ہی نے اسے مار ڈالا۔“ ڈیوکی کی آواز رندھڑی۔

”ہائے ہماری بد قسمت شہزادی! شامینا نے ناؤں غم کا اظہار کیا:

”ڈیوکی محترم! یہ خبر کون لایا ہے؟“

ڈیوکی سر پر کپڑے بیٹھ گیا۔ ٹکوس آواز میں بولا:

”جبرلانے والا بھائی مسلمان ہے۔ رافعہ کے قبیلے کا آدمی۔ میں نے تمہیں اس وجہ سے اکیلے بلایا ہے کہ مجھے وہ آدمی

خبر نظر نہیں آتا۔ کہیں یہ کوئی سازش نہ ہو۔“

”خداوند شہزادی پر رحم کریں۔ کاش یہ خبر غلط ہو۔“ شامینا نے ادھری دل سے کہا۔ حالانکہ اس کے دل کدھی

آواز نئی کہ عثمان مار گیا ہو۔

خبر لانے والا رافع سے ملنا چاہتا ہے۔ ”ڈیو کو کہنے کہا۔

”شہزادی کیسی ہیں ڈیو کو محترم۔ وہ تو خیریت سے ہیں نا؟“ اس نے سوچا، کاغذ عثمان کے ماتھے شہزادی کا اس کے اس سوال پر تعجب ہوا۔ پوچھا:

”ماری گئی ہو۔“

ڈیو کو کہنے کہا:

”شہزادی کے متعلق وہ کچھ نہیں بتا رہا۔ ہمارا خیال ہے وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ شاید وہ ہم سے خوفزدہ ہے۔ یہ کی شکل و صورت شہزادی اکیوٹین سے بہت ملتی ہے۔“

چاہتے ہیں کہ خبر لانے والے کو رافع سے تنہائی میں ملنے کا موقع دیا جائے۔ اگر وہ کچھ اور جاننے سے تو رافع نے تم شہزادی کو کہاں دیکھا؟“ شامینا نے سیدھا سوال کیا۔

چھپائے گا۔ ان کی گفتگو تم چپ کر سنا۔ پھر بتاؤ کہ وہ شہزادی کے بارے میں اور کیا جانتا ہے۔“

”اگر ڈیو کو اس آدمی سے پہلے مجھے ملنے کی اجازت دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔“ شامینا نے ڈیو کو شہزادی اکیوٹین کے محافظ دتے میں، میں بھی شامل تھا۔ والی دارالبرکات نے اپنے اور شہزادی کی حفاظت ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ڈیو کو اس کا یہ مشورہ یا خواہش ناگوار گزری:

”مگر تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟“

شامینا نے اپنی بات کی وضاحت کی:

”رافع کے قبیلے کے بارے میں، میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ اگر وہ رافع کے قبیلے کا یا اس کا دوست۔ شامینا نے دوسری بات کی تصدیق چاہی:

”میں اس سے ان باتوں کی تصدیق کی بھی کوشش کروں گی جو باتیں اس نے اپنے بارے میں بتائی ہیں۔ میں معلوم نہیں شہزادی اکیوٹین کو آخری بار کب اور کس حال میں دیکھا؟“

”یہ بات ڈیو کو آتے اکیوٹین کو بتا چکا ہوں لیکن انہیں یقین نہیں آیا۔“ مسلم فوجی اس طرح بولا جیسے ڈیو کو کی

”شامینا“ ڈیو کو خوش ہوتے ہوئے بولا:

”تمہاری ذہانت کی ہم نذر کرتے ہیں۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ رافی حقیقت کو ٹھانڈا کر رہا ہے:

”مسلم سردار۔ اپنی بات دہراؤ۔ میں یقین کر لوں گی۔“

شہزادی صاحبہ۔“ فوجی اسے شہزادی ہی سمجھ بیٹھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ شہزادی اکیوٹین کی چھوٹی

”ڈیو کو، آپ بالکل فکر نہ کریں۔“ شامینا نے ہمدردی جگاتے ہوئے کہا:

”شہزادی خداوند یسوع مسیح کی رحمت سے ہسپانیہ میں ہیں۔ ہم انہیں ضرور حاصل کر لیں گے۔“

”میں وقت امیر قرطبہ کے دستے نے ہمیں پہاڑیوں میں گھیرا۔ اس وقت ہم صوبہ بارہ افراد تھے۔ شہزادی اکیوٹین

ملاؤڑے سے گھوڑا ملانے کھڑی تھیں۔ میں نے عثمان کی بہت منت کی کہ وہ جان بپ کر نکل جائے مگر اس نے شہزادی

”شامینا“ کو راند کیا اور اسی کوشش میں مارا گیا۔“

”شامینا تو اس طرح کی تھی ہی سائیں کھینچ چکی تھی لیکن اس وقت اسے کچھ سکون ملا تھا۔ عثمان کے

”مخبر نے اس کے زخمی دل پر پھانسا ہوا کھڑا دیا تھا۔“

پس کے حکم سے شامینا کو اس جگہ پہنچایا گیا جہاں ہسپانیہ سے آنے والا فوجی ٹھہرا تھا۔ شامینا اس کے سامنے

”فوجی نے شامینا کو غور سے دیکھا۔ پھر ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا:

”یاد آپ اس ملک کی کوئی شہزادی ہیں؟“

”یاد نہیں۔“

”یہ یہ کہاں کیسے ہوا مسلمان فوجی؟“

”جس نے بغیر کسی لحاظ کے کہا:

”شہزادی کے متعلق وہ کچھ نہیں بتا رہا۔ ہمارا خیال ہے وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ شاید وہ ہم سے خوفزدہ ہے۔ یہ کی شکل و صورت شہزادی اکیوٹین سے بہت ملتی ہے۔“

چاہتے ہیں کہ خبر لانے والے کو رافع سے تنہائی میں ملنے کا موقع دیا جائے۔ اگر وہ کچھ اور جاننے سے تو رافع نے تم شہزادی کو کہاں دیکھا؟“ شامینا نے سیدھا سوال کیا۔

چھپائے گا۔ ان کی گفتگو تم چپ کر سنا۔ پھر بتاؤ کہ وہ شہزادی کے بارے میں اور کیا جانتا ہے۔“

”اگر ڈیو کو اس آدمی سے پہلے مجھے ملنے کی اجازت دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔“ شامینا نے ڈیو کو شہزادی اکیوٹین کے محافظ دتے میں، میں بھی شامل تھا۔ والی دارالبرکات نے اپنے اور شہزادی کی حفاظت ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ڈیو کو اس کا یہ مشورہ یا خواہش ناگوار گزری:

”مگر تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟“

شامینا نے اپنی بات کی وضاحت کی:

”رافع کے قبیلے کے بارے میں، میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ اگر وہ رافع کے قبیلے کا یا اس کا دوست۔ شامینا نے دوسری بات کی تصدیق چاہی:

”میں اس سے ان باتوں کی تصدیق کی بھی کوشش کروں گی جو باتیں اس نے اپنے بارے میں بتائی ہیں۔ میں معلوم نہیں شہزادی اکیوٹین کو آخری بار کب اور کس حال میں دیکھا؟“

”یہ بات ڈیو کو آتے اکیوٹین کو بتا چکا ہوں لیکن انہیں یقین نہیں آیا۔“ مسلم فوجی اس طرح بولا جیسے ڈیو کو کی

”شامینا“ ڈیو کو خوش ہوتے ہوئے بولا:

”تمہاری ذہانت کی ہم نذر کرتے ہیں۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ رافی حقیقت کو ٹھانڈا کر رہا ہے:

”مسلم سردار۔ اپنی بات دہراؤ۔ میں یقین کر لوں گی۔“

شہزادی صاحبہ۔“ فوجی اسے شہزادی ہی سمجھ بیٹھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ شہزادی اکیوٹین کی چھوٹی

”ڈیو کو، آپ بالکل فکر نہ کریں۔“ شامینا نے ہمدردی جگاتے ہوئے کہا:

”شہزادی خداوند یسوع مسیح کی رحمت سے ہسپانیہ میں ہیں۔ ہم انہیں ضرور حاصل کر لیں گے۔“

”میں وقت امیر قرطبہ کے دستے نے ہمیں پہاڑیوں میں گھیرا۔ اس وقت ہم صوبہ بارہ افراد تھے۔ شہزادی اکیوٹین

ملاؤڑے سے گھوڑا ملانے کھڑی تھیں۔ میں نے عثمان کی بہت منت کی کہ وہ جان بپ کر نکل جائے مگر اس نے شہزادی

”شامینا“ کو راند کیا اور اسی کوشش میں مارا گیا۔“

”شامینا تو اس طرح کی تھی ہی سائیں کھینچ چکی تھی لیکن اس وقت اسے کچھ سکون ملا تھا۔ عثمان کے

”مخبر نے اس کے زخمی دل پر پھانسا ہوا کھڑا دیا تھا۔“

ایسی وقت رافع کمرے میں داخل ہوا۔ فوجی نے رافع کو اور رافع نے فوجی کو حیرت اور مسرت کے پہلے بچے
 ارے یوشانی تم..... رافع کی زبان سے نکلا۔

وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر یوشانی کی طرف دوڑا۔ یوشانی نے بھی بازو کھول دیے۔ دونوں اتنی گر محوشی سے
 ہرے سے ملے کہ توازن بھی برقرار نہ رکھ سکے اور گٹھری بنے ہوئے زمین پر گر رہے۔

رافع مضطرب کیا۔ پوچھا:

”یہاں کب پہنچے یوشانی؟“

”میں تو صبح سے آیا ہوا ہوں رافع“۔ یوشانی افسردگی سے بولا۔

”پھر اب تک کہاں تھے۔ مجھ سے کیوں نہیں ملے؟“ رافع یوشانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا
 کہ کوئی خزانہ مل گیا ہو۔

یوشانی افسردگی سے بولا:

”میں تو تمہارے ہی پاس آیا ہوں لیکن تمہارے ڈپوک کو نہ معلوم کیا شبہ ہے انھوں نے تو مجھ پر پہرہ لگالیا
 یہ وہ تو ان شہزادی کی مہربانی ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔“

یوشانی نے نظر اٹھا کر شامینا کی طرف دیکھا۔

رافع اپنے دوست کو دیکھ کر ایسا بے خود ہوا کہ یہ احساس بھی نہ رہا کہ کمرے کے ایک کونے میں شامینا
 ڈھان دوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی ہے۔

رافع اٹھ کر شامینا کے پاس گیا:

”شامینا۔ یہ میرا جگر دوست یوشانی ہے۔ بربر قوم میں ہم دونوں کا مرتبہ برابر ہے۔“

شامینا نے اس کی بات پکڑ لی۔ بولی:

”لیکن تمہارے دوست تو کہہ رہے تھے کہ عثمان کے حفاظی دستے میں یہ ایک سپاہی کی حیثیت سے تھے۔“
 یوشانی نے دخل دیا:

”شہزادی صاحبہ میں کیا کرتا۔ ڈپوک کو تو میری کسی بات کا یقین ہی نہیں۔ اگر میں اپنے آپ کو سردار بتاتا تو وہ

رافع نے کہا:

”شامینا۔ یوشانی کو بربر سرداروں میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ رلیوں کے بعد عثمان کی گورنری ہم دونوں کے

نہ رہی۔ مجھے نہیں پتہ شہزادی پر کیا گوری۔ وہ زندہ ہیں یا انہیں بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کا حال اوپر والا ہی جانتے ہیں۔
 ”شہزادی ابھی زندہ ہے۔“ شامینا کے دل کے اندر سے جیسے آواز آئی:

”لیکن اسے زندہ نہ رہنا چاہیے۔“ یہ اس کے دل کی دوسری آواز تھی۔
 ”تم رافع کو کس طرح جانتے ہو؟“ شامینا نے پوچھا۔

فوجی نے بتایا:

”ہم دونوں ایک قوم کے فرد ہیں۔ ہمارے والدین افریقہ سے ایک ساتھ گئے تھے۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ شامینا ان کے تعلقات کی تہ تک پہنچنا چاہتی تھی:

”افریقہ سے تو سب ہی مسلمان آئے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے بھی ہوں؟“

”آپ بھی میری بات کا اعتبار نہیں کر رہیں۔“ فوجی نے بے دلی سے کہا:

”اگر رافع سے گہرے تعلقات نہ ہوتے تو میں ہسپانیہ چھوڑ کے اس کے پاس اتنی دور نہ آتا۔“

لوگ ہیں اور بربر جہاں رہتے ہیں اپنی بستیاں الگ بنا کر رہتے ہیں؟

”وادی ابیر و کہاں ہے۔ وہاں کون لوگ رہتے ہیں؟“ شامینا نے پوچھا۔

فوجی نے شامینا کو ذرا حیرت سے دیکھا۔ بولا:

”یہ نام شاید آپ نے رافع سے سنا ہو گا۔ وادی ابیر و ہماری قوم کا ایک مضبوط مرکز ہے۔ میں ادا

رافع اسی وادی کے رہنے والے ہیں۔ رافع اس وادی کے بائیس درار کا بیٹا ہے۔“

شامینا کے پاس اب کچھ اور پوچھنے کے لیے نہ رہ گیا تھا۔

فوجی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا:

”شہزادی صاحبہ۔ کیا آپ رافع کو جانتی ہیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ مجھے اس سے ملا دیں۔“

دیکھیں ایک بربر دوسرے بربر سے کسی طرح ملتا ہے۔ آپ کو علم نہیں کہ ہم بڑے اتفاقی اور اتحاد سے رہتے ہیں۔“

”مجھے سب علم ہے۔ فوجی جوان۔“ شامینا پہلی بار مسکرائی:

”میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہسپانیہ میں تمہاری بڑی بڑی بستیاں کہاں کہاں آباد ہیں۔“

شامینا اٹھ کے باہر گئی۔ خاد کے کچھ کہہ کر واپس آئی اور فوجی کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی:

”ہسپانیہ کے شمال میں براگا، برتو اور پورٹو میں بربر قوم کی آبادی ہے۔ جذب میں تمہاری قوم سوار گئے لیکن کر لیتے۔“

”نیرنہ اور نیرنہ وغیرہ آباد ہے۔“

فوجی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

دنیا اندھیر ہو گئی۔ ڈیوک اس وقت کوکوس رہا تھا جب اس نے عثمان سے خفیہ معاہدہ کر کے شہزادی کو اس سے نکال دیا۔ اس نے اپنے طور پر تو اپنی دیباست اور پولیسے فرانس کے لیے ایک کارنامہ انجام دیا تھا لیکن مسلمانوں کے ہونے جانے والے کوڑیوں میں پہلے دی گرا۔

عثمان نے اسے یہ تو یقین دلا یا کہ شہزادی اب تک زندہ ہے لیکن وہ کہاں اور کس حال میں ہے، اس کی کسی شامینا نے اسے یہ تو یقین دلا یا کہ شہزادی اب تک زندہ ہے لیکن وہ کہاں اور کس حال میں ہے، اس کی کسی

بھینہ تھی۔ عثمان نے یوشانی سے جو گفتگو کی تھی یا یوشانی اور رافع کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان سے شہزادی کے عیش کر رہا تھا۔ ابن زبان بولیں پسچ گیا۔ ہم نے جان بچانے کی کوشش کی لیکن عثمان مارا گیا۔ میں کوہستان پاد کے تمہاری طرف بھاگا۔ پتہ نہیں ابن زبان نے ہمارے قبیلے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

رافع کو عثمان کے قتل ہونے کا ڈراما افسوس ہوا لیکن اس نے اپنے دل کو یہ سوچ کر سمجھایا کہ عثمان نے اس کے ساتھ کوہستان ما اچھا سلوک کیا ہے جو وہ اس کے لیے آئو ہلے۔

رافع نے کہا: یوشانی جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ تم قبیلے والوں کی فکر نہ کرو۔ بربر قوم سے کوئی امیر مخالفت مول لینا نہیں چاہتا۔ اس عرصے میں ایکویٹین کے سرحدی دستوں کے بردار نے کئی بار ڈیوک سے فوجی کمک کی درخواست کی کہ وہ

ایکستان پائیرینل کے آس پاس سے مسلمانوں کی فوجی نقل و حرکت کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے خطرہ تھا کہ مسلمانوں کا اجتماع کمین کوئی اور رنگ نہ دکھائے۔ ڈیوک اپنی پریشانیوں کی وجہ سے ان خبروں پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ اس نے کچھ فوجی دستے روانہ بھی کیے لیکن اس کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی خانہ جنگی میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ اتنی جلدی فرانس پر حملے کی کوشش

نہ کریں گے۔ یوشانی کو ٹورس میں آئے کئی دن ہو چکے تھے۔ اس نے سرحد پار کرنے میں بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ ان کے پاس ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔ وہ دارالبرکات کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجے جین تھا۔ وہ رافع کو دارالبرکات والیں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ دارالبرکات کی گورنری اس وقت خالی تھی۔ رافع اور یوشانی

بربر ہونے کی وجہ سے اس گورنری کے حقدار بھی تھے۔ قرطبہ کی مرکزی حکومت کی پالیسی تھی کہ گورنری پر اس شخص کو نامزد کیا جاتا جو علاقائی مسلم آبادی کا سربراہ ہوتا۔

یادی ابیر میں بربروں کی اکثریت تھی اور دارالبرکات پر ان کا پورا اثر تھا لیکن رافع، شامینا کی محبت میں ایسا الجھا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر نوالہ اٹھانے کو بھی تیار نہ تھا۔

ایک شام یوشانی رافع سے رسمی قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ ڈیوک کا بلاوا اگلیڈ ڈیوک اسے درمے تیسرے

دم سے قائم ہے۔ لیکن اب نہ گورنری باقی ہے اور نہ گورنر۔ یہ کہتے ہوئے شامینا کے چہرے پر مسرت جھلک اٹھی۔ رافع چونکا: کیا ہوا گورنر کو؟

عثمان قتل ہو گیا رافع۔ یوشانی نے بتایا: امیر قرطبہ کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ عثمان نے ڈیوک کی بیٹی سے شادی کر کے دوستی کا معاہدہ کر لیا ہے۔

بس اس نے ابن زبان کو لشکر دے کر دارالبرکات پر قبضہ کر لیا۔ عثمان اس وقت شمالی علاقے میں شہزادی کے ساتھ عیش کر رہا تھا۔ ابن زبان بولیں پسچ گیا۔ ہم نے جان بچانے کی کوشش کی لیکن عثمان مارا گیا۔ میں کوہستان پاد کے تمہاری طرف بھاگا۔ پتہ نہیں ابن زبان نے ہمارے قبیلے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

رافع کو عثمان کے قتل ہونے کا ڈراما افسوس ہوا لیکن اس نے اپنے دل کو یہ سوچ کر سمجھایا کہ عثمان نے اس کے ساتھ کوہستان ما اچھا سلوک کیا ہے جو وہ اس کے لیے آئو ہلے۔

رافع نے کہا: یوشانی جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ تم قبیلے والوں کی فکر نہ کرو۔ بربر قوم سے کوئی امیر مخالفت مول لینا نہیں چاہتا۔ اس عرصے میں ایکویٹین کے سرحدی دستوں کے بردار نے کئی بار ڈیوک سے فوجی کمک کی درخواست کی کہ وہ

ایکستان پائیرینل کے آس پاس سے مسلمانوں کی فوجی نقل و حرکت کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے خطرہ تھا کہ مسلمانوں کا اجتماع کمین کوئی اور رنگ نہ دکھائے۔ ڈیوک اپنی پریشانیوں کی وجہ سے ان خبروں پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ اس نے کچھ فوجی دستے روانہ بھی کیے لیکن اس کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی خانہ جنگی میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ اتنی جلدی فرانس پر حملے کی کوشش

نہ کریں گے۔ یوشانی کو ٹورس میں آئے کئی دن ہو چکے تھے۔ اس نے سرحد پار کرنے میں بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ ان کے پاس ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔ وہ دارالبرکات کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجے جین تھا۔ وہ رافع کو دارالبرکات والیں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ دارالبرکات کی گورنری اس وقت خالی تھی۔ رافع اور یوشانی

بربر ہونے کی وجہ سے اس گورنری کے حقدار بھی تھے۔ قرطبہ کی مرکزی حکومت کی پالیسی تھی کہ گورنری پر اس شخص کو نامزد کیا جاتا جو علاقائی مسلم آبادی کا سربراہ ہوتا۔ یادی ابیر میں بربروں کی اکثریت تھی اور دارالبرکات پر ان کا پورا اثر تھا لیکن رافع، شامینا کی محبت میں ایسا الجھا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر نوالہ اٹھانے کو بھی تیار نہ تھا۔

ایک شام یوشانی رافع سے رسمی قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ ڈیوک کا بلاوا اگلیڈ ڈیوک اسے درمے تیسرے

ایک شام یوشانی رافع سے رسمی قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ ڈیوک کا بلاوا اگلیڈ ڈیوک اسے درمے تیسرے

روز شرف ملاقات بخشا کرتا تھا لیکن اس وقت اس کا بلا ملاطاف امید تھا۔ صبح کو اس کی ملاقات ڈیوک سے ہو چکی تھی۔ اس دوبارہ ملاقات کا مقصد اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

رافع اپنے کمرے سے اٹھ کر شامینہ کے کمرے میں گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ڈیوک کے پاس گئی ہے۔ یہ چیز بھی حیرت کی تھی۔ صبح کی ملاقات میں شامینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ ڈیوک کے پاس پہنچی تو شامینہ دو ماں موجود تھی۔ شامینہ کے علاوہ ایک بیویٹن کا سپہ سالار کوکس بھی حاضر تھا۔

ڈیوک نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

ایک حیرت سے دوسری حیرت اور اب تیسری حیرت نے رافع کو گھیر لیا۔ ڈیوک سے جب وہ صبح ملا تھا تو واقعی وہ ڈیوک معلوم ہونا تھا۔ متکبر اور غرور آواز میں کرختگی۔ اب اس کا انداز انکسار کی حد تک نرم تھا۔

”مسلم سر دار۔ ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔“

ڈیوک کا یہ جملہ بھی عجیب تھا۔ صبح اور شام کے دو مباحی موصو میں رافع کا مرتبہ کس طرح متا بلند ہو گیا کہ ایک بیویٹن کا فرما زور سے خوش آمدید کہنے پر مجبور ہوا۔

”ڈیوک محترم کی ذمہ داری ہے۔ رافع نے نرم آواز میں کہا:

”ڈیوک کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔“

رافع اس طلسم کو جلسہ سے جلد توڑنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی کھلی خدمات کی پیش کش کر دی تاکہ ڈیوک کو کوئی تئید باندھنے کی ضرورت نہ پڑے اور حیات وہ کہنا چاہتا ہے، صاف طور پر کہے۔

ڈیوک نے اشارے سے کوکس کو باہر بھیج دیا۔

”تم شامینہ سے محبت کرتے ہو؟“ ڈیوک نے بھی سیدھے طریقے سے سوچے باز کا آغاز کیا۔

”ڈیوک محترم کو اس کا پسلی ہی ظہم ہے۔“

رافع کی نظریں ڈیوک سے ہٹ کر شامینہ پر جم گئیں۔

”میں جانتا ہوں شامینہ میری پسینچ سے دور ہے۔ اس کی قیمت میں ادا نہیں کر سکتا۔“

شامینہ نے نظریں اٹھائیں۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ بالکل سپاٹ۔ رافع کو اس کی آنکھوں میں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

”رافع تم جیسا ہمارا شامینا کیا ایک بیویٹن کی تمام سہ جینیوں کی قیمت ادا کر سکتے ہو؟“ ڈیوک کے چہرے پر بڑی

معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

رافع نے اس مسکراہٹ کے معنی دریافت کر لیے:

”کس خدمت کے صلے میں مجھے شامینہ مل سکتی ہے۔ ڈیوک مجھے ہر خدمت کے لیے تیار پائیں گے۔“

”دیکھ رافع۔“ ڈیوک نے صاف لہجے میں کہا:

”جو خدمت ہم تمہارے سپرد کر رہے ہیں اگر تم اس میں کامیاب ہوئے تو وعدہ کرتے ہیں شامینا بلا غدر تمہارے ہمارے جانے کی۔“

”ہاں کی نوعیت سے آگاہ ذرا پیٹے ڈیوک محترم۔ رافع تو اسی دن کا منتظر تھا۔ وہ شامینا کی خاطر آسمان سے تارے نینے پر بھی آمادہ تھا۔“

ڈیوک نے کہا:

رافع! ہم نے تمہاری بہادری کی اور رسوخ کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے

لڑ سے ہماری بیٹی ہسپانیہ میں موجود ہے۔ تم جانتے ہو، ایک باپ کے لیے بیٹی کی بدائی کس قدر اعلیٰ ہے۔ اگر

میں جانتے تو یوں سمجھوں کہ بغیر شہزادی کے ہماری زندگی بیکار ہے۔ ہماری خواہش ہے اور یہ درخواست بھی ہے کہ

شہزادی کو جس طرح ممکن ہو ڈھونڈ کے ہمارے پاس لے آؤ۔ شامینہ پر تمہارا حق ہے وہ تو قیاس ہی جا چکی۔ اس کے

بڑے بھائی ہم تمہیں اس قدر انعام دیں گے جس کا شاید تم تصور بھی نہ کر سکو۔“

اگر کام حالات ہوتے تو شامینہ ڈیوک کے حکم پر وہ شہزادی کو عثمان سے چھپنے کے بھی لاسکتا تھا لیکن شہزادی پتہ

میں کن انھوں تک پہنچ چکی تھی۔ پھر بھی اسے امید تھی کہ اگر شہزادی زندہ ہے تو وہ اسے کسی نہ کسی طرح مندرجہ

لے لے گا۔ رافع نے بڑی جرات سے کہا:

”ڈیوک محترم۔ آپ کے حکم کے علاوہ یہ کام انسانی بہادری سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ آپ اطمینان رکھیے۔ شہزادی

ہسپانیہ کے جس کونے میں بھی ہوگی میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ آپ مجھے میرے

دل سے سچا پائیں گے۔“

ڈیوک کے آنسو چھک آئے۔ اس نے بھرائی آواز میں کہا:

رافع۔ میں یہ احسان زندگی بھر نہ بھرنے بھرنے لگاؤں گا۔ جاؤ سفر کی تیاری کرو۔ ہمارے آدمی تمہیں سرحد تک پہنچائیں گے

اگر فوجی دستوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی تمہارے ساتھ بھیجے جاسکتے ہیں:

”نہیں ڈیوک محترم۔ میرے ساتھ صرف میرا دوست، یوشانی جائے گا۔“ رافع نے موقع غنیمت جان کر یوشانی کے

سے اس اجازت مانگی۔

ڈیوک کو تو اس کی محوشنودی کی ضرورت تھی۔ اس نے یوشانی کو جانے کی اجازت دے دی۔

رافع نے ایک نظر شامینہ پر ڈال دیا۔ پھر ڈیوک کو سلام کر کے واپس جانے کے لیے کھڑا ہوا۔ رافع آگے بڑھائے

تھے کہ اسے ایک خیال آیا۔ وہ فوراً ہی مڑا اور سر جھکا کے بولا:

”ڈیوک محترم۔ میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے۔ خدا کرے وہ غلط ہو۔
ایک خیال آیا ہے رافع۔ بے خوف بیان کرو۔“ ڈیوک نے اسے اطمینان دلایا:
”اگر مزید کسی چیز کی ضرورت یا خواہش ہے تو اس کے لیے ہم اکا دکھیں۔“

رافع نے افسردہ لہجے میں کہا:

”آپ کی ہر باتوں کا میں شکر گزار ہوں ڈیوک محترم۔ دراصل میرے دماغ میں یہ تکلیف دہ خیال آیا ہے کہ اگر
شہزادی صاحبہ، خدا نخواستہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی میں تو میں کیا کروں گا۔ مجھے آپ کے سامنے خالی ہاتھ آتے ہوئے
شرم محسوس ہوگی۔“

ڈیوک شاید یہ بات سننے کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس نے کہا:

”رافع، خداوند سیرس میچ کی برکت سے شہزادی تمہیں زندہ اور سلامت ملے گی۔ اگر خدا نخواستہ میں اپنی بیٹی سے مزید
کے لیے محروم ہو گیا تو بھی میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ شاید تم کو مل جائے گی لیکن اس کے لیے تمہیں ایک اور کام کرنا
ہوگا۔“

”حکم دیجیے۔ میں انکار نہیں کروں گا۔“ رافی کی امید بھر بندھ گئی۔

ڈیوک کے دوسرے کے مطابق شاید اسے صرف اسی صورت میں مل سکتی تھی جب وہ شہزادی کو واپس لے آئے لیکن
اگر شہزادی پہلے ہی ماری جا چکی ہے تو پھر اس کی واپسی کس طرح ممکن تھی۔ شاید بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی۔ رافع ایسی
سوچ کر پریشان ہوا لیکن ڈیوک کے جواب نے اسے بڑا ہما را دیا۔ ڈیوک بھی شاید اسے ایک اور موقع دینا چاہتا تھا۔

ڈیوک نے پوچھا:

”تم عبدالرحمن النافقی کو جانتے ہو؟“

”کیوں نہیں ڈیوک محترم۔“ رافع بولا:

”عبدالرحمن ہمارے امیر ہیں۔ وہ ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کے سربراہ ہیں۔ قریب ان کا دارالسلطنت ہے۔“

”اٹاں رافع۔ وہی امیر ہسپانیہ۔“ ڈیوک نے کہا شروع کیا:

عبدالرحمن نے پہلے بھی فرانس پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تھا لیکن ہمارے حلیف اور عقلمند عثمان نے اسے اس خیال سے
باز رکھا۔ عثمان کی زندگی میں تو عبدالرحمن ادھر کا رخ نہ کر سکا لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ وہ پھر فرانس پر چڑھنا چاہتا ہے
ہمارے سرحدی علاقوں نے خبر دی ہے کہ سرحد پر سب سے پہلے کا لشکر جمع ہو رہا ہے۔

ڈیوک سامنے لینے کے لیے کالیں اس کی تیز نظریں رافع پر جمی تھیں۔

رافع نے آنکھیں ملاتے ہوئے کہا:

”مجھے اس کا علم ہے ڈیوک محترم۔ عبدالرحمن اس لشکر میں بھی شریک تھے جس نے فرانس پر حملہ کر کے آپ کی
زیریں سے شکست کھا ڈالی۔ امیر عبدالرحمن آپ سے اس شکست کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ وہ ایک عرصے سے چپکے ہی چپکے
اس کی تیاریاں کر رہے ہیں۔“

”وہ ہم سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔“ ڈیوک نے غصے سے ہنسیں بند کرتے ہوئے کہا:

”ہم چاہتے ہیں وہ بدلہ لینے کے قابل نہ رہے۔ جس مرض میں فرانس پر حملہ کرنے کا خیال سما رہا ہے اس مرض کو تو
بدا ہونا چاہیے۔ ہمیں عبدالرحمن کا سر چاہیے رافع۔ کیا تم یہ کام کر سکو گے؟“
ڈیوک اٹھ کر تیز قدموں سے نکلنے لگا۔ یہ اس کے انتہائی غصے کی علامت تھی۔
یہ شرط رافع کے لیے بڑی سخت تھی۔ وہ امیر ہسپانیہ کا مخالف ضرورتاً لیکن انہیں قتل کرنے کا کبھی اس نے تصور

بھی نہ کیا تھا۔

رافع سوچ میں پڑ گیا۔

کیا وہ یہ شرط پوری کر سکے گا؟ اس کے دل نے خود اسی سے سوال کیا۔

پھر جیسے شاید اس کی آواز اس کے کانوں میں آئی:

”مجھے حاصل کرنا ہے تو شرط پوری کرو۔“

رافع نے شاید اس خیال کے علاوہ دوسرے تمام خیالات کو دماغ سے جھٹک دیا۔ وہ بڑے استقلال سے بولا:

”ڈیوک محترم۔ آپ کی آرزو پوری ہوگی۔ عبدالرحمن کا سر آپ کے قدموں میں ہوگا۔“

ڈیوک اور شاید دونوں نے ایک ساتھ رافع کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

ڈیوک نے پوچھا:

”رافع۔ جانتے ہو تم کیا وعدہ کر رہے ہو؟“

رافع نے اسی حوصلے سے جواب دیا:

”میں نے سوچ سمجھ کے وعدہ کیا ہے اور میں یہ بہ صورت میں پورا کروں گا۔ خواہ خود مجھے اپنی جان سے ہاتھ

دھونا پڑیں۔“

”شاید رافع ڈیوک نے ان کے بڑھ کر اس کا شانہ نقب چھینا یا:

مجبوراً تھیں کہ ان کے لیے نہ کریں گے اور شاید تمہاری منظر رہے گی۔ امید ہے کہ تم خالی ہاتھ لوٹنے کی کوشش

نہ کرو گے۔“

امیر قریب عبدالرحمن الغافقی نے اس بار فرانس پر حملے کے لیے زبردست تیاریاں کی تھیں۔ مہینہ بہ مہینہ اس نے تمام علاقوں سے لوگ جوق در جوق اکوڑ کر اسلام میں شامل ہوتے تھے۔ حاکموں نے ہم کے لیے بہت زرو مال اور اسلحہ دیا۔ جن کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا انھوں نے اپنی پڑخوس دعاؤں سے شکر کو رخصت کیا تھا۔

امیر عبدالرحمن کی فرج میں ایک طرف بربری، شامی، حمازی، مصری اور افریقی تھے تو دوسری طرف مارٹینا کے چمن اور خون ناک قبائل بھی شامل تھے۔

ہسپانیہ میں گردہ بندیوں کا آغاز ہو چکا تھا لیکن بیدار مغز عبدالرحمن نے مختلف الحیال گروہوں اور ایک دوسرے کے دشمن قبائل کو اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کر لیا تھا۔ اس نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ ہم کا مطلب لوٹ مار نہیں بلکہ کوہستان پارٹینس سے لے کر جرمنی اور کوہ آپس سے لے کر بحر اٹلانٹک تک پھیلے ہوئے تمام علاقے پر مستقل قبضہ کر کے اسلامی جہنم الہا ہے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر تھا۔

۱۱۴ھ میں عبدالرحمن، کوہستان پارٹینس کو بار کر کے بڑی خاموشی سے فرانس میں داخل ہوئے۔ ڈیوک آئی ایکویٹین کے سرحدی دستوں نے لشکر اسلام کے ٹھٹھیں راتے سمندر کو دیکھا۔ ان میں مقابلے کی تاب نہ تھی۔ سربراہ ہر ایک کو ڈیوک کو خبر کرنے بھاگے۔

ان بھاگنے والوں سے رافع اور یوشانی کی راہ میں بڑھ پڑ ہوئی۔ بھاگنے والوں نے دوسلمانوں کو دیکھا تو انہوں نے بدحواس ہو گئے۔ سمجھے کہ شاید مسلمان کسی اور طرف سے بھی فرانس میں داخل ہو گئے ہیں۔ وہ راستہ کاٹ کر دوسری طرف نکل گئے۔

رافع اور یوشانی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حیران سے ان بھاگنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔

یوشانی نے کہا:

”تعب ہے یہ لوگ ہیں دیکھ کر راستہ کیوں کاٹ گئے؟“

رافع مکر مند لہجہ میں بولا:

”ڈیوک کا خیال درست تھا۔ مسلمانوں نے ضرور فرانس پر حملہ کیا ہے۔“

یوشانی یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ بولا:

”یہ تو بہت اچھا ہے۔ اب ہمیں فرانس میں سے بچا صاحب چکا۔ نہ کامو بقہ۔ نہ کا۔ لیکن ڈیوک کا لشکر کہاں ہے“

اگر ڈیوک کو معلوم تھا تو اس نے اپنی حفاظت کا انتظام کیوں نہ کیا؟

پھر وہ پلٹ کے شامینا سے بولا:

”شامینا! معزز مہمان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تمہاری مہمان نوازی کی یہ آخری رات ہے۔ کل صبح سورج نکلنے سے پہلے رافع کو یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔“



یوشانی طرح طرح کے دوسروں میں الجھا ہوا تھا۔ رافع اور شامینا کو خوش خوش آتے دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔

رافع نے کہا:

”یوشانی! تیار کیو۔ صبح کو ہم ہسپانیہ روانہ ہوں گے۔“

یوشانی کے دل کی توجہ میرا دبرائی وہ دور کر رافع سے پلٹ گیا۔ رافع کے ایک ہاتھ میں شامینا کا ہاتھ تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے یوشانی کو گلے لگایا۔ پھر شامینا کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسی کمرے میں چلا گیا۔

ڈیوک کے کہنے کے مطابق یہ مہمان نوازی کی آخری رات تھی۔ یوں کیسے کہ میزبان اور مہمان کی یہ آخری ملاقات تھی۔ صبح وقت کم تھا۔

دونوں جلدی جلدی تیار ہوئے۔ باہر دو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ضروری سامان تخیلوں میں بھر کے پیڑھی گھوڑوں پر بار کر دیا گیا تھا۔

شامینا بھی پہنچ گئی۔ مخمور تھی جھکی نظروں کے ساتھ۔ جلدی میں سمیٹی ہوئی زلفیں رات کے افسانے کی چغنی کھا رہی تھیں۔ عین موقع پر ڈیوک بھی آگیا۔

راہداری کے پردانے کے طور پر ڈیوک نے اپنا ایک فرمان رافع کے حوالے کیا۔ مشرق کی سرخی، صبح کی آمد کی خیمہ دہنے لگی۔

یوشانی نے پیسے رکاب میں پیر رکھا۔ رافع اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ شامینا نے گلاب کی شاخوں کی طرح اپنے ہاتھ بند کر دیے۔ رافع نے مسکراتی آنکھوں سے اسے اوداع کہا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

صبح کی پہلی کرن چوٹی ٹوٹوس کا رخ بھورت شہر کی فرنگ بجھے رافع کی پشت پر چک رہا تھا۔



”ڈیوک کو حملے کی خبر تھی لیکن اسے شاید امید نہ تھی کہ حملہ اس قدر جلد ہو جائے گا۔“ رافع نے اپنا بیال غبار مٹے ہوئے کہا۔

یوشانی سیدھا سادا اجنبیاتی قسم کا فوجی تھا۔ جوش سے بولا:

”ہم تو ڈیوک کو۔ چلو اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شہیدوں کا انتقام لیں۔“

رافع نے اسے گھور کر دیکھا:

”بے وقوف تو نہیں ہو گئے یوشانی۔ میں اس کا نائب تھا اور تم اس کے محافظ دستے کے سردار۔ ہم نے شمال کا علاقہ دیا

تھا۔ امیر عبدالرحمن میں دیکھتے ہی قتل کر دے گا۔“

موتی قتل کے یوشانی کے دماغ میں یہ بات آگئی۔ پریشانی سے بولا:

”یوشانیک ہے رافع۔ پھر میں کیا کرنا چاہیے۔“

”پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟“ رافع نے کہا:

”ہمیں کسی محافظ کو کبھی اصل بات معلوم کرنا ہونگی۔“

اسی وقت ایک سوار گھوڑا اچھلکاتے آتا دکھائی دیا۔

رافع نے کہا:

”یوشانی۔ راستے سے ہٹ کر چھپ جاؤ۔ سوار جیسے ہی قریب آئے اسے گھیر لو۔ ورنہ ہمیں مسلمان فوجی سمجھ کر بھاگ کھڑا ہو گا۔“

انہوں نے اپنے گھوڑے پیڑوں کے جھنڈ میں کیلے۔

سوار قریب آیا تو رافع اور یوشانی آگے پیچھے سے نکل کے سوار کے پاس پہنچ گئے۔ سوار کا رنگ ڈھنگ اچھا

نے فوراً تلوار پھینک دی اور سر جھکا لیا۔

رافع گھوڑا بڑھا کر اس کے قریب آگیا۔ نرم لہجے میں بولا:

”ایکویٹین کے محافظ۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم فرانسیسیوں کے دوست ہیں۔ یہ دیکھو ہمارے پاس ڈیوک آف ایکویٹین

کا پر دانہ ہے۔“

رافع نے پر دانہ راہداری اس کے ہاتھ میں تھا دیا۔ سوار نے اسے پڑھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

رافع نے کہا:

”ہم لوگ سرحد پار ہسپانیہ جاتا ہوں۔ تم میرے محافظ اور میرے بھائی کے دوست ہیں۔ اس کا

کیا وجہ ہے؟“

سوار اس وقت تک اپنے حواس درست کر چکا تھا۔ اس نے کہا:

”نیک دل مسلمانو۔ ہسپانیہ کے لشکر نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے مسلمانوں نے حملہ کیا ہے؟“ رافع نے وضاحت چاہی۔

”جی ہاں مسلمانوں نے حملہ کیا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں نے۔“ سپاہی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ پھر گھبرا کر پوچھا:

”کیا اب میں جا سکتا ہوں۔“

رافع نے اسے اجازت دے دی۔ سوار تیزی سے بھاگ جیسے موت اس کا تعاقب کر رہی ہو۔ وہ بار بار گھوم

رہے تھے بھی دیکھنا جاتا تھا۔ شاید اسے اپنے تعاقب کا اب بھی خطرہ تھا۔

”اب ہمیں کیا کرنا ہو گا عقلمند رافع؟“ یوشانی پریشانی سے بولا:

”ہم تو دونوں طرف سے مارے گئے۔ ڈیوک نے ہمیں دوسرے سے بھاگ دیا اور مسلمان لشکر میں ہم داخل نہیں ہو سکتے۔“

”جی ہاں کتنی۔ گھر کا نہ گھاٹ کا۔“

رافع نے اپنا گھوڑا راستے سے کچھ دور کر لیا۔ یوشانی نے بھی راستہ چھوڑ دیا۔

چلتے چلتے یوشانی نے پوچھا:

”ہم راستے سے ملگ ہٹ کے کیوں چل رہے ہیں؟“

”ہم بھی یوشانی کو رافع نے سمجھایا۔“

”اگر ہم راستے پر چلیں گے تو ہمارا سامنا اسلامی لشکر سے ہو جائے گا۔ پھر جو ہمارا حشر ہو گا وہ تمہیں معلوم ہے۔“

ہمارے کے ساتھ ساتھ ذرا ہٹ کے اپنا سفر جاری رکھیں گے۔ جب اسلامی لشکر سامنے آئے گا تو پھر اس میں شامل ہونے

کی کوئی تدبیر کریں گے۔“

یوشانی بے نیکی سے ہنسنے لگا:

”تو بڑا عقلمند ہے رافع۔ وہ لڑکی اسی لیے تجھ سے محبت کرتی ہے۔“

رافع کو بھی شاید کاجال آگیا۔ اس کا چہرہ انزگیا۔ افسردگی سے بولا:

”شاید اب شامینا سے پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکے۔“

”کیوں۔ ملاقات ضرور ہوگی۔“ یوشانی نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دے دیا۔

رافع نے بتایا:

”یوشانی۔ میں شامینا کو صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہوں جب شہزادی ایکویٹین کو ہسپانیہ سے واپس لا کر

ڈیوک کے حوالے کر دوں۔ ڈیوک نے شامینا کے لیے یہ شرط رکھی ہے۔“

عبدالرحمن نے انھیں قابو میں رکھنے کے لیے ان کے دونوں طرف غیر بربر فوجیں لگادی تھیں۔ اس حکمت عملی کی وجہ سے بربر بائبلز بادہ بڑھ کر پائے تھے۔

فوجوں کی اس ترتیب کی وجہ سے رافع اور یوشانی اب تک لشکر میں داخل نہ ہو سکے تھے۔ بربر فوجوں تک پہنچنے کے لیے انہیں دوسری فوجوں سے گزرنا پڑتا اور یہ بات کسی طرح خطرے سے خالی نہ تھی۔ آخر خوب پائربیس کا ہی سردہوا توانہیں بربر فوجوں تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔

رافع اور یوشانی آپس میں گہرے دوست تھے لیکن ان کے خیالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ فرانس کا کوئی قلعہ فتح ہوتا تو یوشانی کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا لیکن رافع کی افسردگی بڑھ جاتی۔ اسے فرانس کی تباہی ایک آنکھ نہ بچاتی۔ اس کے خیال میں فرانس جس قدر فتح ہوتا تھا وہ شامینا سے اسی قدر دور ہوتا جا رہا تھا۔ شہزادی کو حاصل کرنے کا خیال تو اس نے دل سے نکال دیا تھا۔ اب اسے شامینا مل سکتی تھی تو عرف عبدالرحمن کا سردار کرے۔ لیکن عبدالرحمن کی فوج اس کی امید کے چراغ کو بجھا رہی تھیں۔

رافع اور یوشانی، اسلامی لشکر سے کچھ دور پڑے ہوئے تھے۔ لشکر کے خیمے پائربیس کے قلعہ کے چاروں طرف پھیلے تھے۔ یہ شہر ریاست ایکویٹین کے صدر مقام آئورس سے صرف تریسٹھ میل دور تھا۔ اس شہر میں سینٹ ہلڈ کا شور مچا رہا تھا۔

عبدالرحمن اس پر بھر پور حملہ کرنا چاہتے تھے کہ نہ کہ اس قلعہ کے بعد ٹورس تک لپٹی اور قلعہ نہ تھا۔ انھوں نے اپنی فوجوں کو دو دن آرام کرنے کا حکم دیا۔

رات ہوئی رافع نے کہا:

”بہت وقت ضائع ہو چکا۔ اب ہمیں قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔“

یوشانی نے سینہ تان کر کہا:

”یار۔ میں تو پہلے ہی تیار تھا۔ تم نے ہی روک رکھا تھا۔“

”ہماری جانیں بڑی قیمتی ہیں دوست۔ رافع بولا:

”بڑی احتیاط سے بربر خیموں تک پہنچو۔ اگر کوئی پکڑنے کی کوشش کرے تو جان بچانے کی حکمت کرنا۔“

یوشانی نے اثبات میں سر ہلایا اور پناہ گاہ سے نکل کر لشکر اسلام کی طرف چل پڑا۔

پھر رافع نے اپنی اور ڈیوک کی نہام گفتگو یوشانی کو سنائی۔ اس نے ابھی تک یوشانی کو ان باتوں سے آگاہ نہ کیا تھا۔ رافع کے خیال میں یوشانی ایک بہادر اور ایجاد دوست تھا لیکن کھانچاٹ کی ان باتوں کو سمجھنے کی اس میں اہلیت نہ تھی۔ رافع نے احتیاط کے طور پر یوشانی کو یہ بتانے سے گریز کیا کہ اگر اسے شہزادی سے مل سکی تو وہ امیر قرطبہ کا سردار رہے گا۔ یوشانی کی ہمدردیاں بہر حال اب تک مسلمانوں کے ساتھ ہی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے فریب میں سے لڑنے کا خواہشمند تھا۔

اسلامی لشکر طوفان بادہ باران کی طرح فرانس میں داخل ہوا۔ چھوٹے چھوٹے قلعے، کچی دیواروں کی طرح لاندہ ڈالے گئے۔ بستیاں بھڑکیں۔ آبادیاں تباہ ہوئیں۔ لشکر میں جوش جہاد کے شدید یوں کے ساتھ ساتھ معافی پرست اور لوٹ مار کرنے والے بھی شامل تھے۔ انہوں نے خوب تباہی مچائی۔ ان کے ہاتھ اس قدر دولت آئی کہ سبھنا ان مشکل ہو گئی۔ قلعے بھرے۔ بوریان بھرے۔ پھر ان لالچیوں نے چھگڑوں پر سونا، چاندی اور قیمتی سامان لادنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کی رفتار سست پڑ گئی۔

امیر عبدالرحمن کے لیے یہ صورت بڑی پریشان کن تھی۔ وہ زیادہ سختی بھی نہ کر سکتا تھا۔ کسی کو ڈانٹنا، کسی کو بھجنا، کوئی کرکشی پر آمادہ ہوتا تو حکمت کے تحت طرح دے جاتا۔ اس کا مقصد آگے بڑھنا تھا اور وہ اس میں کامیاب رہا۔ مسلمانوں کے قدم آگے بڑھے اور آگے ہی بڑھتے رہے۔

امیر بن مالک کے زمانے میں فرانس پر کوہستان پائربیس کے جنوبی حصے سے حملہ ہوا تھا لیکن اس دفعہ کوہستان کو شمال کی جانب سے پار کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ بڑا شدید تھا۔ قلعہ پر قلعہ فتح ہوتے گئے۔ فرانس میں اس سیلاب کو نہ روک سکے۔ یہاں تک کہ مسلمان مارنے کاٹتے بندرگاہ بورڈیوک تک پہنچ گئے۔ وہی بورڈیوک جس کے قلعے میں کچھ عرصہ پہلے ایک عظیم الشان بزم انشاد گرم ہوئی تھی اور شامینا نے اپنے حسن کی کرنوں سے ریاستی سپہ سالاروں کو نوازا تھا۔

بورڈیوک پر کچھ مقابلہ ہوا لیکن جلد ہی قلعہ مساکر دیا گیا۔ یہاں سے مال و اسباب کے علاوہ سامان رسد حاصل کیا گیا اور پھر مسلمان آگے بڑھ کر دریائے ڈارون تک جا پہنچے۔ یہاں ڈیوک آف ایکویٹین کی ایک مضبوط فوجی چھاؤنی تھی۔ سخت مقابلہ کے بعد اس چھاؤنی پر بھی قبضہ ہو گیا اور ڈیوک کی فوجیں پیچھے ہٹ کر پائربیس میں اکٹھا ہونا شروع ہوئیں۔ اس تمام عرصے میں رافع اور یوشانی، اسلامی لشکر سے دور دور چلتے رہے۔ جب کسی قلعہ یا چھاؤنی پر قبضہ ہوتا تو کہیں چھپ جاتے۔ لشکر آگے بڑھتا تو یہ بھی پیچھے پیچھے ہولیتے۔

اسلامی لشکر میںوں تک پھیلا ہوا تھا۔ عبدالرحمن نے فوجوں کی ترتیب اس طرح کی تھی کہ دائیں بائیں شاخیں تھیں اور دھڑے اور فوجیں تھیں اور بیچ میں افریقیوں اور بربر قبائل کو رکھا گیا تھا۔ بربر قبائل کی کرکشی مشہور تھی اس لیے

خیوں کے باہر جگہ جگہ آگ روشن تھی۔ مسلم سپاہی جھانکنا نہ انداز سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ ان کی دہشت سے ہم نے سنا تھا وہ ڈیڑھ ایک آٹ ایک سوٹین کی قید میں ہے۔ اسے تو ہم ہر قیمت پر آزاد کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

یوشانی کا لباس عام بربرنوجوں جیسا تھا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ کسی کو اس لیے اور بھی شبہ نہ ہوا کہ یوشانی بیمار وار ہے نا۔ بڑی لا بردائی سے قدم بڑھا رہا تھا۔

یوشانی اتنی آسانی سے غلطی اور جازی لشکر سے گزر گیا کہ اسے خود بھی اس پر تعجب ہوا۔ اسے اس بات کا بھی اندوس ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ اتنے دن تکلیف اٹھائی اور وقت ضائع کیا۔

یوشانی بربرنوجیوں کی خیمہ گاہ کے پاس پہنچا تو اسے بہت سے جاننے والے گھومتے پھرتے نظر آئے۔ اس کا دل چاہا کہ دوڑ کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کے گلے لگ جائے لیکن رافع نے اسے احتیاط کی تلقین کی تھی۔ وہ ایک نیچے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کسی ایسے دوست کی تلاش میں نظر دوڑائی جس پر وہ کامل اتناؤ کر سکتا ہو۔

یوشانی کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ اس کا سرگھائی کا شانی بھی اس لشکر کے ساتھ تھا۔ کا شانی پر نظر پڑتے ہی یوشانی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ لاڈ سے اٹھتے ہوئے شطوں کی روشنی میں انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کا شانی کی خوشی سے شاید جین نکل جاتی کہ یوشانی نے اسے چپ مہنے کا اشارہ کیا۔

یوشانی نے ہستہ سے کہا:

”مجھے خاموشی سے اپنے خیمے میں لے چلو کا شانی“

کا شانی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے خیمے میں لے گیا۔

خیمے میں داخل ہوتے ہی کا شانی نے کہا:

”تم ڈر کیوں رہے ہو یوشانی۔ تمہیں دیکھ کر جس قدر مجھے خوشی ہوئی ہے میں وہ بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو یہ سوچتا ہوں تھا کہ عثمان کے ساتھ خدا نخواستہ تم بھی قتل ہو گئے۔“

یوشانی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا:

”میں زندہ بچ گیا ہوں، اس لیے تو ڈر رہا ہوں۔ اگر امیر عبدالرحمن کو معلوم ہوا کہ میں زندہ ہوں تو کیا وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا۔“

”کیا بیمار کی باتیں کر رہے ہو یوشانی۔ کا شانی خفگی سے بول:

”کس کی مجال ہے تمہیں اس کچھ اٹھا کے بھی دیکھے۔ تم عثمان کے لازم تھے عثمان ارا لگی قطعہ ختم ہو گیا۔ امیر کا تمہیں کیا جھگڑا۔ بربرنوج کا تمام لشکر امیر کے ساتھ ہے۔ وہ تمہیں نقصان پہنچا کے بربرنوج کو کون ناراض کریں گے۔“

یوشانی بولا: ”میں تمہیں نہیں برا۔ رافع بھی میرے ساتھ ہے۔“

اسے رافع۔ اپنا رافع۔ کا شانی خوش ہوتے ہوئے بولا:

”ہم نے سنا تھا وہ ڈیڑھ ایک آٹ ایک سوٹین کی قید میں ہے۔ اسے تو ہم ہر قیمت پر آزاد کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔“

یوشانی کو پوری طرح اطمینان ہو گیا۔ اس نے کہا:

”کا شانی! ہم تو تمہارے ساتھ پتہ نہیں کہاں سے لگے چلے آ رہے ہیں۔ عثمان کے قتل سے ہم دونوں گھر آ گئے تھے۔“

یوشانی نے تکیا:

”شکر ہے کچھ دور رافع موجود ہے۔ اس نے مجھے حال احوال حکم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔“

کا شانی اٹھ کھڑا ہوا:

”چلو۔ پہلے اسے لے آئیں۔ پھر باتیں ہوں گی۔“

”کوئی خطہ تو نہیں ہمارے لیے؟“ یوشانی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”خطرہ؟“ کا شانی نے ایک زوردار قطعہ لگا دیا:

”بہر حال۔ میں تمہیں نشانہ دکھاتا ہوں۔“

بائیں نکل کے کا شانی نے آواز لگائی:

”دوستو۔ بھائیو۔ اپنا مردار رافع زندہ ہے۔ وہ ہمارے پاس آ گیا ہے۔“

آواز کا بلند ہونا تھا کہ بربرنوجی بھاگ بھاگ کے کا شانی کے گرد جمع ہونے لگے۔

”کہاں ہے مردار؟“

”رافع کہہ رہی ہیں؟“

”ہم تو انہیں بھول چکے تھے۔ سامنے بلاؤ سوار کو۔“

فوجی طرح طرح کی بولیاں بولنے لگے۔ ذرا دیر میں کئی ہزار فوجی اکٹھا ہو گئے۔

کا شانی نے اعلان کیا:

”ہم اپنے مردار کو عزت و احترام سے خیمے میں لا بیٹے گے۔“

پانچ سو مرداروں کا ایک سو تہ فوراً ترتیب دیا گیا۔ پھر آگے آگے یوشانی اور کا شانی بیٹھے گئے۔ سواروں کا دست

دارانہ ہوا۔ تمام سواروں کے ہاتھ میں شمعیں تھیں۔

مرکزی حکومت کا وزیر اعظم چارلس مارٹل، مانتخت ریاستوں کے حکمرانوں کو گھاس بھی نہ ڈالتا تھا۔ اسے مسلمانوں کے بڑھنے کی ضرورت برسرِ حال ہی تھیں لیکن وہ اپنی جگہ بظاہر بالکل خاموش تھا۔ دل تو اس کا بھی پریشانی تھا کیونکہ چھوٹی بستیوں کا خاتمہ، اس کے حق میں بھی نہ تھا۔

ڈیوک نے پہلے فزا فزا کر ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا۔ جہاں ضرورت پڑی وہاں خود چل کے گیا لیکن جو بڑی میدان جنگ سے آ کر ہی تھیں ان کے مد نظر سب ہی کا خیال تھا کہ جب تک کہ مرکزی حکومت کوئی فوری قدم نہیں اٹھاتی تو دقت تک مسلمانوں کے سیلاب کو روکنا ناممکن ہے۔ انھوں نے طے کیا کہ تمام حکمران مشترکہ طور پر ہتھیار باندھ کر چارلس اور وزیر اعظم چارلس مارٹل سے ملاقات کریں اور انھیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کریں۔

آخر ڈیوک آف اکیوٹین، ڈیوک آف برگنڈی، ڈیوک آف آسٹریٹش اور ڈیوک آف نیو سٹریٹسٹس اور دیگر حکمرانوں نے مل کر وزیر اعظم چارلس مارٹل اور دیگر حکمرانوں کو آسپہ سالار بھی تھا ان کے مالی شان عمل پہنچ گئے۔

عاجلات میں شاید چارلس مارٹل ان سے ملنا بھی پسند نہ کرتا لیکن تباہ شدہ علاقوں کے لاکھوں باشندے اس سلطنت پہنچ چکے تھے اور وہ داویا کر رہے تھے۔ فرانس میں طاقت کے دو حصے دار تھے۔

ایک: ہتھیار اور اس کے امراء۔

دوسرے: کلیسا کے پادری۔

لیکن اس زمانے میں کلیسا اور حکومت میں بھی پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ چارلس مارٹل نے کتنے ہی پادریوں کو قتل کر دیا تھا اس لیے ملک کے تمام کلیسا اس کے خلاف تھے۔

چارلس مارٹل کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ کیا امراء، کیا عوام۔ لیکن اس مصیبت کے وقت سب کی نظریں چارلس مارٹل ہی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ تمام مخالفت کے باوجود چارلس مارٹل کی بے ادبی اور جرأت کے سبب قابل تھے۔ جب سے اس نے جرمن حملہ آوروں کو شکست دی تھی، اس کا مقام اور بھی بلند ہو گیا۔ چنانچہ جب ریاضی ڈیوک اس سے ملنے پہنچے تو سینٹ ہلاری کے کلیسا کا لارڈ پادری بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔

چارلس مارٹل کی یہی تمنا تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ اس کے تمام مخالف، خصوصاً کلیسا کے مغرور پادری اس کے سامنے ناگ رہیں۔ ایسا ہی وقت آ گیا۔ سب نے اس کے سامنے سر جھکا دیا۔

ہتھیار و فرانس نے اس سے درخواست کی کہ ملکی مفاد کی خاطر اور عیسائی مذہب کو تباہی سے بچانے کے لیے چارلس مارٹل، فرانس کی متحدہ فوجوں کی سپہ سالاری قبول کرے۔

چارلس مارٹل کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے مخالف اس کے قدموں میں آگئے تھے عوام

شعور کا یہ جلوس رافے کی پناہ گاہ پر پہنچ گیا۔ رافے پہلے تو خطرہ محسوس کر کے جھلگے پر تیار ہوا لیکن جب اس کی نظر روشانی پر پڑی تو اپنی جگہ ٹھہرا۔

کاشانی نے گھوڑے سے اتر کر رافے کو تعظیم پیش کی۔ سواروں نے "نئی زندگی مبارک" کی صدائیں دیں۔ پھر رافے کو بڑی عزت و شان سے خیمہ گاہ میں لایا گیا۔ پرانے بار دوستوں اور عزیز واقارب جو اس لشکر میں تھے، رافے سے ملنے آئے۔ بڑی دیر تک کاشانی کے خیمے کے باہر یہ ہنگامہ رہا۔

رافے کی داپسی کا واقعہ ایسا نہ تھا کہ جس کی خبر میر عبد الرحمن کو نہ ہوئی۔ امیر کو جب یہ معلوم ہوا کہ رافے ڈیوک آف اکیوٹین کی قید سے چھوٹ کر آیا ہے تو اسے اور دلچسپی پیدا ہوئی۔

صبح کو امیر عبد الرحمن نے رافے کو بلا بھیجا۔ اسے اپنے پاس عزت سے بٹھایا۔ رافے نے اپنی بے بسی اور امیر کی ایک ایسی سحر انگیز داستان امیر کو سنائی کہ وہ متاثر بھی ہوا اور اسے یقین بھی کرنا پڑا۔ حالانکہ یہ داستان قطعی فرضی اور گھڑی ہوئی تھی۔

امیر نے رافے کو اپنے قبیلے کی سرداری پر بحال کر دیا اور اسے انعام سے بھی نوازا۔



ڈیوک آف اکیوٹین کے لیے مسلمانوں کا حملہ غیر متوقع نہ تھا لیکن اسے اس حملے کی شدت کا صحیح اندازہ نہ تھا اس نے مانتخت قلعہ آوروں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا لیکن مسلمانوں کا حملہ اس قدر زبردست تھا کہ اس کے تمام قلعے خاص و خفائے کی طرح اڑ گئے۔ مسلمانوں نے وادی گیردون پر قبضہ کرنے کے بعد ایک وسیع عمارت کھول کر آگے بڑھنا شروع کیا تو پورے فرانس میں ہلچل مچ گئی۔

آسٹریٹشیا، نیو سٹریٹس اور برگنڈی تو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جب اس حملے کی بارگشت فرانس کی مرکزی حکومت کے ایوان سے ملگرائی تو ہتھیار فرانس پھر بھی چارلس کا پٹا اٹھا۔

بورڈیو کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ڈیوک کے ہاتھ پر پھول گئے۔ اس نے ادھر ادھر بھاگ دوڑ شروع کی۔ فرانس کی یہ حالت تھی کہ نہ آسٹریٹشیا کی نیو سٹریٹس سے ہنسی تھی اور نہ برگنڈی والے ڈیوک آف اکیوٹین کی صورت دیکھنے کے

رو دوڑتے تھے۔

شامیانے، بورڈیو کی محفل نشاط میں سپہ سالاروں کو حاف طور پر بتا دیا تھا کہ سب ریاستیں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار نہ ہوئیں تو سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

واوہا کر رہے تھے۔ پادری اور لارڈ پادری اس کی خوشامد کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے حملے نے تمام مخالف گروہوں کو یکجا کر دیا تھا۔ یہ طاقت بڑی عظیم تھی لیکن اس کے لیے اتنے ہی عظیم سپہ سالار کی ضرورت تھی اور چارلس مارٹری اس منصب کے لیے سب سے موزوں آدمی تھا۔

چارلس نے دیکھا کہ اسے سیاست کا دشمن کہنے والے اب اسے مذہب کا محافظ اور فرانس کا رکھوالا کہہ رہے ہیں۔ اس کے پرانے حریف اس کی طرف نہ صرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں بلکہ اسے مقدس رہنما کہہ رہے ہیں۔

چارلس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس نے فرانس کے مشترکہ لشکر کی سالاری قبول کر لی۔ قوی اور مذہبی جنگ کا اعلان کیا گیا۔ ایک عظیم الشان لشکر حب الوطنی اور مذہب و دینی کی خاطر چارلس کے گرد جمع ہو گیا۔ مارٹری پادری اپنی کامنائیتوں اور رخصتوں کے ساتھ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور روح القدس حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے فیوض اور برکات کا یقین دلانے لگے۔ پھر یہ عیسائی لشکر چارلس مارٹری کی سرکردگی میں ممبروں کی تند و تیز، چمکی اور مل کھاتی موجوں کی طرح مسلمانوں کو روکنے کے لیے اگے بڑھا۔

امیر عبداللہ عبدالرحمن الغفقی اس وقت سینٹ مارٹن کے کلیسا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہتھ سے مفاد پرست اور لالچی فوجوں نے مال غنیمت چھکڑوں اور گاڑیوں پر لاد رکھا تھا۔ لشکر کی پیش قدمی میں یہ چیز بار بار رکاوٹ بن رہی تھی۔ عبدالرحمن جیسا کہ تدریسی چاہتے تھے، لوٹ مار کے چھکڑوں کو دھڑ سے ان کی رفتار اتنی ہی سست ہو جاتی تھی۔ اسلامی لشکر کے مختلف اخیال قبیلے بات بات پر آپس میں جھگڑ پڑتے تھے۔ امیر کو جنگ کے علاوہ ان کے جھگڑے بھی طے کرنے پڑتے تھے۔

رافع اور یوشانی ایک ہی دستے میں متعین تھے۔ رافع، شہزادی اکیوٹین کے حصول کی طرف سے تو ناامید ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی اسے ڈیوک کی دوسری شہر پوری ہونے کی امید تھی۔

پارٹیشن کی جنگ میں رافع نے اپنی بہادری کے بڑے جوہر دکھائے تھے۔ اس وجہ سے امیر عبدالرحمن اس پرست مہربان تھے اور ہر شام اسے اپنے خیمے میں بلا کر اس کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

یوشانی بھی رافع کے ساتھ ہی رہتا تھا لیکن ادھر کچھ دنوں سے وہ اپنے دوست رافع کی طبیعت میں ایک طرح کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ دن بھر کی جنگ کے بعد جب وہ خیمے میں واپس آتا اور لوگ اسے اس کی غیر معمولی بہادری کی داد دیتے آتے تو بھی وہ بھجا بھجا رہتا اور لوگوں سے بدتم گفتم کو کہتا۔

یوشانی نے یہ بھی محسوس کیا کہ دوران جنگ رافع اپنے دستے کو چھوڑ کر امیر قزلباش کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ یہ بات اصول جنگ کے خلاف تھی۔ سردار کو اپنے دستے سے دور نہ جانا چاہیے لیکن یوشانی یہ سوچ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتا کہ رافع

بڑے قریب پہنچ کر اس لیے جنگ کرتا ہے کہ امیر اس کی بہادری دیکھ سکیں۔

اس سرے میں اکثر ایسا بھی ہوا کہ رافع نے بربرستانوں کے سامنے صاف الفاظ میں امیر عبدالرحمن کی مخالفت کی۔ انے بربرستانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سپانیہ کی امداد کا حق صرف بربر قوم کو حاصل ہے۔ امیر عبدالرحمن کا غیور قبیلہ قحطان کی ذیلی شاخ غافقی سے تھا۔ عربوں اور بربروں میں اختلاف کی مینا دھیسے ہی پڑ چکی تھی۔ بربر قبائل آپس میں بہت اتفاق تھا۔ اس لیے رافع، امیر کے بارے میں جو باتیں کرتا وہ باتیں باہر نہ نکلتیں اور امیر کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

اس کے قریب بہادری کے جوہر دکھانے والا رافع اور اصل اس کا دشمن اور غن کا بیابا ہے۔ ٹورس کے نواح میں "ناف" کا میدان تھا۔ اس میدان میں کئی عہدی پہلے گوتھک نوابین اور اہلبان برگنڈی کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی تھی۔ جس میں گوتھک نوابین کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ عیسائی اس وجہ سے اس میدان کو اپنے یہ تبرک سمجھتے تھے۔ چارلس بڑی اس میدان میں خود دھن مارا۔ دوسرے دن مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے۔



اس جنگ میں شامل لشکروں کی تعداد کے بارے میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔

عیسائی مورخین مسلمان لشکر کی تعداد تین لاکھ بتاتے ہیں۔ دوسری طرف بعض مسلمان مورخین نے عیسائی لشکر کا تعداد دس لاکھ بتایا ہے۔ دونوں باتیں مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہیں۔ بہر حال یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے لیکن لشکروں کی تعداد کا اندازہ اس بات سے کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے کہ دونوں لشکر سات روز تک مسلسل آمنے سامنے خیمہ زن رہے اور کسی کو پسپا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

خبر ہے کہ مسلمان فوج پر فتح حاصل کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ ان کے حوصلے بلند تھے لیکن وہ ایک ہفتے تک دوسری طرف سے حملے کا انتظار کرتے رہے۔ اس کی وجہ مولے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی فرانس کا لشکر مسلمانوں کے قوت سے بھی زیادہ تھا۔ اس لیے انھوں نے سات دن تک مداخلتی جنگ کا انتظار کیا۔

آٹھویں دن امیر عبدالرحمن نے اس جود کو توڑا۔ اس نے تین بار نعرہ بکیر بلند کیا۔ اور حملے کا حکم دے دیا۔ پہاڑ پہاڑ سے ٹکرایا۔ صبح سے دوپہر، پھر شام ہو گئی مگر فیصلہ نہ ہوا۔ اندھیرا ہوتا ہی دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔

دوسرے دن بھی یہ کیفیت ہوئی۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو زیر کر کے زبردست کوشش کی لیکن

لیکن دو پہر تک کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رافع، صاحب معمول اپنا دستہ چھوڑ کر دن بھر امیر قریطہ کے پہلو بہ پہلو جنگ کرتا رہا۔ یوشانی مایہ کی طرح اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

شام ہونے کو کچھ دیر باقی تھی کہ رافع، یوشانی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یوشانی بہت گھبراہٹ سے یقین ہو گیا کہ رافع داؤد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گیا۔

یوشانی کو رافع کے مرنے کا بڑا غصہ ہوا۔ وہ طیش میں آ کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ کئی عیسائی اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ پھر نہ جانے کہاں سے رافع آ گیا۔ یوشانی اپنے دوست کو زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ گھوڑا بڑھاکر رافع کے قریب پہنچ گیا لیکن جنگ اتنی شدید ہو رہی تھی کہ وہ رافع سے کوئی بات نہ کر سکا۔

سورج کی آخری کرنیں میدانِ نان تک حملہ داری تھیں کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ نے جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ڈیوک آف اکیوٹین نے معلوم کس طرح اپنے دستوں کے ساتھ مسلمانوں کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے دستوں کے ساتھ ان مسلمانوں پر حملہ کیا جو یوشانی کی حفاظت پر مقرر کیے گئے تھے۔ ان کی تعداد کم تھی۔ کچھ مارے گئے کچھ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیل گئی کہ عیسائیوں نے لوٹ کے مال سے بھرے ہوئے چھکڑوں اور گالوں پر حملہ کر دیا ہے جو مسلمان جو شش جہاز سے مرشار تھے۔ ان کے قدم میدان میں جمے رہے۔ لالچی اور منافق پرست اپنا مال بچانے کے لیے صفیں درہم برہم کرتے دولت بچانے کے لیے دوڑے۔ عجیب افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا۔ امیر قریطہ نے لوگوں کو روکنے اور سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن دولت کے شہنائی میدان سے مزموڑ گئے۔

اس موقع سے چارلس مارٹن نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ چارلس مارٹن نے اپنی فوجوں کا دباؤ ان حصوں پر زیادہ کر دیا جہاں کے فوجی مغضب چھوڑ چکے تھے۔

امیر عبدالرحمن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اپنے دستوں کو ساتھ لے کر عیسائی لشکر میں گھس گیا۔ رافع اور یوشانی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ عیسائیوں نے امیر عبدالرحمن کو چند سو مواروں کے ساتھ دیکھا تو انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ امیر قریطہ سے کہن باندھ ہوئے تھے۔ انہوں نے ایسی داؤد شجاعت دی جس کا انفرادی عیسائی مورخ بھی کرتے ہیں۔ امیر عبدالرحمن اپنی شمشیر کے جھرے دکھاتے رہے لیکن موت کی شمشیر ان کے سر پر لہرا رہی تھی۔ اندھیرا بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ننگ قوم اور ننگ ملت رافع نے اپنی تلوار امیر قریطہ عبدالرحمن غافقی کے پہلو میں داخل کر دی۔

عبدالرحمن دیکھ بھی نہ سکے کہ ان کا دشمن ان کا قاتل کون ہے لیکن وہ انہیں نے یہ پورا منظر دیکھا۔ یہ انہیں یوشانی کی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے اس چیرت و استعجاب کا حملہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ رافع نے ایسا کیوں کیا؟ پھر دوسرے لمحے وہ سنبھلا اور آگے بڑھ کر رافع پر تلوار کے تار تار توڑتے وار کیے کہ امیر کا قاتل، مقتول امیر کے ساتھ ہی زمین پر لگا۔

بار ۲۔

امیر کے مارے جانے سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس وقت قدرت نے ان کی مدد کی۔ گہرے اندھیرے میں میدانِ جنگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لشکر الگ الگ ہو کر اپنے اپنے خمیوں میں داپس چلے گئے۔

صبح کو ایک طرف کامیابان صاف تھا۔ مسلمان سپاہیوں کو بکھڑکتے کھا کر رات کے اندھیرے میں میدانِ نان سے بہت پیچھے ہٹ گئے تھے۔ مارٹن کو مسلمانوں کے تعاقب کا حوصلہ نہ پڑا۔ مسلمان لوٹا ہوا مال جو ان کا میدان میں چھوڑ گئے تھے چارلس مارٹن نے اسی غنیمت جانا۔ عیسائی اس جنگ کو دنیا کی عظیم جنگوں میں شمار کرتے ہیں۔

اس لڑائی کے بعد یوشانی نے چپ سا دھلی۔ اسے یقین ہو گیا کہ عیسائیوں نے مالِ شہیت پر حملہ کا جو منصوبہ بنایا اس کا محرک رافع ہی تھا۔ رافع اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر ڈیوک آف اکیوٹین کے پاس گیا تھا۔ اس ہی نے پشت سے حملے کا مشورہ دیا تھا اور پھر مسلمانوں کو مکمل شکست سے دوچار کرنے کے لیے اس نے امیر قریطہ پر حملہ کیا۔ لیکن رافع اس غدار کی لے باوجود کچھ حاصل نہ کر سکا۔

ڈیوک اور شاہینا سے شہر بچ کے پیادے کی طرح استعمال کرتے رہے اور آخر یہ پیادہ اپنے ہی دست کے ہاتھوں اپنے انکار کو پسپا کر گیا۔

